فتاویٰ علماءِ ہند

جلد - ۱۳

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الھند

فتاویٰ علماء ہند

جلد- ۱۳

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الھند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۱۳)
زیرسرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیرنگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جون ۲۰۱۸ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الہند

یہ کتاب ”منظمة السلام العالمية“ کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

كتاب الصلاة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ٥ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾

(سورۃ الإسراء:۷۸۔۷۹)

’’عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰہ علیه وسلم إن سُئِلَ أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ؟ قَالَ »صَلَاةُ اللَّيْلِ «، وَلِهَذَا أَمَرَ تَعَالَى رَسُولَهُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَاتِ بِقِيَامِ اللَّيْلِ، فَإِنَّ التَّهَجُّدَ مَا كَانَ بعد النوم .قَالَهُ عَلْقَمَةُ وَالْأَسْوَدُ وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، وَهُوَ الْمَعْرُوفُ فِی لُغَةِ الْعَرَبِ، وَكَذَلِكَ ثَبَتَتِ الْأَحَادِيثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَتَهَجَّدُ بَعْدَ نَوْمِهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمْ، كَمَا هُوَ مَبْسُوطٌ فِی مَوْضِعِهِ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.‘‘

(تفسیر ابن کثیر،سورۃ الإسراء:۹٤/۵،دارالکتب العلمیة بیروت)

’’کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرغب فی قیام رمضان من غیر أن یأمرهم بعزیمة، ثم یقول: من قا م رمضان إیمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه فتوفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والأمر علٰی ذلک،ثم کان الأمر علٰی ذلک فی خلافة أبی بکر رضی اللّٰہ عنه،وصدرًا من خلافة عمر رضی اللّٰہ عنه‘‘.

(أبوداؤد،باب فی قیام شهر رمضان:۲۵۹/۲،رقم الحدیث: ۱۳۷۱،دارالفکر بیروت)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

تراویح میں ختم قرآن کے مسائل (۶۹-۷۶)

شبینہ تراویح (۷۷-۹۲)

تراویح میں تعوذ وتسمیہ کے مسائل (۱۱۱-۱۲۰)

تراویح میں سورتوں کے پڑھنے کے احکام (۱۲۱-۱۲۴)

تراویح میں سلام کے مسائل (۱۲۵-۱۳۰)

نماز تراویح کی امامت (۱۳۱-۱۴۸)

دو چند جگہیں نماز تراویح کی امامت (۱۴۹-۱۶۲)

امامتِ تراویح پر اجرت لینا (۱۶۳۔۱۹۶)

عورتوں کی تراویح (۱۹۷-۲۰۸)

تراویح میں لقمہ دینے کے مسائل (۲۰۹-۲۱۲)

تراویح میں قرأت کے مسائل (۲۱۳-۲۱۸)

صلوٰۃ التسبیح کے مسائل (۲۴۹۔۲۵۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

قنوت نازلہ کے مسائل (۲۵۹-۲۹۶)

قضا نماز ادا کرنے کا طریقہ (۳۴۵-۳۵۲)

قضاء عمری کا طریقہ (۳۵۳-۳۷۲)

قضا نمازوں کی ادائیگی کے اوقات (۳۷۳-۳۸۲)

قضا نمازوں کا فدیہ وکفارہ (۳۹۹-۴۵۰)

سجدۂ سہو کے احکام (۴۵۱-۴۷۶)

قرأت میں غلطی سے سجدۂ سہو (۵۱۳۔۵۲۰)

رکوع، قومہ اور تعدیل ارکان سے متعلق سجدۂ سہو (۵۳۳-۵۴۰)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

سجدہ سے متعلق سجدۂ سہو (۵۴۱-۵۴۶)

قعدہ سے متعلق سجدۂ سہو (۵۴۷-۵۶۰)

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمة الشكر

الحمد لله الذى جعل الصلاة عماد الدين، وجعلها رسول الله صلى الله عليه وسلم علامة فارقة تميز المسلمين من الكافرين، أحمده سبحانه أن جعلنا من أهل الصلاة، وأشكره على ما حبانا وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله إلى جميع الثقلين، اللّهم صل وسلم على عبدک ورسولک محمد، وعلى آله وأصحابه ومن على سنته إلى يوم الدين، أما بعد:

رب کریم کا بے پناہ فضل ہے کہ منظمۃ السلام العالمیہ کے زیر اہتمام فتاوی علمائے ہند کی تیرہویں جلد تکمیل کو پہنچی۔ اللہ پاک کا ہی فضل واحسان ہے کہ ہم ضعفا کو اس کی توفیق دے رہے ہیں، حق تو یہ ہے کہ ہم اس فضل پر شکر کرنے سے قاصر ہیں۔

زیر نظر کتاب میں تفصیل سے تراویح کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔عورتوں کی تراویح، عیدین اور خواتین کی امامت کے بھی مسائل مذکور ہیں۔قنوت نازلہ اور صلوٰۃ التسبیح کے فضائل ومسائل مذکورہ جلد میں شامل کئے گئے ہیں۔قضا نمازوں کے ادا کرنے کا طریقہ، قضاء عمری، اس کے ساتھ ساتھ قضا نمازوں کا فدیہ اور کفارہ کہ مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔اسی جلد میں سجدہ سہو کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

موجودہ جلد میں نماز کے جزئیات تک کو بھی لے لیا گیا ہے، حتی امکان تکمیل نماز کے لیے جن مسائل کی ضرورت ہے، وہ تفصیل کے ساتھ الحمد للہ آ گئی ہیں۔اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے اور امت کے لیے اسے نافع بنائے اور اس کی تکمیل کی کوشش کرنے والوں کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین

بندہ شمیم احمد
ناشر فتاویٰ علمائے ہند
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ، ممبئی

مورخہ: ۹ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت مولانا محمد اسامہ ندوی صاحب نے ''فتاویٰ علماء ہند'' کے جلد چہارم بھیج کر اول تا آخر دیکھنے کا موقع دیا،اس میں اوقات صلوٰۃ کے بارے میں جو تفصیلات وتحقیقات لکھے گئے ہیں اور کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے،ان شاء اللہ امت کے لیے بہت فائدے کا کام ہوگا۔دین اسلام میں سب سے زیادہ اہم عبادت جو نماز ہے،اس کو صحیح وقت پر ادا کرنے کے لیے ''فتاویٰ علماء ہند'' کا مطالعہ کرنا عوام وخواص کو بہت فائدہ ہوگا۔فتاویٰ کی کتابیں تو بہت ہیں؛مگر اس فتاوے میں جو تحقیقات وتفصیلات جمع کئے گئے ہیں،سب سے آسان طریقہ ہے،لہذا اس فتاوے کو دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء عظام؛ بلکہ ہر عالم کے پاس رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔اللہ تعالیٰ حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی (چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، بہار) اور حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب دونوں حضرات کو اس دینی خدمت کے لیے قبول فرمائیں اور ہمیشہ اس کام کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

احقر محمد نورالدین فالح
صدر مدرس مدرسہ عالیہ،لیلونگ (منی پور)
۱۲/ مارچ ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

موسوعہ ''فتاویٰ علماء ہند'' مجھے اس کتاب کی پوری طرح مطالعہ کرنے کی سعادت تو نصیب نہیں ہوئی؛ اس لیے اس کتاب کے بارے میں تفصیل سے کچھ کہنا مشکل ہوگا؛ لیکن اس کتاب پر لکھی گئی تقریظات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ اور مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی، صدر المجلس العالمی للفقہ الاسلامی دونوں صاحبان نے اس کے مواد کو اکٹھا کرنے میں کافی محنت سے کام لیا اور مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ایک مسلم انسان کی دنیاوی زندگی کے سارے شعبوں پر اس قدر شامل وکامل کتاب ہوگی کہ اس کے بعد پھر کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی۔

میں مولانا کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کا دنیا اور آخرت دونوں میں صلہ عطا فرمائے۔

ڈاکٹر محمد ابواللیث قاسمی خیرآبادی
پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (ملیشیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی مدد اور رہنمائی کرتا ہے، عقائد ونظریات کا شعبہ ہو، حقوق العباد ومعاملات کا شعبہ ہو، تجارت ومعیشت کا شعبہ ہو، مناکحت ومعاشرت کا شعبہ ہو۔ حدود وتعزیرات کا شعبہ ہو، میراث وخانگی امور وغیرہ کا شعبہ ہو اسلامی تعلیمات میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے مسائل کا حل ہے۔ ائمہ کرام وفقہاء عظام نے قرآن وحدیث اور ان میں موجود اصول سے مسائل کا استنباط کیا ہے، جس کو فقہ کہا جاتا ہے اور جو درحقیقت قرآن وحدیث ہی کا نچوڑ ہے؛ لیکن ایک عام آدمی کے لیے کتب فقہ سے اپنے مسائل کا حل معلوم کرنا ناممکن ہے، اس وجہ سے عوام الناس اپنی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کرنے کے لیے اہل علم اور ارباب فتویٰ کے پاس جاتے اور یہ لوگ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق اپنے فتویٰ کے ذریعہ عوام الناس کو ان کے مسائل کا حل بتاتے۔ فتویٰ نویسی کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چلا آرہا ہے اور کئی ارباب فتویٰ کے فتاویٰ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں؛ لیکن ان تمام کتب فتاویٰ تک رسائی اور ان سے استفادہ کرنا ایک انتہائی دشوار امر ہے۔

حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی صاحب دامت برکاتہم (رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی)، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب دامت برکاتہم (ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ) اور ان کے تمام رفقا انتہائی مبارک باد کے مستحق ہیں، جنہوں نے اس دشوار امر کو آسان کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور برصغیر پاک وہند کے کئی معروف ومقتدر اہل علم وارباب فتویٰ کے گذشتہ دوسو سال کے فتاویٰ یکجا جمع کرنے کا ایک عظیم کام شروع کیا ہے۔ جس کو بجا طور پر فقہ اور فتاویٰ کا انسائیکلوپیڈیا کہہ سکتے ہیں۔ یقیناً یہ اہل علم؛ بلکہ ہر خاص وعام کے لیے نافع ثابت ہوگا۔ اللہ رب العزت حضرت مفتی صاحب موصوف اور ان کے جملہ معاونین کے لیے کام آسان فرمائے، تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور پوری امت کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ پاکستان میں فتاویٰ علماء ہند اردو کی چھ جلدیں اور عربی وانگریزی کی جلد اول بھیجنے پر جانشین مفسر قرآن استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فیاض خاں صاحب سواتی (استاذ الحدیث ومہتمم جامعہ ہذا) محترم انجینئر شمیم احمد صاحب مدظلہ (سرپرست منظمۃ السلام العالمیۃ) اور ان کے جملہ رفقا کے شکر گزار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ فتاویٰ علماء ہند کی بقیہ جلدیں شائع ہونے پر بھی جامعہ نصرۃ العلوم کو یاد رکھیں گے۔

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے آپ تمام صاحبان سلام عقیدت بھی قبول فرمائیں۔ والسلام

واجد حسین عفی عنہ

خادم الافتاء جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ (پاکستان)

۲۵ / ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، سيدنا محمد بن عبداللّٰه ورسوله، وأمينه على وحيه، وصفوته من خلقه، وعلى آله وصحبه، ومن دعا بدعوته واهتدى بهديه إلى يوم الدين، أما بعد:

الحمدللہ فتاوی علمائے ہند کی تیرہویں جلد تیار ہوگئی اب آپکی خدمت میں پیش کی جارہی ہے سابقہ جلدوں کی طرح یہ جلد بھی نماز کے مسائل پر مشتمل ہے خصوصاً اس جلد میں تراویح، اور سجدۂ سہو کے مسائل مذکور ہیں۔

نماز تراویح بالا جماع سنت مؤکدہ ہے اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی اہمیت وفضیلت بیان ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنا ہے، جیسے تسلیمہ کے معنی ایک دفعہ سلام پھیرنا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں نمازِ عشاء کے بعد باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے، کیوں کہ صحابۂ کرام کا اتفاق اس امر پر ہوگیا کہ ہر دو سلاموں (یعنی چار رکعات) کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوشخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم) ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لیے نہیں، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے عبادت کی جائے۔

رب کریم کے لاکھوں فضل وانعامات ہیں، جن کا احاطہ ممکن نہیں، محض اس کے فضل اور کرم سے اس نااہل سراپا جہل ونابلد کو تیرہویں جلد تیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

اس جلد میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ قران وحدیث کے نصوص اور فقہی جزئیات کی عربی عبارات سے مدلل کیا جائے، ان شاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ اہل علم اور طالبانِ علمِ دین کو فائدہ پہنچے گا۔

حتی الوسع اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ اور ہر بات دلائل وشواہد کے ذریعہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہوجائے۔ فتاویٰ کے سوال و جواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں شکرگزار ہوں علماء کرام کا جنہوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دی، اے میرے مولیٰ! تو اسے قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنادے۔ اور اس مجموعہ کے تیار ہونے میں جتنے بھی معاونین نے اپنا تعاون شامل رکھا، ان میں سے ہر ایک کو شرف قبولیت عطا فرما، ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرما۔

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی

رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی، ممبئی (الھند)

۶ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۲۴ دسمبر ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائية

الحمد لله الذى آتانا من لدنه رحمة فهيأ لنا من أمرنا رشدًا، وأنزل لنا من أمره روحًا يحيى به قلوب السعداء، أرسل سيد الرسل بالرشد والفلاح فالعاضون بالنواجذ على سننه هم الأحباء لله وأولياؤه وعلى آله وصحبه وأتباعه الذين أراد الله بهم الخير ففقههم فى الدين والشرائع، وجعلهم أئمة وهداة. أما بعد:

رمضان کے مہینے میں عشا کی نماز کے بعد اور وتروں سے پہلے باجماعت ادا کی جاتی ہے، جو بیس رکعت پر مشتمل ہوتی ہے اور دو دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہے، ہر چار رکعت کے بعد وقف ہوتا ہے، جس میں تسبیح وتحلیل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے اس کا نام تراویح ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں رات کی عبادت کو بڑی فضیلت دی ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے سب سے پہلی تراویح کے باجماعت اور اول رات میں پڑھنے کا حکم دیا اور اُس وقت سے اب تک یہ اسی طرح پڑھی جاتی ہے۔ قاضی خان لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات بیس یعنی پانچ ترویحہ وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔ علامہ علاء الدین کاسانی لکھتے ہیں کہ جمہور علما کا صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ابی بن کعب کی امامت میں صحابۂ کرام کو تراویح پڑھانے پر جمع فرمایا تو انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھائی اور صحابہ کی طرف سے اجماع تھا۔ اوقات ممنوعہ کے سوا آدمی جتنے چاہے نماز پڑھے؛ مگر ان میں سے بعض جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں، وہ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز سفر، نماز واپسی سفر، نماز تہجد، صلوٰۃ التسبیح، نماز حاجت، صلوٰۃ الاوابین، نماز توبہ، وغیرہ ہیں۔ نماز کے واجبات میں سے ایک، یا کئی واجبات بھول سے چھوٹ جائیں، یا کسی واجب کو اس کے متعینہ مقام سے مقدم یا مؤخر کر دینا، دو مرتبہ کسی واجب کو ادا کر لینا، کسی واجب میں تغیر وتبدل کر دینا، مثلاً جہر کی جگہ سر اور سر کی جگہ جہر ہو جانا، فرائض میں سے کسی فرض کو اس کے مقام سے مقدم، یا مؤخر کر دینا، کسی فرض کا بھول کر مکرر ہو جانا یہ اسباب ہیں، جس کی وجہ سے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا جاتا ہے، پھر تشہد درود شریف دعا پڑھ کر ختم نماز کے لیے سلام پھیرا جاتا ہے، عند الحنفیہ یہی طریقہ رائج ہے اور ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے "**فتاویٰ علماء ہند**" کی نماز کے مسائل سے متعلق "جلد-۱۳" کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، اس جلد میں تراویح، نوافل، سجدۂ سہو سے متعلق مسائل کو شامل کیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۱۳ رویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کر دیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، نیز حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کا اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔

میں اس موقعہ سے محبّ گرامی انجینئر شمیم احمد مدظلہ العالی اور ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکر گزار ہوں، جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔ ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن ۲۰۰۶ء سے ان فتاویٰ پر کام کر رہا ہے۔ اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

ناظم امارت شرعیہ پٹنہ وچیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، بہار

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

تراویح کی نیت، دعا اور جلسہ سے متعلق مسائل

نماز تراویح کی نیت:

سوال: نماز تراویح کی نیت کس طرح باندھی جائے؟ بحیثیت فرض کے، یا سنت مؤکدہ کے، یا نفل کے؟

(سید نظام علی عابدی، پانی کی ٹانکی، قدیم ملک پیٹ)

الجواب

نماز تراویح کے سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ تراویح، یا قیام لیل، یا سنت وقت کی نیت کی جائے، تاہم مطلق نفل، یا سنت کی نیت کرلے تو بھی کافی ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویکفیه مطلق النیة للنفل والسنة والتراویح هو الصحیح...والاحتیاط فی التراویح أن ینوی التراویح أوسنة الوقت أوقیام اللیل". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۵-۴۰۶)

جلسۂ تراویح کی مقدار:

سوال: مقدار ترویحہ جو جلسہ میں توقف کرنے کی مقدار ہے، اس ترویحہ سے مراد کیا ہے؟ آیا وہ چار رکعت جن میں قرآن پڑھا گیا ہے، یا جتنی دیر میں چار رکعت نفل پڑھیں اولیٰ ما یجوز بہ الصلوٰۃ سے؟

الجواب

بعد کل اربعہ بقدر ہا سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص رکعات جتنی دیر میں پڑھی گئی ہیں (مراد ہے)؛ مگر قول قہستانی "فیقال ثلاث مرات: سبحان ذی الملک والملکوت، إلخ، أوقول النهر: وأهل المدینة یصلون

---

(۱) الفتاوی الهندیة، الفصل الرابع فی النیة: ۶۵/۱

(وَیَكْفِی مُطْلَقُ النِّیَّةِ)بِأَنْ یَقُولَ اللَّهُمَّ إِنِّی أُرِیدُ الصَّلَاةَ(لِلنَّفْلِ)بِالِاتِّفَاقِ؛ لِأَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الصَّلَاةِ مُنْصَرِفٌ إِلَى النَّفْلِ؛ لِأَنَّهُ الْأَدْنَى فَهُوَ مُتَيَقَّنٌ (وَالسُّنَّةِ) الْمُؤَكَّدَةِ (وَالتَّرَاوِيحِ فِي الصَّحِيحِ)كَذَا فِي الْهِدَايَةِ؛ لِأَنَّهَا نَوَافِلُ فِي الْأَصْلِ فَيَكْفِي مُطْلَقُ النِّيَّةِ لَكِنْ صَحَّحَ قَاضِي خَانْ عَدَمَ جَوَازِ أَدَاءِ السُّنَنِ بِنِيَّةِ الصَّلَاةِ وَبِنِيَّةِ التَّطَوُّعِ فَقَالَ:لِأَنَّهَا صَلَاةٌ مَخْصُوصَةٌ فَتَجِبُ مُرَاعَاةُ الصِّفَةِ لِلْخُرُوجِ عَنْ الْعُهْدَةِ، وَذَلِكَ بِأَنْ يَنْوِيَ السُّنَّةَ أَوْ مُتَابَعَةَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، كَمَا فِي الْمَكْتُوبَةِ وَلِهَذَا الْأَحْوَطُ التَّصْرِيحُ. (مجمع الأنهر، باب شروط الصلاة: ۸۵/۱، دار إحياء التراث العربي، انيس)

أربعًا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اربعہ مراد ہے، وهٰذا أيسر. (كذا في ردالمحتار في بحث التراويح: ۴۷/۲)

۲۵/رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۳۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۹۰/۱)

ترویحہ کی مقدار:

سوال: تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کس قدر بیٹھنا چاہیے، جس کا نام ترویحہ ہے؟

الجواب ______________________

ایک ترویحہ کی مقدار آرام لینا مستحب ہے اور اختیار ہے کہ اس وقت خاموش بیٹھا رہے، یا تسبیح پڑھے، قرأت قرآن کرے، دورد بھیجے، نفل نماز پڑھے، کوئی خاص دعا منقول نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ماثبت بالسنۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

المستحب أن يجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة و كذا بين الخامسة والوتر وهو المروي عن السلف وأهل الحرمين و كانوا مجمعين علىٰ ذلک، أما أهل مكة فإنهم يطوفون أسبوعاً وأهل المدينة يصلون أربعاً و كذا أهل كل بلد من بلاد المسلمين، ثم هو بالخيار إن شاء سبح أو هلل أو صلىٰ أو قرأ القرآن أو سكت ولو ترک الإستراحة بين كل ترويحتين، فقيل: لابأس به وقيل: لايستحب؛ لأنه يخالف عمل أهل الحرمين الشريفين زادهما الله تشريفاً وتعظيمًا ... ولو استراح مقدار أربع ركعات بقراء ة معتدلة دون قدر ما صلى الترويحة يكفي إن شاء الله تعالىٰ ونرجو من الله القبول، انتهىٰ. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ اردو: ۲۴۲)

نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد امام کس ہیئت سے بیٹھے؟

سوال: تراویح میں جب کہ ہر چہار رکعت کے بعد آرام کے لیے بیٹھتے ہیں امام کو کس ہیئت سے بیٹھنا چاہیے؛ یعنی امام کو قبلہ رُخ بیٹھ کر آرام لینا چاہیے، یا کہ فجر عصر کی فرض نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتا ہے، اس ہیئت سے بیٹھنا چاہیے؟ سنت کے مطابق بہتر طریقہ ارشاد فرماویں۔

الجواب ______________________

تراویح کے درمیان بیٹھنے کی کوئی خاص کیفیت منقول نہیں ہے؛ مگر فقہا کے قول سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام کو تھوڑی دیر بیٹھنا ہو، جتنی دیر بعد نماز کے دعا کرنے میں عموماً ہوتی ہے تو اتنی دیر نمازیوں کی طرف پشت کر کے بیٹھنے کا مضائقہ نہیں اور اگر اس سے زیادہ دیر بیٹھنا ہو تو دائیں، یا بائیں انحراف کر کے بیٹھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

قال الحافظ: ويحتمل أن قصر زمان ذلک أن يستمر مستقبلا للقبلة من إجل أنها أليق

---

(۱) ماثبت من السنة في أيام السنة، ص: ۲۷۲-۲۷۳، مخطوطة مكتبة الملک عبدالعزيز

بالدعاء ویحتمل الأول علیٰ ما لوطال الذکر والدعاء واللّٰہ أعلم. (فتح الباری: ۲/۲۷۸)

قلت: وقواعدنا لا تأباہ. فقط

عبدالکریم عفی عنہ، ۵/ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ/ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۵/ ذی القعدہ ۴۳ھ۔ (امدادالاحکام: ۲/ ۲۴۵-۲۴۶)

تراویح کی چار رکعت کے بعد کیا کرے:

سوال: تراویح میں بعد چار رکعت کے جو جلسہ کرتے ہیں، اس جلسہ میں تسبیح پڑھنی چاہیے، یا ساکت بیٹھا رہے اور ہر جلسہ میں بعد تسبیحات کے دعا مانگنا بھی ضروری ہے، یا نہیں؟ بعض جگہ اس کا رواج ہے کہ ہر جلسہ میں تسبیح کے بعد دعا ضرور مانگتے ہیں اور تارک پر ملامت کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

تسبیحات جو ماثور ہیں پڑھیں، خاموش نہ رہیں اور ہر ترویحہ میں دعا مانگنا ضروری نہیں ہے، (۱) اور جب کہ اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت ہو تو پھر ترک کرنا لازم ہے، کما صرح بہ الفقہاء۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۷۶)

دو ترویحوں کے درمیان کیا کرے:

سوال: یہاں رمضان المبارک میں تراویح میں ہر دو رکعت ختم کر کے اٹھتے ہیں تو مؤذن بآواز بلند حسب ذیل کلمات کہتا ہے:

"فصل من اللّٰہ ورحمتہ ونعمتہ ومغفرتہ، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد".

اور ہر ایک ترویحہ میں امام اور مقتدی بآواز بلند پڑھتے ہیں:

"سبحان ذی الملک والملکوت، الخ".

اور بعد تسبیح کے امام بآواز بلند دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں اور پہلے ترویحہ مؤذن بآواز بلند "نبینا

---

(۱) **یجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراء ة و سکوت وصلاة فرادیٰ.** (الدر المختار)

(قوله بین تسبیح) قال القهستانی: فیقال ثلاث مرات "سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة و الکبریاء والجبروت، سبحان الملک الحی الذی لاینام ولایموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملائکة والروح، لا إلٰه إلا اللّٰه نستغفر اللّٰه نسألک الجنة ونعوذ بک من النار . کما فی منهج العباد، آه. (رد المحتار، مبحث صلاة التراویح: ۱/ ۶۶۱، ظفیر)

(۲) **قال الطیبی: من أصر علیٰ أمر مندوب وجعله عزما ولم یعمل فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال.** (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: ۲/ ۱۴، ظفیر)

محمد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم“ کہتا ہے اور دوسرے ترویحہ میں ”سيدنا أبو بكر صديق خليفة رسول اللّٰه-رضى اللّٰه عنه-“ اور تیسرے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بلند آواز سے لیا جاتا ہے اور چوتھے میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پانچویں میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی بلند آواز سے لیا جاتا ہے اور یہ طریقہ ایک مدت دراز سے جاری ہے۔

عموماً ملک گجرات میں اور افریقہ کے تمام شہروں وقصبوں میں بھی یہ طریقہ جاری ہے، اگر اس طریقہ کے خلاف کوئی کرے تو اس کو برا بھلا اور لعن طعن کیا جاتا ہے اور فساد ہوتا ہے تو کیا یہ طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہو، بحوالہ کتب تحریر فرماویں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

تراویح کی نماز میں ہر دو رکعت ختم کر کے اٹھتے وقت مؤذن کا کلمات مذکور کہنا میری نظر سے کسی دینی کتاب (حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف کی) میں نہیں گزرا، نہ بلند آواز سے، نہ آہستہ سے، اگر یہ چیز ثابت (مسنون، یا مستحب ہوتی) تو کتب دینیہ میں جہاں چھوٹے بڑے سب مستحبات ومسنونات مذکور ہیں، اس کا بھی ذکر ہوتا، ان کلمات کا مطلب کچھ برا نہیں؛ بلکہ ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم اور اس کا مبارک ذکر ہے، جو یقیناً موجب برکت اور باعث ثواب ہے؛ لیکن ان کلمات پر التزام اور اصرار کرنا منع ہے۔(۱)

نیز بلند آواز سے کہنے سے ان نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے، جو درود شریف، یا دعا، یا تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں؛ کیوں کہ ہر شخص کو اس وقت (اگر چہ یہ وقت نہایت قلیل ہوتا ہے) ان سب چیزوں درود شریف وغیرہ میں مشغولی کی شرعاً اجازت ہے، لہٰذا نہ ان کلمات پر اصرار والتزام کیا جائے (کیوں کہ ثبوت نہیں)، نہ ان کو بلند آواز سے کہا جائے؛ (کیوں کہ دوسرے نمازیوں کے حق میں مشوش ہے)؛ بلکہ ہر شخص آہستہ آہستہ جو دعا چاہیے، پڑھے۔(۲)

---

(۱) إن الإصرار على الندوب يبلغه إلٰى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التى لا أصل لها فى الشرع.(السعاية فى كشف مافى شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فى القراءة: ۲/۲٦٥، سهيل اكادمى لاهور)

قال الطيبى: وفيه أن من أصر علٰى أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فيكف من أصر علٰى بدعة أو منكر، وجاء فى حديث ابن مسعود رضى اللّٰه تعالٰى عنه: ”إن اللّٰه عزوجل يجب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه.(مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد: ۳/۳۱، رشيدية)

(۲) قال اللّٰه تعالٰى: (أدعوا ربكم تضرعًا وخفية) قيل: معناه تذللا واستكانة وخفية كقوله: (واذكر ربك فى نفسك) الآية، وفى الصحيحين عن أبى موسى الأشعرى رضى اللّٰه تعالٰى عنه قال: رفع الناس أصواتهم بالدعاء، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم: ”أيها الناس ! اربعوا على انفسكم، فإنكم لاتدعون اصم ولا غائبًا، إن الذى تدعون سميع قريب“ (تضرعًا وخفية) قال: السر، وقال ابن جرير (تضرعًا): تذللا واستكانة لطاعته (خفية) يقول: بخشوع قلوبكم و صحة اليقين بوحداليته وربوبيته فيما بينكم وبينه لاجهرا مراءاة“ (تفسير ابن كثير، الجزء الثامن، سورة الأعراف: ۲/۲۹٦، دارالفيحاء)

ہر ترویحہ کے بعد اختیار ہے، خواہ امام ومقتدی خاموش بیٹھے رہیں، خواہ ذکر، درود، تسبیح، دعا، تلاوت میں مشغول رہیں، یا نوافل (علاحدہ علاحدہ بلا جماعت) پڑھیں اور "سبحان ذی الملک والملکوت، إلخ" بھی پڑھنا منقول ہے، اہل مکہ کا معمول لکھا ہے کہ وہ اس وقت میں ایک طواف کرتے ہیں اور دو رکعت طواف پڑھتے ہیں، اہل مدینہ کا معمول لکھا ہے کہ وہ چار رکعت پڑھتے ہیں۔

"أما الاستراحة في أثناء التراويح، فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة: أي بين كل أربع ركعات مقدار أربع ركعات، وكذا بين الآخرة والوتر، وليس المراد حقيقة الجلوس، بل المراد الانتظار، وهو مخير فيه إن شاء جلس ساكتًا، وإن شاء هلل أوسبح أوقرأ وصلىٰ نافلة منفردا، وهٰذا الانتظار مستحب لعادة أهل الحرمين، فإن عادة أهل مكة أن يطوفوا بعد كل أربع أسبوعًا، ويصلوا ركعتي الطواف، وعادة أهل المدينة أن يصلوا أربع ركعات، وقد روى البيهقي بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون علىٰ عهد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، يعني بين كل ترويحتين، فثبت من عادة أهل الحرمين الفصل بين كل ترويحتين ومقدار ذلك الفصل وهو مقدار ترويحة، فكان مستحبا؛ لأن ما رآه المؤمنون فهو عند الله حسن"، آه. (غنية المستملي)(۱)

"ويخيرون بين تسبيح وقراء ة وسكوت وصلاة فرادىٰ، نعم تكره صلاة ركعتين بعد كل ركعتين" آه. (الدر المختار)

"(قوله: بين تسبيح) قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحانه الملك الحي الذي لايموت، سبوح، قدوس، رب الملائكة والروح، لاإله إلا الله، نستغفر الله، نسألك ونعوذ بك من النار، كما في منهج العباد"، آه. (ردالمحتار: ۷۳۹/۱)(۲)

تسبیح، دعا وغیرہ جو کچھ بھی پڑھا کریں، آہستہ آہستہ پڑھیں؛ تاکہ آوازوں میں تصادم اور پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہو، اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کا خیال نماز سے ہٹ کر اس طرف متوجہ نہ ہو، جس سے نماز میں خلل آئے اور غلطی بھول وغیرہ واقع ہو، ہر ترویحہ کے ختم پر امور مذکورہ بالا کا شرعاً ثبوت اور اختیار ہے، جیسا کہ عبارات منقولہ میں تصریح ہے۔

آپ نے "سبحان ذي الملك، إلخ" کے بعد ہر ترویحہ کے لیے جو کلمات لکھے ہیں، کتب فقہیہ متداولہ میں کہیں ان کا ثبوت نہیں، پس ان کو پڑھنا، امور ثابتہ منقولہ کو چھوڑ کر غیر منقولہ کلمات کو اختیار کرنا ہے، جو غیر مناسب اور قابل ترک ہے۔ (۳)

---

(۱) غنية المستملي (الحلبي الكبير)، فصل في النوافل، التراويح، التراويح، ص: ٤٠٤، سهيل اكادمي لاهور

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ٤٧/٢، سعيد

(۳) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا ما ليس منه فهورد".

قال ابن عيسى: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صنع أمرًا علىٰ غير أمرنا، فهو رد". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ٢٨٧/٢، إمدادية ملتان)

تاہم ایسے لوگوں کو نرمی اور شفقت سے سمجھانا چاہیے، سختی اور تشدد سے نہیں، نیز فتنہ اور فساد سے اجتناب ضروری ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۱۳۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/رجب ۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۵۳-۳۵۶)

ترویحات میں کیا پڑھے:

سوال: بعض ثقہ اور مشہور اشتہاروں میں تراویح کے ترویحہ کی مسنون دعاؤں کے عنوان سے منتخب از احادیث صحیحہ یہ دعا لکھی ہے:

”سبحان الملک القدوس، سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة ... والکبریاء والجبروت، سبحان الملک الحی الذی لاینام ولایموت، سبوح، قدوس، ربنا ورب الملائکة والروح، لا إله إلا أنت، استغفرک واسئلک الجنة، وأعوذ بک من النار، اللهم! أجرنی من النار، یا مجیر، یا مجیر، یا مجیر“

اور بعض اشتہاروں میں بڑی لمبی قدرے لایعنی دعا درج ہے، خلفائے اربعہ کے نام اور ان کے القاب کلمات جن سے دعا، دعا نہیں رہتی، تراویح میں بعض جگہ تو سب مل کر پڑھتے ہیں اور بعض جگہ مؤذن کے ذمہ ہے کہ وہ تنہا، یا دو چار آدمیوں کو شریک کرکے بڑے زور کی آواز سے یہ لمبی دعا پڑھے، وہ عبارت یہ ہے کہ!

”تراویح میں پڑھنے کی تسبیحات تراویح سے پہلے پکار کر، مؤذن کے ذمہ ہے کہ یوں پکارے:

”الصلاة سنة التراويح ورحمکم الله“.

پھر لکھا ہے کہ ”پہلے دوگانہ تراویح کے بعد اس دعاء کو یکبار پڑھیں: **”فضل من الله ونعمة ومغفرة ورحمه وعافية وسلامة، لا إلٰه إلا اللّٰه، ولله الحمد خواجه عالم صلوٰة“** کے بعد پہلی تراویح کے یہ تسبیح تین بار پڑھیں، کلمہ شہادت پڑھیں، دعا مانگنے کے بعد یوں کہے: **”البدر محمد صلی الله علیه وسلم، لا إلٰه إلا الله والله أکبر، خواجه عالم صلوٰة“.**

(۲) دوسری تراویح کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھیں:

”اللّٰهم صلی علی سیدنا محمد، وعلی جمیع الأنبیاء والمرسلین، والملئکة المقربین، وعلی کل ملک برحمتک یاأرحم الراحمین“.

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أدع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتی هی أحسن﴾ (الجزء الرابع عشرة، سورة النحل، رقم الآیة: ۱۲۵)

دعا مانگنے کے بعد یہ دعا ایک بار پڑھے:

"خليفة رسول الله، خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق و التحقيق: أمير المؤمنين حضرت أبوبكر الصديق رضى الله عنه، لا إله إلا الله، والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد، ولاحول ولا قوة إلا بالله".

غرض اسی طرح سب خلفا کے نام تسبیحات میں ملے ہوئے ایک لمبی عبارت دعا وتسبیحات کے نام سے مروج ہے، تراویح ختم ہونے کے بعد استغفار غیر ثابت لفظوں میں پڑھنے کو بتلایا ہے، پھر خاتمہ پر، ان اشتہاروں میں سب پڑھنے کے بعد مثل سابق ایک بار بتلایا، یہ پڑھنے کو: **أسد الله الغالب، مظهر العجائب و الغرائب، إمام المشارق والمغارب، على بن أبى طالب، لا إله إلا الله والله أكبر وغيره.**

شرعی حساب سے جواب عطا ہو، تراویح کے ترویحہ میں وہ ماثورہ الفاظ کی اور کیا ان الفاظ میں تسبیح ترویحہ صحیح العلم لوگوں سے ثابت ہے اور کیا ترویحہ میں یہ عبارت دعا کے نام سے ثابت ہے؟ یہاں صورت متنازع ہے، مطلع فرمائیں، یہ مروجہ عبارت ترویحہ میں جو پڑھے اور ماثورہ کلمات کے بجائے اس کے ہی پڑھنے پر؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ خاموش بیٹھے، یا تلاوت کرے، یا درود شریف پڑھے، یا تسبیح واستغفار پڑھے۔ مکہ مکرمہ کے حضرات کا معمول تھا کہ وہ ہر چار رکعت کے بعد ایک طواف کرتے اور دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے حضرات ہر چار رکعت تراویح کے بعد جداگانہ چار چار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ کلمات ذیل شامی میں مذکور ہیں:

"قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحى الذى لاينام ولايموت، سبوح قدوس، رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله أنت، نستغفر الله، نسئلك الجنة، ونعوذ بك من النار". (۱)

تراویح کے بعد پڑھنے والے کلمات وتسبیحات کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے وہ کتب شرعیہ مستندہ میں نہیں ہے، بلکہ خصوصی مقامات پر کچھ لوگوں سے غالبا روافض وغیرہ کی تردید کے لیے ایجاد کیا ہے اور اس کو ماثور ومنقول کی حیثیت دے دی۔ (۳) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۵۱-۳۵۳)

---

(۱)　رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۴۹۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

"والسادس فى الجلسة بين ترويحتين، والمستحب أن يجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة، و كذا بين الخامسة، والوتر ... ثم هم مخيرون فى حالة الجلوس ان شاؤوا سبحوا، وإن شاؤوا قرؤوا، وإن شاؤوا صلوا أربع ركعات فرادى، وإن شاؤوا ساكتين، وأهل مكة يطوفون أسبوعًا ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادىٰ". (تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۴۴۶/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲)　عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من أحدث فى أمرنا هٰذا ماليس منه فهورد". (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جور فهومردود: ۳۷۱/۱، قديمى) ==

نمازِ تراویح اور وتر کے بعد دعا ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: بعد نماز تراویح دعا مانگنا جائز ہے، یا نہیں اور رمضان شریف میں وتر پڑھ کر دعا مانگنا ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

بعد ختم تراویح دعا مانگنا درست ہے اور مستحب ہے اور معمول سلف وخلف ہے، پھر وتر کے بعد دعا ضروری نہیں ہے، ایک بار کافی ہے؛ یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۵۳/۴)

تراویح کے بعد دعا:

سوال: تراویح ختم ہونے پر وتر سے پہلے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں، البتہ دعا بعد الصلوۃ کے کلیہ میں یہ بھی داخل ہے؛ کیوں کہ تراویح مستقل نماز ہے، لہٰذا انفرادا دعا کی گنجائش ہے، امام کے ساتھ بصورت اجتماعیہ دعا بدعت ہے، بآواز بلند ہوتو دوسری بدعت اور بالالتزام ہوتو تین بدعات کا مجموعہ اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رشوال ۱۳۸۸ھ (احسن الفتاویٰ:۵۱۹/۳)

ختم تراویح پر دعا:

سوال (۱) تراویح کی بیس رکعت ختم ہونے پر دعا مانگنا کیسا ہے؟

(۲) بعد وتر ونفل تمام مقتدیوں اور امام مل کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا و مصليًا

(۱) مستحب ہے۔(۱)

== من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أوخفي،ملفوظ أومستنبط،فهو مردود عليه.(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح،باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۲۱۵/۱ ،مكتبة أشرفية ديوبند،انيس)

(۱) قال اللّٰه تعالٰى:(فإذا فرغت فانصب) ... وقال قتاده:"فإذا فرغت من صلاتك فانصب إلٰى ربك في الدعاء"(أحكام القرآن للجصاص،سورة ألم نشرح: ۶۳۹/۳ ،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

وعن علي ابن أبي طالب رضي اللّٰه تعالٰى عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم:إذا سلم من الصلاة قال:اللهم اغفرلي ماقدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت،وما أنت أعلم به مني،أنت المقدم والمؤخر،لا إلٰهي إلا أنت".(سنن أبي داؤد،كتاب الصلاة،باب ما يقول الرجل إذا سلم: ۲۱۹/۱ ،مكتبه إمدادية، ملتان)

(۲)　ہر شخص اپنی نفل کے بعد دعا کرے، اس میں ایک دوسرے کا پابند کیوں کیا جائے، (۱) جو نماز یں مل کر جماعت سے پڑھی ہے، اس کے بعد مل کر دعا کریں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۲/۷-۳۶۳)

قومہ وجلسہ کی دعاؤں کا حکم:

سوال:　قومہ وجلسہ میں دعا مسنونہ پڑھنے سے جو شخص کہتا ہو کہ سجدہ سہو لازم ہے۔ یہ قول صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ مسئلہ صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۸)

ہر ترویحہ میں دعا مسنون ہے، یا مستحب:

سوال:　ہر چوتھی تراویح کے بعد دعا مانگنی جائز ہے کہ مسنون؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد دعا مانگنا تسبیح وتہلیل ودرود شریف پڑھنا جائز اور مستحب ہے، جو کچھ کرے بہتر ہے، کسی خاص امر کی ضرورت اور تخصیص نہیں ہے؛ (۳) لیکن تسبیح جیسے ''**سبحان ذی الملک والملکوت، إلخ**'' یا''**سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر**'' پڑھتے رہنا زیادہ اچھا ہے اور معمول اکابر ہے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۱/۴)

---

(۱)　إن الاصرار علٰی أمر مندوب یبلغه إلٰی حد الکراهة، فکیف اصرار البدعة التی لا أصل لها فی هٰذا، فلا شک فی الکراهة. (السعایة شرح شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوٰة، قبیل فصل فی القراء ة: ۲۶۵/۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲)　(ثم یدعون لأنفسهم وللمسلمین) بالأدعیة الماثور ... (رافعی أیدیهم) حذاء الصدر... ثم یختمون بقوله تعالٰی: سبحان ربک رب العزة عما یصفون)، آه ... (ثم یمسحون بها وجوههم فی آخرة)''. (نور الایضاح مع مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی الأوراد الوارة بعد الفرض، ص: ۳۱۶، ۳۱۸، قدیمی)

(۳)　ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة إلخ ثم هم یخیرون فی حالة الجلوس إن شاؤوا سبحوا وإن شاؤوا قعدوا ساکتین. (الفتاویٰ الهندیة، فصل فی التراویح: ۱۱۵/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۴)　یجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر یخیرون بین تسبیح وقراء ة وسکوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار)

(قوله: بین تسبیح) قال القهستانی: فیقال ثلاث مرات: ''سبحان ذی الملک والملکوت''الخ. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ۴۹۷/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

ہر ترویحہ کے بعد دعا:

سوال: تراویح کی ہر چہار رکعت پڑھنے کے بعد دعا کرنا اور عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا واجب ہے، یا سنت؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ہر چہار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح و تہلیل، درود پڑھے، چاہے دعا کرے، چاہے نوافل پڑھے؛ لیکن دعا کا التزام کرنا اور مجموعی حیثیت سے دعا پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے؛ کیوں کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں۔(۱)

"أما الاستراحة في أثناء التراويح،فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة، وليس المراد حقيقة الجلوس،بل المراد النتظار وهو مخيرإن شاء جلس،وإن شاء هلل أوسبح أوقرأ أوصلیٰ نافلة منفردًا"،آه.(كبيری)(۲)

اور عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعا، یا عدم منقول نہیں؛ لیکن مطلقا ہر نماز کے بعد دعا روایات سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعا کرنا مسنون ہوگا۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۴۷-۳۴۸)

ترویحہ میں دعا کا حکم:

سوال: رمضان المبارک کی تراویح کے متعلق فقہ وسنت کا کیا حکم ہے؟ کیا ہر ترویحہ میں دعا مانگنی چاہیے، یا صرف بیسویں رکعت کے اخیر میں، یا اس میں بھی نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ترویحہ میں کچھ پڑھے یا نہ پڑھے، دعا مانگے، یا نہ مانگے، اختیار ہے۔

---

(۱) "الاصرار على المندوب يبلغه إلىٰ حد الكراهة".(السعاية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبيل فصل في القراءة:۲/۲٦٥، سهيل أكادمي لاهور)

(۲) الحلبي الكبير،فصل في النوافل ،التراويح:ص:٤٠٤، سهيل اكيڈمی لاهور

(۳) قال اللّٰه تعالىٰ:(فإذا فرغت فانصب) ...وقال قتادة: "فإذا فرغت من صلاتک فانصب إلىٰ ربک في الدعاء".(أحكام القرآن للجصاص،سورة ألم نشرح:٦٣٩/٣، دارالكتب العلمية،بيروت،انيس)

وعن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال:كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:إذا سلم من الصلوٰة قال:اللّٰهم اغفرلي ماقدمت وماأخرت وماأسررت وماأعلنت وماأسرفت وما أنت أعلم به مني،أنت المقدم والمؤخر، لا إلٰهي إلا أنت".(سنن أبي داؤد،كتاب الصلاة،باب ما يقول الرجل إذا سلم : ٢١٩/١،مكتبةإمدادية ملتان)

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

''وهو في الانتظار مخير إن شاء سبّح وإن شاء هلّل وإن شاء صلّى وإن شاء سكت''.(۱)

پہلی اور آخری ہر ترویحہ کا یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۹/۱۳۷۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۱۷-۲۱۸)

ہر ترویحہ پر اجتماعی تسبیح:

سوال: نماز تراویح کی ہر چار رکعت پر جو تسبیح پڑھی جاتی ہے، کیا ان تسبیحات کا پڑھنا اور اجتماعی طور پر پڑھنا حدیث، یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے؟ (عبدالرشید، سکندرآباد)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے کہ احکام شریعت کے نزول کا سلسلہ جاری ہے، کہیں نماز تراویح امت پر واجب نہ قرار دیا جائے، جو آئندہ امت کے لیے باعث مشقت ہو، اہتمام کے ساتھ روزانہ تراویح کی نماز نہیں پڑھائی، چناں چہ احادیث میں کیفیت تراویح کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی خاص ان کلمات کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا ثبوت نہیں، جن کو عام طور پر پڑھا جاتا ہے؛ بلکہ بعض لوگ تسبیح پڑھ لیتے، بعض کوئی اور ذکر کر لیتے، مدینہ میں زیادہ معمول ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے کا تھا، مکہ میں لوگ اس وقفہ میں طواف کر لیتے، یا دو رکعت نفل پڑھ لیتے، چناں چہ فقہانے یہی لکھا ہے کہ دو ترویحہ کے درمیان کوئی ذکر، یا دعا متعین نہیں، چاہے تو کچھ تسبیح پڑھ لیں، یا خاموش بیٹھے رہیں، (۲) پھر تسبیح میں کیا کلمات پڑھے جائیں؟ اس کی بھی تعیین نہیں، ویسے تسبیح کے جو کلمات عام طور پر پڑھے جاتے ہیں، وہ متفرق طور پر اور دوسرے مواقع پر حدیث سے ثابت ہیں؛ اس لیے انہیں پڑھ لینے میں بھی حرج نہیں، جہاں تک اجتماعی طور پر پڑھنے کی بات ہے تو جیسے ہی سلام پھیرا گیا، جماعتی عمل ختم ہو گیا، اب ہر شخص کو انفرادی طور پر ذکر کرنا ہے؛ اس لیے تسبیحات بھی انفرادی طور پر پڑھنی چاہئیں، خواہ تسبیح کے یہ کلمات پڑھیں، یا کچھ اور، یا تسبیح کے بجائے ذکر و دعا کریں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۸-۴۰۹)

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اجتماعی دعا:

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے؛ اس لیے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اور اسی طرح وتر کے بعد بھی اجتماعی دعا ہو سکتی ہے۔

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی الفتاوی الهندية: ۱/۲۳۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۵، بدائع الصنائع: ۱/۶٤٨، البحر الرائق: ۲/۱۲۲

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

ہر نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے، مجموعہ تراویح بمنزلہ ایک ہے؛ اس لیے اس کے ختم پر دعا مانگتے ہیں، (۱) ہر چار رکعت پر بھی اختیار ہے کہ ذکر، دعا، درود، تلاوت جو چاہیں کریں، اجتماعی دعا کا اہتمام ثابت نہیں، اس سے احتیاط کریں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۴/۷-۳۴۵)

نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنے کا حکم:

سوال: یہاں کی مسجدوں میں دستور یہ تھا کہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد امام ومقتدی کچھ وظیفہ پڑھتے تھے، پھر وظیفہ کے بعد امام ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا تھا اور جملہ مقتدی آمین کہتے تھے، اس سال اتفاق سے مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً سے خطیب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسجد میں تشریف لائے اور وہ اس مسجد موصوف کے امام مقرر ہوئے، یہ مدنی امام حافظِ قرآن بھی تھے، لہٰذا اس سال رمضان المبارک میں آپ نے تراویح میں قرآن پاک پڑھا؛ لیکن ہمیشہ سے دستور کے خلاف ہر چار رکعت تراویح کے بعد صرف ذکر ووظیفہ پر قناعت کی، دعا نہیں مانگی، البتہ بیس رکعت تراویح کے ختم پر ذکر کر کے دعا مانگی، دوسرے روز جب اس واقعہ کی اطلاع دوسری مسجدوں میں ہوئی تو ایک مسجد میں اس پر سخت اعتراضات کئے گئے، جب امام صاحب مدنی سے اس کی بابت دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جس طریقہ سے تراویح پڑھی جاتی ہیں، میں نے اسی طریقہ پر پڑھیں، چوں کہ مدینہ پاک میں ہر چار رکعت کے بعد دعا نہیں مانگی جاتی ہے، لہٰذا اسی کے مطابق میں نے بھی کیا، مجھے یہاں کا دستور نہ تو معلوم تھا اور نہ یہاں کے رواج کی تقلید میرے ذمہ ضروری تھی، اس دوسری

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: (فإذا فرغت فانصب) ...وقال قتادة: "فإذا فرغت من صلاتک فانصب إلیٰ ربک فی الدعاء". (أحکام القرآن للجصاص، سورة ألم نشرح: ۶۳۹/۳، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

وعن علی ابن أبی طالب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: إذا سلم من الصلوٰة قال: اللّٰھم اغفرلی ماقدمت وماأخرت وماأسررت وماأعلنت وماأسرفت وما أنت أعلم به منی، أنت المقدم والمؤخر، لا إلٰھی إلا أنت". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما یقول الرجل إذا سلم: ۲۱۹/۱، مکتبة إمدادیة ملتان)

(۲) (ویجلس) ندباً (بین کل أربعة بقدرھا، وکذا بین الخامسة والوتر)، ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۹۷/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

"من أحدث فی الإسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاھر أوخفی ملفوظ ا ستنبط فھو مردود علیه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۲۱۵/۱، مکتبة أشرفیة دیوبند، انیس)

مسجد والوں نے نفسانیت کی بنا پر ایک صاحب سے اپنی مسجد میں وعظ کہلایا، واعظ صاحب نے کھلم کھلا ہر چار رکعت پر دعا نہ مانگنے پر بہت کچھ اعتراضات کئے اور اپنے نزدیک یہاں کے اعتبار سے اس جدید فعل کی پوری تردید کردی۔

پس اب سوال یہ ہے کہ ہر چار رکعت تراویح کے بعد صحابۂ کرامؓ وائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عمل درآمد دعا کے متعلق کیا تھا؟ اور اگر ان کا دستور العمل نہیں تھا تو آیا یہ دعا مانگنا بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟ اور یہ کہ محض جائز ہی ہے، یا مستحب، یا سنت؟ اور امام کو اس دعا پر مجبور کرنا اور نہ کرنے پر شور وشر پھیلانا شرعاً درست ہے، یا نہیں؟ درصورتِ جواز جب عوام کا اس قدر اصرار ہو کہ تارک کو موجبِ ملامت قرار دیں تو عوام کے عقیدے کی درستی کے لیے اس کا ترک کردینا بہتر ہے، یا نہیں؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگنا جائز بھی ہو تو بھی موجودہ حالات میں اس کا ترک کردینا ضروری ہوگا؛ اس لیے کہ فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ جب کسی غیر ضروری فعل پر مداومت عقیدۂ عوام کے فساد کا باعث ہو تو خواص پر واجب ہے کہ عقیدۂ عوام کی درستی کے لیے اس کو ترک کردیں، پس سوال مذکور کا مفصل جواب ارشاد فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ واللّٰه الموفق للصواب

قال فی الدر: یجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراء ة سکوت وصلاة فرادیٰ، إلخ.

قال العلامة الشامی تحت(قوله: بین تسبیح): قال القهستانی: فیقال ثلٰث مرات: سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة والجبروت(إلیٰ قوله) لا إلٰه إلا اللّٰه نستغفراللّٰه نسألک الجنّة ونعوذبک من النار، کمافی منهج العباد، آه. (۷۳۹/۱)

قلت: وفی البدائع ومنها أن الإمام کلما صلّٰی تروبحة قعدبین الترویجتین قدر ترویحة یسبّح ویهلل ویکبر ویصلی علی البنی صلی اللّٰه علیه وسلم ویدعو وینتظر أیضًا بعد الخامسة قدر ترویحة؛ لأنه متوارث من السلف، آه. (۲٦۰/۱)(۱)

ولعل المراد بقوله یدعو: أن یأتی بالأدعیة الماثورة لا الدعاء برفع الیدین؛ لأن المتوارث من السلف فی هٰذا المواضع إنما هومطلق الانتظارسواء سکان بالجلوس أوبالقیام أوبالسکوت أو بالذکرونحوه، قال فی شرح المنیة: ولیس المراد حقیقة الجلوس بل المراد الانتظاروهو مخیر فیه إن شاء جلس ساکتاً وإن شاء هلل أوسبح أوقرأ أوصلّٰی نافلة منفردًا وهٰذا الانتظار مستحب لعادة أهل الحرمین فإن عادة أهل مکة أن یطوفوا بعد کل أربع أسبوعاً ویصلّوا رکعتی الطواف

(۱)　الدرالمختار: ٦٤٨/١، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

وعـادة أهل المدينة أن يصلّو أربع ركعات،وقد روى البيهقي بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون علىٰ عهد عمررضى الله عنه يعنى بين كل ترويحتين،آه. (ص:٣٨٦)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ہر ترویحہ کے بعد مستحب مطلق انتظار ہے، جس میں امام ومقتدین کو اختیار ہے کہ خواہ خاموش بیٹھے رہیں، یا اذکار وغیرہ میں مشغول رہیں اور دعا بہ ہیئت متعارفہ خصوصیت کے ساتھ نہ درمیانی ترویحوں میں مسنون ہے، نہ آخری ترویحہ میں؛ لیکن اس میں شک نہیں کہ مطلقِ سکوت سے ذکر وادعیہ میں مشغول ہونا بہتر ہے، پس اگر جائز وامر اختیاری سمجھ کر تمام ترویحوں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں اور اگر صرف ترویحۂ خامسہ میں دعا کی جائے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں اور اگر کسی ترویحہ میں بھی دعا نہ کریں، یہ بھی جائز ہے، یہ تو اصل حکم ہے؛ لیکن ایک عارض پر نظر کر کے اولیٰ یہ ہے کہ درمیانی ترویحوں میں دعا نہ کی جائے، وہ یہ کہ ہر ترویحہ کے بعد بطریق متعارف دعا کرنا موجبِ ثقل علی القوم ہوتا ہے، اگر تسبیحات وتہلیلات کے بعد خشوع کے ساتھ دعا کی جائے گی تو اس میں ضرور کچھ دیر ہوگی اور اگر بدون خشوع وحضور قلب کے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر مُنہ کو مل لیے تو ایسی دعا سے دعا نہ کرنا بہتر ہے، **إن اللّٰــه لايـقبـل الـدعـاء من قلب لاہٍ**، اور فقہاء نے امام تراویح کو تعلیم فرمائی ہے کہ صلوٰۃ تراویح میں بعد تشہد کے صرف اللّٰہم صل علی محمد کہہ کر سلام پھیر دیا کرے، ادعیہ ماثورہ نہ پڑھے، **مـخـافة الثقل على القوم**، تو جب دعاء مسنون کو فقہا نے ترک کرنے کی تعلیم کی ہے؛ تاکہ قوم پر ثقل نہ ہو تو دعا ترویحہ جو کہ مسنون بھی نہیں؛ بلکہ جائز اور غایت سے غایت مستحب ہے، اس کو ترک کرنا ثقل سے بچنے کے لیے کیوں افضل واَولیٰ نہ ہوگا۔

ويـأتـى الإمـام والـقـوم بـالثناء فى كل شفع ويزيد الإمام على التشهد إلا أن يمل القوم فيأتى بـالـصـلـوات ويكتفي ياللّٰهم صل محمد؛لأنه الفرض عند الشافعي ويترك الدعوات ويجتنب المنكرات اهـكذافي الدرعلى الشامية. (٧٤٠/١)(١)

اور ہر چند کہ اصل حکم تخییر پر نظر کرتے ہوئے ترویحۂ خامسہ میں بھی دعا بطریق متعارف کو کچھ ترجیح معلوم نہیں ہوتی؛ مگر ایک علت پر نظر کر کے ترویحہ خامسہ میں دعا کرنا مستحب واولیٰ ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ ترویحۂ خامسہ میں حزب قرآن پورا ہو جاتا ہے اور بعد تلاوت حزب قرآن کے دعا کرنا مستحب ہے اور وہ وقت اجابتِ دعا کا ہے۔

قـال فـى الأحيـاء فـى بيـان آداب التلاوة:الثامن أن يقول فى مبتدأ قراء ته أعوذ بالله السميع الـعـلـيـم مـن الشيـطـان الـرجـيـم،إلىٰ أن قال وليقل عند فراغه من القراء ة صدق الله تعالىٰ وبلغ رسـول الـلّٰـه صـلى الله عليه وسلم اللّٰهم انفعنابه وبارک لنا فيه الحمد للّٰه ربّ العٰلمين استغفر اللّٰه الحى القوم،آه. (٢٤٩/١)

(١)　الدرالمختارعلى ردالمحرتار: ٤٩٨/٢، ٤٩٩،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

وقال فی الحصن فی أحوال إجابة الدعاء ما نصه: وعقیب تلاوة القرآن ت ولاسیما الختم ط مومص خصوصاً من القاری، ت ط ،آه.(ص: ۳۰-۳۱)

وفی الاتقان للسیوطی ناقلاً عن الشعب من حدیث أنس مرفوعًا: من قرأ القرآن وحمد الرب وصلّی علی النبی صلی الله علیه وسلم واستغفربه فقد طلب الخیر مکانه،آه.(۱۱۶/۱)

غرض تلاوتِ قرآن سے فارغ ہوکر دعا کرنا مستحب ہے اور یہ وقت قبول دعا کا ہے؛اس لیے ترویحہ خامسہ میں دعا کرنا مستحب وافضل واولیٰ ہوگا اور ہر ترویحہ میں دعا کرنا ایسا ہوگا، جیسے کوئی شخص تلاوتِ قرآن کے وقت ہر رکوع، یا ہر ربع پر ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرے اور یقیناً یہ صورت مستحدث ہے،سلفِ صالحین صرف فراغت عن الحزب کے وقت دعا کیا کرتے تھے اور یہی منصوص بھی ہے، وسطِ قرأت، یا تلاوت میں دعا کرنا ثابت نہیں،لہٰذا گاہے گاہے تو مضائقہ نہیں ؛مگراس پر مواظبت بدعت ہے اوراگر مواظبت سے گذر کر اس کے خلاف سے مزاحمت ہونے لگے تو یقیناً یہ فعل ممنوع ہوگا؛ کیوں کہ اصولِ شرع میں یہ بات منقح ہوچکی ہے کہ امر مباح ومستحب؛ بلکہ سنت کو بھی اگر اس کی حد سے بڑھا دیا جائے اور اس کے تارک پر ملامت ہونے لگے تو ایسے وقت میں اس مباح ،یا مستحب، یا سنت کا ترک عوام وخواص سب پر ضروری ہوجائے گا۔ ہٰذا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۸/ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام:۲/۲۳۶-۲۴۰)

ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: بعد چار رکعت تراویح مناجات کردن چہ حکم دارد؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

بعد ہر چہار تراویح جلسہ استراحت مستحب است، ودریں اختیار است ،خواہ تسبیح ودرود خواند، وخواہ درنوافل وتلاوت مشغول ماند،خواہ ایں وقت دردعاء ومناجات گزارند، کذافی سکب الأنہر: ۲۳۶/۱ .(۱)ودست برداشتہ درترا ویحہ دعا کردن ثابت نیست۔(۲)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۳/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔صحیح:عبد اللطیف،۱۳/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۴۸/۷)

---

(۱) ’’عشرون رکعة بعشر تسلیمات،وجلسة بعد کل أربع بقدرها)...ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکون وصلاة فرادیٰ‘‘.(سکب الأنهر - الدرالمنتقی شرح ملتقی الأبحر- علیٰ هامش مجمع الأنهر،باب الوتر والنوافل، فصل: التروایح سنة مؤکدة: ۲۰۳/۱،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

(۲) ’’من أحدث فی الإسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر أوخفی،ملفوظ أومستنبط، فهو مردود علیه‘‘.(مرقاة المفاتیح،کتاب الصلاة،باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۲۱۵/۱،مکتبة أشرفیة دیوبندانیس)

ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا درست ہے، یا نہیں:

سوال (۱) تراویح کے ہر ترویحہ میں بعد تسبیح وتہلیل کے امام اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے، یا نہیں؟ یا بعد ختم تراویح کے دعا مانگنا چاہیے؟

ترویحہ کے بعد دعا سے روکا جائے، یا نہیں:

(۲)　جو حافظ برابر عادۃً ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہو، اس کو ممانعت بالجبر کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

کیا دعا مانگنا منع ہے:

(۳)　اگر کوئی حافظ ترویحہ میں دعا بایں خیال نہ مانگتا ہو کہ اس کا ثبوت نہیں ہے، اس سے مقتدیوں کا فرمائش کرنا کہ دعا ضرور مانگیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حافظ کا خلاف امر مقتدیان کرنا موجب عدم جماعت تراویح و باعث رنجش عوام ہے تو ایسی صورت میں حافظ موصوف کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

(۱)　تراویح کے ہر ایک ترویحہ میں تسبیح وتہلیل وغیرہ ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا منقول ہے، (۱) اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف بعد ختم جملہ تراویح؛ یعنی بست رکعت معمول ہے، پس ایسا ہی کرنا چاہیے۔

كما ورد: "مارآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن". (۲)

(۲)　ظاہر یہ ہے کہ اس کو تشدد سے منع نہ کیا جاوے۔

(۳)　حافظ موصوف کو اس صورت میں مقتدیوں کا کہنا ماننا ضروری نہیں ہے اور نہ مقتدیوں کو اپنے امام کو ایسا حکم کرنا چاہیے؛ کیوں کہ امام متبوع ہوتا ہے، نہ تابع۔

كماورد في الحديث: "إنما جعل الإمام ليؤتم به". (الحديث) (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۸/۴-۲۷۹)

---

(۱)　ويجلس بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت و صلاة فرادى. (الدر المختار)

(قوله بين تسبيح) قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: "سبحان ذي الملك و الملكوت، إلخ". (رد المحتار، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۷/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲)　المعجم الكبير للطبراني، عبدالله بن مسعود الهذلي، رقم الحديث: ۸۵۸۳، انيس

(۳)　مشكوة، باب ماعلى المأموم من المتابعة، الفصل الأول، ص: ۱۰۱، ظفير (صحيح البخاري، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به، رقم الحديث: ۶۵۶/ صحيح لمسلم، باب ائتمام المأموم بالإمام، رقم الحديث: ۴۱۲، انيس)

تراویح میں تسبیحات معمولی آواز سے پڑھی جائیں اور وتر کے بعد سبحان الملک القدوس بلند آواز پڑھنا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۸/فروری ۱۹۳۵ء)

سوال (۱) ماہ رمضان میں تراویح کی نماز میں تسبیحات جو بلند آواز سے پڑھتے ہیں، کیا آہستہ نہیں پڑھ سکتے؟

(۲) اور کیا بعد نماز وتر کے **سبحان الملک القدوس** اونچی آواز سے بولنا ضروری ہے؟

الجواب

(۱) تسبیحات آہستہ پڑھنا بہتر ہے، معمولی آواز سے پڑھنے میں مضائقہ تو نہیں؛ لیکن آہستہ پڑھنا افضل ہے۔(۱)

(۲) وتر کے بعد "**سبحان الملک القدوس**" ذرا اونچی آواز سے کہنا مستحب ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفر لہ (کفایت المفتی: ۳/۴۱۱)

کیا بعد تراویح اور بعد ختم قرآن دعا مکروہ ہے:

سوال (۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ تراویح میں اور ختم قرآن کے وقت دعا مکروہ ہے۔

جماعت سے ختم قرآن پر دعا:

(۲) جماعت کے ساتھ قرآن ختم ہونے کے وقت دعا مکروہ ہے، اس واسطے کہ اس طرح دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ یہ دونوں مسائل صحیح ہیں، یا نہیں؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعا مسنون و مستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابت دعا کا ہے؛ اس لیے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعا بعد التراویح و بعد الختم ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۷۰-۲۷۱)

---

(۱) عن أبی موسی الأشعری قال: "أخذ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی عقبة أوقال فی ثنیة" قال: فلما علی علیها رجل نادی فرفع صوته لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أکبر، قال: "ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی بغلته قال: "فإنکم لا تدعون أصم ولا غائباً. (صحیح البخاری، باب لا قول ولا حول ولا قوه إلا باللّٰه: ۲/۹٤۸-۹٤۵، ط: قدیمی کتب خانة کراچی، انیس)

(۲) عن سعید بن عبد الرحمٰن بن أبزٰی عن أبیه قال: "کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوتر سبح اسم ربک الأعلٰی وقل یأیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد وإذا سلم قال سبحان الملک القوس ثلاث مرات یمد صوته فی الثالثة ثم یرفع (سنن النسائی، التسبیح بعد الفراغ من الوتر: ۱/۱۹٦، ط، سعید)

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللّٰه عنه قال أخذ بیدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: إنی لأحبک، فقلت: أنا أحبک یارسول اللّٰه! قال: فلا تدع أن تقول فی دبر کل صلاة: رب أعنی علٰی ذکرک. (مشکوة: ص: ۸۸) ==

تراویح میں تذکیر اور ختم قرآن پر دعا:

سوال: حافظِ قرآن تراویح کی نماز پڑھائے اور ترویحہ کے وقفہ میں مسجد کا امام اللہ اور رسول ا کے ارشادات بلند آواز سے پڑھ کر سنائے، نیز بیس رکعت کے آخر میں ایک مرتبہ دعا کی جائے تو کیا یہ درست ہے؟ (شیخ حسن، کہمم)

الجواب

ترویحہ کے وقفہ میں کوئی خاص عمل متعین نہیں، ذکر کیا جاسکتا ہے، قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے، نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے، دعا کی جاسکتی ہے اور خاموشی بھی اختیار کی جاسکتی ہے، اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کرنا بھی ایک کام ہے؛ اس لیے ان کا سنانا درست ہے؛ بلکہ بہتر ہے؛ تاکہ لوگوں تک دین کی بہتر باتیں پہونچ جائیں، تراویح کے ختم پر دعا کرنا بھی درست ہے؛ کیوں کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے اور ظاہر ہے کہ نماز میں تراویح بھی داخل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۹۱)

تراویح کی دعا سراً، یا جہراً:

سوال: تراویح میں چار رکعت کے بعد جو بیٹھا جاتا ہے اور اس میں تسبیح پڑھی جاتی ہے تو یہ تسبیح بلند آواز سے پڑھنی افضل ہے، یا آہستہ؟

الجواب

شیخ منصور بن ادریسؒ رقم طراز ہیں:

”والدعاء سرًا أفضل منه جهرًا لقوله تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً﴾ لأنه أقرب إلى الإخلاص ويكره رفع الصوت به في الصلاة و غيرها إلا لحاج فإن رفع الصوت له أفضل، لحديث ”أفضل الحج العج والثج“.

ترجمہ: اور دعا سری افضل ہے جہری کی بہ نسبت؛ اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً﴾ (کہ تم اپنے رب کو پکارو یعنی اپنے رب سے مانگو آہ وزاری کے ساتھ دھیمی آواز سے) اس لیے کہ سری دعا میں اخلاص زیادہ ہے اور شیخ منصورؒ بن ادریس نے فرمایا کہ نماز کے اندر، یا نماز کے باہر جہراً دعا پڑھنا مکروہ ہے؛ مگر حاجی اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ حدیث کی رو سے حاجی کے لیے لبیک وغیرہ دعاؤں میں بلند آواز کرنا افضل ہے۔ (مسلک السادات الی سبیل الدعوات) (منقول از فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۱۰۵) (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱/۲۲۹)

== عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: قيل: يارسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: ”جوف الليل الأخر ودبر الصلوات المكتوبات“. (رواه الترمذي) (مشكوٰة، ص: ۸۹، ظفير)

جہراً ترویحہ کی تسبیح:

سوال: ماہ رمضان المبارک میں تراویح میں ہر ترویحہ پر تسبیح جو پڑھی جاتی ہے، شریعت میں کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص تسبیح کو بلند آواز سے پڑھے اور شرکا بلند آواز سے کہیں تو کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس ترویحہ میں اختیار ہے کہ چاہے تو کوئی تلاوت کرے، چاہے درود شریف، یا استغفار، یا تسبیح پڑھے، اس میں بھی سب کو بلند آواز سے آواز ملا کر نہیں پڑھنا چاہیے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۱۳۸۷ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۰/۷)

ترویحہ میں تسبیحات سراً مناسب ہے:

سوال: تراویح کی ہر چہار رکعت میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے: "سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ" الخ امام اور مقتدی جہراً پڑھیں، یا سراً؟ یا امام و مقتدیوں کے حکم میں کچھ فرق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

تسبیح مذکور باخفا پڑھنا بہتر ہے، جہر کرنا خصوصاً جہر مفرط کرنا نہ چاہیے، امام بھی باخفا پڑھے اور مقتدی بھی باخفا پڑھیں، کما فی الحدیث: یا أیها الناس أربعوا علیٰ أنفسکم إنکم لا تدعون أصم ولا غائباً. (الحدیث)(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۳/۴)

تراویح کی چار رکعت بعد درود:

سوال: تراویح کی چار رکعت کے بعد جو لوگ درود برخواجۂ عالم کہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

تراویح کی چار رکعت کے بعد جو لوگ کہتے ہیں "درود برخواجۂ عالم" اس طرح کہنے میں کچھ حرج بھی نہیں ہے؛ مگر یہ درود شریف نہیں ہے اور درود شریف پڑھنے میں زیادہ ثواب ہوتا ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کی جگہ "صلی اللہ علیہ وسلم"

(۱) وقد قالوا: إنهم مخیرون فی حالة الجلوس، إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرأوا القرآن، وإن شاء وصلوا أربع رکعات فرادیٰ، وإن شاء واقعدوا ساکتین، إلخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۴۹۷/۲، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

(۲) مشکوٰة المصابیح، باب ثواب التسبیح، الفصل الأول، ص: ۱۰۲، ظفیر

کہہ دیا کریں، یا اور کوئی درود شریف پڑھا کریں، یا ''سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر'' پڑھا کریں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۸۶/۴)

ترویحہ میں صلوٰۃ بآواز بلند پڑھنا کیسا ہے:

سوال: نماز تراویح میں ہر چہار رکعت کے بعد بیٹھ کر چند منٹ صلوات پکارا جاتا ہے، عند الحنفیہ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز تراویح میں ہر چہار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا اور تسبیح وتہلیل اور درود شریف وغیرہ پڑھنا مستحب ہے، ہر ایک تسبیح وتہلیل وغیرہ پڑھتا رہے، مل کر اور آواز ملا کر پڑھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ یہ اچھا نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۶۶/۴-۲۶۷)

ہر ترویحہ پر ''صلوۃ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'':

سوال: بعد چار رکعت نماز تراویح کے جو شخص ''صلوۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' پر جہر کر کے نہ پڑھے؛ بلکہ تسبیح اور درود شریف جو نماز میں تشہد کے بعد ہے، اس کو آہستہ پڑھ لے۔ اس شخص کو برا کہنا اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا کیسا ہے؟ کیا یہ شخص قابل ملامت ہے، یا نہیں؟ کیا ''الصلوۃ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کو ضروری جاننا اور کہنا کہ یہ شریعت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اختیار ہے، کہ خاموش بیٹھے یا تسبیح ودرود وتلاوت وذکر وغیرہ پڑھے، یا تنہا نفل پڑھے، کسی چیز کی پابندی نہیں اہل مکہ اس وقت طواف کرتے ہیں:

ويجلس ندباً بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادىٰ وأهل مكة يطوفون وأهل المدينة يصلون أربعًا. (ردالمحتار) (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۹-۳۶۰)

تراویح کے بعد بآواز بلند درود وسلام کا ثبوت نہیں:

سوال: بعد ادائے چار رکعت نمازِ تراویح کے جلسہ کر کے اٹھتے وقت بعض دیار میں تسبیح آہستہ پڑھ کر درود بر خواجہ عالم کے بعد بآواز بلند صلوٰۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ بلند کرتے ہیں، اس کی اصل کسی کتاب میں شرعاً پائی جاتی ہے، یا نہیں؟

---

(۱) يجلس ندباً بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت و صلاة فرادىٰ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ۴۹۷/۲، انيس)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۹۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

الجواب

اس کی اصل بہ ہیئت کذائیہ شریعت میں کچھ نہیں ہے، فقہا نے یہ لکھا ہے کہ ہر ترویحہ تراویح میں؛ یعنی چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے، یا قرآن شریف پڑھے، یا رکعات نفل پڑھے، یا کچھ نہ کرے۔
اور شامی میں ہے کہ قہستانی میں ہے کہ بعد ہر ترویحہ کے "سبحان ذی الملک والملکوت، الخ" تین بار پڑھے۔(۱)
احقر کہتا ہے کہ کلمہ "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" کی بہت فضیلت احادیث صحیحہ میں وارد ہے؛ اس لیے تکرار اس کا افضل ہے اور یہی معمول ومختار تھا، حضرت محدث وفقیہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ فقط
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۴۵-۲۴۶)

ہر ترویحہ میں بلند آواز سے ذکر:

سوال: نماز تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد تسبیح آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟
(المستفتی: ۱۱۳۰، محمد عنایت حسین صاحب کھنور، ۲۶/رجب ۱۳۵۲ھ، مطابق ۱۶/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

تھوڑی آواز سے پڑھنا جب کہ اس پر اصرار والتزام نہ ہو جائز ہے، (۲) جہر پر اصرار کرنا مکروہ ہے۔
محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۳/۳۹۴)

ترویحہ میں مناجات درست ہے، یا نہیں:

سوال: مولانا کرامت علی جونپوری نے "صلوٰۃ تراویح" میں بعد ہر ترویحہ کے ایک مناجات لکھی ہے، وہ معتبر دلیل سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اس کو چھوڑ کر دوسری مناجات بھی پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

ہر ترویحہ میں تسبیح وتہلیل اور درود شریف واستغفار وغیرہ درست ہے، کوئی خاص مناجات ضروری نہیں ہے، "سبحان ذی الملک والملکوت إلخ" کو شامی وغیرہ میں نقل کیا ہے، اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے اور کلمہ "سبحان الله والحمد لله، الخ" کا تکرار کرنا زیادہ اچھا ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۴۸)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح: ۲/۴۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس
(۲-۳) يجلس ندبا بين كل اربعة بقدرها كذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت. (الدر المختار)
قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات "سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحي الذي لا ينام ولا يموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح، لا إله إلا الله نستغفر الله نسألك الجنة ونعوذ بك من النار. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح: ۲/۴۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

بعد ترویحہ مناجات ونوافل جائز ہے، یانہیں:

سوال: درتراویح بعد ترویحہ مناجات ونوافل جائز است، یانہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

درتراویح بعد ہر ترویحہ دعا ومناجات وذکر وتسبیح وتہلیل ودرود شریف ونوافل ہمہ جائز است۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۹۰-۲۹۱)

ترویحۂ تراویح میں وعظ کا رواج درست ہے، یانہیں:

سوال: ام طور پر مساجد میں نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد تسبیح پڑھی جاتی ہے؛ مگر ایک مسجد میں اس کے برخلاف اس قلیل عرصہ میں وعظ کہا جاتا ہے۔آیا دونوں امر جائز ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

ہر چار رکعت تراویح کے بعد مشروع ومستحب یہ ہے کہ تسبیح وتہلیل درود شریف وغیرہ پڑھیں، اگر ضروری وعظ بھی کبھی ہوجاوے، جس کی ضرورت ہوتو کچھ مضائقہ نہیں؛ مگر التزام اس کا ہر ترویحہ میں کہ وعظ ضرور کہا جاوے، اچھا نہیں ہے، کما قال فی الدرالمختار: ویخیرون بین تسبیح وقراءۃ وسکوت وصلاۃ فرادی.(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۴)

کیا ترویحہ میں نصیحتوں کا پڑھ کر سنانا درست ہے:

سوال: کیا تراویح کے ترویحہ میں بجائے تسبیح کے لقمان کی نصیحتیں، تذکرہ دربیان ادب استادوذکر دوزخ وبہشت وغیرہ وغیرہ کا بیان درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

یہ بھی درست ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ وقت تسبیح وغیرہ میں گزارے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۲)

ترویحہ میں احادیث سنانا:

سوال: یہاں مسجد میں نماز تراویح میں ہر ترویحہ کے بعد کچھ حدیثیں سنائی جاتی ہیں، غرض اصلاح وتعلیم ہے۔ کچھ لوگ پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور بند کرانے کو کہتے ہیں۔کیا ایسا کرنا شریعت

---

(۱) ثم هم مخيرون في حالة الجلوس، إن شاؤوا سبحوا وإن شاؤوا قعدوا ساكتين.(الفتاویٰ الهندية:۱/۱۱۵،مكتبة زكريا،انيس)

(۲) الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،مبحث صلاة التراويح:۲/۴۹۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۳) ويجلس ندباً بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادیٰ.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،مبحث صلاة التراويح:۲/۴۹۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

مطہرہ میں مداخلت سمجھا جائے گا، یا پسندیدہ؟ یہ طریقہ اس طرف دیگر مقامات میں بھی چل رہا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

یہ بہت اچھا طریقہ ہے، اس سے بہت معلومات دین میں اضافہ ہوگا۔ کاش! کہ سب لوگ اس پر متفق ہو جائیں؛ لیکن ان کو مجبور نہ کیا جائے، (۱) اگر وہ انکار کریں اور مسجد چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر یہ طریقہ بند کر دیا جائے، (۲) اور تراویح و وتر ختم ہونے کے بعد یا کسی دوسرے وقت حدیثیں سنائی جائیں، جس کا دل چاہے بیٹھے اور سنے اور فائدہ حاصل کرے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۷ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۶۱-۳۶۲)

چار ترویحوں پر خلفا کے نام:

سوال: ہمارے پورے حیدرآباد دکن میں دو رکعت تراویح کے بعد بیٹھ کر تسبیح پڑھتے ہیں، پھر چار رکعت پر بیٹھ کر تسبیح اور امام دعا پڑھتا ہے، مقتدی آمین کہتے ہیں اور چار رکعت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اور اسی طرح چار چار رکعتوں کے ختم پر ایک ایک خلیفہ کا نام لے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم کر دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

یہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں، (۴) کتب فقہ میں تمام مسائل لکھے ہیں، ان میں یہ کہیں مذکور نہیں، صرف چار رکعت پر کچھ دیر کے لیے بیٹھ کر تسبیح، درود شریف، استغفار اور تلاوت میں مشغول رہیں، جیسا کہ شامی میں لکھا ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۸۴ھ، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۶۱)

---

(۱) ويجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح و قراء ة وسكوت وصلاة فرادیٰ. (الدرالمختار) (قوله: وصلاة فرادیٰ) وأهل مكة يطوفون، وأهل المدينة يصلون أربعًا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ٤٦، سعيد)

(۲) عن انس رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم قال: يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا. (صحيح البخاری، باب ما كان النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كی لاينفروا: ۱/ ۱٦، قديمی)

(۳) عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يتخولنا بالموعظة فی الأيام كراهة السامة علينا. (صحيح البخاری، باب ما كان النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كی لاينفروا: ۱/ ۱٦، قديمی)

(۴) عن عائشة قالت: قال النبی صلی اللّٰه تعالی عليه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاری، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علٰی صلح جور فهو رد: ۱/ ۳۷۱، قديمی)

(البدعة) ما أحدث علٰی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويمًا وصراطًا مستقيما. (ردالمحتار، مطلب: البدعة علٰی خمسة أقسام: ۲/ ٤٩٩، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۵) (ويجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراء ة وسكوت وصلاة فرادیٰ. (الدرالمختار) "(قوله: وصلاة فرادیٰ) وأهل مكة يطوفون، وأهل المدينة يصلون أربعاً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ٤٦، سعيد)

تراویح کے ترویحہ میں تمام جماعت کو چائے وغیرہ پلوانا خلاف سنت و بدعت ہے:

سوال: یہاں کے پیش امام نماز تراویح میں چار رکعت و دس رکعت کے بعد تمام جماعت کو مع امام مسجد کے برآمدے میں بلا کر چائے پلواتے ہیں اور جب ان کو کہا گیا کہ یہ فعل اچھا نہیں ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف میں ایسا ہی ہوتا ہے اور کتاب شامی اور درمختار میں یہ مسئلہ موجود ہے، علمائے کرام سے ہم مسلمانوں کی التجا ہے کہ اگر یہ فعل واقعی جائز ہے تو بھی اور اگر ناجائز ہو تو بھی مع سند و مہر کے فی سبیل اللہ لکھ کر روانہ فرماویں۔ نماز تراویح سے چھوٹی چھوٹی سورت سے پڑھی جاتی تھی۔

الجواب

قال فی الدر: یجلس ندباً بین کل أربعة (۱) بقدرها و کذا بین الخامسة والوتر (۲) ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ. وفی النهر وأما الصلاة فقیل مکروهة و قیل سنة وهو ظاهر، کما فی السراج وأهل مکة یطوفون وأهل المدینة یصلون أربعًا، آه. (۳)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ چار رکعت کے بعد تراویح میں قدرے استراحت و انتظار مستحب ہے، جس میں تسبیح وقرأت وسکوت کا اختیار دیا گیا ہے اور بعض نے منفرداً نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے اور بعض نے اس سے منع کیا ہے؛ لیکن کھانے پینے کا اختیار کسی نے نہیں دیا؛ اس لیے اکل وشرب کو اس جلسہ میں معمول قرار دے لینا یقیناً بدعت ہے۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ کسی نمازی کو پیاس لگے تو وہ بوقت جلسہ پانی پی لے، یا کوئی شخص کبھی ضرورت کی وجہ سے چائے پی لے؛ لیکن اس جلسہ کو چائے نوشی کا جلسہ قرار دے لینا کہ سب نمازی مع امام کے چائے نوشی میں مشغول ہو جائیں، خلاف سنت اور طریقۂ بدعت ہے اور اہلِ مکہ و مدینہ کا فعل زمانۂ خیریت میں تو بوقت جلسہ ترویحہ طواف وصلوٰۃ تھا، اگر اس زمانۂ شر میں یہ معمول بدل گیا ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں اور نہ ان کا یہ فعل حجت ہے۔ واللہ اعلم

۲۲ر شوال ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۲۴۴-۲۴۵)

ہر ترویحہ میں خلفائے راشدین کے نام:

سوال: اکثر مساجد میں تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد دعا کی جاتی ہے اور بعد دعا خلفائے راشدین کا نام لیا جاتا ہے کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

الجواب　حامدًا و مصلیًا

یہ چیز حدیث وفقہ میں میری نظر سے نہیں گزری، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان سے دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ کس کتاب میں ہے۔ (البتہ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد جلسۂ استراحت مستحب ہے، اس میں اختیار ہے خواہ تسبیح و درود پڑھے، خواہ نفل وتلاوت میں مشغول رہے، خواہ دعا و مناجات میں مصروف رہے، یا سکوت اختیار کرے: (ویجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها و کذا بین الخامسة والوتر) ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/ ۹۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۳۶۰)

(۱)　إلا وضع قول الکتر بعد کل أربعة.

(۲)　والاستراحة علیٰ خمس تسلیمات اختلف المشایخ فیه وأکثرهم علیٰ أنه لایستحب وهو الصحیح، آه. مراده بخمس تسلیمات خمس اشفاع أی علی الرکعة العاشرة، کما فسربه فی شرح المنیة.

(۳)　ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة: ۲/ ۴۹۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

تراویح میں ختم قرآن کے مسائل

تراویح میں ختم قرآن سنت ہے:

سوال: حافظ کو تراویح میں قرآن سنانا واجب ہے، یا مستحب؟ درصورت وجوب اگر کوئی شخص پڑھتے وقت ریا ونمود سے بچنے کی اپنے میں قوت نہ رکھتا ہو تو اس کو سنانا جائز ہے، یا نہ؟ درصورت غیر جواز نہ سنانے سے قرآن شریف کا کوئی حق، یا مواخذہ اس کے ذمہ باقی رہے گا، یا نہیں؟ اگر رہے گا تو چھٹکارہ کی کیا صورت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

تراویح میں قرآن شریف سننا اور سنانا سنت اور مستحب ہے اور خوف ریا وعجب کی وجہ سے چھوڑا نہ جاوے اور حتی الوسع کوشش حصول اخلاص کی کی جاوے اور لوجہ اللہ بلا معاوضہ سنایا جاوے، یہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے اور اس میں فضیلت ہے۔(۱) باقی اگر کسی عذر سے تراویح میں کسی حافظ نے قرآن شریف نہ پڑھا اور ویسے تلاوت کرتا رہتا ہے تو مؤاخذہ سے بری ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۸/۴)

ختم قرآن تراویح میں سنت علی الکفایہ ہے:

سوال (۱) ایک گاؤں میں، یا قصبہ میں تمام قرآن مجید کا تراویح میں جماعت کے ساتھ سننا سنت مؤکدہ ہے، یا نہیں؟

(۲) اور تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا مؤکدہ ہے، یا علی الکفایہ؟ کہ ایک دو نے جماعت کے ساتھ پڑھ لی؟

(فرزند علی شاہ سہارن پور)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

(۱،۲) تراویح میں ایک مرتبہ قرآن شریف کا ختم کرنا پڑھ کر، یا سن کر سنت مؤکدہ ہے، اسی طرح جماعت بھی

(۱) والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلا ثاً أفضل ولا يترك الختم لكسل القوم.(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

أى قراءة الختم فى صلاة التراويح سنة. (رد المحتار،مبحث التراويح : ٦٦٢/١،ظفير)

(۲) سورة البقرة: ٢٨٦،انيس

سنت مؤکدہ ہے اوراس میں گاؤں، یاقصبہ کی کوئی تخصیص نہیں؛ لیکن اگر سب لوگ تو جماعت سے تراویح پڑھیں اورایک دوشخص بغیر جماعت تراویح پڑھیں تو یہ سنت سب کے ذمہ سے اداہوگئی، اگر چہ اس بغیر جماعت پڑھنے والے سنت کا ثواب نہیں ملا اوراگر سب نے جماعت چھوڑی بغیر جماعت تراویح پڑھی تواگرچہ نفس تراویح کی سنت ادا ہوجائے گی؛ لیکن جماعت کی سنت چھوڑنے کا وبال سب کے سر رہے گا۔

"والجماعة فيها سنة على الكفاية فى الأصح،أفاد أن أصل التراويح سنة عين،فلوتركها واحد كره، بخلاف صلا تها بالجماعة،فإنها سنة كفاية،فلوتركها الكل أساؤا،أما لوتخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلٰى فى بيته،فقد ترك الفضيلة والختم مرة سنة،اه. (الدرالمختار وردالمحتار)(۱)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۱۴-۳۱۵)

تراویح میں ختم قرآن کا ثبوت:

سوال: ختم قرآن تراویح رمضان میں، یاغیراس کے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم، یازمان شیخان ؓ (علیہم الصلوٰۃ والرضوان) میں ثابت ہے، یانہیں؟ اگر ہے تو ترتیب عثمانی پر، یاکسی اورطرح پر؟

الجواب

تراویح میں ختم قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً ثابت نہیں اور نہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے صراحۃً ثابت ہے، ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ سب لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے ہیں، میں چاہتاہوں کہ تم سب کو رمضان کی راتوں میں نماز پڑھادیا کرو۔

اورظاہر ہے کہ صحابہ میں کوئی شخص بھی قدر قلیل عادی نہ تھا، پس اس کے معنی سوااس کے کچھ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ لوگ پورا قرآن نہیں پڑھ سکتے۔

نیز حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کے زمانۂ تراویح اتنی دیر میں ختم ہوتی تھی کہ بعض لوگ لاٹھی پر سہارا لیتے اورسحری کے فوت ہوجانے کا اندیشہ کرتے تھے اور بعادت غالبہ اتنی دیر جب ہی ہوسکتی ہے کہ امام قرآن ختم کرنا چاہتا ہواور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام رمضان کی راتوں میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا، (یعنی نماز سے پہلے، یانماز کے بعد قرآن دیکھ لیا کرتا؛ تاکہ نماز میں بھول نہ ہو۔) اور یہ بھی جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ ختم قرآن کا اہتمام ہو، ورنہ وہی سورتیں پڑھتا جوخوب یاد تھیں۔

یہ تمام دلائل اس امر کے ہیں کہ صحابہ کوتراویح رمضان میں ختم قرآن کا اہتمام تھا۔صحابہ کے اس اہتمام سے معلوم

(۱) الدر المختارمع ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۵ ،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں قرآن ختم کرتے ہوں گے، گو صراحۃً حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال مسئلہ ظنیہ یہی دلالت ظنیہ بھی کافی ہے، گو معارض پر حجت نہ ہو، خصوص جب کہ اس کے پاس بھی دلائل ہوں، پھر امام ابوحنیفہؒ نے ایک ختم کو سنت فرمایا ہے اور وہ تابعی ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سلف کو اس کا اہتمام کرتے دیکھا اور سنا ہوگا۔ **والبسط فی رسالتنا إعلاء السنن.** واللہ اعلم

۵؍شوال ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۷۶)

تراویح میں پورا قرآن پڑھنا افضل ہے:

سوال: تراویح میں پورا قرآن پڑھنا افضل ہے، یا سورۂ فیل سے تراویح پڑھنا اولیٰ ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے: ''**والختم مرۃً سنۃٌ، إلخ، ولا یترک الختم لکسل القوم.** (الدر المختار) (۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ختم قرآن تراویح میں ایک بار سنت ہے اور سستی قوم کی وجہ سے اس کو ترک نہ کریں۔ اسی پر عمل ہے اور یہی معمول بہ ہے۔ باقی تفصیل شروح میں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۷۴)

تراویح ختم قرآن کے سنت مؤکدہ ہونے پر بحث اور اس پر دلیل کی طلب:

سوال: کل ایک صاحب نے مراد آباد میں یہ روایت بیان کی کہ حضور والا نے ایک مسجد میں جس میں مولانا..... صاحب اور مولوی.... صاحب بھی تھے، یہ فرمایا کہ مجھے آثار صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تراویح میں ختم قرآن شریف کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوا اور اس رمضان میں میں نے تراویح میں ختم قرآن شریف تمام نہیں پڑھوایا، اس کے بعد انہی راوی صاحب کا بیان ہے کہ.....صاحب کی خدمت میں یہ روایت بیان کی گئی، اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں فتنۂ عظیم کا اندیشہ ہے، لوگ کہیں گے ان لوگوں کو ابھی مسائل کی بھی تحقیق نہیں ہوئی، کیا معلوم ہے کہیں نماز کے متعلق جدید تحقیق نہ ہونے لگے وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ ہے کہ مراد آباد سے یہ روایت سیوہارہ پہنچی اور مخالفین نے اعتراضات شروع کئے، چوں کہ صحیح واقعہ کا علم نہیں، اس وجہ سے اپنے علم کے موافق معترضین کو خدام نے جواب دیا، میں اس وقت اسی مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھ رہا تھا، خوش قسمتی سے یہی مضمون حجت الاسلام سند المحدثین مولانا شاہ محمد عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ میں نظر سے گزرا، فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضور والا کے ہم خیال سلف صالحین میں بھی موجود ہیں، اب اگر حضور کی جانب فتنہ کی نسبت کی جائے تو پہلے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف نسبت ہوگی۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ عن ذلک) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ ارقام (۱) فرماتے

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، مبحث التراویح: ۲/۴۹۵، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

ہیں: ''ونیز ختم قرآن رادریں نماز سنت می گویند ایں از کجا؟ نعم درحدیث آمدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ہر رمضان باجبرئیل علیہ السلام مدارست قرآن می کردودر رمضان اخیر دوبارہ کرد از ینجاست ختم در رمضان ثابت می شود لیلا ونہارا خارج الصلوٰۃ'' الخ۔ (ص:۱۱۸/ج:۱، مجموعہ فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی) امید کہ حضور والا صحیح واقعہ سے مطلع فرمائیں گے؟

الجواب

مجھ کو اس معاملہ میں دو تردد تھے، ایک یہ کہ آیا ختم کا سنت مؤکدہ ہونا اصل مذہب ہے، یا صرف مشائخ کا قول ہے؟ مراجعت کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ علماء احناف میں مختلف فیہ ہے، اکثر کا قول تو تأکد ہی ہے، بعض کا قول عدم تأکد بھی ہے اور منشاء اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ حسنؒ نے امام صاحب سے اس کی سنیت نقل کی ہے، **من غير تصريح بتأكده أو عدمه**، اکثر مشائخ نے اس کو سنت مؤکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تأکد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنت پر محمول کیا، **ولو مستحبا**، اسی واسطے بعض متون میں اس کی سنیت کو لیا ہے اور بعض میں مثل قدوری کے نہیں لیا، پھر قائلین بالتأکد میں بھی متأخرین نے عذر کی حالت میں تأکد کو ساقط کردیا، **ومنه كسل القوم أو نحوه**، خانقاہ میں گاہ گاہ ختم نہ ہونا اسی قول عدم تأکد پر مبنی ہے، خواہ یہ عدم تأکد اصل ہی سے ہو، خواہ کسی عذر سے ہو اور عذر ہر ایک کا جدا ہے۔

دوسرا تردد یہ تھا اور ہے کہ قائلین بالتأکد کی دلیل کیا ہے؟ سو اسی کو میں متعدد علما سے استفسار کیا کرتا ہوں، جس سے مقصود تأکد کی نفی نہیں؛ بلکہ اس پر طلب دلیل ہے، اگر اس پر بھی اعتراض ہے تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ جو امر معلوم نہ ہو، اس کو طلب نہ کرنا چاہیے تو اہل انصاف خود ہی غور کرلیں کہ آیا دین میں طلب علم مقصود ہے، یا بقاء علی الجہل۔

اشرف علی، ۲۴/شوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح: ۱۶۰/۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۹۹/۱-۵۰۱)

ایک ختم سے زیادہ پڑھنا تراویح میں کیسا ہے:

سوال: تراویح میں حافظ قرآن جو تین چار ختم پڑھتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ سنت مؤکدہ صرف ایک ختم ہے، باقی کا کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر ایک حافظ چند مساجد میں ختم پڑھے تو کیا حکم ہوگا اور دوسری مسجد والوں کو ثواب ختم کا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے: **''والختم مرةً سنةٌ ومرتين فضيلةٌ وثلاثاً أفضل، إلخ''.** (۲) اور دوسری مسجد میں بھی دوسرا ختم درست ہے اور دوسری مسجد والوں کو سنت ختم کا ثواب حاصل ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۴/۴)

(۱) یہ سائل کی شدید غلطی ہے، جو عبارت وہ حضرت شاہ صاحب دہلوی قدس سرہ کی طرف منسوب کرکے نقل کررہا ہے، وہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت نہیں ہے؛ بلکہ حضرت شاہ صاحب سے سوال کرنے والے سائل کی عبارت ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ عزیزی: ۱۱۸/۱ (مجتبائی) سعید احمد)

(۲) الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مبحث فی التراویح: ۶۶۲/۱، ظفیر

تراویح میں دومرتبہ قرآن ختم کرنا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴ رجنوری ۱۹۳۵ء)

سوال: جب حافظ رمضان میں کلام الٰہی تراویح میں ایک قوم کے سامنے ختم کرے، پھر دوسری قوم کے سامنے ختم کرنے سے اس دوسری قوم کا سنت ختم ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

ہاں اگر کوئی حافظ قرآن دس روز ایک جماعت کو تراویح میں قرآن مجید سناوے اور دس روز دوسری جماعت کو اور دس روز تیسری جماعت کو تو تینوں جماعتوں کو سنت ختم کا ثواب مل جائے گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲/۴۱۰-۴۱۱)

نماز تراویح میں آیۃ الکرسی کو مکرر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: نماز تراویح میں آیۃ الکرسی کو مکرر پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ اور اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

نماز مکروہ نہیں ہوتی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱/۱/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۱۶)

کیا تراویح لمبی نہیں ہونی چاہیے:

سوال: ایک شخص جماعت تراویح میں یہ اعتراض کرتا ہے کہ لوگ دن بھر کے تھکے ماندے ہوتے ہیں؛ اس لیے امام کو اتنی لمبی رکعتیں نہ کرنی چاہیے تو امام کو کیا کرنا چاہیے؟

---

(۱) والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلا ثاً أفضل ولا يترك الختم لكسل القوم. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) فرائض میں ایک رکعت میں ایک سورت کا بار بار پڑھنا مکروہ ہے۔ قاضی خاں کے بیان کے مطابق تطوع میں کوئی حرج نہیں، بعض فقہا نے تکرار کے غیر مکروہ ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مصلی انفرادی نماز پڑھ رہا ہو تو حالت عذر ونسیان میں بہر حال تکرار مکروہ نہیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے: امداد الفتاوی: ۱/۴۹۱، ۴۹۲۔ [مجاہد]

"ويكره تكرار السور في ركعة واحدة في الفرائض ولا بأس بذلك في التطوع، كذا في فتاوى قاضي خان، وإذا كرر آية واحدة مرارًا فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده فذلك غير مكروه وإن كان في الصلاة المفروضة فهو مكروه في حالة الاختيار وأما في حالة العذر والنسيان فلا بأس، هكذا في المحيط". (الفتاوى الهندية، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره ۱/۱۰۷)

الجواب

امام کوقرأت ہلکی ہی کرنی چاہیے، البتہ ایک دفعہ ختم قرآن شریف تراویح میں ہوجانا سنت ہے۔ایک ایک پارہ روز ہوجایا کرے،اس سے کم نہ ہو۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۷۵/۴)

تراویح میں قرآن کی مقدار:

سوال: نمازتراویح میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کتنا قرآن سنا جاسکتا ہے؟ (عبداللہ یونس، چندرائن گٹہ)

الجواب

کم سے کم اتنا قرآن پڑھنا بہتر ہے کہ مہینہ بھر میں ایک قرآن مکمل ہوجائے،اس سے زیادہ قرآن کا پڑھنا مقتدیوں کی بشاشت پر موقوف ہے،مقتدی بشاشت اورنشاط کے ساتھ جتنا قرآن سن سکیں،اتنا ہی قرآن سنانا چاہیے،یوں جہاں تک نماز تراویح ادا ہوجانے کی بات ہے تو اس میں جوحکم اورنمازوں کا ہے،وہی حکم نماز تراویح کا بھی ہے؛ یعنی سورۂ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں کم سے کم تین چھوٹی آیتیں،یا تین چھوٹی آیت کے بقدر ایک بڑی آیت پڑھ لی جائے تو نماز تراویح ہوجائے گی۔

(کتاب الفتاویٰ:۴۱۹/۲)

تراویح قرأت کی مقدار:

سوال: تراویح میں کتنا قرآن پڑھنا چاہیے؟

الجواب

تراویح میں کم ازکم ایک قرآن مجید ختم کرنا سنت ہے،لہذا اتنا پڑھا جائے کہ ۲۹/رمضان کوقرآن کریم پورا ہوجائے۔(۲)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۰/۴)

کسی شخص کی رعایت سے اس کے فوت شدہ قرآن کو تراویح میں لوٹانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امام کی نسبت کہ کسی خاص شخص کی رعایت سے قرآن شریف کی ترتیب

(۱) والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلا ثاً أفضل و لايترک الختم لكسل القوم،لكن فى الاختيار:الأفضل فى زماننا قدرما لايثقل عليهم وأقرّه المصنف وغيره.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،مبحث صلاة التراويح:۴۹۵/۲،انيس)

(۲) وصرح فى الهداية بأن أكثر المشائخ علىٰ أن السنة فيها الختم وفى مختارات النوازل أنه يقرأ فى كل ركعة عشر آيات وهو الصحيح؛لأن السنة فيها الختم لأن جميع عدد الركعات فى جميع الشهرست مائة ركعة وجميع آيات القرآن ستة آلاف.(البحر الرائق:۷۴/۲)

(وأيضا)وحكى أن المشائخ رحمهم الله تعالىٰ جعلوا القرآن علىٰ خمس مائة وأربعين ركوعًا،وأعلموا ذلک فى المصاحف حتىٰ يحصل الختم فى ليلة السابع والعشرين،إلخ.(الفتاوىٰ الهندية:۱۱۸/۱)

(أيضا)ولجمهور علىٰ أن السنة الختم مرة فلا يترک لكسل القوم ويختم فى ليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر،إلخ.(البحرالرائق:۷۴/۲)

پوری کرنی؛ یعنی اگر اس شخص کا رمضان شریف میں قرآن شریف سننا ترک ہوگیا ہوتو پھر اس کو دوسرے روز انہیں بیس رکعت میں پڑھنا اس حالت میں کہ مقتدیوں کو بار اور تکلیف اور وقت کی تنگی ہو اور امام اس شخص کی اکثر رعایت کرتا ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز تو اس کے پیچھے جائز ہے؛ مگر خود یہ فعل کہ ایک شخص کی رعایت کرے اور دوسروں کو گرانی ہو، مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر یہ شخص مفسد ہے کہ اس سے اندیشہ ضرر ہے تو مکروہ بھی نہیں۔

فی الدر المختار: وکرہ تحریمًا إطالة رکوع أوقراءة لادراک الجائی أی أن عرفه.

فی رد المحتار: إلا إذا کان داعرًا شریرًا. وفی ردالمحتار: وإن لم یعرفه فلابأس (إلیٰ قوله) **لکن یطول مقدارما لم یثقل علی القوم.** (۵۱۶/۱)(۱)

سلخ جمادی الأولی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ: ۳۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۸۹/۱)

تراویح میں قرآن سننے سے قرآن کا ثواب ملتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید کہتا ہے کہ تراویح کے اندر دو چیزیں ہیں: اول قرأت جو فرض ہے، دوم سنت مؤکدہ۔ جب تراویح کے اندر قرآن شریف پڑھا گیا تو دونوں چیزوں میں سے صرف ایک چیز کا ثواب حاصل ہوا؛ یعنی اگر سنت مؤکدہ کا ثواب حاصل کیا تو قرأت کے ثواب سے محروم رہا، بعد نمازِ تراویح اسی وقت کسی سے قرآن پڑھوا کر سن لیا جائے؛ تا کہ دونوں کا ثواب حاصل ہو جائے۔ زید اسی قسم کے مسائل پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے، آیا یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ قول اس کا غلط ہے۔ تراویح میں قرآن شریف پڑھنے سے قرآن شریف کا بھی ثواب تالی وسامعین کو ہوتا ہے اور جو شخص ایسے مسائل بیان کرتا ہے اور ان پر مصر ہے، وہ لائق امام بنانے کے نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۴۹/۴)

نماز تراویح میں قرآن مجید سننا کیسا ہے:

سوال: نماز تراویح میں اول سے آخر تک قرآن شریف کا سننا فرض ہے، یا واجب، یا سنت، یا مستحب؟

الجواب

نماز تراویح میں کلام اللہ شریف سننا سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۵)

تراویح میں قرآن مجید سنانا:

سوال: ہر حافظ قرآن کو ہر ماہ رمضان میں محراب میں سنانا سنت مؤکدہ ہے، یا نہیں؟ اور حافظ کو محراب میں

(۱) مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۱۹۸/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

سنانے میں زیادہ ثواب ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح میں قرآن سنانا اور سننا سنت ہے؛ مگر ہر حافظ پر مؤکد نہیں کہ سب پڑھا کریں، اگر کوئی جدا پڑھے، جب بھی درست ہے، اس کے ترک سے عتاب نہ ہوگا؛ مگر قرآن کو پڑھتے رہنا چاہیے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۵)

تراویح میں امام کی آواز نہ سن سکے، تب بھی پورا ثواب ملے گا:

سوال: تراویح میں زیادہ مخلوق ہونے کی وجہ سے اگر پیچھے والی صف قرآن نہ سن پائے تو کیا ثواب وہی ملے گا، جو سامع کو مل رہا ہے؟

الجواب

جی ہاں! ان کو بھی پورا ثواب ملے گا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۹۷)

تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا صحیح نہیں:

سوال: کیا تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز ہے؟

الجواب

تراویح میں قرآن مجید دیکھ دیکھ کر پڑھنا صحیح نہیں، اگر کسی نے ایسا کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۹۷)

تراویح میں قرآن ہاتھ میں لے کر سننا غلط ہے:

سوال: میں نے قرآن پاک حفظ کیا ہے، اور ہر ماہ رمضان میں بطور تراویح سنانے کا اہتمام بھی کرتی ہوں، لیکن جو خاتون میرا قرآن سنتی ہے وہ حافظ نہیں ہے، اور قرآن ہاتھ میں لے کر سنتی ہے، یا پھر کسی نابالغ حافظ لڑکے کو بطور سامع مقرر کر کے نفلوں میں یہ اہتمام کیا جاسکتا ہے؟ ہر دو صورت میں جائز صورت کیا ہے؟

الجواب

ہاتھ میں قرآن لے کر سننا تو غلط ہے، (۲) اور عورت کے لئے کسی نابالغ حافظ کو سامع بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ (۳)
(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۹۷)

(۱-۲) ولو قرأ المصلی من المصحف فصلوٰته فاسدة، إلخ. (بدائع الصنائع: ۵۴۳/۱، دارالکتاب دیوبند، انیس)

(۳) ولا یصح إقتداء الرجل بالمرأة . و فی الشرح: أما غیر البالغ فإن کان ذکرا تصح إمامته لمثله من ذکر وأنثی وخنثیٰ ویصح إقتداء ہ بلذکر مطلقا فقف وإن کان أنثیٰ تصح إمامتها لمثلها فقط وإن کان أنثیٰ تصح إمامتهالمثلها فقط. (ردالمحتار: ۵۷۷/۱، باب الإمامة)

شبینہ تراویح

شبینہ کا مسئلہ:

سوال: شبینہ؛ یعنی کلام اللہ شریف ایک شب میں تراویح میں پڑھنا ثابت ہے، یا نہیں؟ بالخصوص ایسی حالت میں کہ ادائے حروف بترتیل حتی کہ تصحیح الفاظ تک نہیں ہوتی اور مقتدیوں پر بارتطویل وریا وشہرت علاوہ۔ لہذا ایسی صورت میں جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قرآن شریف کا ایک رات میں ختم کرنا بصورت تصحیح الفاظ وغیرہ جائز ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک رات میں ختم کرنا ثابت ہے اور اگر قرآن ترتیل کے ساتھ نہیں پڑھا؛ مگر الفاظ صحیح پڑھے گئے تو اس طرح پڑھنے میں ثواب کم ہوگا اور باترتیل میں ثواب زائد اور ریا تو فرائض میں بھی ممنوع ہے، تراویح پر کیا موقوف ہے اور مقتدیوں کو اگر اس طرح پڑھنا دشوار ہوتا ہے تو نہ پڑھیں۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۵-۳۲۶)

شبینہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شب میں چند حفاظ کا قرآن شریف شبینہ ختم کرنا درست ہے، یا نہ؟

الجواب

قرآن شریف کو ایسی جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آویں اور مخارج سے ادا نہ ہوں ناجائز ہے۔ (۱) پس اگر شبینہ میں ایسی جلدی ہوگی تو وہ بھی ناجائز ہے۔

کما فی الدر المختار: ویجتنب المنکرات هذرمة القراءة، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۶/۴)

---

(۱) ویکره الإسراع فی القراءة وفی أداء الأرکان. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱، انیس)

قال أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه: رب تال للقرآن والقرآن یلعنه. (إحیاء علوم الدین، فی ذم تلاوة الغافلین: ۲۷٤/۱، دار المعرفة بیروت، انیس)

(۲) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، مبحث صلاة التراویح: ٦٦٣/۱، ظفیر

شبینہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: یہاں کی جامع مسجد میں ہر سال ماہ رمضان شریف کی اٹھائیسویں اورانتیسویں شب ان دوراتوں میں شبینہ پڑھا جاتا ہے، بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں، شبینہ ایک ہی رات میں، یا تین راتوں میں ہونا چاہیے؟

(المستفتی: ۱۲۴۶، قاضی کمال الدین صاحب (کاٹھیاواڑ) ۷/رمضان ۱۳۵۵ھ، ۲۳/نومبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

شبینہ کوئی ثابت شدہ چیز نہیں ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ کیا جاتا ہو، اگر سننے والے اور پڑھنے والے شوق سے سنیں اور پڑھیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہے، دس دس پارے ہر روز پڑھے جائیں۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۲)

شبینہ کا حکم:

سوال: اگر شبینہ یعنی ختم قرآن مجید نفلوں میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر شبینہ یعنی ختم قرآن جماعت نفل کے ساتھ ہے تو یہ مکروہ ہے؛ یعنی ناجائز ہے؛ کیوں کہ نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے، جو قریب حرام کے ہے۔ پس ناجائز کہنا اس کو صحیح ہو گیا اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی ہوں اور تین میں اختلاف ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۸۴)

شبینہ کا حکم:

سوال (۱) ایک بلڈنگ ہے، جس میں مختلف کمروں میں بیک وقت نماز نفل میں قرآن پڑھا جا رہا ہے، مثلاً ایک کمرہ میں پارہ نمبر: ۱، سے پارہ نمبر: ۱۰، تک، پھر دوسرے کمرے میں پارہ نمبر: ۱۱، سے پارہ نمبر: ۲۰، تک پھر تیسرے کمرہ میں پارہ نمبر: ۲۱، سے پارہ نمبر: ۳۰، تک پڑھا جا رہا ہے تو اس پر شبینہ کا اطلاق ہوگا، یا نہیں؟

(۲) شبینہ کی تعریف اور اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

---

(۱) ولایختم فی أقل من ثلاثة أیام تعظیمًا له. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح: ۵/۳۱۷، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲) ولایصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان: أی یکره ذلک علیٰ سبیل التدعی بأن یقتدی أربعة بواحد، الخ. (الفتاویٰ الهندیة، باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراویح: ۱/۶۶۳، ظفیر)

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

(۱) اگر امام اطمینان سے اخلاص کے ساتھ پڑھے اور مقتدی شوق کے ساتھ ثواب کے لیے سنیں تو ممنوع نہیں اور شبینہ متعارفہ میں یہ داخل نہیں۔(۱)

(۲) ایک شب، میں یک قرآن کریم ختم کرنے کو عرفاً شبینہ کہتے ہیں، بعض جگہ تراویح میں اور بعض جگہ نوافل میں پورا قرآن شریف ایک ہی رات میں ختم کیا جاتا ہے،(۲) پھر سامعین اکثر بیٹھے رہتے ہیں؛(۳) لیکن چائے وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے، کبھی کئی کئی حافظ ختم کرتے ہیں، پھر کہیں مقابلہ اور مناظرہ ہوتا ہے کہ ہماری مسجد میں اتنے حافظوں نے پڑھا، اتنی دیر میں ختم ہو،(۴) اتنے آدمیوں میں چائے اور مٹھائی تقسیم ہوئی وغیرہ وغیرہ۔(۵) یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے۔(۶) تنہا آدمی اپنے ذوق وشوق سے جس قدر چاہے پڑھے، ایک دو مقتدی اس کے ساتھ ہوں تو مضائقہ نہیں، نفل کی جماعت چار آدمیوں سے زائد نہ کی جائے۔(۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۴ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۷/۷-۳۳۹)

---

(۱) عن أبی أمامة قال: قال النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: "ما أذن اللّٰہ لعبد فی شئ أفضل من رکعتین یصلیهما، وإن البر لیذر علٰی رأس العبد مادام فی صلاته، وما تقرب العباد إلٰی اللّٰہ عزوجل بمثل ماخرج منه"، قال أبو النضر: یعنی القرآن". (سنن الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة: ۱۱۹/۲، سعید)

(۲) عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم قال: لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلاث. (سنن الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة: ۱۱۹/۲، سعید)

(۳) "ویکره للمقتدی أن یقعد فی التراویح، فإذا أراد الإمام ان یرکع، یقوم؛ لان فیه إظهار التکاسل والتشبه بالمنافقین". (الحلبی الکبیر فی النوافل، فروع، ص: ۴۱۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۴) قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون، الذین هم یرآؤن﴾ (سورة الماعون: ۴-۶)

(۵) عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "طعام أول یوم حق، وطعام الیوم الثانی سنة، وطعام یوم الثالث سمعة، ومن سمع سمع اللّٰہ به". (رواه الترمذی). (مشکوٰة الصابیح، باب الولیمة: ۲۷۹، قدیمی)

(۶) عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا مالیس منه فهورد. (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علٰی صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قدیمی)

"أی جددوابتدع، وأظهرواخترع (فی أمرنا هٰذا): أی فی دین الإسلام ... قال القاضی: المعنی: من أحدث فی الإسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر أوخفی، ملفوظ ومستنبط، فهومردود علیه، آه. (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۳۶۵/۱-۳۶۶، رقم الحدیث: ۱۴۰، رشیدیة)

(۷) "وحکی عن شمس الأئمة السرخسی أن التطوع بالجماعة علٰی سبیل التداعی مکروه، أمالو اقتدیٰ واحد بواحد أوإثنان بواحد لایکره، وإن اقتدیٰ ثلاثة بواحد، ذکر هو رحمه اللّٰہ تعالیٰأن فیه اختلاف مشایخ، قال بعضهم: یکره، وقال بعضهم: لایکره وإذا اقتدیٰ أربع بواحد، کره بلاخلاف". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، التراویح، نوع آخرفی المتفرقات: ۶۷۰/۱، إدارة القرآن کراچی)

شبینہ کا حکم:

سوال: بہت سی جگہوں میں ایک رات میں پورا قرآن ختم کیا جاتا ہے، جس کو شبینہ سے تعبیر کرتے ہیں، اب یہ بتلایا جائے کہ کیا شبینہ درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قرآن کریم اللہ رب العزت کی مقدس ترین کتاب ہے، جو ساری انسانیت کے لیے نسخۂ ہدایت ہے، قرآن کریم پڑھتے وقت اس میں تفکر وتدبر کی تعلیم امت کو ہے، نیز قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی لازم ہے، شبینہ میں حفاظ کرام تجوید کی رعایت نہیں کرپاتے ہیں؛ بلکہ بعض حافظ تو صحیح حروف بھی ادا نہیں کرپاتے ہیں اور کسی طرح اپنی مفوضہ مقدار پوری کرپاتے ہیں، جب کہ قرآن کریم جلدی جلدی پڑھنا جس سے تجوید کی رعایت اور حروف کی ادائیگی تک صحیح نہیں ہو شرعاً ممنوع ہے اور اس سے احتراز لازم ہے۔(۱) بعض جگہوں میں تو لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں جس میں مزید کئی شرعی خرابیاں لازم آتی ہیں، نماز پڑھنے والوں کی نماز میں، سونے والوں کی نیند میں، اور اوراد ووظائف میں مشغول لوگوں کے اوراد میں خلل ہوتا ہے، جو شرعاً ممنوع ہے۔(۲) شبینہ ایک رسمی عمل بن کر رہ جاتا ہے، اس کی حیثیت عبادت کی نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ علماء وفقہاء شبینہ کو مکروہ وممنوع قرار دیتے ہیں، اس سے احتراز کیا جائے اور اپنے انفرادی عمل میں پورے اخلاص وانہماک کے ساتھ مشغول رہا جائے یہ زیادہ مفید ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۴/۹/۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۶۲-۴۶۳) ☆

---

(۱) ویجتنب المنکرات هذرمة القراءة، وترک تعوذ و تسمیة وطمأنینة، واستراحة (الدر المختار)، (قوله هذرمة) بفتح الهاء وسکون الذال المعجمة وفتح الراء: سرعة الکلام والقراءة. (ردالمحتار: ۴۹۹/۲)

(۲) لا یقرأ جهرًا عند المشتغلین بالأعمال" (الفتاوی الهندیة: ۳۱۶/۵)

☆ **شبینہ:**

سوال: ختم قرآن نمودن شریعت بیک شب کہ درعرف بہ ختم شبینہ شہرت دارد چیست؟ (خلاصۂ سوال: ایک رات میں قرآن ختم کرنا جو عرف میں شبینہ کے نام سے مشہور ہے، کیسا ہے؟)

الجواب ــــــــــــــــــــ

در درمختار ودر ردالمحتار گفتہ: ویجتنب المنکرات هذرمة القراءة. (الدر المختار) (قوله هذرمة): بفتح الهاء وسکون الذال وفتح الراء سرعة الکلام والقراءة، قاموس. (ردالمحتار: ۶۳۱/۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۴۹۹/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

ازیں عبارت معلوم شود کہ اگر در شبینہ سرعت قراءت بحد ہذرمہ باشد مکروہ است کہ ہذرمہ قراءۃ را از منکرات شمردہ اند۔ فقط (خلاصۂ جواب: درمختار وشامی میں ہے کہ تلاوت قرآن میں منکرات اور ہذرمہ یعنی تیز پڑھنے سے بچے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر شبینہ میں تیز قرأت ہذرمہ کی حد تک ہو تو مکروہ ہے کہ فقہا نے تیز پڑھنے کو منکرات میں شمار کیا ہے۔) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۹۸-۲۹۹)

مروجہ شبینہ کا حکم:

سوال: ایک زمانہ میں ایک شب میں چند آدمی مل کر قرآن شریف ختم کرتے ہیں، جس کا نام شبینہ رکھا ہے اور اس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ آیا یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا کسی صحابی نے، یا کسی امام نے کیا ہے، یا نہیں؟ اور ایک شب میں قرآن شریف ختم کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۲۵۱، عبدالجبار (دہلی) ۲۴/رمضان ۱۳۵۵ھ، ۹/دسمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب ______________

ایک رات میں قرآن شریف ختم کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے، جو خود اپنے ذوق وشوق سے پڑھے اور اس کے دل میں اول سے آخر تک کوئی وسوسہ بے رغبتی کا نہ آوے؛ لیکن شبینہ کا یہ رواج جو عام طور پر مساجد میں کیا جاتا ہے، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں تھا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں، نہ مجتہدین سلف سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے عام طور پر جماعت کے ساتھ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے کا امر فرمایا ہو، یا خود شبینہ کیا ہو اور تجربہ شاہد ہے کہ ان شبینوں میں بہت سے مکروہات ومحرمات کا ارتکاب ہوتا ہے۔(۱) ان وجوہ کی بنا پر شبینہ مروجہ کوئی اچھی اور ثواب کی بات نہیں ہے؛ بلکہ بسا اوقات کرنے والے مواخذہ دار ہی ہوجاتے ہیں۔ واللہ الموفق

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۴۰۲-۴۰۳)

شبینہ مروجہ:

سوال (۱) شبینہ مروجہ میں پورا قرآن شریف تراویح میں پڑھنا اور مصلیان کا کھانا حفاظ شبینہ پڑھنے والوں کے لیے لانا، حفاظ کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) رمضان شریف میں ختم قرآن شریف پر شیرینی تقسیم کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ باوجودیکہ مستورات اور بچوں اور مردوں کا ہجوم وہنگامہ اور شوروشغب ہوتا ہے اور بجائے ایک حصہ کے بعض شوخ چشمی سے دوسرا حصہ لینے سے بھی اجتناب نہیں کرتے اور مٹھائی تقسیم نہ کرنے پر مصلیان مسجد مورد ملامت ہوں؟ بینوتوجروا۔

الجواب ______________ حامدًا ومصلیًا

نفس ختم قرآن شریف خصوصا نماز میں موجب اجر اور موجب سعادت وبرکت ہے،(۲) بشرطیکہ التزام مالا یلزم

---

(۱) ویجتنب المنکرات هذرمة القراءة،إلخ.(الدر المختار،مبحث صلاة التراویح: ۲/ ٤٧،ط:سعید)

(۲) عن أبی أمامة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال:قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم:ما أذن اللّٰه لعبد فی شئ أفضل من رکعتین یصلیهما، و إن البر لیذر علیٰ رأس العبد ما دام فی صلا ته،وما تقرب العباد إلی اللّٰه عزوجل بمثل ما خرج منه.قال أبو النضر:یعنی القرآن.(سنن الترمذی،أبواب فضائل القرآن، باب: ۲/ ۱۱۹،سعید)==

اورعوارض محظورہ سے خالی ہو، شبینہ مروجہ میں چند عوارض ایسے ہیں، جو کہ مثل لازم غیر منفک کے ہیں:

(اوّلاً)　عام طور پر ریا اور فخر کے لیے شبینہ کیا جاتا ہے، اخلاص نہیں ہوتا، چناں چہ اہل محلّہ اور حفاظ دوسرے اہل محلّہ وحفاظ کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ ہماری مسجد میں صرف اتنی دیر میں ختم ہوا۔

ریا کی ممانعت قرآن کریم وحدیث شریف سے ثابت ہے،(۱) خصوصاً نماز میں ریا کے متعلق وارد ہے:

﴿فَوَيۡلٌ لِلۡمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمۡ عَنۡ صَلاتِهِمۡ ساهُونَ الَّذِينَ هُمۡ يُراؤُنَ﴾ (الآية)(۲)

(ترجمہ: سو ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں، جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں۔) (بیان القرآن)

(ثانیاً)　نمازی خود اتنی طویل نماز کے شوقین نہیں، چناں چہ تنہائی میں کبھی اتنی طویل نماز نہ مقتدی پڑھتے ہیں، نہ امام اور سستی وکسل کی حالت میں شبینہ کی شرکت کرتے ہیں؛ بلکہ اکثر بیٹھے، یا لیٹے رہتے ہیں، جب رکوع کا وقت آتا ہے تو جلدی سے کھڑے ہو کر، بعض بیٹھے ہی بیٹھے نیت باندھ کر شریک ہو جاتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَائُونَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾(۳)

==　"والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثاً أفضل". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وفي رد المحتار: (قوله : و الختم مرة سنة): أى قراءة الختم فى صلاة التراويح سنة. (باب الوتر والنوافل: ٤٩٧/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱)　عن أبى سعيد الخدرى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: "من يسمع يسمع اللّٰه به، ومن يرآء يرآء اللّٰه به". (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة، ص: ٣١٠، قديمى)

(۲)　سورة الماعون: ٤

﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون﴾ قال ابن عباس رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما وغيره: يعنى المنافقون الذين يصلون فى العلانية ولا يصلون فى السر، ولهٰذا قال: (للمصلين) الذين هم من أهل الصلاة وقد التزموا بها، ثم عنها ساهون... (عن صلاتهم ساهون) ولم يقل: فى صلاتهم ساهون، وإما عن وقتها الأول فيؤخرونها إلىٰ أخره دائمًا أو غالبًا، وإما عن أدائها بأركانها و شروطها على الوجه المأموربه، وإما عن الخشوع فيها والتدبر لمعانيها... (الذين هم يراؤن) عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما عن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن فى جهنم لواديا، تستعيذ جهنم من ذلك الوادى فى كل يوم أربع مائة مرة، أعد ذلك للمرائين من أمة محمد لحامل كتاب اللّٰه وللمتصدق فى غيرذات اللّٰه، وللحاج إلىٰ بيت اللّٰه وللخارج فى سبيل اللّٰه". (تفسير ابن كثير، سورة الماعون: ٥٥٨/٤، مكتبة الدار المصر للبنانية، انيس)

اعلم أن إخلاص العبادة للّٰه تعالىٰ واجب والرياء فيها وهو أن يريد بها غير وجه اللّٰه تعالىٰ حرام بالإجماع للنصوص القطعية، وقد سمىٰ عليه السلام الرياء: الشرك الأصغر"... لو صلىٰ رياء فلا أجرله، وعليه الوزر". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ٤٢٥/٦، سعيد)

(۳)　سورة النساء: ١٤٢، انيس　==

(ترجمہ: اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے؛ مگر بہت مختصر۔) (بیان القرآن)

(ثالثاً) حفاظ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ تدبر تو بجائے خود الفاظ تک صاف سمجھ میں نہیں آتے؛ بلکہ پورے الفاظ ادا بھی نہیں ہوتے۔ حدیث شریف میں "هذًّا كهَذِّ الشعر" کی ممانعت آئی ہے۔ (۱)

(رابعاً) روشنی اور دیگر تکلفات ایسے کئے جاتے ہیں، جو کہ حد اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾. (۲)

(ترجمہ: اور حد سے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو۔) (بیان القرآن)

(خامساً) حفاظ کے لیے نقد، یا مٹھائی اور کچھ خورد ونوش کا اہتمام کیا جاتا ہے، جو کہ صورۃً اور حقیقۃً بھی تلاوت کی اجرت ہے اور ممنوع ہے۔ عینی شرح ہدایہ میں ہے:

"الآخذ و المعطي آثمان، آه". (۳)

(سادساً) مردوں اور بچوں کا ہجوم ہو کر شور شغب ہوتا ہے اور یہ شور وشغب احترام مسجد کے خلاف ہے، (۴) اور ساتھ ساتھ اگر عورتیں بھی آئیں، پھر تو اللہ کی پناہ مفاسد کی کچھ حد نہیں رہے گی۔

المرأة عورة إذا خرجت من بيتها، استشرفها الشيطان". (الحديث) (۵)

== وقال تعالیٰ: ﴿ولا يأتون الصلاة إلا وهم كسالیٰ، ولاينفقون إلا وهم كارهون﴾ (سورة التوبة: ۵٤، انيس)

(۱) عن شقيق قال: جاء رجل من بني بجيلة يقال له: نهيک بن سنان إلیٰ عبد اللّٰه، فقال: إني أقرأ المفصل في ركعة، فقال عبد اللّٰه: هَذًّا كهَذِّ الشعر، لقد علمت النظائر التي كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم يقرأ بهن سورتين في ركعة. (صحيح لمسلم، باب ترتيل القرآن واجتناب الهذ، الخ: ۲۷۳/۱، قديمي)

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث" (سنن ابن ماجة، باب ما جاء في قيام شهر رمضان، ص: ۹٦، قديمي كتب خانة)

اس حدیث کے تحت علامہ شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ حاشیہ انجاح الحاجة علی ابن ماجة میں علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

"قال الطيبي: أي لم يفهم ظاهر معانيه ... قال الشيخ: ظاهره المنع من ختم القرآن في أقل من هٰذه المدة ... والمختار أنه يكره التأخير في الختمة أكثر من أربعين يومًا وكذا التعجيل من ثلاثة أيام، إلخ". (ص: ۹٦، قديمي)

(۲) سورة الأعراف: ۳۱، انيس

(۳) ردالمحتار: ٥٦/۱، سعيد

(۴) ردالمحتار: ٦٦۲/۱، سعيد

(۵) جامع الترمذي، قبيل أبواب الطلاق، باب ما جاء في كراهية أن تسافر المرأة وحدها: ۲۲۲/۱، سعيد ==

اور پھر کبھی عورتوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں، جو کہ اکثر پیشاب کر کے مسجد کو ملوث کرتے ہیں۔حدیث شریف میں بچوں سے خاص طور سے مسجد کو محفوظ رکھنے کا امر آیا ہے: ''**جنبو امساجد کم صبیانکم**''.(۱)

(سابعاً) اس سلسلہ میں عامۃ محلّہ سے چندہ وصول کیا جاتا ہے، جن میں بعض غریب اور نادار ہوتے ہیں، وہ یا چندہ بالکل نہیں دینا چاہتے، یا کم دینا چاہتے ہیں؛ مگر شبینہ اور ختم کے کارکن کبھی شرم وغیرت دلا کر کبھی ناجائز دباؤ ڈال کر ان سے زائد وصول کرتے ہیں: ''**لایحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفس منه**''.(۲)

(ثامناً) مٹھائی زیادہ تر فخر وریا کے لئے تقسیم کی جاتی ہے اور فخر وریا کے کھانے کی ممانعت بھی احادیث میں آئی ہے۔(۳)

(تاسعاً) جو شخص چندہ نہ دے اس پر طعن کیا جاتا ہے، اس کے لیے القاب بخیل وغیرہ تجویز کئے جاتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾(الآیة)(۴)

''**سباب المسلم فسوق**''.(الحدیث)(۵)

(عاشراً) ایسے لوگوں کے پیچھے غیبت کی جاتی ہے اور مجامع میں ذلیل کیا جاتا ہے۔(ارشادِ الٰہی ہے): **﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾(الآیة)**(۶)

اس کے علاوہ بعض جگہ لڑائی اور سخت کلامی کی نوبت آئی ہے اور دوسرے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔عامۃً شبینہ اور ختم مروجہ میں یہ تمام مفاسد، یا اکثر موجود ہوتے ہیں؛ اس لیے اس کو روکنا ہی حکم شرعی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۹/۶۴ ۱۳ھ۔الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ ۱۸/ رمضان ۶۴ ۱۳ھ۔صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رمضان ۶۴ ۱۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۶/۷-۳۳۰)

== وقال العلامة المناوی: قال الطیبی ...والمعنی المتبادر أنها مادامت فی خدرها، لم یطمع الشیطان فیها وفی أغواء الناس، فإذا خرجت طمع وأطمع؛ لأنها حبائله، وأعظم فخوره''.(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۶۱۱۵/۱۲-۶۱۱۶، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۱) سنن ابن ماجة فی کتاب المساجد والجماعات، باب ما یکره فی المساجد: ۵۴، قدیمی

(۲) مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی

(۳) عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: المتباریان لا یجابان، ولا یؤکل طعامهما'' قال الإمام أحمد: یعنی المتعارضین بالضیافة فخرًا ورياء''. {رواه البیهقی فی شعب الإیمان}(مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثالث، ص: ۲۷۹، قدیمی)

(۴) سورة الحجرات: ۱۱، انیس

(۵) رواه الطبرانی فی الکبیر: ۱۰۳۱۶/۱۰، والبخاری فی کتاب الایمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عمله وهو لایشعر: ۱۲/۱، قدیمی

(۶) سورة الحجرات: ۱۲، انیس

شبینہ کا حکم، جائز شبینہ کس طرح ہوسکتا ہے:

سوال (۱) آج کل جو رمضان شریف میں شبینہ ہوتے ہیں، اکثر حفاظ نوافل میں پڑھتے ہیں اور بعض نابالغ بچوں سے پڑھواتے ہیں، جب کہ مقتدی بالغ ہوتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال ہوتا ہے، جس سے اہل محلّہ کی نیندیں اڑ جاتی ہیں، نیز سننے والے چند اشخاص ہوتے ہیں، اکثر چائے پانی میں مشغول ہوتے ہیں اور شور وشغب کا بازار گرم رہتا ہے، نیز ان شبینوں کی سرپرستی علماء کو بھی کرتے دیکھا ہے، کیا مروجہ شبینہ جائز ہے؟

(۲) شبینہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(۳) کیا جہری نماز میں لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا زیادہ ثواب ہے، جب کہ آواز دور دور تک جاتی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) جس قسم کے شبینے کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، وہ بلاشبہ مکروہ تحریمی ہے اور اس میں ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہے، اول تو نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔(۱) پھر نابالغ کی اقتدا،(۲) بلاضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال اور شور وشغف کے ذریعے قرآن کریم کی بے ادبی، یہ سب امور منکرات ہیں اور ان سے پرہیز لازم ہے۔

(۲) جائز شبینہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ تراویح کی جماعت رات بھر جاری رہے، اس میں امام بالغ اور متشرع ہوں، تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم نہ کیا جائے، تمام لوگ ذوق وشوق اور خشوع خضوع کے ساتھ قرآن کریم سنتے ہوں، زائد روشنی اور چراغاں سے پرہیز کیا جائے، بلاضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ ہو اور نام ونمود سے کلی اجتناب کیا جائے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۹/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتویٰ نمبر: ۲۸/۹۲۲، ج) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۰۸-۵۰۹)

لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ:

سوال: ہندوستان کے بعض علاقوں میں قرآن کریم نماز نفل باجماعت میں ایک ہی شب میں ختم کرلیا جاتا ہے؛ لیکن ہمارے صوبہ کے باشعور اہل علم حضرات ختم قرآن شریف کے لیے جلسہ وعظ کی طرح مجالس قائم کرنے لگے ہیں؛

---

(۱) ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك علىٰ سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد. (رد المحتار، قبيل باب ادراك الفريضة: ۲/ ۵۰۰، انيس)

وكذا في غنية المستملي، ص: ۴۳۲، طبع سهيل أكيدمي لاهور)

واعلم أن النفل بالجماعة علىٰ سبيل التداعي مكروه علىٰ ما تقدم ما عدا التراويح. (ردالمحتار: ۲/ ۳۲۱، مكتبة زكرياديوبند، انيس)

(۲) وفي الدرالمختار: ۱/ ۵۷۷-۵۸۷: "ولا يصح اقتداء رجل بامراة وخنثى وصبي مطلقا ولو في جنازة ونفل على الأصح". وفي الشامية تحته: "والمختار انه لايجوز في الصلوات كلها"، الخ.

تا کہ لوگوں میں حفظ قرآن کا جذبہ پیدا ہو اور حفاظ کی یاداشت بھی پختہ ہو جائے۔ ختم قرآن کی ان مجالس میں عوام الناس بھی مدعو ہوتے ہیں، بسا اوقات لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال ہوتا ہے اور چند حفاظ یکے بعد دیگرے کئی کئی پارے ترتیب عثمانی کے مطابق تلاوت کر کے قرآن حکیم ختم کرتے ہیں۔

(۱) اس تمہید کے بعد سوال یہ ہے کہ ایک ہی جلسہ میں لاؤڈ اسپیکر زیر پورا قرآن مجید تلاوت کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) تلاوت قرآن کی آواز جن جن لوگوں کو سنائی دے رہی ہے، ان سب پر سماع قرآن فرض ہے، یا صرف حاضرین مجلس کا سننا کافی ہے؟

(۳) لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے تلاوت کی یہ آواز قضائے حاجت کرنے والوں نیز کفار کے کانوں میں پڑتی ہے، کیا اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی نہیں ہوتی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قرآن پاک کی تلاوت اور اس کا استماع افضل القربات ہے۔ ملائکہ (علیہم السلام) تک سننے کے لیے آتے ہیں،(۱) اللہ پاک کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں، حفظ قرآن پاک کا جذبہ اور اس کے پختہ ہونے کا داعیہ بلاشبہ مبارک جذبہ اور مبارک داعیہ ہے۔ ایسی پاکیزہ مجالس کی برکت سے بہت سی واہیات، خرافات اور ممنوعات سے حفاظت بھی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود آواز تلاوت کی طرف اپنی اعلیٰ شان کے مناسب توجہ فرماتے ہیں اور جب سکون واطمینان سے ادائے حقوق کے ساتھ تلاوت ہو اور سامعین ادب وشوق سے حاضر ہو کر سنیں، کسی کو گرانی اور بار نہ ہو تو بظاہر ختم میں بھی مضائقہ نہیں۔ حدیث شریف میں تین روز سے کم میں ختم کرنے کو جو منع فرمایا گیا ہے، اس کا بھی منشا یہی ہے کہ عموماً ایسی حالت میں حق تلاوت ادا نہیں ہوتا ہے؛(۲) بلکہ بلا غور تدبر کے جلدی جلدی گرانی اور ناگواری کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے۔ عامۃ تراویح میں جن حالات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔(۳)

ان محاسن کے باوجود جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ

---

(۱) عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه أن أسید بن حضیر قال: بینما هو یقرأ من اللیل سورة البقرة: وفرسه مربوطة عنده إذ جالت الفرس فسکت ... فانصرفت إلیه ورفعت رأسی إلی السماء، فإذا مثل الظلة ... قال: "وتدری ما ذاک"؟ قال: لا، قال: "تلک الملائکة، دنت لصوتک". الحدیث. (مشکوٰة المصابیح، فضائل القرآن، ص: ۱۸٤، قدیمی)

(۲) عن عبد اللّٰہ عمرو رضی اللّٰہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلاث". هٰذا حدیث حسن صحیح (سنن الترمذی، أبواب القراءات: ۱۲۳/۲، سعید)

(۳) ویجتنب المنکرات هذرمة القراءة، وترک تعوذ وتسمیة وطمانینة وتسبیح و استراحة. (الدرالمختار، باب الوتر والنوافل: ٤۹۹/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

تعالیٰ عنہم کی مجلس مبارکہ کو تتبع کر کے دیکھا جاتا ہے تو وہاں ایسی مجالس کا کہیں پتہ نہیں ملتا کہ ایک مجلس میں جمع کر کے ختم کیا گیا ہو، کسی ایک نے ختم کیا ہو، یا نمبر وار چند حضرات نے ایک مجلس میں ختم کیا ہو۔ قرآن کریم کے ساتھ ان حضرات کے شغف کا تو یہ حال تھا کہ بعض صحابہ کرام سے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کرنا بھی منقول ہے،(۱) اور بعض اکابر سے ایک ایک دن میں کئی کئی قرآن پاک ختم کرنا بھی منقول ہے؛ مگر یہ سب تنہائی میں پڑھنا منقول ہے مجلس جمع کر کے نہیں۔(۲)

جو شوق وشغب ان حضرات کو تھا، اس کا ہزارواں حصہ بھی آج کسی کو نصیب نہیں، ان حضرات کے اتباع ہی میں برکت ہے، اتباع کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی صورتیں پیدا کرنے میں خیر وبرکت نہیں ل؛ بلکہ مفاسد ہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلی دوسری مجلس میں کوئی مفسد نہ ہو؛ مگر جب اس کا شیوع ہوگا تو اس میں قرّ اوحفاظ کا تقابل وتفاخر بھی ہوگا، سامعین ایک دوسرے پر داد فضیلت دیں گے اور دوسرے کی تقبیح بھی کی جائے گی، پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی انعام دینے کی نوبت بھی آجائے اور حاضرین کے لیے طعام ودعوت کا بھی انتظام ہو۔ غرض! اخلاص ورضائے خداوندی کا بہت کم حصہ باقی رہ جائے گا، اس کے علاوہ بھی مفاسد کثیرہ کا مظنہ ہے۔

نیز اگر لاؤڈ اسپیکر کا انتظام غائبین کے لیے ہے تو وہ بے چارے کچھ اپنی نماز، تلاوت، وظیفہ میں مشغول ہوں گے؛ مگر اس آواز کی وجہ سے اپنی یہ چیزیں پوری نہیں کرسکیں گے اور ان پر یہ پابندی عائد کرنا کہ وہ اپنی سب طاعات کو چھوڑ کر اس کے سننے کی طرف متوجہ رہیں، یہ بھی زیادتی ہے۔ کچھ لوگ سوتے ہوں گے، یا اپنے دینی کاموں میں مشغول ہوں گے، ان کو پابند کرنا بھی مشکل ہے۔(۳)

غرض! ایسی صورت اختیار نہ کی جائے، جو سلف صالحین کے خلاف ہو۔ امید ہے کہ جداگانہ نمبروار جواب کی ضرورت اب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۴/۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۱/۷-۳۳۳)

---

(۱)　روی عن عثمان بن عفان رضی اللّٰه تعالٰی عنه أنه كان يقرأ القرآن فی ركعة يوتربها. (سنن الترمذی، أبواب القرآت: ۱۲۳/۲، سعید)

(۲)　عن أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالٰی: أنه كان يختم فی شهر رمضان إحدٰی وستين ختمة: ثلثين فی الليالی، وثلثين فی الأيام، وواحد فی التراويح". (الحلبی الكبير، فصل فی النوافل، تنبيه: ۴۰۷، سهيل اكیڈمی لاهور)

(۳)　قال العلامة الحلبی: يجب علی القاری احترامه بأن لايقرأ فی الأسواق و مواضع الاشتغال، فإذا قرأ فيهما، كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعًا للحرج،... و الجهر بالقرآن أفضل ما لم يكن عند مشغولين مالم يخالطه رياء". (الحلبی الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن فی الصلاة ومالايكره: ۴۹۷، سهيل اكیڈمی، لاهور)

ایک شبی اور سہ شبی شبینہ:

سوال: مسجد میں آخری عشرہ میں ایک شبی شبینہ اور کبھی سہ شبی شبینہ کیا جاتا ہے اور اکثر مساجد میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے؛ کیا یہ عمل دور رسالت مآب اور خلافت راشدہ میں رائج تھا؟

(س، ج، سنتوش نگر، محمد منظور احمد شریف، ملک پیٹ)

الجواب

چوں کہ نماز میں قرآن مجید پڑھنے کی کوئی قطعی حد مقرر نہیں ہے؛ اس لیے اگر اس طرح نماز پڑھائی جائے تو نماز ہو جائے گی؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایک شب، یا تین شب میں پورے قرآن مجید کی تکمیل کا اہتمام نہ تھا؛ بلکہ غالباً ثبوت بھی نہیں۔ عام طور پر فقہا نے پورے ماہ میں ایک ختم مسنون قرار دیا ہے، فقہاء حنفیہ میں صدر الشہید بہت اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھنی چاہیے۔(۱) بعض حضرات نے دو ختم کو افضل قرار دیا ہے،(۲) ایک اور دو ختم کی بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل ں کے درمیان جو مذاکرۂ قرآنی ہوا کرتا تھا، وہ پورے رمضان میں ایک ختم قرآن پر مشتمل ہوتا تھا اور جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس سال کے مذاکرہ میں دو دفعہ قرآن ختم ہوا اور تراویح میں اس سنت کی پیروی کا پہلو بھی ملحوظ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں تین ختم تک اجازت دی گئی ہے؛ لیکن یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھا کرتے تھے۔ نیز یہ لکھا ہے کہ اتنا قرآن نہ پڑھا جائے کہ لوگ جماعت سے بھاگنے لگیں۔(۳)

آج کل جو شبینے منعقد کئے جاتے ہیں، اس میں قرآن اتنا تیز پڑھا جاتا ہے کہ تجوید کا لحاظ نہیں ہو پاتا؛ بلکہ اکثر اوقات تو الفاظ بھی سمجھ میں نہیں آتے، کچھ لوگ رکوع کا انتظار کر کے جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور جو لوگ شروع سے شامل ہو کر پڑھتے ہیں، وہ بھی تکان کی وجہ سے کسل مندی سے دوچار ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ چند دنوں میں قرآن ختم کر کے باقی دنوں میں تراویح ہی کو خیرآباد کہہ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں کراہت سے خالی نہیں اور ایسی صورتوں میں قرآن کی بے احترامی اور بے تکریمی کا اندیشہ ہے؛ اس لیے ایسا غلو مناسب نظر نہیں آتا۔ ہاں اگر کسی شخص میں حوصلہ و ہمت ہو، وہ خود تنہا اس طرح نماز پڑھ لے تو شاید مضائقہ نہ ہو۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۶-۴۰۸)

(۱-۲)　خلاصة الفتاوٰی: ١/ ٦٤

(۳)　السنة فی التراویح إنما هو الختم مرة فلا یترک لکسل القوم ...والختم مرتین فضیلة والختم ثلاث مرات أفضل. (الفتاوٰی الهندیة: ١/ ١١٧، انیس)

شبینہ کے جواز کی شرائط:

سوال: مساجد میں رمضان المبارک میں شبینہ ہوتا ہے، بعض ناجائز کہتے ہیں، بعض جائز۔شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ شبینہ کے جواز کی شرائط براہ کرم بتادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

شبینہ تراویح میں ہونفلوں میں نہ ہو، فضول خرچی، شوروشغب اور نام ونمود سے احتراز کیا جائے اوراس کی فرائض وواجبات کی طرح پابندی نہ کی جائے تو جائز ہے اوران میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو ناجائز ہے۔(۱) واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۲۷/۹/۱۳۹۸ھ۔(فتویٰ نمبر ۲۹/۲۰۰۱، ج) (فتاویٰ عثمانی:۱/۵۰۹)

معروف شبینہ کے متعلق دومختلف فتووں کے درمیان فیصلہ ومحاکمہ:

حامداً ومصلیاً، دونوں فتوے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ درحقیقت دونوں میں اختلاف لفظی ہے، کیوں کہ حکم جواز کا متعلق نفس عمل کے بشرط خلو من المفاسد کے ہے اور حکم منع کا درصورت لزوم واقتران مفاسد کے ہے اوردونوں حکم صحیح ہیں اور حکم واقعی نہایت ظاہر ہے کہ اگر مفاسد نہ ہوں تو جائز ہے اوراگر مفاسد ہوں تو جائز نہیں۔اب صرف یہ امر باقی رہ گیا کہ آیا اس وقت مفاسد غالب ہیں، یا نہیں؟ سو یہ امر متعلق ہے مشاہدہ کے اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ مفاسد غالب ہیں، مثلا اگر تراویح کے بعد یہ عمل ہوتو نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ ہونا جو کہ مکروہ ہے اوراگر تراویح میں ہوتو امام کو جو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے، اس کی مخالفت لازم آنا اور قرأت کا ترتیل وتجوید کو جلدی کی وجہ سے ترک کرنا اوراکثر فخر ونمود کا قصد ہونا اور کہیں عوض مالی کی امید ہونا اور سامعین کا اکثر استماع قرآن کے آداب کو ضائع کرنا ومثل ذلک ممایطول ذکرہ اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ جس امر جائز؛ بلکہ مندوب میں جو کہ شرعاً اہتمام کے ساتھ مطلوب نہ ہو، مفاسد کا غلبہ ہو، اس کو ترک کردیا جاتا ہے، خواہ وہ مفاسد فاعلین کے اعتبار سے ہوں، یا دوسرے عوام ناظرین کے اعتبار سے ہوں؛ اس لیے اس زمانہ میں اس عمل کا ترک کرنا مناسب ہے؛ بلکہ کہیں کہیں واجب ہے۔روایات ذیل اس تقریر کی مؤید ہیں:

---

(۱) فی ردالمحتار: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک لوعلیٰ سبیل التداعی بأن یقتدیٰ أربعة بواحد، کما فی الدرر.(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۵۰۰/۲، دارالکتب العلمیة، انیس)

واعلم أن النفل بالجماعة علیٰ سبیل التداعی مکروه علیٰ ما تقدم ماعدا التراویح، إلخ)

(وفی الدرالمختار: ۵۸۷،۵۷۷/۱: (ولایصح اقتداء رجل بامراة) وخنثیٰ وصبی مطلقًا) ولو فی جنازة ونفل علیٰ الأصح.(الدرالمختار کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۸٤/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وفی الشامیة تحته: والمختار أنه لایجوز فی الصلوات کلها، إلخ.(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب کفایة هل یسقط بفعل الصبی وحده: ۳۲۲/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

فی الدر المختار،مکروھات الصلاۃ:أی قلب الحصی للنھی ... ترکھا أولٰی.(۱)

فی ردالمحتار:لأنه إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحًا علٰی فعل البدعة.(۲)
الأفضل فی زمانناقدر مالا یثقل علیھم.

وفیه:(أی یکرہ ذلک (أی التنفل بالجماعة)لوعلٰی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد (إلٰی قوله) فی الأشباہ عن البزازیة: یکرہ الاقتداء فی صلاۃ رغائب وبراءۃ وقدر ... ولا ینبغی أن یتکلف کل ھٰذا التکلف لأمرمکروہ.

وفی ردالمحتار تحت ھٰذا القول:فلوترک أمثال ھٰذہ الصلوات تارک لیعلم الناس أنه لیس من الشعارفحسن،آہ، وظاھرہ أنه بالنذر لم یخرج عن کونه أداء النفل بالجماعة.(۳)

وفی بحث الشکر:لأن الجھلة یعتقدونھا سنة أو واجبة وکل مباح یؤدی الیه فمکروہ، آہ.(۴)

فی ھٰذا کفایة إن شاء اللّٰہ تعالیٰ لمن کان له قلب أوالقی السمع وھوشھید واللّٰہ تعالیٰ أعلم بحقائق الأمور.فقط

۱ر رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد:۱/۹۱) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۸۵-۴۸۶)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید شب بھر میں ختم کرنا جس کو عرف میں شبینہ کہتے ہیں، خواہ ایک حافظ صرف ختم کرے، خواہ چند حفاظ مجمع کرکے پورا کریں جائز ہے، یا نہیں؟ حسب الشرع موافق مذہب حنفیہ بیان فرمائیں مع سند عبارت فقہاء وغیرہم؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ظاہر حدیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا جاوے۔

فی المشکوٰۃ:عن عبد اللّٰہ بن عمر وأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلٰث.{رواہ الترمذی وأبوداؤود والدارمی}(مشکاۃ)(۵)

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الصلاۃ،باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا: ۹۱/۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا،مطلب إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة أولٰی:۴۰۹/۲،دارالکتب العلمیة،انیس

(۳) ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاۃ التراویح،مطلب فی کراھة الاقتداء فی النفل علٰی سبیل التداعی وفی صلاۃ الرغائب:۴۹۷/۲، دارالکتب العلمیة،انیس

(۴) الدرالمختار:۱۲۹/۲،دارالفکر ببیروت،انیس

(۵) مشکاۃ المصابیح،باب آداب التلاوۃ ودروس القرآن،الفصل الثانی،رقم الحدیث:۲۲۰۱،انیس

اسی بنا پر بعض علما نے اس شنبہ کو مکروہ فرمایا ہے؛ لیکن عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف منقول ہوئی ہے، حتی کہ بعض بزرگوں نے ایک شب وروز میں تین ختم کئے اور بعض نے آٹھ ختم کئے؛ اس لیے مطلقا تین روز سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ کہنا نامناسب ہے؛ بلکہ اقرب الی التحقق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شبینہ میں قرآن صاف صاف پڑھا جاوے اور حفاظ کو ریا مقصود نہ ہو کہ فلاں نے اس قدر پڑھا اور فلاں نے اس قدر اور جماعت کسل مند نہ ہو اور حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کریں اور تراویح میں پڑھیں اور قصد حصول ثواب کا ہو جائز ہے، (۱) اور حدیث مذکور کے معارض نہیں؛ کیوں کہ علت منع عدم تفقہ ہے اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ وتدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں، چناں چہ عادت بعض سلف کی تحریر ہو چکی، یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ ان کے فعل کو مکروہ کہیں، چناں چہ حدیث مذکورہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔

ظاهره المنع من ختم القرآن فی أقل من هٰذه المدة ولکنهم قالوا قد اختلف عادات السلف فی مدة الختم فمنهم من کان یختم فی کل شهرین ختمة، وآخرون فی کل شهر وفی کل عشر وفی أسبوع إلٰی أربع، وکثیرون فی ثلٰث، وکثیرون فی یوم ولیلة، وجماعة ثلٰث ختمات فی یوم ولیلة وختم بعض ثمانی ختمات فی یوم ولیلة، والمختار أنه یکره التاخیر فی الختمة أکثر من أربعین یومًا وکذا التعجیل من ثلثة أیام والأولٰی أن یختم فی الأسبوع والحق أن تختلف باختلاف الاشخاص. وطالما مختصرًا. (۲)

اور اگر اتنی جلد پڑھیں کہ حرف تک سمجھ میں نہ آوے، نہ زیر کی خبر، نہ زبر کی غلطی کا خیال، نہ متشابہ کا اور فقط ریا کاری مقصود ہو اور جماعت بھی ادھر ادھر گری پڑی ہو، یا حاجت سے زیادہ روشنی ہو، یا تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں پڑھیں، یہ بے شک مکروہ ہے۔ **لقوله تعالٰی: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (۳) ولقوله: ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۴) ولقوله: ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (۵) ولقول الفقهاء: إن جماعة النوافل مکروهة. (۶) والله أعلم**

۲۲/رجب، روز جمعہ ۱۳۰۲ھ (امداد: ۱/۱۰۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۸۵-۴۸۸)

---

(۱) یہ حکم ہے فعل کا فی نفسہ؛ لیکن ہمارے زمانے میں مفاسد عادۃً مثل لازم کے ہو گئے ہیں، لہذا منع ہی کرنا احوط ہے۔ (منہ)

(۲) روی الطحاوی بسنده عن عبد الله بن زبیر أنه قرأ القرآن فی رکعة وعن سعید بن جبیر أنه قرأ القرآن فی رکعة فی البیت، انتهٰی. (منه)

(۳) سورة المزمل: ٤، انیس

(۴) سورة النساء: ١٤٢، انیس

(۵) سورة الأعراف: ٣١، انیس

(۶) (ولا یصلی الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أی یکره ذلک علٰی سبیل التداعی، بأن یقتدی أربعة بواحد کما فی الدر. (الدر المختار علٰی هامش رد المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/ ٥٠٠، انیس) ==

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد، یا علاوہ جامع مسجد کے اور کوئی مسجد، یا علاوہ مسجد کے اور کسی جگہ شبینہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

چند شرائط سے درست ہے؛ مگر عادۃ یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں:

(۱) ترتیل نہ چھوٹے۔(۱)

(۲) تراویح میں پڑھیں۔

(۳) جماعت کے وقت تخلف نہ کریں۔

۵/شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۶۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۸۸-۴۸۹)

☆ ☆ ☆

== قال فی الحاوی القدسی: ولا یصلی التطوع بجماعة غیر التراویح.(البحر الرائق،باب الوتر والنوافل: ۲/۵٦، دار المعرفة بیروت،انیس)

(۱) ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾(سورة المزمل: ٤،انیس)

ویکره الإسراع فی القراء ة وفی أداء الأرکان.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۸،انیس)

تراویح میں تکبیر وتکرار سورہ کے مسائل

کیا تراویح میں سورۂ والضحیٰ کے بعد ہر سورہ کے ختم پر اللّٰہ أکبر کہنا سنت ہے:

سوال: چوں ختم کلام اللہ شریف در تراویح کردہ شود، بعض حفاظ بعد سورۂ والضحی تا آخر قرآن بر اختتام ہر سورہ "اللّٰہ أکبر" می خوانند کہ علاوہ از تکبیر رکوع می باشد و گمان می کنند کہ سنت است؟(۱)

الجواب

فقہاء رحمہم اللہ ایں قسم اذکار وادعیہ را بر خارج صلوٰۃ یا بر صلوٰۃ نافلہ کہ منفرداً ادا کردہ شود محمول فرمودہ اند، در فرائض وہمچنیں در نوافل وسنن کہ با جماعت ادا کردہ شود مکروہ فرمودہ اند، پس قول مانعین دریں بارہ صواب است وقول مجوزین خطا۔(۲)

قال فی الدر المختار: بل يستمع وينصت، إلخ، وإن قرأ الإمام آية ترغيب وترهيب وكذا الإمام لايشتغل بغير القرآن، وما ورد حمل على النفل منفردًا، كما مر. (۲)

(قوله: حمل على النفل منفردًا) أفاد أن كلاً من الإمام والمقتدى فى الفرض أوالنفل سواء قال فى الحلية: أما الإمام فى الفرائض فلما ذكرنا منه أنه صلى الله عليه وسلم لم يفعله فيها وكذا الأئمة من بعده إلىٰ يومنا هٰذا فكان من المحدثات ولأنه تثقيل على القوم فيكره وأما فى التطوع فإن كان فى التراويح فكذلك، إلخ. (ردالمحتار: ۱/ ۳٦٦)(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۵۰)

تراویح کی پہلی رکعت میں کوئی سورہ ہو اور دوسری میں صرف سورۂ اخلاص:

سوال: تراویح کی نماز اس طرح پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟ مثلاً: اول رکعت میں سورۂ تکاثر، دوسری میں سورۂ اخلاص، یا پہلی میں سورۂ العصر، دوسری میں سورۂ اخلاص؟

---

(۱) ترجمہ سوال: تراویح میں جب قرآن شریف ختم کیا جاتا ہے تو بعض حفاظ سورۂ ضحیٰ کے بعد سے ختم قرآن تک ہر سورہ کے ختم پر "اللّٰہ أکبر" پڑھتے ہیں، جو رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہوتا ہے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے تو یہ کیسا ہے؟

(۲) ترجمہ جواب: فقہاء رحمہم اللہ نے اس قسم کے اذکار وادعیہ کو خارج نماز، یا ان نفل نمازوں پر محمول کیا ہے، جو کہ تنہا پڑھی جاتی ہیں، فرائض میں اوراسی طرح ان سنن ونوافل میں جو جماعت سے پڑھی جاتی ہیں، مکروہ فرمایا ہے، لہٰذا اس بارے میں مانعین کا قول درست ہے، مجوزین کا غلط۔

(۳) الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل ويجهر الإمام: ۱/ ۷۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۲/ ۲٦۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح کی نماز اس طرح بھی ہو جاتی ہے؛ مگر اس کو لازم نہ سمجھا جاوے اور پابندی اس کی نہ کی جاوے، بالترتیب اگر ہر ایک رکعت میں سورہ پڑھ دی جاوے تو یہ اچھا ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۱/۴)

تراویح کی ہر دوسری رکعت میں ﴿قل هو الله﴾ پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب تراویح اس طرح پڑھاتے ہیں کہ پہلی رکعتوں میں سورہ عادیات سے ہمزہ تک پڑھتے ہیں اور ہر دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھتے ہیں، یہ دس رکعتیں ہوئیں۔ باقی دس رکعتیں ﴿الم تر كيف﴾ سے سورۂ ناس تک پڑھتے ہیں، اس طرح پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نماز تراویح درست ہوئی۔(۲) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۵/۱۰/۳۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۱۷/۲)

سورۂ اخلاص تراویح کی ہر رکعت میں پڑھنا درست ہے، یا نہیں:

سوال: بعض لوگ تراویح میں یہ مقرر کر لیتے ہیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مع سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں۔ یہ کراہت سے خالی ہے، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

شامی نے لکھا ہے:

"واختار بعضهم سورة الإخلاص فى كل ركعة" إلخ. (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۶/۴)

تراویح میں تین بار ﴿قل هو الله﴾ پڑھنا کیسا ہے:

سوال: در تراویح سہ بار ﴿قل هو الله﴾ خواندن جائز است، یا مکروہ؟

(۱-۲) ثم بعضهم اختار قل هو الله أحد فى كل ركعة وبعضهم اختار قراءة سورة الفيل إلى آخر القرآن وهذا أحسن القولين؛ لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات ولايشتغل قلبه بحفظها، كذا فى التجنيس. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۸/۱، انيس)

(۳) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: مبحث صلاة التراويح: ۴۹۸/۲، انيس

الجواب

در تراویح سہ بار ﴿قل هو الله﴾ خواندن مکروہ نیست،(۱) البتہ لازم پنداشتن آں مکروہ خواہد شد، پس التزام آں نباشد۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۹۰-۲۹۱) ☆

تراویح میں سورۂ اخلاص کی تکرار:

سوال: ختم قرآن کے وقت تراویح میں ﴿قل هو الله﴾ کو تین مرتبہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کا تکرار ختم قرآن کے وقت جائز ہے اور نوافل وتراویح میں بعض علما نے مستحسن کہا ہے؛ مگر دوسرے اکابر وفقہا اس کو غیر مستحسن کہتے ہیں اور مختار یہ ہے کہ فرائض میں تکرار سورت کا مکروہ ہے، خواہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ہو، یا کوئی دوسری سورت اور نوافل وتراویح میں گنجائش ہے؛ مگر ترک تکرار اولیٰ ہے۔

قال فی شرح المنية: قرأ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ وقال الفقيه أبو الليث هٰذا شيء استحسنه أهل القرآن وأهل الأمصار فلابأس به إلا أن يكون الختم فى المكتوبة فلا يزيده علىٰ مرة، انتهٰى.

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے:

ويكره تكرار قرأة السورة فى الفرض ولا يكره تكرار السورة فى التطوع؛ لأن باب التطوع أوسع، انتهٰى.

۱۵/ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین:۲/۳۱۲)

---

(۱) ولا يكره تكرار السورة فى ركعة أو ركعتين فى التطوع؛ لأن باب النفل واسع (إلى قوله) فدل علىٰ جواز التكرار فى التطوع. (غنية المستملى، ص:٣٤٣)

وقراءة ﴿قل هو الله أحد﴾ ثلٰث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ، وقال الفقيه أبو الليث: هٰذا شيء استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار فلابأس به إلا أن يكون الختم فى المكتوبة فلايزيد علىٰ مرة". (غنية المستملى، ص:٤٦٤، ظفير)

(۲) تراویح میں تین بار "قل هو الله" پڑھنا مکروہ نہیں ہے، ہاں البتہ اس کو لازم سمجھنا مکروہ ہوگا، پس اس کا اہتمام نہ کیا جائے۔

☆ **ملفوظ:**

تراویح میں سورۂ اخلاص کو مکرر کرتے ہیں، اس واسطے کہ ایک بار میں قرآن کی سورۃ ہونا نیت کرتے ہیں اور دوبارہ اس کو اس خیال سے پڑھتے ہیں کہ جو کچھ کمی غلطی قرآن میں واقع ہوئی، اس کا جبر نقصان ہو جاوے کہ یہ ثلث قرآن وصف رحمٰن تعالیٰ شانہ ہے۔ بعض کتب فقہ میں بھی یہ لکھا ہے، پس مضائقہ نہیں اور مکرر پڑھنا کسی سورت کا حرج نہیں؛ مگر اس کو سنت نہ جانے اور مکرر پڑھنا کسی آیت کا تو حدیث سے بھی ثابت ہے۔ کسی وجہ سے؛ مگر اس وجہ خاص سے سراجیہ کتب فقہ میں لکھا ہے اور کوئی ضروری امر نہیں چاہے نہ پڑھے، البتہ ضروری اور سنت جان کر پڑھنا بدعت ہو جائے گا۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۲۶)

تراویح میں تکرار ﴿قل ھو اللہ﴾:

سوال: تراویح میں ایک رکعت میں تین مرتبہ سورہ "قل ھو اللّٰہ أحد مع بسم اللّٰہ"، ختم قرآن شریف پر پڑھنا جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب

تکرار ﴿قل ھو اللّٰہ﴾ ختم کے وقت فی نفسہ تو مباح ہے؛ مگر جہاں اس کولازم سمجھتے ہوں کہ اس کے بغیر ختم کو ناقص سمجھتے، وہاں نہ کرنا چاہیے۔

۲۸ر رمضان ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام:۲/۲۷۹) ☆

☆ تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر تکرار قل ھواللہ کیسا ہے:

سوال: تراویح میں ختم قرآن میں تین بار قل ھواللہ کا پڑہنا کیسا ہے، پورے قرآن کوایک مرتبہ اور قل ھواللہ کو تین بار پڑھنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ قاری اس سورت کو دوسرے قرآن پر فضیلت دیتا ہے؟

الجواب

قال فی شرح المنیة: وقراء ۃ قل ھو اللّٰہ أحد ثلٰث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشایخ وقال الفقیه أبو اللیث: ھٰذا شیء استحسنه أھل القرآن وأئمة الأمصار فلا بأس به إلا أن یکون الختم فی المکتوبة فلا یزید علٰی مرة، اھ. (ص:٤٦٤)

لیکن اگر تکرار کا التزام ایسا ہوگیا ہے کہ اس کے ترک پر ملامت ہوتی ہے تو اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ کما ھو مقتضی التزام المباح والمستحب.

۱۳ر شوال ۱۳۴۶ھ۔ (امدادالاحکام:۲/۱۹۴)

ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا:

سوال: تراویح میں ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے، یا نہیں؟

الجواب

مستحب ہے۔ شرح منیۃ میں ہے:

قراء ۃ قل ھو اللّٰہ أحد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ و قال الفقیه أبو اللیث: ھذا شیء استحسنه أھل القرآن وأئمة الأمصار فلابأس به إلاأن یکون الختم فی المکتوبة فلایزیده علی مرة، إنتھیٰ.

اوراسی کتاب میں دوسری جگہ ہے:

یکرہ تکرارقرأ ۃ السورۃ فی الفرض ولا یکرہ تکرارالسورۃ فی التطوع لأن باب النفل أوسع، انتھیٰ ملخصاً. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۴۱)

تراویح میں سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے کا حکم:

سوال: تراویح میں سورۂ اخلاص کا ایک بار پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ شروع سے ہمارے یہاں حفاظ کرام تین بار سورۂ اخلاص پڑھتے چلے آئے ہیں؛ لیکن اس سال حافظ صاحب نے ایک ہی بار پڑھا۔ ==

تراویح کی ایک رکعت میں ﴿قل ھو اللّٰہ أحد﴾ کو مکرر کرنے کی تحقیق:

سوال: جناب! کتابے کہ از تالیف حضور فیض گنجور است مسمیٰ بہ گوہر بہشتی وحصہ یاز دہم کہ زیور بہشتی است دراں مکتوب است کہ خواندن قل ہو اللہ در نماز ختم تراویح بہ سہ مرتبہ مکروہ است، چناں کہ حافظان ایں زمانہ بروزے کہ ختم آخری شود قل ہو اللہ را بہ سہ مرتبہ در نماز خوانند ایں قسم خواندن مکروہ است، یا نہ؟ اگر باشد بچہ وجہ؟ آیا بوجہ تکرار سورہ، یا بوجہ رواج گردانیدن واگر مکروہ باشد، کدام مکروہ؟ جناب ایں قسم خواندن در ملک بنگالہ رواج کثیر شدہ اگر کسے منع کند عالم وجاہل ہمگنان او را نفرت می کنند وگویند کہ ایں قسم خواندن از زمانۂ جناب مولانا حافظ احمد صاحب جاری شدہ اگر منع بودے ونیز منع کردے آں منع نہ کردن دلیل است بر جواز وبسے مولوی انکار نمودہ وچند مولوی اقرار نمودہ، اکنون فساد برپا شد ودر تحقیق آں مشغول شدہ بعد چند روز شخصے از کتاب مفید القاری کہ از تالیفات مولوی عبد المنان است آوردہ کہ نزد فقیہ ابو اللیث خواندن قل ہو اللہ سہ بار جائز است وبعض مستحسن فہمید وبعضے غیر مستحسن وبعد ازاں نوشتہ کہ در شرح منیہ نوشتہ ''ویکرہ تکرار السورۃ فی المکتوبۃ دون النوافل''. پس باقی ماند کہ در نماز تراویح نفل است، یا سنت؟

==

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تراویح میں ﴿قل ھو اللّٰہ أحد﴾ تین مرتبہ پڑھنا جائز ہے، ضروری نہیں، لہٰذا اگر ایک ہی دفعہ پڑھا گیا تو کوئی حرج نہیں؛ بلکہ اس کو ضروری جان لینا صحیح نہیں ہے۔ (غنیۃ المستملی، ص:۲۶۴) (وقراءۃ قل ھو اللّٰہ أحد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال أبو اللیث: ھٰذا شیء استحسنہ أھل القرآن وأئمۃ الأمصار فلا بأس بہ إلا أن تکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزید فی المکتوبۃ فلا یزید علٰی مرۃ. (غنیۃ المستملی، ص: ۴۹۶)

فقیہ ابو اللیث کہتے ہیں کہ ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے کو قراء وائمۂ امصار نے پسند کیا ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ فرض نمازوں میں ایک سے زائد بار نہیں پڑھے۔ [مجاہد] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد اللہ خالد مظاہری، ۶/۱۲/۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۶۳)

تین بار سورۂ اخلاص کی نماز تراویح میں تلاوت:

سوال: بعض حفاظ کرام تراویح کی کسی رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
(ظہیر انور، ٹولی چوکی)

الجواب ــــــــــــــــــــ

نفل نمازوں میں ایک ہی سورت کو تکرار کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن سلف صالحین کے دور سے تراویح میں اس طرح کا معمول ثابت نہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز میں اس سورت کو تین بار پڑھا ہے، حافظوں کی تراویح میں اس طرح سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھنے کی وجہ سے لوگوں کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ اس طرح پڑھنا مسنون ومطلوب ہے، جو ظاہر ہے کہ درست نہیں؛ اس لیے راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس سے احتراز کرنا چاہیے، دین میں جس چیز کو جو اہمیت حاصل نہ ہو، اس کو اس اہمیت کے ساتھ ادا کرنا، یا اس کا التزام کرنا درست نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۹۲-۳۹۳)

اگر نفل است، جائز است باتفاق واگر سنت باشد جائز شود، یانہ؟ واوشاں کتاب جناب دیدند وگفتہ اند کہ از کدام کتاب نقل کردہ؟ آیا کہ معتبراست، یاغیر معتبر؟ **هل يجوز تكرار السورة فى السنة والواجب**، اگر معتبر باشد وعلمائے متین دستخط کنند درگرفتن آں شکے نماند فلہٰذا امید نزد جناب ایں کہ از روئے شفقت ولرضاء اللہ دوقلم تحریر فرمودہ مکروہ است، یانہ؟ ثابت کردہ ہم از کتاب است عبارتش نوشتہ از چند علمائے فحول مسجل کنانیدہ ایں فساد رادر کنند وثواب درایں حاصل کنند۔ ﴿**إن الله لا يضيع أجر المحسنين**﴾(۱)

الجواب

بہشتی گوہر ملخص است از علم الفقہ کہ از تالیفات مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی است ندانم کہ از کجا نقل فرمودند وقت تلخیص بہ سبب وثوق بریشاں تفتیش مآخذ نہ نمودہ شد اگر دل خواہد از وشاں تحقیق نماید نشان اوشاں لکھنو چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب کافی است؛ لیکن تبرعاً برائے تحقیق دلیل ہم بہ کتب رجوع کردہ روایت ذیل در عالمگیریہ از گزشت:

ويكره تكرار السورة فى ركعة واحدة فى الفرائض ولا بأس بذلك فى التطوع، كذا فى فتاوىٰ قاضى خان وإذا كرر آية واحدة مراراً فإن كان فى التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وإن كان فى الصلاة المفروضة فهو مكروه، إلخ. (۲)

پس ظاہر است کہ تکرار سورت وتکرار آیت متساوی الحکم ہستند ودر عدم کراہت تکرار آیت فی التطوع قید الذی یصلی وحدہ اضافہ فرمودہ پس واضح شد کہ مراد از تطوع در تکرار سورت نیز ہماں تطوع است کہ تنہا گزاردہ می شود وتراویح کہ مثل فرائض بجماعت ادا کردہ می شود دریں حکم مثل فرائض است، پس مثل فرائض دراں ہم تکرار سورت مکروہ باشد وعلاوہ بریں ایں چنیں التزام واصرار کہ مردمان اختیار کردہ اند ہم دلیل مستقل است بر کراہۃ ومقتضائے دلیل اول کراہۃ تنزیہیہ است ومقتضائے دلیل ثانی تحریمیہ۔ واللہ اعلم

۲۵ر شوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۷۸) (امداد الفتاویٰ: ۱/۴۹۱-۴۹۳)

---

(۱) خلاصہ سوال: بہشتی گوہر صفحہ ۳۶ میں ہے ''مسئلہ صحیح یہ ہے کہ قل ہواللہ کا تراویح میں تین مرتبہ پڑھنا، جیسا کہ آج کل دستور ہے، مکروہ ہے'' کراہت کی کیا وجہ ہے؟ یعنی تکرار سورت کی وجہ سے کراہت ہے، یا رواج کی وجہ سے؟ اور کراہت کونسی ہے؟

(۲) **الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثانى فيما يكره فى الصلاة وما لا يكره فيها: ۱/۱۰۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس**

(۳) ترجمۂ جواب: بہشتی گوہر علم الفقہ (مؤلفہ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی) سے ملخص کی گئی ہے، معلوم نہیں انہوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نقل کیا ہے، تلخیص کے وقت ان پر اعتماد کی وجہ سے حوالہ کی تفتیش نہیں کی گئی، اگر دل چاہے تو ان سے تحقیق کرلیں، ان کا پتہ ''لکھنؤ چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب'' ہے؛ لیکن تبرعا بغرض تحقیق بندہ نے بھی کتابوں کی مراجعت کی، عالمگیری میں مندرجہ ذیل روایت نظر سے گزری: ==

سوال: عرصہ چند ماہ کا ہوا کہ اس جگہ کچھ جھگڑا ہوا ہے، دربارہ مسئلہ قرأت سورۂ اخلاص شریف تراویح میں تین مرتبہ مجوزین فرماتے ہیں کہ کوئی وجہ منع کی نہیں؛ بلکہ یہ موجب ثواب ہے، چوں کہ تین مرتبہ سورۂ مذکور کو پڑھنا برابر ثواب میں کل قرآن شریف کے ہے اور مانعین فرماتے ہیں کہ تکرار نماز میں نہیں ہے اور چناں چہ حضور والا کے بہشتی زیور کے گیارہویں حصہ بہشتی گوہر میں مرقوم ہے، اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے، جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ پس وہ سوال کرتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ آج کل کا رواج کس طور پر ہے؟ پس جناب والا تکلیف فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں مع حوالہ کتب۔ فقط

الجواب

اس وقت خاص اس کا جزئیہ تو جلدی میں ملا نہیں؛ لیکن درمختار کے اس قول پر کہ "لا بأس أن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة" علامہ شامی کا یہ قول ملا: "أفاد أنه یکره تنزیهًا وعلیه یحمل حزم القنیة یالکراهة ویحمل فعله علیه الصلاة والسلام لذٰلک علیٰ بیان الجواز". (۱/۵۷۰)(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک سورت کا دو رکعت میں اعادہ کرنا مکروہ ہے تو ایک رکعت میں اس کا اعادہ وتکرار تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا اور اگر شبہ ہو کہ اس کے بعد درمختار میں ہے: "ولا یکره فی النفل شئی من ذلک". اس کا جواب یہ ہے کہ ردالمحتار میں فتح سے اس پر نقل کیا ہے: "وعندی فی هٰذه الکلیة نظر، إلخ". پھر ردالمحتار ہی میں حلبی سے نقل کیا ہے: "أنهم نصوا بأن القراءة، إلخ". (۱/۵۷۱) اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور بوجہ قوت دلیل کے ترجیح کراہت کو معلوم ہوتی ہے، یہی حاصل ہے بہشتی گوہر کے مسئلہ کا، چناں چہ یہ قول کہ صحیح یہ ہے، الخ دال ہے اختلاف پر بھی اور بہشتی گوہر میں جو لکھا ہے کہ جیسا کہ آج کل دستور ہے، اس کے معنی ظاہر ہیں؛ کیوں کہ آج کل ایسا کرتے ہیں، پھر بعد تحریر اس جواب کا جزئیہ بھی مل گیا، جس سے جواب مذکور کی تائید ہوتی ہے اور

== "ویکره تکرار السورة"، الخ، ظاہر ہے کہ تکرار سورت اور تکرار آیت متساوی الحکم ہیں اور نوافل میں آیت کے تکرار عدم کراہت کو الذی یصلی وحده سے مقید کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ نوافل میں سورت کی تکرار کی عدم کراہت سے مراد بھی وہی نوافل ہیں، جو تنہا پڑھی جائیں اور تراویح جو فرائض کی طرح جماعت سے پڑھی جاتی ہے، بحکم فرائض ہے، لہٰذا فرائض کی طرح تراویح میں بھی سورت کی تکرار مکروہ ہوگا۔

علاوہ بریں یہ التزام واصرار جو لوگوں نے اختیار کرلیا ہے، یہ بھی کراہت کی مستقل دلیل ہے۔ دلیل اول کا مقتضی کراہت تنزیہی ہے اور دلیل ثانی کا مقتضاء کراہت تحریمی ہے۔ واللہ اعلم

اضافہ: بہشتی گوہر کے حاشیہ میں ہے "وجہ کراہت یہ ہے کہ آج کل عوام نے اس کو لوازم ختم سے سمجھ لیا ہے، جیسا کہ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہے، لہٰذا مکروہ ہے، نہ یہ کہ اعادہ سورۃ فی نفسہ مکروہ ہے، جیسا کہ مولانا رحمہ اللہ نے تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص:۱۱۸، میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ (جو یہاں ص:۳۲۱ پر درج ہے۔ سعید) پس اعادہ سورۃ خواہ فی نفسہ جائز ہو، یا مکروہ۔ رسم ہذا قابل ترک ہے۔ (تصحیح الاغلاط، سعید احمد)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، فروع آخر صلاة قبل باب إمامة

وہ جزئیہ یہ ہے، درشرح منیہ می آرد:

”قراءة قل هو اللّٰه أحد ثلٰث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشائخ، وقال الفقيه أبو الليث: هٰذا شيء استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار فلا بأس به إلا أن يكون الختم في المكتوبة فلايزيد علٰى مرة، انتهٰى. (۱)

ودرہماں کتاب بجائے دیگراست:

”ويكره تكرار قراءة السورة في الفرض ولايكره تكرار السورة في التطوع؛لأن باب التطوع أوسع“ملخصًا. (فتاوٰی مولانا عبدالحی جلدسوم، ص:۵۹)

۱۳/ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۱۸) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۹۳-۴۹۵)

۲۳ ویں رات میں سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم پڑھا:

سوال: ہمارے دیار میں رمضان کی تیئیسویں رات کو تراویح کے بعد سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم نمبر:۲۰، ۲۱ پڑھنے کا رواج ہے۔ کیا ان سور کے پڑھنے کا ثبوت ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہمارے علم میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، نہ اس کی پابندی کی کوئی شرعی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۱۰/۱۲/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ عثمانی:۱/۵۰۷)

ختم قرآن پر ﴿الٓمٓ﴾ سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنا مستحب ہے:

سوال: مولانا عبدالحیؒ نے تراویح میں ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک ختم کرنے کو جائز لکھا ہے؛ یعنی جب قرآن شریف ختم کرے تو اخیر رکعت میں ”الف لام میم“ سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھے اور فتاویٰ عالمگیریؒ میں بھی ترتیب ختم کی ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک لکھی ہے۔ صحیح اس بارے میں کیا ہے؟ اور ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں نے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنے کو مکروہ کہا ہے۔

الجواب

جو کچھ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس بارے میں لکھا ہے، وہی صحیح ہے۔ فقہاء حنفیہ نے بھی ختم قرآن میں صرف اسی کو مستحب لکھا ہے کہ سورۂ بقرہ کی شروع کی آیات پر ختم کرے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے، اس کے سوا متفرق جگہ آیتوں کو پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔

---

(۱) كبيرى شرح المنيية، ص:٤٤٢، سعيد

کما سیجئ عن شرح المنیة؛لأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:خیرالناس الحال المرتحل: أی الخاتم المفتتح،انتھٰی.(شرح المنیة کبیری)(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۹-۲۶۰)

ختم تراویح کے دن الٓمٓ مفلحون کے بعد بعض دوسری آیتوں کا پڑھنا ثابت نہیں ہے:

سوال: اکثر حافظ بروز ختم قرآن شریف در صلوٰۃ تراویح بعدھم المفلحون کے مختلف آیات مثل ﴿انا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون﴾،﴿وأن رحمة اللّٰہ قریب من المحسنین﴾ وغیرہ پڑھتے ہیں،اس کا شرعاً ثبوت ہے،یا نہیں؟

الجواب

فقہا نے صرف اس قدر لکھا ہے:

”إلا إذا ختم فیقرأ من البقرة“،إلخ.(الدرالمختار)

وفی الشامی:قال فی شرح المنیة:وفی الولوالجیة:من یختم القرآن فی الصلاة إذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الأولٰی یرکع ثم یقرأ فی الثانیة بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛لأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:خیرالناس الحال المرتحل أی الخاتم المفتتح،آہ.(۲)

پس ماسوا اس کے ثابت نہیں ہے،لہٰذا اصرار کرنا بدعت ومکروہ ہے۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۳)

ختم قرآن پر دوسری آیتوں کا پڑھنا کیسا ہے:

سوال: رمضان شریف میں ختم قرآن میں حافظ صاحب انیس رکعتوں میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور بیسویں رکعت میں الٓمٓ سے مفلحون تک پڑھ کر اسی رکعت میں یہ آیات پڑھتے ہیں:﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ،دَعْوٰیھُمْ فِیْھَا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلاَمٌ الخ عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ تک پڑھ کر رکوع کرتے ہیں۔یہ جائز ہے،یا بدعت؟

الجواب

یہ تو بعض روایات میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے بعد الٓمٓ سے شروع کرکے چند آیات مثل مفلحون تک پڑھ دیا جاوے اور فقہا نے بھی اس کی اجازت دی ہے اور یہ مستحب ہے۔(۳) اس کے سوا دیگر آیات کا اس وقت پڑھنا منقول نہیں ہے،لہٰذا ترک کردینا مناسب ہے۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۶۵)

(۱-۲) دیکھئے:رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة:۲/۲۶۹، مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۳) ویکرہ الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوساً إلا إذا ختم فیقرأ من البقرة.(الدرالمختار،کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،فصل یجھر الإمام:۱/۸۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)
==

ختم قرآن کے موقعہ پر آیات متفرقہ بلاترتیب پڑھنا:

سوال: ایک حافظ صاحب تراویح میں ختم قرآن پر ﴿مفلحون﴾ تک پڑھتے ہیں، پھر اس رکعت میں آیات متفرقات (بلاترتیب) ادعیہ وغیرہ پڑھتے ہیں اور بھی بعض حفاظ کا معمول ہے کہ ختم کلام پاک پر آخری رکعت میں مختلف آیات بلاترتیب تلاوت کرتے ہیں۔اس پر بعض حضرات کو اعتراض ہے کہ طحطاوی وعالمگیری میں اس کو مکروہ لکھا ہے؛ بلکہ خارج نماز مکروہ ہے، چہ جائے کہ داخل نماز، اس میں بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا، قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اجماعا ناجائز ہونا نقل کیا ہے۔ان تمام روایتوں کو جو اس کے خلاف وارد ہیں، مدنظر رکھتے ہوئے تحریر فرمائیں کہ کون سا عمل صحیح ہے؟ کیا یہ بدعات حسنہ میں سے ہے بقول علامہ نووی؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

قرآن پاک کو ترتیب سے ہی پڑھا جائے، خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے، بعض علما نے نوافل کو مستثنیٰ کیا ہے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ کے متعلق بھی یہی سنا کہ وہ ختم قرآن پر متفرق آیات ودعا پڑھتے تھے، ان میں ترتیب کی رعایت بھی غالبا نہیں ہوتی تھی، شاید وہ اسی قول کو اختیار فرماتے ہوں گے، البتہ قرآن پاک جس رکعت میں ختم کیا جائے، اس کے بعد والی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا خلاف ترتیب ہونے کے باوجود مستحسن ہے۔

"ويكره قرأة سورة فوق التى قرأها،قال ا بن مسعود رضى الله تعالٰى عنه:"من قرأ القرآن منكوسًا فهومنكوس"..."ولوختم القرآن فى الأولٰى يقرأ من البقرة فى الثانية لقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم:خيرالناس الحال المرتحل" ،يعنى الخاتم المفتتح"... ويكره الانتقال لآية من سورتها ولوفصل بآية،والجمع بين سورتين بينهما سورأوسورة،فى الخلاصة:لايكره هٰذا فى النفل،آه". (مراقى الفلاح)(۱)

(قوله:ويكره قرأة سورة)وكذا الآية فوق الآية مطلقًا،سواء كان فى ركعتين أوركعة،و استثنٰى فى الأشباه النافلة،فلا يكره فيها ذلک،وأقره عليه الغزى والحموى،نقله عن أبى اليسر وجزم به

== قال فى شرح المنية:وفى الولوالجية: من يختم القرآن فى الصلٰوة إذا فرغ من المعوذتين فى الركعة الأولٰى يركع ثم يقرأ فى الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛لأن النبى صلى الله عليه وسلم قال:خيرالناس الحال المرتحل:أى الخاتم المفتتح،آه.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى القراء ة،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية:۲/۲۶۹ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۱) كتاب الصلاة،باب الإمامة،فصل فى المكروهات،ص:۳۵۲،قديمى،انيس

فی البحر والدرر وغیرهما،قال بعض الفضلاء:وفيه تأمل؛لأن النكس إذا كره خارج الصلاة كما يرشد إليه لكون الترتيب من واجبات التلاوة،ففي النافلة اولىٰ ،وكون باب النفل واسعًا لايستلزم العموم،بل في بعض الأحكام،آه،(قوله:لايكره هٰذا في النفل) يعني القراء ة منكوساً،والفصل والجمع كما هومفاد عبارة الخلاصة حيث قال بعد ما ذكر المسائل الثلاث: وهٰذا كله في الفرائض،أما في النوافل لايكره،آه.(طحطاوی،ص:۲۱۲)(۱)

اگر وہاں کے حفاظ اور قراء نہ مانیں اور اپنی بات پر قائم رہیں تو ان سے نزاع اور جدال کی ضرورت نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۸۷ھ (فتاویٰ محمودیہ:۳۱۶/۷-۳۱۷)

تراویح میں ختم قرآن کے دن سورۂ لہب سے مفلحون تک پڑھنے کا حکم:

سوال: ختم تراویح کے دن حافظ صاحب نے بیسویں رکعت میں پہلے سورۂ فاتحہ اس کے بعد لہب، اخلاص، فلق، ناس اور پھر سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ مفلحون تک پڑھ کر تراویح ختم کی، ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

یہ طریقہ ٹھیک ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۶/۱۲/۱۴۰۰ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۶/۲)

ختم قرآن سورۃ الناس پر ہو، یا سورۃ البقرۃ کی آیتوں پر:

سوال: بعض حفاظ ختم قرآن سورہ ناس پر کرتے ہیں اور زیادہ حفاظ ﴿هم المفلحون﴾ تک پڑھتے ہیں۔کون سا طریقہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

دونوں صحیح ہیں، دوسرا افضل ہے۔(کذا فی الدر المختار:۵۷۰/۱)(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ذی قعدہ/۱۳۶۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۱۷/۷-۳۱۸)

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،كتاب الصلاة،باب الإمامة،فصل في المكروهات:۳۵۲،قديمي،انيس

(۲) البتہ بہتر یہ ہے کہ انیسویں رکعات میں معوذتین پڑھ کر رکوع کیا جائے اور بیسویں رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھ کر سورۂ بقرہ شروع سے مفلحون تک پڑھا جائے۔[مجاہد]من يختم القرآن في الصلاة إذافرغ من المعوذتين في الركعة يركع ثم إذا قام إلى الثانية يقرأ بفاتحة الكتاب و شيء من البقرة،كذا في الخلاصة.(الفتاوى الهندية،الفصل الرابع في القراء ة:۷۹/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۳) (ويكره الفصل بسورة قصيرة)...(وأن يقرأ منكوساً)إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة" (الدرالمختار) ==

پہلی رکعت میں ''سورۃ الناس'' دوسری میں ''سورۃ البقرۃ'' کا کچھ حصہ:

سوال: آج کل اکثر حافظوں کا معمول ہے کہ ختم قرآن کے بالکل آخری ترویحہ کی رکعت ثانی میں کسی قدر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں اور رکعت اولیٰ میں سوۂ ناس تو کیا اس صورت میں کوئی قباحت نہیں ہے؟ چوں کہ ترتیب کے اعتبار سے تقدیم تاخیر ہوتی ہے، اگر خرابی نہیں تو کیا جواب ہے؟

(۲) نیز بعض حافظوں کی یہ عادت ہے کہ آخری ترویحہ کی رکعت اُخریٰ میں فاتحہ کے بعد سورۂ ناس پڑھ کر الحمدللہ اور سورۂ بقرہ سے کسی قدر ایک رکوع پڑھتے ہیں، اب تکرار فاتحہ کی وجہ سے کیا کچھ خرابی نہیں ہے؟

ہر سورۃ کے شروع میں ''بسم اللہ'':

(۳) دیگر اینکہ اگر ایک ہی رکعت میں کوئی شخص کئی سورت پڑھیں تو ہر ایک سورت کے اول میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟ پڑھیں تو کس طرح؟ (احقر عبدالباری چاٹگامی)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

(۱) اس میں کوئی قباحت نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے:

ولو ختم القرآن فی الأولٰی،یقرأ البقرة فی الثانية لقولہٖ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:''خیر الناس الحال المرتحل'':یعنی الخاتم المفتتح،آہ. (مراقی الفلاح،ص:۲۰۲)(۱)

(۲) اس میں کوئی خرابی نہیں، تکرار فاتحہ اگر متوالیاً ہو تو اس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، اگر سورت کا فصل درمیان میں آجائے تو اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔

ولو کررها(الفاتحة) فی الأولیین یجب علیه سجود السهو؛لأنه أخر واجبًا وهو السورة، بخلاف ما لو أعادها بعد السورة أو کررها فی الأخریین،آہ. (زیلعی،ص:۱۹۳)(۲)

تاہم اس کو معمول نہیں بنانا چاہیے۔

== (قوله: إلا إذا ختم،إلخ)...وفی الولوالجية:من یختم القرآن فی الصلاة إذا فرغ من المعوذ تین فی الرکعة الأولیٰ یرکع،ثم یقرأ فی الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛لأن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قال:خیر الناس الحال المرتحل'':أی الخاتم المفتتح''.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب الإستماع للقرآن فرض کفاية:۲/۲۶۹،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

(۱) مراقی الفلاح علی نور الإیضاح،فصل فی المکروهات،ص: ۳۵۲،قدیمی/وکذا فی ردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب الإستماع للقرآن فرض کفاية:۲/۲۶۹،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) تبیین الحقائق، کتاب الصلاة،باب سجود السهو:۱/۴۷۳، دارالکتب العلمية بیروت،انیس

(۳) اس میں چند اقوال ہیں، پڑھنا بہتر ہے۔(کذافی ردالمحتار: ۵۱۱/۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۳/۷-۳۰۴)

تراویح میں ختم قرآن پر سورہ بقرہ کی چند آیات پڑھنا:

سوال: ماہ رمضان میں تراویح میں قرآن کریم سنانے والے اکثر حفاظ کا دستور ہے کہ انیسویں رکعت میں الحمد للہ شریف کے بعد باقی ماندہ سورتیں مثلاً معوذتین وغیرہ پڑھ کر رکوع کر دیتے ہیں اور بیسویں رکعت میں الحمد شریف پڑھ کر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر رکوع کرتے ہیں۔ بعض حفاظ اس کے بجائے انیسویں رکعت میں الحمد شریف کے بعد قل ہو اللہ پڑھ کر ختم کر کے ہی رکوع میں چلے جاتے ہیں اور پھر بیسویں رکعت میں الحمد شریف کے بعد معوذتین، پھر الحمد شریف پھر سورۂ بقر کی ابتدائی آیات پڑھتے ہیں، پھر رکوع کرتے ہیں۔ مذکورہ دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ زیادہ صحیح ہے؟ (حافظ محمد سعید)

الجواب

ختم قرآن مجید کے بعد سورۂ بقر کی ابتدائی آیتیں پڑھنا مسنون ہے،(۲) خواہ بیسویں رکعت میں سورۂ ناس کے بعد پڑھ لے، یا انیسویں رکعت میں ناس تک پڑھ کر بیسویں الٓمٓ سے پڑھ لے، بیسویں رکعت میں الحمد اور معوذتین پڑھ کر پھر فاتحہ پڑھنا اور الٓمٓ کی آیتیں پڑھنا نہیں چاہیے؛ یعنی الحمد کی تکرار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۹۲/۳-۳۹۳)

اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا:

سوال: حفاظ رمضان شریف میں آج کل عموماً یوں ختم قرآن کرتے ہیں کہ انیسویں رکعت میں قرآن ختم کرتے

---

(۱) (قوله: لا تكره اتفاقاً)ولهٰذا صرح فى الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمىٰ بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أوجهرًا، كان حسنًا عند أبى حنيفة،ورجحه المحقق ابن الهمام.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة، مطلب: قراء ة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ۱۹۲/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) و أن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة.(الدرالمختار)

قال فى شرح المنية:"وفى الولوالجية "من يختم القرآن فى الصلاة إذا فرغ من المعوذتين فى الركعة الأولىٰ يركع ثم يقرأ فى الثانيه بالفاتحة وشئ من البقرة؛لأن النبى صلى الله عليه وسلم قال:خيرالناس الحال المرتحل أى الخاتم المفتح،إلخ.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى القراء ة،مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

ہیں اور بیسویں رکعت میں ﴿ألم﴾ سے ﴿مفلحون﴾ تک پڑھتے ہیں۔ شامی نے بھی اس کو بغیر کراہت جائز لکھا ہے، (۱) اور مولوی عبدالحیٔ فرنگی محل رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو مستحسن، یا مستحب لکھا ہے۔ (۲) بہار شریعت میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی اس کو مستحب لکھا ہے؛ مگر بعض صاحبان یہ کہتے ہیں کہ اگر اٹھارویں رکعت میں قرآن ختم کیا جائے اور انیسویں اور بیسویں میں ''الم'' سے حسب منشا پڑھ کر ختم قرآن کریں تو زیادہ بہتر ہے؛ تاکہ ترتیب میں بھی فرق نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ ختم کے بعد پھر شروع کریں، اس کے مطابق بھی ہو جائے؛ کیوں کہ شامی وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر انیسویں رکعت میں ختم کیا تو بجائے اخیر سورت کے تکرار کرنے سے ''الم'' سے پڑھنا بہتر ہے؛ مگر یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمیشہ اسی طرح بالالتزام انیسویں رکعت میں ختم کر کے بیسویں میں ''الم'' پڑھے۔ اب بتائیے ان دونوں طریقوں میں کون سا طریقہ بہتر وافضل ہے کون سا صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اصل مقصود حدیث ''الحال المرتحل'' پر عمل کرنا ہے، وہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے؛ لیکن انیسویں میں ختم کر کے بیسویں میں شروع کرنے سے خلاف ترتیب لازم آتا ہے، جو کہ مکروہ ہے۔ شامی میں اس صورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۹/۷-۳۲۰)

تراویح میں ختم قرآن کا صحیح طریقہ کیا ہے:

سوال: تراویح میں جب قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے تو بعض حفاظ کرام آخری دوگانہ میں تین مرتبہ سورۂ اخلاص، ایک مرتبہ سورۂ فلق، سورۃ الناس اور دوسری رکعت میں البقرہ کا پہلا رکوع پڑھتے ہیں اور بعض حفاظ سورۂ اخلاص کو صرف ایک مرتبہ پڑھتے ہیں اور آخری دو رکعتوں میں البقرہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں سورۂ الصافات کی

(۱) (قوله: إلا إذا ختم، الخ) قال في شرح المنية: وفي الوالوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خير الناس الحال المرتحل: أي الخاتم المفتتح. (ردالمحتار، باب الصلاة، فصل في القراءة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند) (سنن الترمذي، باب، رقم الحديث: ۲۹۴۸/ المستدرك للحاكم، ذكر فضائل سور، رقم الحديث: ۲۰۸۸، انيس)

(۲) السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، في القراءة: ۳۰۹/۲، سهيل اكيدمي لاهور

(۳) ([فرع] في آخر الكنز: ينبغي لحافظ القرآن في كل أربعين يومًا أن يختم مرة، والله أعلم''. (الدر المختار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ: ۳۵۱/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

تنبیہ: لیکن بیسویں میں ''الم'' سے شروع کر کے ''مفلحون'' تک پڑھ کر رکھ دینا اور پھر آئندہ سال رمضان شریف کی پہلی شب کو ''الم'' سے شروع کرنا اور درمیانی گیارہ ماہ تک بند اور ملتوی رکھنا مناسب نہیں؛ بلکہ حفاظ کو تمام سال اپنی نوافل میں یہ سلسلہ ختم جاری رکھنا چاہیے۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۵۴۷/۱، سعيد)

آخری آیات پڑھتے ہیں، ختم قرآن تراویح کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب

ویسے تو قرآن شریف سورۂ والناس پر ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی حافظ سورۃ الناس آخری رکعت میں پڑھیں اور سورۃ البقرہ شروع نہ کریں تو یہ درست ہے؛ لیکن جو حفاظ کرام سوۃ الناس کے بعد بیسویں رکعت میں سورۃ البقرۃ شروع کردیتے ہیں، یا انیسویں رکعت میں سورۃ البقرہ اور بیسویں رکعت میں سورۂ والصافات کی آخری دعائیہ آیات پڑھتے ہیں تو اگر اس طریقہ کو وہ لازمی نہیں سمجھتے ہیں تو اس طرح سے ختم قرآن کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ سورۃ الناس کے بعد سورۃ البقرہ شروع کرنے میں اس بات کی طرف لطیف سا اشارہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن میں تسلسل ہونا چاہیے اور حدیث شریف میں اس کی تعریف آتی ہے کہ آدمی قرآن کریم ختم کرکے دوبارہ شروع کردے؛ اس لیے یہ بہتر ہے کہ ایک قرآن ختم کرکے فوراً دوسرا قرآن شروع کردیا جائے، البتہ اس طریقہ کو اگر لازمی سمجھا جائے تو درست نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۲/۴)

تراویح میں ختم قرآن کا طریقہ:

سوال: تراویح میں ختم قرآن کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اگر کوئی شخص ختم قرآن میں آخر کی دو رکعتوں میں پہلی میں ''الم'' یا آیۃ الکرسی ''یا امن الرسول'' سے ختم سورت تک پڑھ کر ایک رکعت کرے اور دوسری میں قرآن کریم کی تمام آیتیں دعاؤں والی پڑھے جن کی وجہ سے پہلی رکعت چھوٹی اور دوسری رکعت طویل ہوجائے اور لوگ سن کر بہت زور سے رونے لگیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامدًا و مصليًا

اگر ہر رکعت میں دس آیت پڑھے تو بہت اعتدال کے ساتھ قرآن پاک تراویح میں ختم ہوجائے۔ مقتدیوں میں ہمت ورغبت ہو تو دو ختم اور تین ختم کرلینا اعلیٰ وافضل ہے۔(۲) ختم والی شب اگر انیسویں رکعت میں ﴿والناس﴾ تک

(۱) وفى الولوالجية: من يختم القرآن فى الصلاة إذا فرغ من المعوذتين فى الركعة الأولٰى يركع ثم يقرأ فى الثانية بالفاتحة وشيئ من سورة البقرة؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم قال: خير الناس الحال المرتحل أى الخاتم المفتتح. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراء ة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ۲۶۹/۲، مكتبة زكرياديوبند، انيس)

(۲) عن الحسن قال: من أم الناس فى رمضان فليأخذ بهم اليسر، فإن كان بطيئ القراء ة فليختم القرآن ختمه وإن كان قراء ة بين ذلك فختمه ونصف وإن كان سريع القراء ة فمرتين. (مصنف ابن أبى شيبة، باب فى صلاة رمضان: ۴۲۸/۱۵، انيس)

(قوله: والختم مرة) والمجهور علٰى أن السنة الختم مرة، فلا يترك لكسل القوم، ويختم فى الليلة السابع و العشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر، ومرتين فضيلة، وثلاث مرات فى كل عشر مرة أفضل ... وفى مختارات النوازل: أنه يقرأ فى كل ركعة عشر آيات، وهو الصحيح؛ لأن السنة فيها الختم؛ لأن جميع عدد الركعات فى جميع الشهر ستمائة ركعة، وجميع آيات القرآن ستة آلاف، ونص فى الخانية علٰى أنه الصحيح. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۰/۲-۱۲۱، رشيدية)

پڑھ کر بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی آیات ﴿المفلحون﴾ تک پڑھے تو یہ بھی مستحسن ہے۔(۱) دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنا یہ مستحسن نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۳/۸/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۳/۸/۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۱۳/۷-۳۱۴)

ختم تراویح کے وقت مٹھائی کی تقسیم:

سوال: ختم تراویح پر کچھ تقسیم کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ختم تراویح میں کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گزرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ سورۂ بقرہ کو یاد کرلیا تو خوشی میں احباب کے کھانے کی دعوت کی،(۳) اس روایت سے اور اس ہی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا اور امید ہے کہ ذریعہ خوشنودی باری عزّ اسمہ ہو؛ مگر جو طریقہ آج کل رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل و نااہل سب جمع ہو کر نمازیوں کو مشوش کرتے اور شور وشغب عمل میں لاتے ہیں، تقسیم میں مار پیٹ، گالی غلوچ وغیرہ رونما ہوتی ہے، بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں اور فرش گندہ ہو کر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، چندہ جری طریقہ سے وصول کیا جاتا ہے، غیر مستطیع (نادار) کو طعنے دیئے جاتے ہیں، التزام مالا یلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں، جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کرادینا چاہیے، یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے کہ اصحاب استطاعت (مالدار) حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو، لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے، مسجد میں کسی کو کچھ نہ دیا جائے، جو لوگ آئیں، ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت وصامت (خاموش) رہیں، دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں، بچوں اور شور شغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بٹھایا جائے۔

(مکتوبات:۱۹۵/۱-۱۹۶)(فتاویٰ شیخ الاسلام، ص:۵۵)

---

(۱) (قوله:إلا إذا ختم،إلخ)وفي الولوالجية:من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولٰى يركع،ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة و شئ من سورة البقرة؛لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال:خير الناس الحال المرتحل:أي الخاتم المفتتح". (ردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل في القراء ة،مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية:۲۶۹/۲، انيس)

(۲) (قوله:مطلقًا)قال في شرح المنية:والأصح كراهة إطالة الثانية على الأولٰى في النفل أيضًا الحاقا له بالفرض فيما لم يرد به تخصيص من التوسعة كجوازه قاعدًا بلاعذر ونحوه،وأما إطالة الثالثة على الثانية والأولٰى،فلا تكره،لما أنه شفع أخر.(رد المحتار،مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية:۲۶۵/۲،ديوبند،انيس)(في مراقي الفلاح،فصل في المكروهات ۳۵۱،قديمي)

(۳) عن ابن عمر رضى الله عنهماقال: تعلم عمربن الخطاب رضى الله عنه البقرة في إثني عشرة سنة فلما أتمها نحر جزورًا. (شعب الإيمان للبيهقي،فصل في تعاليم القرآن:۳۳۱/۲،رقم الحديث:۱۹۵۷،بيروت،انيس)

تراویح میں ختم قرآن کے وقت شیرینی کی تقسیم:

سوال: تراویح میں ختم قرآن کے وقت آپس میں لوگ بخوشی چندہ کر کے شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، شریعت میں اس کا کہیں سے ثبوت ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو فبہا اور اگر نہیں تو تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب

جب کہ بخوشی بلا جبر واکراہ چندہ دیتے ہیں تو شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا درست ہے؛ لیکن اس کو ضروری، واجب، یا سنت نہیں سمجھنا چاہیے، اس کا اہتمام بھی نہیں کرنا چاہیے اور ترک کرنے پر ملامت بھی نہیں کرنا چاہیے اور مسجد کی بے حرمتی اور شور وشغب سے بھی بچنا چاہیے۔ (کمافی مجموعہ جلد ثانی، صفحہ: ۲۹۷، لمولانا عبدالحئ لکنویؒ وغیرہ) (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱/۳۳۱) ☆

ختم تراویح پر مٹھائی وغیرہ کے لیے چندہ دینا:

سوال: ختم شریف کی خوشی میں اللہ کے نام کا پیسہ اکٹھا کر کے مٹھائی چالیس کلو بنوانا اور اس میں روشنی کرنا، سجانا، خاص کر غیر مسلم کو دعوت دینا، کیا یہ سب ہمارے مذہب میں جائز ہے، یا صرف مٹھائی بانٹنا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

ختم قرآن شریف پر مٹھائی کے لیے چندہ کرنے میں عامۃً حدود کی رعایت نہیں کی جاتی، اس کو لازم سمجھا جاتا ہے، چندہ لینے میں زور ڈالا جاتا ہے، عار دلائی جاتی ہے کہ فلاں نے کم کر دیا، تفاخر کیا جاتا ہے، بعض آدمی مجبورا قرض لے کر دیتے ہیں، ان خرابیوں کی وجہ سے اس کو منع کیا جاتا ہے۔ روشنی اور سجاوٹ اسراف تک کی جاتی ہے، اس کی اجازت نہیں۔ (۱) ختم قران کو خاندانی شادی کی تقریب قرار دے کر اس میں مدعو کرنا خاص کر غیر مسلم کو ہرگز نہیں چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۴۱-۳۴۲)

ختم تراویح میں چراغاں اور امام صاحب کی خدمت کے لیے چندہ دینا:

سوال: رمضان میں ختم کے سلسلہ میں جو لوگ چندہ دیتے ہیں حافظ کو دینے کے لیے، شیرینی و چراغاں کرنے

☆ **ملفوظ:**

جس صورت میں لوگوں کے جمع ہونے سے مسجد کی بے تعظیمی ہوتی ہے، ایسی صورت میں چپکے سے ختم کر دینا اور کسی کو خبر نہ کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے اور جس شخص نے بیس تراویح پڑھ لی ہوں، پھر کسی دوسری مسجد میں تراویح ہوتی دیکھے تو شریک ہو جاوے، کچھ حرج نہیں؛ بلکہ ثواب ہے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۶)

(۳) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. {رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدارقطني في المجتبىٰ} (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب و العارية، الفصل الثاني، ص: ٢٥٥، قديمي) ==

کے لیے، آیا وہ لوگ ثواب کے مستحق ہیں، یانہیں؟ یا اپنے گناہوں میں چندہ دیکر اضافہ گناہوں کا کرتے ہیں، جیسا کہ حافظ کو اجرت دینا حرام ہے، روشنی زیادہ بدعت ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

بدعت اورنا جائز کام کے لیے چندہ دینا ناجائز ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (الآية)(۲)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۲/۷)

ختم قرآن کے موقع پر پانی وغیرہ دم کرانا:

سوال: رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر امام صاحب سے پانی، سونپ، نمک، سرمہ، تیل وغیرہ پر نمازی دم کراتے ہیں اور تبرک سمجھ کر اس کو استعمال کرتے ہیں، اس وقت خاص برکت ہوتی ہے یا ہمیشہ ختم کرا کے دم کرائے؟ اس رسم کو جاری رکھنے میں حرج ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

قرآن کریم کی برکت ہمیشہ ہوتی ہے، رمضان شریف کی برکت رمضان کے ساتھ خاص ہے، ختم کی برکت ختم کے ساتھ خاص ہے، تراویح کی برکت تراویح کے ساتھ؛ اس لیے اس وقت دم کرانے میں مضائقہ نہیں؛ مگر اس کو رسم بنانا اور التزام کرنا نہیں چاہیے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۰/۷-۳۴۱)

== قال الله تعالیٰ: (ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين) (الأعراف: ۳۱) وقال الله تعالیٰ: (لاتبذر تبذيرًا) لما أمر بالانفاق، نهى عن الإسراف فيه ... (إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين): أى أشباههم في ذلك، قال ابن مسعود رضى اللّٰه تعالیٰ عنه: التبذير الإنفاق فى غير الحق ... وقال قتادة: التبذير النفقة فى معصية اللّٰه تعالیٰ، وفى غير الحق و الفساد" (تفسير ابن كثير، سورة الإسراء: ۵۳/۳، مكتبة دار السلام الرياض، انيس)

(۲) وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم. (تفسير ابن كثير، سورة المائدة: ۱۰/۲۲، مكتبه دار السلم رياض، انيس)

نهى عن معاونة غيرنا على معاصى الله تعالیٰ. (أحكام القرآن للجصاص، الجزء السادس سورة المائدة: ۴۲۹/۲، قديمى)

(۳) ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسمآء اللّٰه تعالیٰ ... قالوا ... وأما ما كان من القرآن أو شئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

تراویح میں تعوذ وتسمیہ کے مسائل

تراویح میں ثنا اور تعوذ:

سوال: تراویح میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ حفاظ کرام تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً قرآن مجید کی قرأت شروع کردیتے ہیں۔ شاید ثنا وغیرہ نہیں پڑھتے تو کیا تراویح کے لیے ثنا وغیرہ سے متعلق احکام مختلف ہیں؟ اور چوں کہ طویل نماز ہوتی ہے؛ اس لیے قرأت پر اکتفا کرلینا درست ہے؟ (عبدالمغنی، دبیر پورہ)

الجواب

تراویح کی نماز میں بھی ہر دو رکعت کے شروع میں ثنا، تعوذ اور بسم اللہ پڑھنے کا وہی حکم ہے، جو دوسری نمازوں میں ہے؛ اس لیے عجلت کی وجہ سے ان کا چھوڑ دینا، اسی طرح رکوع اور سجدے اور دونوں سجدوں کے درمیان کے وقفہ کو اتنی جلدی ادا کرنا کہ طمانینت کے ساتھ یہ ادا نہ ہو پائیں، درست نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ان سب کو نماز تراویح کے منکرات میں شمار کیا ہے۔

"مع اشتمالها علىٰ ترک الثناء والتعوذ والبسملة فی أول كل شفع". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۹۰-۳۹۱)

تسمیہ سورہ نمل کے علاوہ بسم اللہ پڑھنا:

سوال: اگر کوئی حافظ تراویح میں پورے قرآن میں سورۂ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ جو کہ جزو قرآن ہے، کسی جگہ بھی بسم اللہ نہ پڑھے تو ختم قرآن کامل ہوگا، یا ناقص؟

الجواب

کامل نہیں ہوگا، کیوں کہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اور سورتوں میں فصل کرنے کی غرض سے اس کو قرآن میں مکرر لایا گیا ہے، لہٰذا تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت کسی ایک سورت کے شروع میں اس کو پڑھنا ضروری ہے اور چھوڑنے کی صورت میں ختمِ قرآن ناقص رہے گا۔

تنویر المنار میں ہے:

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح: ۳۱۹/٤، دار الكتاب الإسلامي، انيس

حنفیہ برآنند کہ بسم اللہ آیت واحدہ است مکرر شدہ برائے فصل میانِ سور، پس قرآن عبارات است از مائۃ وچاردہ سورو یک آیت، پس در ختم قرآن یک بار بسم اللہ ضروری ست برسر ہر سورہ کہ خواہد ونیست جز و ہر سورہ، چناں چہ مذہب امام شافعی است کہ بسم اللہ مائۃ وسیزدہ آیت ست ودر قرآن بر ہر سورہ سوائے برأت واگر در یک جاترک کرد ترک کرد ختم را۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۱۹)

سورۂ نمل کے علاوہ کسی اورسورت میں جہراً بسم اللہ پڑھنا:

سوال: کیا کسی سورت کے اول میں ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بآواز بلند تراویح میں پڑھنا مسنون، یاواجب ہے؟ یعنی علاوہ سورہ نمل کے ﴿وأنه بسم الله الرحمن الرحيم﴾؟

الجواب

ہاں ختم قرآن تراویح میں کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر کرنا چاہیے، ورنہ ختم ناقص رہے گا۔

قال في نور الأنوار: والأصح أنها أى التسمية من القران، إلخ، قال المحشي: فالقران عبارة عن مأة وأربعة عشرة سورة وآية وهي التسمية فلا بد في ختم القراٰن من قراء ة التسمية مرة (أي جهرًا) علىٰ صدر آية سورة كانت وهٰذا كله عند نا على المختار وعند الإمام الشافعي هي جزء من كل سورة سوىٰ سورة البراءة فهي مائة وثلاثون عشر آية فلو تركت في صدرسورة ما حصل الختم ثم هٰذا الاختلاف في غير البسملة التي في سورة النمل وأما ما في النمل فهي بعض آية اتفاقًا، آه. (ص:۹) **وإنما قيدنا قراء تها بالجهر؛ لأن الإمام لو قرأها سرًا تم ختمه دون ختم السامعين.** (۱) واللہ اعلم

۱۳؍شوال ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام:۲؍)

تراویح میں ہر سورت پر بسم اللہ پڑھنے، یانہ پڑھنے میں امام ابوحنیفہ:

سوال: نماز تراویح میں بسم اللہ شریف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سراً، یا جہراً ہر سورت کے شروع میں پڑھنا جائز ہے، یاناجائز؟ یا تمام قرآن شریف میں امام موصوف کے نزدیک صرف ایک ہی مرتبہ پڑھنا سراً، یا جہراً کافی ہے؟ پھر ان میں کون سا عمل امام موصوف کے نزدیک اولیٰ ہے اور نماز تراویح میں قاری کو کس امام، یا راوی کی تقلید ضروری ہے اور اگر نماز تراویح میں قرآن کے اندر قاری امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی تقلید کرے تو شبہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن تو پڑھا جاتا ہے راوی حفصؒ کی روایت میں، پھر امام موصوف کی تقلید کس طرح کرے گا؟ اور کیوں کہ امام صاحبؒ کی تقلید کے موافق یعنی ہر سورت کے شروع میں بسم للہ شریف نہ پڑھی جائے تو حفصؒ کی روایت کے مطابق قرآن مجید پورا نہیں ہوتا،

---

(۱) نور الأنوار في شرح المنار، مبحث الكتاب، ص:۹، مكتبة بلال، انيس

کیوں کہ بسم اللہ شریف کو آپ نے ہر سورت کا جز فرمایا ہے، لہذا نماز تراویح میں قاری کو ان میں سے کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور کس کی تقلید ضروری ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

امام عاصم، یا حفص رحمہما اللہ کی تقلید صرف قرآن کی تلاوت اور وجوہِ قرأت میں کی جاتی ہے، باقی احکامِ صلوٰۃ میں ان کی تقلید نہ ہوگی؛ بلکہ اس میں فقہا کی تقلید ہوگی۔ سو ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ صرف ایک مرتبہ پڑھنا ختمِ قرآن کے لیے ضروری ہے، اگر ایک دفعہ کسی سورت پر بسم اللہ پڑھ دی گئی تو قرآن پورا ہوگیا اور بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ تراویح میں اس آیت کو جہراً پڑھا جائے، جیسا کہ تراویح میں قرآن جہر سے پڑھا جاتا ہے۔ اگر امام کسی جگہ بھی بسم اللہ کو جہر سے نہ پڑھے؛ بلکہ کسی ایک جگہ پڑھ لے تو امام کا ختم تو پورا ہو جائے گا؛ لیکن سامعین کے ختم میں ایک آیت کی کمی رہے گی، باقی سب سورتوں کے اول میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور ہر سورت کے اول میں سراً پڑھنا جائز ہے؛ بلکہ اگر مقتدیوں پر تطویل کا خوف نہ ہو تو مستحب ہے۔ واللہ اعلم

۲/ جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۳-۲۴۴)

تراویح میں ہر سورت پر "بسم اللہ":

سوال: عبداللہ نے تراویح میں قرآن کریم اس طرح پر سنایا کہ ہر سورت شریف سے پہلے "بسم اللہ" بالجہر پڑھی اور جب "سورۃ الضحیٰ" کو پہنچا تو ہر سورت شریف کے بعد "والناس" تک تکبیرات پڑھیں۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا: اگرچہ میں حنفی المذہب؛ لیکن میں قرأت میں جس امام کی قرأت پڑھتا ہوں، ان کا پیروں ہوں، ان کا طریقہ یہی ہے، جس کو ائمہ قرأت نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، میں ان کا اتباع کرتے ہوئے "بسم اللہ بین السورتین" اور "تکبیرات در اواخر السورۃ از "الضحیٰ" تا "والناس" پڑھیں، چوں کہ مذہب کی کسی مستند کتاب میں اس کی ممانعت میری نظر سے نہیں گزری ہے؛ اس لیے میں اپنے طریقہ پر اچھی طرح ثابت ہوں۔ اب دریافت طلب امر یہ تین امر ہیں:

(۱)　"**بسم الله بالجهر بين السور**" قرآن مجید سنانے والے کو نماز میں پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟

(۲)　تکبیرات کا پڑھنا قرآن مجید سنانے والے کو نماز میں اور پھر خاص کر نوافل میں ائمہ مذاہب کے نزدیک جائز ہے، یا نہیں؟

(۳)　ائمہ قرأت سے معتبر کتابوں میں جو کچھ منقول ہے، اس پر عمل کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ جواب مدلل بحوالہ کتاب ہو؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(۱)　جو شخص تمام کلام اللہ تراویح میں سنائے، اس کو کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ شریف کو بالجہر

پڑھنی چاہیے، ورنہ ختم قرآن شریف کی سنت ادانہیں ہوگی۔ اگر آہستہ پڑھے تو مقتدیوں کا قرآن شریف پورانہیں ہوگا؛ بلکہ ایک آیت کی کمی رہ جائے گی۔

”لوقرأ تمام القرآن فی التراویح،ولم یقرأ البسملة فی ابتداء سورة من السورسوا ما فی النملة،لم یخرج عند عهدة السنیة،ولو قرأها سراً خرج عن العهدة؛لکن لم یخرج المقتدون عن العهدة،آه“.(أحکام القنطرة،ص:۲۷۳)(۱)

ہرسورت کے شروع میں بسم اللہ شریف کو بالجہر پڑھنا،حتیٰ کہ اگر ایک رکعت میں متعدد سورتیں بالجہر پڑھے تو ان کے درمیان بالجہر پڑھنا خلاف سنت ہے اور ایسی صورت میں آہستہ بھی نہ پڑھے،البتہ اگر قرأت بالسر پڑھے تو ہرسورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا احسن ہے،بسم اللہ شریف حنفیہ کے نزدیک نہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے،نہ ہر سورت کا؛ بلکہ کلام اللہ شریف کی ایک آیت ہے،جوسورتوں کے درمیان فصل کے لیے بازل ہوئی ہے۔

”وتسن (التسمیة أول کل رکعة) قبل الفاتحة لأنه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یفتتح صلاته ببسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم،آه“.(مراقی الفلاح)

”وهی آیة واحدة من القرآن ... وأنزلت للفصل بین السور ... ولیست من الفاتحة ،ولا من کل سورة،آه“.(الطحطاوی،ص:۱٤۱)(۲)

قال الجصاص:”واختلفوا فی تکرارها فی کل رکعة،وعند افتتاح السورة،فروی أبویوسف عن أبی حنیفة أنه یقرأها فی کل رکعة مرة واحدة عند إبتداء قراء ة فاتحة الکتاب،ولا یعیدها مع السورة عند أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ وأبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ وقال محمد والحسن بن زیاد عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ: إذا قرأها فی أول رکعة عند ابتداء القراء ة،لم یکن علیه إن یقرأها فی تلک الصلاة حتیٰ یسلم،وإن قرأها مع کل سورة فحسن...وروی هشام عن أبی یوسف رحمه اللّٰه قال:سألت أبا حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ عن قراء ة ”بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم“ قبل فاتحة الکتاب وتجدیدها قبل السورة التی بعد فاتحة الکتاب؟ فقال أبوحنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ: یجزیه قراء تها قبل الحمد.وقال أبویوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ: یقرأها ما فی کل رکعة قبل القراء ة مرة واحدة ویعیدها فی الأخریٰ أیضاً قبل فاتحة الکتاب وبعدها إذا أراد أن یقرأسورة،قال محمد: فإن قرأ سوراً کثیرة وکانت قراء ته تخفیفها، قرأهاعند افتتاح کل سورة، وإن کان یجهر بها لم یقرأها؛ لأنه فی الجهریفصل بین السورتین بسکتة، آه “.(أحکام القرآن:۱۳/۱)(۳)

(۱) مجموعة رسائل اللکنوی،أحکام القنطرة فی أحکام البسملة: ۱۷/۱،إدارة القران کراتشی

(۲) حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،باب الأذان،فصل فی بیان سننها: ۲٦۰،قدیمی،انیس

(۳) أحکام القرآن للجصاص،باب القول فی بسم اللّٰه الرحمن الرحیم،فصل:قراء ة البسملة فی الصلاة: ۱۳/۱،دارالکتب العلمیة،انیس

(۲)　عامۃً شوافع کے نزدیک سنت ہر قرأت میں ہے، بعض نے انکار بھی کیا ہے۔ قراء حنابلہ کے نزدیک مستحب نہیں، سوائے ابن کثیر کے۔ حنفیہ اور مالکیہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحۃً نہیں ملا۔

قال ابن الحجر المكى بعد الكلام علىٰ الرواية: "فثبت بما ذكرناه عن الشافعي رضى الله عنه وبعض مشايخه وغيرهم أنه سنة فى الصلاة ... ووقع لبعض الشافعية من المتأخرين الإنكار علىٰ من كبر فى الصلاة، فرد ذلك عليه غير واحد، وشنعوا عليه فى هٰذا الانكار. قال ابن الجوزى رحمه اللّٰه تعالىٰ: ولم أرىٰ للحنفية ولا للمالكية نقلاً بعد التتبع، وأما الحنابلة ففى فروعهم لابن مفلح: وهل يكبر لختمه من الضحىٰ أو ألم نشرح لك آخر كل سورة؟ فيه روايتان، ولم يستحبه الحنابلة القراء غير ابن كثير، آه". (الفتاویٰ الحديثية مختصراً، ص: ۱۵۲)(۱)

ملا علی قاریؒ نے شرح شاطبی میں لکھا ہے:

"والتكبير المذكور سنة عند الشافعي فى كل قراء ة، ورأيته سواء كان بمكة أو غيرها، وعند الحنفية فمخمصة بقراء ة ابن كثير ولو كانت القراء ة بمكة، آه".

ظاہر یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز میں یہ تکبیر مسنون نہیں؛ اس لیے مسنونات نماز، یا تراویح میں اس کو تحریر نہیں کیا۔ نیز اس میں جزء قرآن ہونے کا شبہ ہوتا ہے؛ اس لیے بھی نماز میں اس سے احتراز مناسب ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں مانعین کی طرف سے اس کو نقل کیا ہے۔(۲)

(۳)　ائمہ قرأت سے جو قواعد فن تجوید کی معتبر کتابوں میں منقول ہے، وہ معتبر ومعمول بہا ہیں۔ اگر نماز میں کوئی مسئلہ قرأت مسئلہ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا، جیسا کہ "بسم اللہ الرحمٰن بین السور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۲/۱۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۰۰-۳۰۳)

بسم اللہ کا تراویح میں جہراً پڑھنا کیسا ہے:

سوال:　اضلاع پشاور وغیرہ میں بوقت ختم تراویح کسی سورہ کے اول میں بھی **بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم** کو

(۱)　الفتاویٰ الحديثية، باب الأحكام المتعلقة بالقرآن من التفسير والراء ت، مطلب: التكبير من الضحىٰ إلىٰ سورة الناس فى الصلاة وغيرها: ۱/۲۹۷-۲۹۸، قديمي، انيس

(۲)　قال سليم الرازى من أصحابنا فى تفسيره: يكبر بين كل سورتين تكبيرة، ولا يصل آخر السورة بالتكبير، بل يفصل بينهما بسكتة، قال: ومن لا يكبر من القراء حجتهم أن فى ذلك ذريعة إلىٰ الزيادة فى القرآن بأن يداوم عليه، ويتوهم أنه منه. (الإتقان فى علوم القرآن، النوع الخامس و الثلاثون فى آداب تلاوته وتأليفه: ۱/۲۲٤، دار ذى القربىٰ)

جہراً نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جہر ثابت نہیں اور جزوقرآن ہونا جہر کو مستلزم نہیں، حالاں کہ علمائے ہندوستان ایک دفعہ جہر کرتے ہیں اور فتاویٰ مولانا عبدالحئی صاحب میں ایک بار جہراً پڑھنا مسنون لکھا ہے۔اس کے جہر کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک جگہ اس لیے ہے کہ وہ تمام قرآن کا جزو ہے اور ایک جگہ بھی جہر نہ ہونے میں سامعین کا قرآن سننا پورا نہ ہوگا۔ پس یہ بنا جہر کی معلوم ہوتی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جزوقرآن شریف ہونا جہر کو مستلزم نہیں؛ مگر چوں کہ تمام قرآن شریف کا ختم تراویح میں مسنون ہے؛ اس لیے جہر بالتسمیہ کو بھی سنت کہا گیا ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۲/۴-۲۶۳)

بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا کیسا ہے:

سوال: کیا کوئی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے ساتھ نازل ہوئی ہے، احتیاطاً تراویح میں جہر کے ساتھ ہر سورۃ پڑھی جاوے، علاوہ بسم اللہ کے، اگر جہر سے پڑھا تو گنہگار رہوگا؟

الجواب

اکثر روایات میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت الحمد سے شروع فرماتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کا جہر نہ فرماتے تھے۔یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا، پس ہر ایک سورت کے ساتھ جہر نہ کرنا چاہیے۔صرف تمام قرآن شریف میں ایک دفعہ کسی سورت میں جہر سے پڑھ دیوے۔(والتفصیل فی کتب الفقہ)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۷/۴-۲۶۸)

کیا تراویح میں ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا چاہیے:

سوال: ایک مولوی حافظ قرآن بھی ہیں اور قاری بھی ہیں، وہ نماز تراویح میں ہر سورہ پر بعد از فاتحہ بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نہ کوئی قباحت ہے، نہ کراہت۔ بالجہر پڑھنے کے ثبوت میں یوں فرماتے ہیں

---

(۱) وهی (أی البسملة) آية واحدة من القرآن كله. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ الفارسية أو التوراة والإنجيل: ۷۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) وكما تعوذ سمیّٰ، الخ، سرًّا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية والتوراة والإنجيل: ۷۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

قال فی الكفاية عن المجتبىٰ: والثالث أنه لايجهر بها فی الصلوٰة عندنا، إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، مطلب فی بيان المتواتر بالشاذ: ۱۹۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

کہ تراویح میں جیسا کہ تکمیل قرآن قرأت مقصود اور سنت مؤکدہ ہے، ویسا ہی تکمیل قرآن سماعۃً بھی مقتدیوں کے حق میں مقصود ہے۔ لہٰذا تراویح میں جب تک بسم اللہ جہر سے ہر سورہ میں نہ پڑھی جاوے گی، اختلاف مقتدیوں کے حق میں رفع نہ ہوگا اور اختلاف بھی مجتہدین ہی کا نہیں؛ بلکہ ائمہ قرأت کا بھی ہے۔ آیا ہر سورہ پر بعد از فاتحہ تراویح میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا کیسا ہے اور تسمیہ میں قاری حنفی کو اپنے ائمہ مجتہدین کا اتباع کر کے بالسر پڑھنا چاہیے، یا ائمہ قرأت کے اتباع سے بالجہر پڑھنا چاہیے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

وكما تعوذ سمىّ، إلخ سرًّا، إلخ. (قوله سرًّا، إلخ): قال فى الكفاية عن المجتبىٰ: والثالث أنه لايجهر بها فى الصلاة عندنا خلافاً للشافعي وفى خارج الصلاة اختلاف الروايات والمشايخ فى التعوذ والتسمية قيل يخفى التعوذ دون التسمية و الصحيح أنه يتخيّر فيهما ولكن يتبع إمامه من القراء وهم يجهرون بهما إلاحمزة فإنه يخفيهما، اھ. (ردالمحتار: ۳۲۹/۱)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک باتفاق بسم اللہ کو سرًّا پڑھنا چاہیے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا خلاف نہیں ہے اور اطلاق صلوٰۃ شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباع امام من القرأت خارج صلوٰۃ میں ہے، نہ صلوٰۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذۂ علماء احناف کو پایا ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۴/۴-۲۶۵) ☆

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، مطلب فى بيان المتواتر بالشاذ ۱۹۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

☆ **تراویح میں ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا کیسا ہے:**

سوال: زید صلوٰۃ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہر سے پڑھتا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں ہے، اخفا سنت ہے، تراویح ہو، یا غیر تراویح، البتہ خارج عن الصلوٰۃ جہر واخفا میں اتباع اپنے امام کا قراء میں سے کرے۔ شامی میں ہے:

”والثالث أنه لايجهر بها فى الصلاة عندنا خلافاً للشافعي وفى خارج الصلاة اختلاف الروايات والمشايخ فى التعوذ والتسمية قيل يخفى التعوذ دون التسمية و الصحيح أنه يتخيّر فيهما ولكن يتبع إمامه من القراء وهم يجهرون بهما إلاحمزة فإنه يخفيهما، إلخ. (شامي) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، مطلب فى بيان المتواتر بالشاذ: ۱۹۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

باقی اگر کوئی شخص نوافل میں باتباع اپنے امام کے قراء میں سے جہر کرلے تو اس پر طعن نہ کرنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۸/۴-۲۷۹)

تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا:

سوال: حضرتؒ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی جہراً پڑھتے تھے، مسلسل چند روز تک دیکھنے کے بعد آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت والا ایسا کیوں کرتے ہیں؟

(مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندی)

الجواب

فرمایا کہ میں تراویح میں حفص کی قرأت کرتا ہوں، ان کی تحقیق یہ کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے؛ اس لیے میں اس کی پابندی کرتا ہوں؛ لیکن چوں نکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے؛ اس لیے میں فرائض میں ایسا کرنے سے احتیاط برتتا ہوں؛ مگر نوافل میں حفص کی تحقیق پر اس لیے عمل کرتا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی پورا قرآن ختم ہو جائے، ورنہ خواہ مخواہ ایک ایک آیت ہر سورت میں تلاوت سے رہ جایا کرے گی اور اس طرح بعض لوگوں کے نزدیک پورا قرآن ختم نہ ہو سکے گا، مجھے حیرت ہے کہ لوگ ﴿علیہ اللّٰہ﴾ أو ﴿بسم اللّٰہ مجریھا و مرسٰھا﴾ میں تو حفص کی قرأت کا لحاظ کر کے عام قاعدہ کے برخلاف پڑھتے ہیں، پھر بسم اللہ کی جہراً قرأت میں اور وہ بھی نوافل میں کیوں تأمل کیا جا رہا ہے؟ میں تراویح میں پورے قرآن کے ختم کے خیال سے حفص کی تحقیق پر عمل کرتا ہوں، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔(۱)

(شیخ الاسلامؒ واقعات وکرامات کی روشنی میں، ص:۱۴۷) (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص:۵۴) ☆

(۱) اس سلسلہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا یہ فتویٰ بھی لائق ملاحظہ ہے: ''ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا حضرت گنگوہیؒ کے یہاں تو معمول نہ تھا؛ مگر حکیم حافظ مسعود احمد صاحبؒ پڑھا کرتے تھے تو حضرت نے ان کو منع بھی نہیں فرمایا اور شامی میں یہ ہے کہ!

وصرح فی المجتبی إن سمی بین الفاتحة والسورة المقروة سراً أو جهراً كان حسناً عند أبی حنیفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الخلاف فی كونها آیة من كل سورة، بحر.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراء ة البسملة بین الفاتحة والسورة حسن: ۱۹۲/۲، مكتبة زكریا دیوبند، انیس)

خلیل احمد عفی عنہ (فتاوی مظاہر علوم ۴۹/۱)

☆ تراویح میں جہراً قرأت بسملہ کا حکم:

نوٹ: تراویح میں ہر سورت کی ابتدا میں بسم اللہ جہراً پڑھنے کے متعلق ایک مکتوب میں کسی سائل کو یہ جواب تحریر فرمایا۔ (محمد خالد عفی عنہ)

الجواب

ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا حضرت گنگوہی کے یہاں تو معمول نہ تھا؛ مگر حکیم حافظ مسعود احمد صاحب پڑھا کرتے تھے تو حضرت نے ان کو منع بھی نہیں فرمایا اور شامی میں یہ ہے:

وصرح فی المجتبٰی: إن سمّٰی بین الفاتحة والسورة المقروء ة سرًّا أو جهرًا كان حسنًا عند أبی حنیفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الخلاف فی كونها آیة من كل سورة، بحر.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراء ة البسملة بین الفاتحة والسورة حسن: ۱۹۲/۲، مكتبة زكریا دیوبند، انیس)

خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱۲۳/۱)

تراویح میں ایک مرتبہ جہر سے بسم اللہ پڑھنا:

سوال: بسم اللہ کا جہر تراویح میں جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے؛ بلکہ اولیٰ ہے؛ کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ علاوہ سورہ نمل کے بھی ایک مستقل آیت ہے، جس کا تکرار ہر سورت کے شروع میں کیا گیا ہے تو جو شخص سارا قرآن مجید ختم کرے اور بسم اللہ ایک جگہ بھی نہ پڑھے، اس کا قرآن ختم نہ ہوگا اور جس طرح سارے قرآن کو جہراً پڑھا، ایک مرتبہ کسی سورہ کے شروع میں خواہ سورہ بقرہ ہو، یا کوئی دوسری سورت، بسم اللہ کو جہراً پڑھنا چاہیے۔ تنویر المنار میں ہے:

''حنفیہ برآنند کہ بسم اللہ آیت واحدہ است مکرر شدہ برائے فصل میان سور پس قرآن عبارت است از ماتہ وچہاردہ سورت ویک آیت پس در ختم قرآن یک بار بسم اللہ ضرورست''، الخ۔ (امداد المفتین: ۳۱۲/۲)

تراویح میں بسم اللہ زور سے پڑھنا:

سوال: نماز تراویح میں بسم اللہ زور سے پڑھنا درست ہے؟ عام طور پر حفاظ ختم قرآن کے دن سورۂ اخلاص سے پہلے زور سے بسم اللہ پڑھتے ہیں؟ (صبغۃ اللہ، وقارآباد)

الجواب

چونکہ بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے، جو سورتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے، سورتوں کا جزء نہیں ہے؛ اس لیے سورتوں کے شروع میں اسے آہستہ پڑھا جائے گا۔ حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے، البتہ تراویح میں کہیں ایک جگہ زور سے پڑھ لینا چاہیے؛ تاکہ قرآن مکمل ہوجائے، ناقص نہ رہے، سورۂ اخلاص سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن اسی سورت کے شروع میں پڑھنا ضروری نہیں، کسی بھی سورت کے شروع میں پڑھا جاسکتا ہے۔

وعلیٰ هٰذا ينبغي أن يقرأها في التراويح بالجهر مرة ولا تتادى سنة الختم دونها وليست جزأ من السورة. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳۹۵/۲-۳۹۶)

تراویح میں سورتوں کے درمیان بسم اللہ زور سے پڑھنے کی تحقیق:

سوال: اگر مروجہ حفص کی روایت میں قرآن مجید رمضان المبارک میں تراویح میں سنایا جائے تو بین السورتین بسم اللہ بآواز بلند پڑھنی چاہیے، یا کہ خفی؟ شاطبی میں لکھا ہے کہ قراءِ سبعہ میں سے ساڑھے تین قراء کے نزدیک بین

---

(۱) فواتح الرحموت مع المستصفی: ۱٤/۲، انیس

السوربسم اللہ ہے اور ساڑھے تین کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ نہیں، فقط۔ اول میں جب کہ حفص کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ ہے تو بلند آواز سے نہ پڑھنے کی کیا وجہ؟ امام کا تو قرآن مجید پورا ہو جائے گا؛ لیکن سامعین کے قرآن مجید ختم ہونے میں ۱۱۳/آیات کی کمی رہے گی؟

الجواب

بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جزئیت تو لازم نہیں آتی، کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے، کسی خاص سورت کا، یا ہر سورت کا جزو نہیں۔ پس اس کا مقتضایہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جہر ہو، ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا، گو قاری کا تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جاوے گا؛ کیوں کہ بعض اجزا کا جہر بعض کا اخفا جائز ہے، فن قرأت سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے، آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفا ہے۔

۶/ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ: ۳۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۹۵)

حکم جہر بسم اللہ در سورۂ اقرأ:

سوال: زید نے رمضان شریف میں نماز تراویح میں بروز ختم قرآن شریف سورہ اقرأ شروع کرتے وقت زور سے بسم اللہ الرحمٰن پڑھی تو عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ نہ پڑھنا چاہیے اور کیا کہتا ہے کہ قرآن شریف تسلسل کے ساتھ پڑھا جارہا تھا، بسم اللہ کو درمیان میں کیوں حائل کیا؟ زید کہتا ہے کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے، اگر میں بسم اللہ جہر کے ساتھ نہ پڑھتا تو ایک جزو قرآن شریف کا رہ جاتا؛ لیکن عمرو زید کی اس گفتگو پر یقین نہیں کرتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کس حد تک صحیح ہے اور کس کی بات تسلیم کی جائے، اگر دونوں راہ حق پر نہیں ہیں تو براہ شرع شریف جو حکم ہو، اس سے آگاہی فرما کر طمانیت بخشی جائے؟

الجواب

زید کا قول صحیح ہے، تمام قرآن میں ایک جگہ کسی سورت پر بسم اللہ کا جہر لازم ہے؛ تاکہ ختم پورا ہو جائے اور سورۂ اقراء پر جہر کرنا ہمارے اکابر کا مختار ہے؛ کیوں کہ یہ سورۃ نزول میں مقدم ہے اور عمرو کا یہ کہنا کہ اس سے تسلسل قرآن جاتا رہا، بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ بسم اللہ بھی تو قرآن ہی ہے، پس قرآن کی آیت سے تسلسل قرآن میں کیوں کمی آجائے گی۔

۲/ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۱)

☆ ☆ ☆

تراویح میں سورتوں کے پڑھنے کے احکام

تراویح میں پارہ عم پڑھے، یا ﴿ألم تر کیف﴾:

سوال: اگر کسی شخص کو صرف کلام اللہ کا تیسواں پارہ (پارہ عم) یاد ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تراویح میں روزانہ صرف وہی ایک پارہ جو صاحب موصوف کو یاد ہے بحیثیت امام کے پڑھیں اور سنائیں، اس طرح ہر روز ایک ہی پارہ پڑھنا بہتر ہے، یا ﴿الم تر کیف﴾ سے نماز تراویح ادا کرلی جائے؟ بواپسی ڈاک مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں، چوں کہ رمضان المبارک میں ایک ہفتہ بھی باقی نہیں تو اس جگہ اور بھی مشہور مساجد ہیں، جہاں ختم قرآن ہوا کرتا ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

بہ نسبت ﴿الم تر کیف﴾ کے ہر روز تیسواں پورا پارہ پڑھنا افضل ہے۔ پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرنا مسنون ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۱۳۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۹/۷)

تراویح میں سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک پڑھنا:

سوال: زید نے تراویح میں سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک متواتر دوبار پڑھ کر بیسوں رکعت نماز تراویح پوری کی، اس طرح پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

زید نے صحیح تراویح پڑھی ہے، سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک دوبارہ پڑھنا جائز و درست ہے۔ تراویح کی دو، دو

(۱) قوله: الأفضل في زماننا، إلخ؛ لأن تكثير الجمع افضل من تطويل القراءة ... فالحاصل: أن المصحح في المذهب أن الختم سنة؛ لٰكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصًا فى زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٤٧/٢، سعيد)

وصرح فى الهداية بأن أكثر المشائخ علىٰ أن السنة فيها الختم وفى مختارات النوازل أنه يقرأ فى كل ركعة عشر آيات وهو الصحيح؛ لأن السنة فيها الختم لأن جميع عدد الركعات فى جميع الشهرست مائة ركعة وجميع آيات القرآن ستة آلاف. (البحر الرائق: ٧٤/٢، انيس)

رکعتیں علاحدہ علاحدہ نمازیں ہیں؛ اس لیے ان میں قرآن کی سورہ، یا آیتوں کو اگر ترتیب کے ساتھ پڑھائے تو نماز درست ہوگی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۵/۳/۲/۱۳۷۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۸/۲)

تراویح ﴿الم تر کیف﴾ سے:

سوال: صلوٰۃ تراویح میں کلام مجید کی آخر کی دس سورتیں ختم حکمی قرار دی جاسکتی ہیں، یا نہیں؟ اور اس ختم حکمی کی اصل بھی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا ومصليًا

تراویح پڑھنا مستقل سنت ہے اور اس میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن شریف پڑھنا مستقل سنت ہے۔

"التراويح سنة مؤكدة للرجال والنساء". (خانية: ۲۶۹/۱)(۲)

(والختم)مرة سنة،ومرتين فضيلة،وثلاثاً أفضل(ولا يترك)الختم(لكسل القوم). (الدرالمختار)

قال الشامي تحت قول الدر: (والختم مرة سنة) أى قراء ة الختم فى صلاة التراويح سنة، وصححه فى الخانية وغيرها،وعزاه فى الهداية إلٰى أكثر المشايخ،وفى الكافى إلى الجمهور، وفى البرهان:وهوالمروى عن أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالٰى والمنقول فى الآثار،آه. (۴۷۴/۱)(۳)

مگر جہاں کے نمازی اس قدر ضعیف ہوں اور کم ہمت ہوں کہ پورا قرآن شریف سننے کے لیے تیار نہ ہوں؛ بلکہ اس کی وجہ سے جماعت تک چھوڑ دیں تو وہاں بہتر یہ ہے کہ جس قدر بسہولت سن سکتے ہوں، اس قدر پڑھا جائے۔

وأما فى زماننا،فالأفضل أن يقرأ الإمام علٰى حسب حال القوم من الرغبة والكسل، فيقرأ قدر مالا يوجب تنفير القوم عن الجماعة؛لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراء ة. (بدائع: ۲۸۹/۱)(۴)

لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔

ولو قرأ بعض القرآن فى سائر الصلوات بأن كان القوم يملون من القراء ة فى التراويح،فلا بأس به،لٰكن يكون لهم ثواب الصلاة لا ثواب الختم، وقد ذكرنا أن السنة هى الختم فى التراويح. (فتاویٰ قاضی خان: ۲۷۷/۱)(۵)

---

(۱) ثم بعضهم اختار قل هو اللّٰه أحد فى كل ركعة وبعضهم اختار قرأة سورة الفيل إلٰى آخرالقرآن وهٰذا أحسن القولين؛لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات ولا يشتغل قلبه بحفظها،كذا فى التجنيس. (الفتاوٰى الهندية: ۱۱۸/۱،انيس)

(۲) فتاوىٰ قاضى خان علٰى هامش الهندية،كتاب الصلاة،باب التراويح: ۲۳۲/۱،رشيدية

(۳) ردالمحتار مع الدرالمختار،باب الوتر والنوافل: ۴۹۷/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۴) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة،فصل فى سننها: ۲۸۹/۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۵) فتاوىٰ قاضى خان علٰى هامش الهندية،صلاة التراويح ،فصل فى مقدارالقراء ة فى التراويح: ۲۳۸/۱،رشيدية

اس کاہلی اورسستی کی وجہ سے بعض فقہانے اخیر کی دس سورتیں تجویز کردیں؛ تاکہ شمار میں بھی کوئی اشتباہ نہ ہواور یاد کرنے میں بھی کوئی دقت نہ ہواور تدبر وتفکر سے نماز بھی پوری ہوجائے۔

"وبعضهم اختاروا قراء ة سورة الفيل إلى آخر القرآن، وهٰذا حسن؛ لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات، ولايشتغل قلبه بحفظها،فيتفرغ للتدبر والتفكر،آه". (٦٨/٢)(١)

معلوم ہوا (کہ) اخیر کی دس سورتیں پڑھنے کی وجہ کاہلی، کم ہمتی اورقرآن شریف کی طرف سے بے رغبتی وبے توجہی ہےاوراس سے تمام قرآن کے ختم کاثواب نہیں ملے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۱۳۵۲/۱۱/۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۷/ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۶/۷-۳۰۸)

تراویح ﴿الم تر كيف﴾ سے پڑھنا کب اور کیوں ایجاد ہوا:

بعض مولوی تیسرے طریقہ سے پڑھتے ہیں کہ ہر رکعت میں دودوسورت ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں،سورۂ ناس تک جاتے ہیں؛ تاکہ دوبارہ سورۂ ناس سے نہ پڑھے۔اول رکعت میں ﴿ألم تر كيف﴾ و﴿لإيلاف﴾اسی طرح تیسری رکعت میں ﴿أرأيت الذى﴾ و﴿إنا أعطينا﴾اور چوتھی میں بھی یہی سورتیں؛یعنی ﴿أرأيت الذى﴾ اور ﴿إنا أعطينا﴾ اس طرح ہر رکعت میں دودوسورتیں سورۂ ناس تک پڑھتے ہیں، "اَلم ترکیف" کا طریقہ کب اورکس طرح اورکس نے ایجاد کیا؟ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اورصحابہ سے ﴿الـم تـر كيف﴾ سے تراویح پڑھنا کس طرح ثابت ہےاورتین طریقوں میں سے کون سا افضل ہےاورکس طریقہ کوترک کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اس طرح بھی درست ہے۔(۳) صحابہ کے زمانہ میں تو ﴿الـم تر كيف﴾ سے پڑھنے کارواج نہ تھا،متأخرین نے

---

(١) البحرالرائق،كتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل: ١٢١/٢،رشيدية

(٢) وفى التجنيس ... وبعضهم اختاروا قراء ة سورة الفيل إلٰى آخرالقرآن وهٰذا حسن لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات ولا يشتغل قلبه بحفظها،فيتفرغ للتدبروالتفكر.(البحرالرائق،باب الوتروالنوافل:١٢١/٢، رشيدية)

ثم عضهم اعتاد وقراء ة "قل هو الله أحد" فى كل ركعة،واختار بعضهم قراء ة سورة الفيل إلٰى آخرالقرآن وهٰذا أحسن الحالين؛لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات،ولايشغل قلبه بحفظها، فتفرع للتدبر والتفكر،ولاكذالک لوقرأ فى كل ركعة سورة واحدة.(التجنيس والمزيد،فصل فى التراويح: إدارة القرآن،كراچى: ١٢٠/٢)

وفى التجنيس واختار بعضهم سورة الإخلاص فى كل ركعة وبعضهم سورة الفيل أى البدأة منها ثم يعيدها وهٰذا أحسن لئلا يشتغل قليله بعدد الركعات،قال فى الحلية:وعلٰى هٰذا استقرعمل أئمة أكثرالمساجد فى ديارنا،إلا أنهم يبدؤون بقراءة سورة التكاثر فى الأولٰى والإخلاص فى الثانية،وهٰكذا إلٰى أن تكون قرائتهم فى التاسعة عشرة بسورة تبت و فى العشرين بالإخلاص،آه.(رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح: ٤٩٨/٢، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

جب دیکھا کہ پورا قرآن ختم کرنے کی صورت میں نمازی سستی کرتے ہیں مسجد میں نہیں آتے، مساجد ویران وغیر آباد ہوجاتی ہیں، تب ان صورتوں کو اختیار کیا۔(۱) شاید آپ شفعہ کی جگہ رکعت لکھ دیا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۵/۷-۳۰۶)

تراویح میں ﴿ألم تر کیف﴾ سے پڑھنے کی ترکیب:

سوال: بعض مسجدوں میں ﴿ألـم تر کیف﴾ سے جوتراویح پڑھی جاتی ہے، وہ ﴿ألـم تر کیف﴾ سے سورۂ ناس تک مسلسل نہیں پڑھتے؛ بلکہ سورۂ اِخلاص تک پڑھتے ہیں اور پھرنویں رکعت میں دوبارہ ﴿ألـم تـر کیف﴾ اور دسویں میں ﴿لإیـــلاف﴾ پڑھتے ہیں اور پھر گیارہویں میں اور بارہویں میں ''معوذتین'' پڑھتے ہیں اور تیرہویں رکعت سے ﴿أرأیت الذی﴾ سے پڑھتے ہیں، سورۂ ناس تک مسلسل پڑھتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ﴿ألم تــر کیف﴾ سے سورۂ ناس تک مسلسل کیوں نہیں پڑھتے؟ جیسا کہ البحر الرائق، شامی ودرمختار وغیرہ میں ہے، (۲) الٹ پھیر کرنا بلاترتیب کیسا ہے اوراس سے ترتیب کوترک کرنا چاہیے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

ایسا کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ ترویحہ کی سورتیں ترتیب وار ہوجائیں، اگرنویں دسویں میں معوذتین پڑھیں اور گیارہویں بارہویں میں ﴿ألـم تـر کیف﴾ اور ﴿لإیـلاف﴾ پڑھیں تو شفعہ اولیٰ کی سورتیں مؤخر ہوجائیں گی اور شفعہ ثانیہ کی مقدم، اس سے ترویحہ میں ترتیب نہ رہے گی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۴/۷-۳۰۵)

---

(۱) (قولـه: الأفـضـل فـي زمـانـنـا)؛ لأن تـكثيـر الجمع أفضل من تطويل القراءة ...وفيه: إشعار بأن هٰذا مبنى علٰى اختـلاف الـزمـان، فـقد تتغير الأحكام لاختلاف الزمان فى كثير من المسائل علٰى حسب المصالح ... فالحاصل: ...أن الـختـم سنة، لكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٤٩٧/٢، ٤٩٨، انيس)

(۲) وفـي التـجـنيس ...و بعضهم اختاروا قرأة سورة الفيل إلٰى آخر القرآن، وهٰذا حسن؛ لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات، ولا يشتغل قلبه بحفظها، فيتفرغ للتدبر والتفكر. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ١٢١/٢، رشيدية)

ثم بعضهم اعتاد وقرأة ''قل هو الله أحد'' فى كل ركعة، واختار بعضهم قرأة سورة الفيل إلٰى آخر القرآن وهٰذا أحســن الحالين؛ لأنه لايشتبه عليه عدد الركعات، ولايشغل قلبه بحفظها، فيتفرغ للتدبر والتفكر، ولاكذالک لوقرأ فى كل ركعة سورة واحدة'' (التجنيس والمزيد، فصل فى التراويح: ١٢٠/٢، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) قـال فـي التجنيس واختار بعضهم سورة الإخلاص فى كل ركعة وبعضهم سورة الفيل أى البدأة منها ثم يعيدها وهٰـذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات، قال فى الحلية: وعلٰى هٰذا استقر عمل أئمة أكثر المساجد فى ديارنا، إلا أنهم يبـدؤون بـقـراءة سـورة التكاثر فى الأولٰى والإخلاص فى الثانية، وهٰكذا إلٰى أن تكون قرائتهم فى التاسعة عشرة بسورة تبت وفى العشرين بالإخلاص، اهـ. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٤٧/٢، سعيد)

تراویح میں سلام کے مسائل

تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنے کا وجوب:

سوال: تراویح میں اگر دوسری رکعت پر نہ بیٹھے اور کھڑا ہو جاوے تو سیدھا کھڑا ہونے کے بعد بیٹھے، یا نہیں؟ اور چوتھی رکعت میں سجدہ سہو کرے، یا نہیں؟ اور نماز تراویح ہوگی، یا نفل؟ اور اعادہ کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

الجواب

جزئی نہیں دیکھی، کلیہ کا مقتضا یہ ہے کہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں اخیر میں سجدۂ سہو کرے اور تراویح ہوگئی اور حاجت اعادہ نہیں۔(۱)

فی الدر المختار: والأصل أن كل شفع صلاة إلا بعارض اقتداء أونذر أوترك قعود أول، آه. (۲) ووجوب سجدة السهو ظاهر. فقط

۱۱؍شعبان ۱۳۲۱ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۳۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۸۹-۴۹۰)

تراویح میں دودو کی نیت کرنی چاہیے:

سوال: تراویح میں دودو کی نیت کرے، یا چار چار کی؟

الجواب

تراویح میں دودو رکعت پر سلام پھیرنا بہتر ہے۔

كما فی الدر المختار: (وهی عشرون ركعة بعشر تسليمات فلوفعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد، به يفتىٰ. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۶۷)

(۱) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور اس سلسلہ میں صریح جزئی موجود ہے، جو آگے سوال ۴۲۷ کے جواب میں آرہی ہے، نیز یہ مسئلہ پہلے بھی س ۳۷۵ پر مجملاً گزرا ہے، اس سلسلہ میں تفصیل س ۴۲۷ کے جواب اور اس پر حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ سعید احمد

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل، مبحث المسائل الستة عشرية: ۱/۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ۱/۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

نمازِ تراویح میں دو دو رکعت افضل ہے، یا چار چار رکعت:

سوال: حضور نے بہشتی زیور کے دوسرے حصہ میں تحریر فرمایا ہے کہ تراویح کی نماز اگر دو دو رکعت یا چار چار رکعت کی نیت باندھے، دونوں طرح جائز ہے؛ لیکن کوئی عالم کہتا ہے کہ عرب سے عجم تک کوئی دیار میں نہیں دیکھا جاتا ہے، لہذا چار رکعت کی نیت ترک کرکے دو دو رکعت کی نیت کرنا افضل ہے اور چار رکعت کی نیت کرنا مکروہ کس کتاب میں اس کی دلیل ہے، اطلاع فرماویں؟

الجواب

فی البدائع: (۲۸۹/۱)ومنها(أی من السنن)أن يصلی كلّ ركعتين بتسليمة علیٰ حدة ولو صلّٰی ترويحة بتسليمة واحدة وقعد فی الثانيه قدرالتشهد لاشک أنه يجوز علیٰ أصل أصحابنا أن صلوات كثيرة تتأدّی بتحريمة واحدة بناء علیٰ أن التحريمة شرط وليست بركن عندنا خلافًا للشافعی لٰكن اختلف المشايخ أنه هل يجوزعن تسليمتين أولايجوز إلا عن تسليمة واحدة، قال بعضهم: لايجوزإلاعن تسليمة واحدة؛لأنه خالف السنة المتوارثة بترک التسليمة والتحريمة والثناء والتعوّذ والتسمية فلا يجوزإلاعن تسليمة واحدة وقال عامتهم أنه يجوزعن تسليمتين وهوالصحيح،آه.(۱)

وفی نورالإيضاح وتنويرالأبصار:وهی عشرون ركعة بعشر تسليمات.(۲)

وفی السراجية: كل ترويحة أربع ركعات بتسليمتين.(۳)

وفی الوقاية والقدوری: فی كل ترويحة تسليمتان.(۴)

وفی البحر الرائق (۶۷/۲) مثل ما فی البدائع وفی البحر (۵٤/۲)أيضا:وفی المحيط وإنما اخترنا فی التراويح مثنٰی مثنٰی؛لأنها تؤدّی بالجماعة وإداؤها علی الناس مثنٰی مثنٰی أخف وأيسر.(۵)

وفی فتح القدير تحت قول الهداية (ولهما الاعتبار بالتراويح):فإن الاجماع علی الفصل فيها،وفی العناية تحت قول الهداية (والتراويح تؤدی بجماعة):جواب عن اعتبارهما بالتراويح

(۱) بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل فی سننها: ۲۸۹/۱،دارالكتب العلمية،بيروت، انيس

(۲) نورالإيضاح، فصل فی التراويح، عددها وأداؤها:۶۷،دارالحكمة دمشق/ ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ٤۵/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۳) الإختيار لتعليل المختار،فصل التراويح سنة مؤكدة: ۶۹/۱،مطبعة الحلبی القاهرة،انيس

(۴) الجوهرة النيرة علی مختصر القدوری،باب قيام شهر رمضان: ۹۷/۱،المطبعة الخيرية،انيس

(۵) البحرالرائق،باب الوتر والنوافل:۵۸/۲،دارالمعرفة بيروت،انيس

فیراعی فیهاجهة التیسیر بالقطع بالتسلیم عن رأس الرکعتین؛لأن ماکان ادوم تحریمة کان أشق علی الناس،آه. (فتح القدیر: ۳۹۲/۱)(۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تراویح میں دو دو رکعت پڑھنا سنت ہے؛ لیکن چار چار پڑھنا بھی بنا بر مذہب صحیح جائز ہے، گوخلاف متوارث ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہو، البتہ البحرالرائق وہدایہ کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم؛ یعنی دو دو کا افضل ہونا جماعت کے ساتھ خاص ہے۔ پس ممکن ہے کہ منفرد کے لیے اصل قاعدہ؛ یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک چار چار نوافل افضل ہونے کی بنا پر تراویح بھی چار چار افضل، یا کم از کم مساوی ہوں،(۲) اور بہشتی زیور کی مخاطب مستورات ہیں، جو نماز تنہا پڑھتی ہیں؛ اس لیے بہشتی زیور پر شبہ نہ کیا جاوے، ونیز بہشتی زیور کی عبارت یہ ہے: ''چاہے دو دو رکعت کی نیت باندھے، چاہے چار چار رکعت کی'' اور اس میں یہ تصریح نہیں کہ دونوں فضل میں مساوی ہیں؛ بلکہ دونوں کے جواز پر بھی یہ عبارت محمول ہوسکتی ہے، **فلا إشکال علیه بأیّ حال.** (امدادالاحکام: ۲۴۶/۲-۲۴۷)

کیا نمازِ تراویح ایک سلام سے جائز ہوگی:

سوال: رمضان میں تراویح کی نماز ایک سلام سے جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح اگر ایک سلام سے اس طریقہ پر پڑھی جائیں کہ ہر شفعہ کے بعد قعود بھی نہیں کیا تو پھر یہ تمام رکعتیں ایک شفعہ کے قائم مقام ہوں گی اور اگر ہر شفعہ پر قعود کیا ہے تو اگرچہ اس طرح تراویح ادا ہوجاتی ہیں؛ لیکن یہ فعل کراہت سے خالی نہیں۔ سنت یہی ہے کہ بیس رکعات دس تسلیمات کے ساتھ ادا کی جائیں۔

درمختار میں ہے:

وهی عشرون رکعة بعشر تسلیمات فلوفعلها بتسلیمةٍ فإن قعد لکل شفع صحت بکراهة و إلا نابت عن شفع به یفتیٰ،الخ. (الدرالمختارمع الشامی: ۴۷۴/۱)(۳)

وفی البحر: لایخفی ما فیه لمخالفته المتوارث مع تصریحهم بکراهة الزیاد علیٰ ثمان فی مطلق التطوع لیلاً فلأن یکره هنا أولیٰ،إلخ. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۱/۴)

---

(۱) فتح القدیر مع العنایة،کتاب الصلاة،باب النوافل: ۴۶۷/۱-۴۶۸، مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) وفیه:أن الحکم لاینتفی بانتقاء التعلیل فابقاء الروایة علی العموم أولیٰ للتوارث ویمکن أن یجاب بأن التوارث ثابت فی الجماعة وأما إذا صلّی مفرداً فلا دلیل علیٰ توارثه فافهم (إشارة إلیٰ أن تقاتل أن یقول أن الثابت أمران أداء التراویح بالجماعة وأداء ه مثنیٰ مثنیٰ ولا یتوقف سنته أحدهما علی الآخر.(انیس)

(۳) الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث التراویح: ۶۶۰/۱،ظفیر

(۴) البحرالرائق،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوال: ۱۱۸/۲،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

پوری تراویح ایک سلام سے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں جو مرقوم ذیل ہے:

''زید کہتا ہے کہ بیس تراویح ایک تکبیر اور تسلیم واحد سے جائز ہیں اور بکر کہتا ہے کہ خلاف سنت اور مکروہ ہے اور دلیلیں دونوں کے پاس موجود ہیں۔

الجواب

أقول وباللّٰہ التوفیق:

تراویح کے مسئلہ میں قول بکر کا حق ہے۔(۱) جیسا کہ درمختار میں ہے:

''فلو فعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة''.(۲)

وفي الشامي: أي صحت عن الكل وتكره إن تعمد وهٰذا هو الصحيح، إلخ. (ردالمحتار: ۱/۶٦٠)(۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۹۷)

کیا ایک سلام سے بیس رکعت تراویح درست ہے:

سوال: بست رکعت تراویح بیک سلام گذاردن جائز است، یا نہ؟

الجواب

بست رکعت تراویح بیک سلام مکروہ تحریمی است۔(۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۰۰)

---

(۱) سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید بیس رکعات بیک سلام کو جائز بلا کراہت کہتا ہے؛ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے؛ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جائز مع الکراہت ہے۔جمیل الرحمٰن

(۲) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوفل، مبحث صلاة التراويح: ۱/۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/٤٩٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) فلوفعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/٤٩٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

قوله (به يفتى) لم أر من صرح بهذا اللفظ هنا وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى أربعا بتسليمة واحدة وقعدة واحدة وأما إذا صلى العشرين جملة كذلك فقد قاسه عليه في البحر نعم صرح في الخانية وغيرها بأنه الصحيح مع أنا قدمنا عن البدائع والخلاصة والتاترخانية أنه لو صلى التطوع ثلاثا أو ستا أو ثمانيا بقعدة واحدة فالأصح أنه يفسد استحسانا وقياسا وقدمنا وجهه فقد اختلف التصحيح في الزائد على الأربعة بتسليمة وقعدة واحدة هل يصح عن شفع واحد أو يفسد فليتنبه. (ردالمحتار، مبحث صلاة التراويح: ٢/٤٥، دارالفكر بيروت، انيس)

ایک سلام کے ساتھ بیس رکعت تراویح:

سوال: ایک شخص نے تراویح کی بیس رکعت نماز ایک سلام سے اس طرح پڑھی کہ ہر دو رکعت کے بعد قعدۂ اولیٰ کیا اور اخیر میں سلام پھیرا، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۹۷۸،۸/ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، مطابق ۶/ جون ۱۹۳۶ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

نماز ہو تو گئی؛ لیکن رات کی نماز میں آٹھ رکعت سے زیادہ رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا خلاف سنت ہے؛ اس لیے نماز میں کراہت آئی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۹۷/۳)

تراویح کی نماز ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا کیسا ہے:

سوال: کسی مسجد کے امام صاحب سورۂ تراویح چار، چار رکعت کی نیت سے پڑھا رہے تھے، ایک شخص نے اعتراض کیا کہ میں نے آج تک چار رکعت کر کے تراویح کبھی نہیں پڑھی ہے۔امام صاحب نے جواب دیا کہ دیکھو تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے؛ اس لیے دو رکعت نماز کو اگر چار، چار رکعت سے پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، جن لوگوں نے چار رکعت کر کے نماز پڑھی ہے، ان کی نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مسنون طریقہ یہ ہے کہ تراویح دو، دو رکعت کر کے دس سلام کے ساتھ پڑھی جائے، چناں چہ درمختار میں ہے:

(وهو عشرون ركعة)... (بعشر تسليمات)(۲)

---

(۱) في التنوير وشرحه: (وهي عشرون ركعة)... (بعشر تسليمات) فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفعة صحت بلا كراهة، إلخ. (الدر المختار على الرد، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱ ،مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وفي الشامية: فإنه لا يخفى لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزيادة علىٰ ثمان في مطلق التطوع ليلاً، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۶/۲ ،مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) تنوير الأبصار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، فصل في التراويح: ۹۸/۲ ،مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ومنها (أي من السنن) أن يصلي كلّ ركعتين بتسليمة علىٰ حدة ولو صلّى ترويحة بتسليمة واحدة وقعد في الثانية قدر التشهد لاشك أنه يجوز علىٰ أصل أصحابنا أن صلوات كثيرة تتأدّى بتحريمة واحدة بناء علىٰ أن التحريمة شرط وليست بركن عندنا خلافًا للشافعي لكن اختلف المشايخ أنه هل يجوز عن تسليمتين أو لايجوز إلا عن تسليمة واحدة، قال بعضهم: لايجوز إلا عن تسليمة واحدة؛ لأنه خالف السنة المتوارثة بترك التسليمة والتحريمة ==

لہٰذا شخص مذکور نے چار رکعت تراویح پڑھ کر خلاف سنت کام کیا، اگر شخص مذکور نے چار رکعت اس طرح پڑھائی کہ ہر دو رکعت پر بیٹھ کر تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا ہو، جیسا کہ عام طور پر چار رکعت والی نمازوں میں ہوتا ہے تو امام صاحب اور ان کے پیچھے تمام لوگوں کی تراویح ہوگئی؛ لیکن آئندہ سے امام صاحب کو احتیاط کرنا چاہیے کہ خلاف سنت کام نہ کریں۔

البحر الرائق میں ہے:

وأراد بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات، كما هو المتوارث يسلّم علىٰ رأس كل ركعتين ... ولو قعد علىٰ رأس الركعتين فالصحيح أنه يجوز عن تسليمتين وهو قول العامة. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۹/۱۰/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۶۱)

☆ ☆ ☆

==　والثناء والتعوّذ والتسمية فلا يجوز إلا عن تسليمة واحدة وقال عامتهم: إنه يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى سننها: ۱/۲۸۹، دارالكتب العلمية، بيروت، انيس)

(۱)　البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۷-۱۱۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(وهى عشرون ركعة) بإجماع الصحابة رضى الله عنهم (بعشر تسليمات) كما هو المتوارث يسلم على رأس كل ركعتين فإذا وصلها وجلس على كل شفع فالأصح أنه إن تعمد ذلك كره وصحت وأجزأته عن كلها وإذا لم يجلس إلا فى آخر أربع نابت عن تسليمة فتكون بمنزلة ركعتين فى الصحيح. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى صلاة التراويح، ص: ۴۱۴، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

نمازتراویح کی امامت

تراویح کے امام کی شرائط کیا ہیں:

سوال: تراویح پڑھانے کے لیے کس قسم کا حافظ ہونا چاہیے؟

الجواب

تراویح کی امامت کے لیے وہی شرائط ہیں، جو عام نمازوں کی امامت کے لیے ہیں؛ اس لیے حافظ کا متبع سنت ہونا ضروری ہے، داڑھی منڈانے، یا کترانے والے کو تراویح میں امام نہ بنایا جائے، اسی طرح معاوضہ لے کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں، اس کے بجائے ﴿الم تر کیف﴾ کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۸۷)

کس عمر کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے:

سوال: کتنی عمر کا لڑکا قرآن شریف تراویح میں سنا سکتا ہے؟ ایک لڑکے کی عمر تقریباً سولہ سال ختم ہونے آئی، وہ کلام اللہ تراویح میں سنا سکتا ہے، یا نہیں؟ اس لڑکے کے مونچھ داڑھی وغیرہ کچھ نہیں اور ایسا لڑکا جو پندرہ سولہ برس کا ہو، وہ اگلی صف میں بڑے آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوکر دوسرے کا سن سکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر تیرہ چودہ سال کا ہو، وہ بھی اگلی صف میں کھڑا ہوکر سن سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر دوسری علامت بلوغ کی مثل احتلام وغیرہ کے لڑکے میں موجود نہ ہو، تو شرعاً پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر بلوغ کا حکم دیا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) ویکره إمامة عبد ... وفاسق (وفی الشامية)وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه،وبأن فی تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعًا...إلخ.(رد المحتار علی الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد: ۲/۲۹۸-۲۹۹،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال ...إلخ،فإن لم يوجد فيهما شئ منها فحتٰی يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتٰی لقصر أعمار أهل زماننا.(الدرالمختار، كتاب الحجر،فصل بلوغ الغلام:۲/۱۹۹،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

پس جس لڑکے کوسولہواں سال شروع ہوگیا ہے اس کے پیچھے تراویح اورفرض نماز سب درست ہے اگرچہ بے ریش ہواورایسی عمر کا لڑکا اگلی صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے اور تیرہ یا چودہ برس کا امام نہیں ہوسکتا؛(۱) لیکن تراویح میں بتلانے کی وجہ سے اس کو اگلی صف میں کھڑا کرسکتے ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۴۷/۴)

نابالغ کے پیچھے تراویح درست نہیں:

سوال: تراویح میں اگرنابالغ امام ہوتو بالغین ونابالغین کواس کی اقتدا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں اختلاف ہے؛ مگراصح یہ ہے کہ جائز نہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۲۵۲/۴)

نابالغ کی امامت تراویح میں درست نہیں:

سوال: عمر نے بعمر سیزدہ سالہ قرآن حفظ کرکے بہ صحت الفاظی مسجد میں بجماعت مقتدیان تراویح پڑھائی اور فرض ووتراس کے استاد نے پڑھائے۔ زید کہتا ہے کہ بسبب نابالغی عمرتراویح مقتدیان ناقص ہیں۔ آیا اس صورت میں تراویح صحیح ہوئی، یابقول زید ناقص رہی؟ (۳)

---

(۱) ولايصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى وصبى مطلقاً ولو فى جنازة ونفل على الأصح. (الدرالمختار،باب الإمامة: ۸٤/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

قال فى الهداية:وفى التراويح والسنن المطلقة ...والمختارأنه لايجوزفى الصلوات كلها.(رد المحتار، باب الإمامة،مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبى وحده:۳۲۲/۲،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير)

(۲) ولايصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى وصبى مطلقاً ولوفى جنازة ونفل على الأصح. (الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۸٤/۱،مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(قوله:ونفل على الأصح):قال فى الهداية:وفى التراويح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا و منهم من حقق الخلاف فى النفل المطلق بين أبى يوسف ومحمد والمختارأنه لا يجوز فى الصلوات كلها، آه.(ردالمحتار،باب الإمامة: ۵۳۹/۱ـ۵٤۰،ظفير)(مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبى وحده: ۳۲۲/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

فى المنية:وذكرفى بعض الفتاوىٰ أنه لا يجوز(أن يؤم البالغين فى التراويح)وهو المختار.(غنية المستملى، بحث التراويح،ص: ۳۹۰،ظفير)

وَعَلَى قَوْلِ أَئِمَّةِ بَلْخٍ يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِالصِّبْيَانِ فى التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ الْمُطْلَقَةِ كَذَا فى فَتَاوَى قَاضِي خَانْ الْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فى الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا كَذَا فى الْهِدَايَةِ وهو الْأَصَحُّ هَكَذَا فى الْمُحِيطِ وهو قَوْلُ الْعَامَّةِ وهو ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ هَكَذَا فى الْبَحْرِ الرَّائِقِ.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الثالث فى بيان من يصلح إمام لغيره: ۸۵/۱،دارالفكر،انيس)

(۳) خلاصۂ سوال: تیرہ سالہ نابالغ حافظ عمر نے الفاظ کی درستی کے ساتھ مسجد میں لوگوں کو باجماعت تراویح کی نماز پڑھائی تو یہ تراویح مکمل ہوگئی، یاناقص رہی؟ (انیس)

الجواب

صحیح یہ ہے کہ نابالغ سیزدہ سالہ لڑکے کے پیچھے نہ فرائض وواجب صحیح ہیں اور نہ نوافل وتراویح، پس قول زید صحیح ہے کہ مقتدیوں کی تراویح نہیں ہوئی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۲/۴-۲۵۳) ☆

(۱)　والمختار أنه لايجوز فى الصلوات كلها، آه.(رد المحتار،باب الإمامة : ۵۳۹/۱-۵۴۰، ظفير)(كتاب الصلاة، مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبى وحده:۳۲۲/۲،مكتبة زكريا ديوبند، انيس

☆ تراویح میں نابالغ کی اقتدا صحیح نہیں:

سوال:　حافظ نابالغ کوتراویح پڑھانے کے لیے امام بنانا جائز ہے، یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب　باسم ملهم الصواب

نابالغ کی اقتدا میں تراویح صحیح نہیں۔

قال فى العلائية:ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى وصبى مطلقًا ولوفى جنازة ونفل على الأصح.
(الدرالمختارعلى الرد، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۸۴/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى(قوله ونفل على الأصح)قال فى الهداية: وفى التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ ولم يجوزه مشايخنا ومنهم من حقق الخلاف فى النفل المطلق بين أبى يوسف ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰى والمختار أنه لايجوز فى الصلوات كلها.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبى وحده:۳۲۲/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس) فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

۱۰/رمضان ۱۳۹۹ھ۔(احسن الفتاویٰ:۵۲۵/۳)

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنا:

سوال:　ایک لڑکا چودہ برس کا حافظ قرآن ہے ونیز مسائل نماز سے اچھی طرح سے واقفیت رکھتا ہے اورتمام قصبہ میں صرف اکیلا ہی حافظ ہے۔سوال یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز درست ہے، یانہیں؟

الجواب

قال الشامى فى باب الإمامة: قال فى الهداية:وفى التراويح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا ومنهم من حقق الخلاف فى النفل المطلق بين أبى يوسف ومحمد و المختارأنه لا يجوز فى الصلوات كلها.(ردالمحتار: ۳۸۸/۱، مجتبائى)(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة ،مطلب الواجب هل يسقط بفعل الصبى وحده: ۳۲۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح بھی جائز نہیں، اگرکوئی بالغ حافظ نہ ملے تو ﴿ألم تر كيف﴾ وغیرہ سے مختلف سورتیں پڑھ کرتراویح پڑھ لی جائے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۳۱۳/۲)

نابالغ تراویح پڑھا سکتا ہے، یانہیں:

سوال:　بارہ، تیرہ برس کا نابالغ حافظ تراویح پڑھا سکتا ہے؟　==

== الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نابالغ کی امامت تراویح وسنن مطلقہ میں مختلف فیہ ہے، ایک جماعت فقہا کی اس کو جائز کہتی ہے؛ لیکن مفتیٰ بہ یہ ہے کہ تراویح نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے۔(وأمامة الصبی العاقل فی التراویح والنوافل المطلقة تجوز عند بعضهم ولا تجوز عند عامتهم، كذا فی محیط السرخسی.(الفتاوی الهندیة، كتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل،فصل فی التراویح: ۱۱۶/۱-۱۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۴/۷/۱۳۵۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۳)

تراویح میں نابالغ کی امامت:

(الجمعیۃ مورخہ ۹/جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: ایک نابالغ لڑکا حافظ ہوگیا ہے اور ایک مسجد میں تراویح پڑھا رہا ہے،سوال یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح ہوسکتی ہے، یانہیں؟ شرح وقایہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ نابالغ عورت، یا مرد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور آگے جا کر یہ تشریح کی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ نماز ابھی اس پر فرض نہیں ہوئی ہے، جو بجائے خود بالکل درست ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی؛ لیکن اب سوال یہ ہے کہ تراویح جو نوافل میں داخل ہیں، نابالغ کے پیچھے ہوں گی، یا نہ ہوں گی؟ اس لیے کہ مؤلف مذکور نے امام نخعیؒ کے حوالے سے نماز تراویح کو نابالغ کے پیچھے پڑھنا جائز بتایا ہے؛ لیکن بعض علما کا خیال یہ ہے کہ تراویح بھی نابالغ کے پیچھے نہیں ہوتی ہیں۔اب صورت حال یہ ہے کہ اس نابالغ کے سوا دوسرا کوئی حافظ موجود نہیں،اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی گئی تو یا مسجد سونی پڑی رہے گی، یا کسی کو معاوضہ دے کر بلانا پڑے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

صحیح اور راجح یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی،(ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وخنثیٰ وصبی مطلقًا ولو فی جنازة ونفل علی الأصح.(الدرالمختار)والمختار أنه لا یجوز فی الصلاوات كلها،الخ.(رد المحتارمع ردالمحتار،باب الإمامة،ص:۵۷۷-۵۷۸،ط:سعید) اگر بالغ حافظ نہ مل سکے، یا ملے؛ مگر وہ اجرت لے کر پڑھے تو سورت تراویح پڑھ لینی بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ(کفایت المفتی:۳/۴۱۱-۴۱۲)

نابالغ کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰/مارچ ۱۹۳۰ء)

سوال: نماز تراویح بالغوں کی نابالغ کے پیچھے آیا صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

نابالغ امام کے پیچھے بالغوں کی اقتدا نماز تراویح میں بھی جائز نہیں۔(ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وخنثی وصبی مطلقًا ولو فی جنازة ونفل علی الأصح.(الدر المختار)والمختار أنه لا یجوز فی الصلوات كلها،الخ.(الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۸٤١/١،مكتبة زكريا ديوبند،انیس)

محمد کفایت اللہ غفرلہ(کفایت المفتی:۳/۴۱۰) ==

نابالغ بچے کے پیچھے تراویح کا حکم اور اس سلسلہ میں ایک حدیث کا جواب:

سوال: ایک لڑکا نابالغ حافظِ قرآن تراویح میں قرآن سنادے اور پیش امام مقرر شدہ ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھانے والا حاضر ہے تو آیا امام مقرر شدہ کی حاضری میں لڑکے نابالغ حافظ کے پیچھے اقتدا بالغ مقتدیوں کی جائز ہے، یا نہیں؟ حالاں کہ پیش امام مقرر شدہ کی ناراضگی بھی نہ ہو اور نابالغ لڑکے کے پیچھے قرآن سنانے کی حالت میں تراویح بہتر ہے، یا کہ پیش امام مقرر شدہ کے پیچھے ﴿الم تر کیف﴾ سے بہتر ہے؟ مفصل جواب آنا چاہیے۔ بالغ حافظ نہ ہونے کی وجہ سے ضرورۃً بھی نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح جائز ہے، یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے اور حدیث شریف کا حوالہ دیا ہے، وہ پرچہ بھی ہمراہ اس سوال کے ہیں، آیا یہ حدیث اس موقع پر ہے، یا کہ اور موقع پر؟ اس کا خلاصہ فرما کر ارسال فرماویں۔

(نقلِ فتویٰ) نابالغ لڑکے کے پیچھے تراویح ہوتی ہے، جیسے حدیث محمد بن مقاتل سے واضح ہوتا ہے: ''**ھٰکذا أنّ إمامة الصبی فی التراویح تجوز؛ لأن الحسن بن علی رضی اللّٰہ عنھما کان یؤم عائشة رضی اللّٰہ عنھا و کان صبیًا**''(۱) حدیث کو ترجیح ہوتی ہے فقہ پر، اگر نفل نابالغ کے پیچھے ضعیف ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت

== نابالغ کے پیچھے نمازِ تراویح:

سوال: ہمارے محلّہ میں اس سال ایک لڑکے نے حفظ مکمل کیا ہے؛ لیکن ابھی اس کی عمر پندرہ سال سے کم ہے اور وہ نابالغ ہے، تراویح چوں کہ نفل نماز ہے تو کیا اس کے پیچھے تراویح ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد شمشاد قاسمی، ناندیڑ)

الجواب

راجح اور درست قول یہی ہے کہ تراویح میں بھی نابالغ، بالغ نمازیوں کی امامت نہیں کرسکتا، فقہا نے اس کی صراحت کی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ ''**الإمام ضامن**'' (کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۰۳۹۱، بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد) اور کوئی چیز اپنے سے کمتر کو شامل ہوسکتی ہے، نہ کہ اپنے سے برتر کو اور صورتِ حال یہ ہے کہ نابالغ کی نماز نفل ہونے کے باجود کم درجہ کی ہے اور بالغوں کی نماز شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتی ہے۔ اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بریدہ کو اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تم کو چھوٹے بچوں کو امام نہیں بنانا چاہیے تھا۔ آپ کا مکتوب یہ ہے:

ما کان نَولُکَ! أي: ما کان ینبغي لک أن تقدم للناس غلاما لم تجب علیه الحدود. (مصنف عبد الرزاق: ۳۹۸/۲)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تک بالغ نہ ہوجائے، امامت نہیں کرسکتا۔

وعن ابن عباس قال: لا یؤم الغلام حتٰی یحتلم. (دیکھئے: نیل الأوطار، شرح ملتقی الأخبار، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی إمامة الصبی: ۲۷۸/۳، انیس) (کتاب الفتاوی: ۳۸۷/۲-۳۸۸)

(۱) **الجوھرة النیرة، باب قیام شھر رمضان: ۹۹/۱، المطبعة الخیریة، انیس**

حسن بن علیؓ کے پیچھے کیوں تراویح پڑھتیں؟ باقی غایۃ الاوطار والے کو حدیث مذکور نہیں ملی، اگر ملتی تو اختلاف بیان نہ کرتا، قاعدہ بنائے قوی علی الضعیف یہاں پر معتبر نہیں، دیکھو تراویح میں اگر پیش امام باوجود قدرت کھڑے ہونے کے بیٹھا ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو ثوابِ تراویح میں کچھ فرق نہیں آتا، حالاں کہ بناءِ قوی علی الضعیف پائی جاتی ہے، قاعدکا ثواب نصف ہے قائم سے۔

الجواب

نابالغ کی اقتدا نہ فرض میں جائز ہے، نہ نفل میں، نہ تراویح میں۔ پس مقتدیوں کو لازم ہے کہ جب بالغ حافظ نہ ہو تو ﴿الم تر کیف﴾ ہی سے تراویح کسی ناظرہ خواں بالغ کے پیچھے پڑھ لیں، نابالغ حافظ کے پیچھے نہ پڑھیں، **هذاهو الصحيح المفتى به وماجوزّه مشايخ بلخ ضعيف لايلتفت إليه.** (والله أعلم) اور ایک جواب جو دوسرے پرچہ پر لکھا ہوا ہے، جس میں حدیث محمد بن قاتل سے نابالغ کی امامت کو جائز کیا گیا ہے تو اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ یہ حدیث محمد بن مقاتل کس کتاب میں ہے اور اس کی سند کیسی ہے، جب تک سند حدیث معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ قابلِ احتجاج نہیں اور امامت نابالغ کی ممانعت نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال صلى الله عليه وسلم: "الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن". (أخرجه البزار ورجاله كلهم موثقون وأخرجه الطبراني: "الإمام ضامن فماصنع فاصنعوا" وإسناده حسن)(۱)

وظاهر أن الضامن لابد أن يكون أقوىٰ من المضمون له وقال صلى الله عليه وسلم: "وليؤمكما أكبركما". (أخرجه الشيخان) **وعن ابن مسعود: قال: "لايؤم الغلام حتّى تجب عليه الحدود". وعن ابن عباس قال: "لايؤم الغلام حتّى يحتلم".** (رواهما الإثرم في سننه، كذا في النيل: ۴۳/۳)(۲)

والاثران ليسا بأنزل من الحسن وإلا لما سكت عنهما الشوكانى والله أعلم

پس ان نصوص کے ہوتے ہوئے نابالغ کی امامت جائز نہیں ہوسکتی۔

۱۹/ رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۲-۲۴۳)

چودہ برس کے لڑکے کے پیچھے تراویح درست ہے، یا نہیں:

سوال: چودہ برس کے لڑکے کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

چودہ برس عمر کے لڑکے کے پیچھے فرائض اور تراویح کچھ درست نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ جب تک لڑکا پورے پندرہ

---

(۱) إعلاء السنن، باب المواقيت، باب صفات المؤذن: ۱۴۳/۲-۱۴۴، إرادة القرآن پاكستان، انيس

(۲) نيل الأوطار شرح ملتقى الأخبار، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إمامة الصبى: ۲۷۸/۳، انيس

برس کا نہ ہوجاوے، اس کے پیچھے تراویح نہ پڑھیں، ہدایہ وشامی وغیرہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔(۱)

(البتہ اگر چودہ برس کی عمر میں بلوغیت کے آثار پیدا ہوچکے ہوں اور وہ کہے کہ میں بالغ ہوچکا تو اس کے پیچھے درست ہوگی۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۵/۴)☆

پندرہ سال والے لڑکے کے پیچھے تراویح کا حکم:

سوال: پندرہ سال سے کم اور بارہ سال سے زیادہ عمر والے بچے کے پیچھے نمازتراویح پڑھنادرست ہے، یانہیں؟

(المستفتی:۲۳۴۱،حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶/ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ،۲۶/جون ۱۹۳۸ء)

الجواب

پندرہ سال سے کم عمر کا لڑکا اگر بالغ ہوجائے (مثلا اسے احتلام ہونے لگے) تو اس کے پیچھے تروایح جائز ہے اور اگر کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہوتو پندرہ سال کی عمر پوری ہونا ضروری ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۴۰۷/۳)

---

(۱) ولايجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أوصبي ... وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا ... والمختار أنه لايجوز في الصلوات كلها؛لأن نفل الصبي دون نفل البالغ ،إلخ.(الهداية،باب الإمامة: ۱۱۱/۱،ظفير) (كتاب الصلاة: ۱۰۳/۱،مكتبة رشيدية،انيس)

☆ ایک ماہ کم پندرہ سال لڑکے کی امامت تراویح میں درست ہے، یانہیں:

سوال: جس لڑکے کی عمر یکم رمضان ۱۳۳۸ھ کو چودہ سال گیارہ ماہ کی ہوگی،اس کو امامت تراویح جائز ہے، یانہیں؟ نیز وتر میں امامت جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ اگر لڑکے میں اور کوئی علامت بلوغ کی مثل احتلام وانزال کے نہ پائی جاوے تو پورے پندرہ برس کی عمر ہونے پر شرعاً وہ بالغ سمجھا جاتا ہے، پس جس لڑکے کی عمر یکم رمضان شریف کو چودہ سال گیارہ ماہ کی ہو،اس کو امامت تراویح اور وتر میں درست نہیں ہے، کیونکہ صحیح مذہب حنفیہ کا یہی ہے کہ نابالغ کی امامت فرائض ونوافل اور واجب میں درست نہیں ہے۔(كذا في الدر المختار والشامي)(ولايصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى وصبي مطلقاً ولوفي جنازة ونفل على الأصح(الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۸٤/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

والمختار أنه لايجوزفي الصلوات كلها.(ردالمحتار،باب الإمامة: ۵۳۹/۱، ظفير)(كتاب الصلاة،مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبي وحده: ۳۲۲/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)(البتہ اگر کوئی علامت بلوغ کی پائی جاتی ہوتو درست ہوگی۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۶/۴)

(۲) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال ... فإن لم يوجد فيهما شيء منها فحتٰى يتم لكلم منهما خمس عشرة سنه،به يفتٰى.(الدرالمختار، كتاب الحجر،فصل بلوغ الغلام بالاحتلام: ۱۵۳/۶،ط:سعيد)

پندرہ سال سے زیادہ عمر ہے؛ مگر علامت بلوغ ظاہر نہیں تو امامت کا کیا حکم ہے:

سوال: زید کی عمر قمری مہینوں کے اعتبار سے ۱۵/سال، ۱۴/ماہ کی ہے اور کوئی علامت بلوغ کی بظاہر نہیں ہے تو زید کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ درست ہے، یا نہ؟

الجواب

شریعت میں جب کہ کوئی علامت بلوغ کی ظاہر نہ ہو تو قمری حساب سے پورے پندرہ برس کی عمر ہونے پر حکم بالغ ہونے کا کر دیا جاتا ہے۔ (درمختار)(۱)

لہٰذا زید کے پیچھے نماز فرائض ونماز تراویح پڑھنا درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۳/۴)

نابالغ کی پڑھائی ہوئی تراویح کا حکم:

سوال: نابالغ نے تراویح میں ایک منزل سنائی، پھر بالغ نے باقی چھ منزل سنائی، کیا پورے ختم کا ثواب مقتدیوں کو ملے گا، یا نہیں؟ یا گنہگار رہوں گے اور عبادت رائگاں گئی؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

حنفیہ کے نزدیک نابالغ کی امامت تراویح میں بھی جائز نہیں ہے اور فتویٰ اسی پر ہے، اس لئے جتنی تراویح نابالغ کے پیچھے پڑھی گئی ہے وہ ادا نہ ہوئی، (۲) اور جتنی بالغ کے پیچھے پڑھی گئی، وہ صحیح ودرست ہوئی۔ درست نماز کا ثواب ملے گا اور جو غلط طریقہ پر پڑھی گئی، اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۸/۱۱/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۲/۲-۲۱۳)

تیس سال کی عمر والے کے پیچھے تراویح بلا کراہت درست ہے:

سوال: ایک حافظ کے ڈاڑھی مونچھ نہیں ہے اور ان کی عمر ۳۰/سال کی ہے، ان کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة إذا انتهیا إلیٰ خمس عشرة سنة عند أبی یوسف ومحمد رحمهما اللّٰه وهورواية عن أبی حنيفة وعليه الفتوىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحجر، الباب الثانی، الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ: ٦١/٥، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۲) وإمامة الصبی العاقل فی التراويح والنوافل المطلقة تجوزعند بعضهم ولا تجوز عند عامتهم، كذا فی محيط السرخسی. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح: ١١٦/١-١١٧، انيس)

الجواب

ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کچھ کراہت نہیں ہے،نماز بلا کراہت ان کے پیچھے صحیح ہے۔(۱) فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۶۸-۲۶۹)

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے والا گناہگار رہے،یانہیں:

سوال: نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح ہو جاتی ہے،یانہیں؟ اگر کوئی باصرار پڑھے تو اس کو کچھ گناہ ہوگا،یانہیں؟

الجواب

صحیح مذہب کے موافق نابالغ کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ صحیح نہیں ہے اور نماز نہیں ہوتی،جو ایسا کرے گا،اس کی نماز تراویح وغیرہ نہ ہوگی۔(ھکذا فی الدر المختار و الشامی وغیرھما)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۹۴)

تبلیغی جماعت کے حافظ کے پیچھے تراویح:

سوال: تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے حافظ صاحب کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھی جاسکتی ہے،یانہیں؟ بعض لوگ ان کے پیچھے تراویح پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے؟ (اراکین شوری ومعتمد تنظیم المساجد،سدی پیٹ)

الجواب

تبلیغی جماعت کے لوگ ایمان اور عمل صالح کی طرف دعوت دیتے ہیں،کسی بری بات کی طرف نہیں بلاتے؛اس لیے ان کے پیچھے نماز کیوں درست نہیں ہوگی؟ تبلیغی جماعت سے منسلک حفاظ کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھنا بلاشبہ درست ہے۔
(کتاب الفتاویٰ:۲/۳۹۷)

عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کی تراویح کی امامت:

سوال: زید ایک گاؤں میں امامت کرتا ہے،صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے،اس سال بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھے؛ مگر امامت کرتا رہا اور تراویح بھی پڑھاتا رہا۔کسی نے کہا کہ امام صاحب تراویح پڑھا نہیں سکتے؛ کیوں کہ روزہ نہیں رکھ رہے ہیں۔اب اس گاؤں،یا اطراف وجوانب میں اس لائق آدمی نہیں،جو امامت کرے تو اس صورت میں زید کا

(۱) سئل العلامة ...عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذر،آه،فهل يخرج بذلک عن حد الأمردية،إلخ،فأجاب بالجواز من غير كراهة وناهيک به قدوة.(رد المحتار،باب الإمامة: ۱/۵۲۵،ظفير)(كتاب الصلاة،مطلب في إمامة الأمرد:۲/۳۰۱-۳۰۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) ولايصح اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى وصبي مطلقاً ولو في جنازة ونفل على الأصح.(الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار:۱/۵۴۱،ظفير)(كتاب الصلاة،باب الإمامة:۱/۸۴،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

امامت کرنا جائز ہوگا، یا اگر دوسرا کوئی امامت کے لائق ہے؟ مگر امام نہیں، یہی امام مقرر ہے، اس صورت میں.... کہ زید روزہ سے نہیں ہے، امامت کرسکیں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

جو شخص مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے۔ اللہ پاک نے اس کو مہلت دی ہے کہ پھر بعد میں رکھے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا کہ اس کی امامت کو ناجائز قرار دیا جائے۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (الآية) (سورة البقرة: ١٨٤) (۱)

لہٰذا زید مذکور کی امامت فرض وتر وتراویح سب میں درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۲۷۴-۲۷۵)

فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ افطار کرنے والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: فصل کٹائی، یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام کے لیے روزہ کا افطار جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے اور اگر تاخیر سے زراعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو؛ اس لیے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ دشوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز اور درست ہے، بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے، کفارہ نہ ہوگا۔

قال في الفتاوى الكاملية: سئلت عن حصاد لم يقدر علٰى حصاد زرعه مع الصوم وإذا أخره يهلك هل يجوز له الافطار حينئذ؟

فالجواب: نعم، يجوز له ذلك حينئذ، فقد نقل المحقق ابن عابدين رحمه اللّٰه في حواشيه على الدر من الخير الرملي مانصه:

وعلٰى هٰذا الحصاد وإذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلك الزرع بالتاخير لاشك في جواز الفطر والقضاء، آه. واللّٰه أعلم (ص: ١٦-١٧)

۲۱ رمضان ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۲۳۵)

---

(۱) ﴿فمن كان منكم مريضاً أو علٰى سفرٍ، فعدة من أيام أخر﴾ الآية: أى المريض والمسافر لايصومان في حال المرض والسفر، لما في ذلك مشقة عليهما، بل يفطران ويقضيان بعدة بعد ذلك من أيام اخر". (تفسير ابن كثير، سورة البقرة: ١/ ٢٩٠، مكتبة دار السلام رياض)

داڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے، وہ اپنی ڈاڑھی کو کبھی مشین سے خشخشی کراتا ہے اور کبھی قینچی سے کتراتا ہے، یعنی اس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے، اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ ایک مشت، یا اس سے زیادہ کیوں نہیں رکھتے تو جواب دیتا ہے کہ داڑھی کا صرف منہ پر نظر آنا ضروری ہے، ایک مشت، یا اس سے زائد داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔ مسمی زید کے اس جواب کی شرعی نوعیت کیا ہے؟ اور ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے، یا نہیں؟

بکر حافظ قرآن اور خوش الحان ہے اور وہ بھی اپنی داڑھی کتراتا ہے، اس کی داڑھی زید کی طرح ہے۔ صورت وسیرت میں متبع شریعت حفاظ بآسانی مل سکتے ہیں۔ اگر کسی مسجد کی انتظامیہ کے کچھ ارکان بکر کو تراویح میں قرآن سنانے کے لیے مقرر کردیں تو حافظ مذکور کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟ جو مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر، یا ممبر ہونے کی وجہ سے پابند شریعت حفاظ کی جگہ بکر جیسے حافظ کا تقرر کریں، جب کہ ان کو مسئلہ بھی بتادیا جائے، ایسے ارکان کے لیے کیا حکم ہے؟ ایسے حفاظ، یا ائمہ جو داڑھی کترا کر مشت سے کم رکھ کر تراویح، یا پنجگانہ نماز کے امام بن جاتے ہیں، ان کے لیے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ مسجد، یا مدارس عربیہ کی انتظامیہ کمیٹی کا صدر، یا متولی، یا مہتمم کا صورت وسیرت میں حتی الوسع متبع شریعت ہونا ضرور ہے، یا نہیں؟ ﴿وما کانوا أولیآئه، إن أولیائه إلا المتقون﴾ (پ:۹، سورۂ انفال) کا مفہوم کیا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

داڑھی ایک مشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے؛ بلکہ شریعت کی علانیہ بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبائر سے بھی شدید گناہ ہے۔

قال فی شرح التنویر: وأما الأخذ منها وهی دون ذلک (القبضة) کما یفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم یبحه أحد. (۱)

لہٰذا زید فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، متبع شریعت حافظ نہ بھی ملے تو بھی فاسق کو تراویح کا امام بنانا جائز نہیں۔ فرائض میں صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے؛ بلکہ اس کے پیچھے فرض نماز پڑھ لے؛ مگر تراویح میں فاسق کی اقتدا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ صالح حافظ نہ ملنے کی صورت میں تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائیں۔ اگر داڑھی کٹانے والے کو مسجد کی منتظمہ متعین کردے تو بھی اس کی اقتدا میں تراویح پڑھنا جائز نہیں۔ ایسے ارکان جو مسئلہ کا علم ہونے کے بعد بھی فاسق کو امام متعین کرنے پر بضد ہوں خود فاسق ہیں۔ اہل محلّہ پر فرض ہے کہ

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما یکره: ۳۹۸/۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی مجلس منتظمہ سے فورا برطرف کردیں، یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں، اگر اہل محلّہ کو اس پر قدرت نہیں تو حکومت پر فرض ہے کہ ان کو اس مقدس منصب سے برطرف کرے اوران کو مناسب سزادے۔

مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کا ظاہرا و باطنا متبع شریعت ہونا ضروری ہے،اگر کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ واجب العزل ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶رشوال ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۱۷-۵۱۹)

فاسق امام کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھانے کا حکم اوراس کی تفصیل:

سوال: بعض بعض حفاظِ قرآن مجید بعد گذر جانے ماہِ رمضان المبارک کے تارک الصلوٰۃ ہوجاتے ہیں اور بعض پنجوقتہ نماز میں سے ایک دو وقت کی نماز گاہے بگاہے ادا کرتے ہیں، یا ڈاڑھی بالکل مُنڈواتے ہیں، یا نہایت مبالغہ کے ساتھ کترواتے ہیں کہ ایک انگشت کے برابر بھی نہیں چھوڑتے، جب ماہِ مبارک آتا ہے تو ایسے حافظ نماز تراویح میں امام بن کر کلام پاک سناتے ہیں تو ایسے حافظ کے پیچھے نماز، یا تراویح پڑھنا مکروہ ہے، یا نہیں؟اور اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے، یا تحریمی؟ اور مکروہ تحریمی کی کسی آیتِ قرآنی، یا حدیث صحیح سے تشریح فرمادیجئے؟ اور نیز مکرر یہ ہے کہ مرتکب مکروہ تحریمی کا گنہگار رہوتا ہے، یا نہیں؟ اور نماز بکراہت تحریمی ادا کی ہوئی واجب الاعادہ ہوتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ لوگ رمضان میں گذشتہ گناہوں سے توبہ کرلیں اور نماز پنجوقتہ کی پابندی شروع کردیں اور ڈاڑھی منڈانا، یا کتروانا چھوڑ دیں، تب تو ان کے پیچھے تراویح مکروہ نہیں اور اگر رمضان میں بھی وہ اپنے افعال فسقیہ پر باقی ہوں تو ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ کراہتِ تنزیہی ہے، یا تحریمی؟ شرنبلالی اور زیلعی نے کراہتِ تحریمیہ کو ترجیح دی ہے اور طحطاوی بھی اسی طرف مائل ہیں، باقی علماء نے تنزیہی کہا ہے؛ مگر یہ کراہت اس وقت تک ہے، جب کہ کوئی امام نیک دستیاب ہوسکے اور اگر بجز فاسق کے کوئی حافظ نہیں ملتا تو اہلِ محلّہ کو چاہئے کہ اس صورت میں ختمِ قرآن کی طمع نہ کریں، کسی ناظرہ خواں نیک آدمی کو امام بناکر ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح ادا کرلیں، اگر اہل محلّہ ایسا نہ کریں اور حافظ فاسق ہی کو امام بنادیں تو پھر جو کچھ گناہ ہوگا، اول امام بنانے والوں کو ہوگا، دوسرے لوگوں کو بلا کراہت اس کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے؛ مگر اپنے افعال واقوال سے اس امام کی عظمت وتعظیم نہ کریں اور اگر محلّہ میں کوئی دوسری مسجد ایسی ہو، جہاں نیک امام تراویح پڑھاتا ہو تو وہاں جاکر تراویح پڑھنا چاہیے، فاسق کے پیچھے نہ پڑھنا چاہیے اور اگر نیک امام کوئی نہیں ملتا، نہ حافظ، نہ ناظرہ خواں تو پھر فاسق کی اقتدا بلا کراہت جائز ہے۔

قال فی نورالإیضاح:وکرہ إمامة العبد إلٰی قوله ولذا کرہ إمامة الفاسق،آہ.قال الطحطاوی: وأفاد الحموی أن کراهة الاقتداء بالعبد وما عطف علیه تنزیهیة إن وجد غیرهم وإلا فلا،آہ. وسیأتی ما یفید أن إمامة الفاسق مکروهة تحریمًا،آہ.(ص:۱۷۵)(۱)

قال فی نورالایضاح:ولذا کرہ إمامة (الفاسق) العالم (قلت: فإمامة الفاسق الجاهل بالأولٰی لوجود السببین للمنع فیه)لعدم اهتمامه بالدین فتجب إهانته شرعاً فلایعظم بتقدیمه للإمامة.

قال الطحطاوی:(قوله فتجب،إلخ): تبع فیه الزیلعی ومفادہ کون الکراهة فی الفاسق تحریمیة،آہ.وإذا تعذر منعه ینتقل عنه إلٰی غیر مسجدہ للجمعة وغیرها وإن لم یقم الجمعة ألا هو تصلی معه.آہ.

قال الطحطاوی:وفی السراج هل الأفضل أن یصلّی خلف هؤلاء أم الانفراد قیل أما فی الفاسق فالصلاة خلفه أولٰی وهٰذا إنما یظهرعلٰی أنّ إمامته مکروهة تنزیهًا أما علی القول بکراهة التحریم فلا وأما الآخرون فیمکن أن یقال الانفراد أولٰی لجهلهم بشروط الصلاة ویمکن اجراء علٰی قیاس الصلاة خلف الفاسق وجزم فی البحر بأن الاقتداء بهم أفضل من الانفراد،آہ.(ص:۱۷٦)(۲)

قلت: بشرط أن لا یکون الإمام لحانا یفسد الصلاة بلحنه وإلا فالانفراد أولٰی بل هو المتعین إذا لم یجد إماماً غیرہ.واللّٰہ أعلم

تنبیہ: چوں کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہونے میں دو قول ہیں۔ایک قول میں کراہت،تنزیہی ہے،دوسرے تحریمی ہے؛اس لیے اس میں شر وفساد نہ بڑھانا چاہیے،اگر سہولت کے ساتھ ایسے امام سے علاحدگی ممکن ہو تو خیر،ورنہ اگر فتنہ،یا عداوت کا اندیشہ ہو تو اسی کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں۔دوسرے امام کی طرف منتقل ہونے کی سعی نہ کریں، البتہ اگر امام فاسق ہونے کے ساتھ جاہل بھی ہو اور قرآن بھی غلط سلط پڑھتا ہو،جس سے فسادِ نماز کا احتمال قوی ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیے۔واللہ اعلم

۱۶؍رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام:۲/۲۴۰-۲۴۲)

بیٹھ کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا:

سوال: ایک حافظ صاحب بسبب کمزوری کے کھڑے ہو کر نماز تراویح میں قرآن شریف نہیں سنا سکتے اوران کا دل چاہتا ہے کہ قرآن شریف سناؤں اورا کثر نمازی بھی ان کے پیچھے قرآن شریف سننا چاہتے ہیں۔ایسی صورت میں

(۱) حاشیة الطحطاوی،کتاب الصلاة،باب الإمامة،فصل فی بیان الأحق بالإمامة،ص:۳۰۲،انیس

(۲) حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح ،باب الإمامة،فصل فی بیان الأحق بالإمامة،ص:۳۰۲-۳۰۳

یہ صاحب بیٹھ کرتراویح، یا فرض نماز پڑھا سکتے ہیں، یا نہیں؟ جب کہ پیچھے مقتدی کھڑے ہوکرنماز پڑھتے ہیں؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر وہ امام صاحب کھڑے ہوکر پڑھانے پر قادر نہیں ہیں تو ان کو بیٹھ کر ہی نماز پڑھانا شرعاً درست ہے اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ اگر ان سے بہتر امامت کے لائق، یا کم ازکم ان کے ہم رتبہ کوئی دوسرا شخص موجود ہو جو کہ نماز کھڑے ہوکر پڑھادیا کرے اور فرض وہ پڑھادے اور تراویح یہ حافظ جی پڑھادیا کریں۔

وصح اقتداء متوضی ... بمتیمم بماسح ... وغاسل بمار (وقائم بقاعد)،آه".(تنویرالأبصار)(۱)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہٰذا۔صحیح: عبداللطیف، یکم/رجب/۱۳۶۰ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۷/۷)

فرض منفرداً پڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے:

سوال: حافظ صاحب کے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے فرض کی جماعت ہوگئی، اس کے بعد حافظ صاحب بھی آ گئے، انہوں نے اکیلے فرض پڑھ کرتراویح کی جماعت کرائی تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جزئیہ ذیل سے اس صورت میں کراہت معلوم ہوتی ہے۔

أما لو صليت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله أن يصليها مع ذلك الإمام؛لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذور.(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی نے فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وہ تروایح کی جماعت میں اس لیے شریک ہوسکتا ہے کہ وہ تابع ہے، امام چوں کہ جماعت میں اصل ہے؛ اس لیے اس کے لیے مکروہ ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والوں کی جماعت کو علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے، اگرچہ مقتدی چار سے زیادہ ہوں۔ ابن عابدین کی اس تحقیق میں اگر چہ بندہ کو اشکال (وجہ اشکال حکم شبینہ کے تحت ملاحظہ ہو) ہے؛ مگر اس سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ امام کی حالت زیادہ قابل لحاظ ہے، البتہ یہ کراہت صرف امام پر ہوگی مقتدیوں پر نہیں۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ (قوله: وفي التاترخانية،إلخ):عبارتها نقلاً عن المحيط وذكر

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة،باب الإمامة: ۳۳٦/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح: ٤٩٩/۲،دار الكتب العمية،انيس

القاضی الإمام أبوعلی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوترفی منزله ثم أم قومًا أخرین فی التراویح ونوٰی الإمامة کره له ذلک ولایکره للمأمومین ولولم ینوالإمامة وشرع فی الصلوٰة فاقتدٰی الناس به لم یکره لوأحد منهما،آه. (۱) فقط واللہ تعالی اعلم

۵/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۴-۵۲۵)

باجماعت فرض نہ پڑھنے والا تراویح میں امام بن سکتا ہےاور بعد میں آنے والا وتر میں شریک ہوسکتا ہے:

سوال: جس حافظ نے عشا کے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں، وہ ان لوگوں کو تراویح پڑھا سکتا ہے، یا نہیں، جوعشا کے فرض جماعت سے پڑھ چکے ہوں؟

ایک شخص نے عشا کے فرض جماعت سے پڑھے، پھر کسی حاجت، یا کسی کام سے باہر چلا گیا، جب وہ شخص کام سے فارغ ہوکر مسجد میں آیا تو وتروں کی جماعت ہونے والی تھی، اس نے وتر جماعت سے پڑھ لیے اور تراویح پھر علاحدہ اس نے اپنی پڑھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو وتر جماعت سے پڑھنے چاہیے تھے، یا نہیں؟ اور وتر لوٹانے کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس حافظ نے عشا کی فرض باجماعت نہیں پڑھے، وہ تراویح میں امامت کرسکتا ہے؛ یعنی اس کے پیچھے تراویح پڑھنی جائز ہے۔ (۲)

جس نے تراویح کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی، اسے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہونا چاہیے؛ لیکن اگر شریک ہوگیا تو اس کے وتر ہوگئے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳/۳۹۲-۳۹۳)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علٰی سبیل التداعی وفی صلاة الرغائب: ۲/۵۰۱، دارالکتب العمیة، انیس

(۲) أما لوصلیت بجماعة الفرض وکان رجل قد صلی الفرض وحده فله أن یصلیها مع ذلک الإمام؛ لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فیها معهم لعدم المحذور. (رد المحتار، مبحث التراویح: ۲/۴۸، ط:سعید) (کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۲/۴۹۹، دارالکتب العمیة، انیس)

(۳) قال فی التنویروشرحه: (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلی الفجر (قبل الوتر وبعده) فی الأصح، فلو فاته بعضها وقام الإمام إلی الوتر، أوتر معه، ثم صلٰی ما فاته. (تنویر الأبصار وشرحه الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴، ط:سعید)

نماز تراویح میں مرد، عورتوں کی امامت کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: کچھ عورتوں کی خواہش ہے کہ نماز تراویح جماعت سے پڑھیں، مقتدی صرف عورتیں ہی ہوں گی اور حافظ صاحب جو امام ہوں گے، وہ عورتوں کے لیے غیر محرم ہیں۔ یہ صورت جائز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر اس جماعت میں حافظ کی کچھ محرم عورتیں بھی رہیں تو نماز درست ہوگی اور اگر کوئی محرم نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۳۱/۸/۱۷ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۳/۲)

جس حافظ کو قرآن صحیح یاد نہ ہو، اس کی امامت تراویح:

سوال: ایک حافظ صاحب گاؤں میں قرآن شریف سنا رہے تھے، ایک رکعت میں کم از کم پانچ دفع غلطی کرتے تھے، کچھ لوگوں نے دوسرے حافظ صاحب کا تعین کردیا، آیا ان کا یہ فعل صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

جس کو قرآن یاد نہیں ہے، اس کو تراویح کے لیے امام نہ بنایا جاوے، جس کو یاد ہے اس کو امام بنایا جاوے، اتفاقاً کہیں غلطی ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۶/۷)

امام تراویح میں غلط پڑھے اور سامع نہ ہو تو کیا کیا جائے:

سوال: نماز تراویح اگر ایک ہی حافظ پڑھائے اور سامع کوئی نہ ہو اور حافظ کوئی غلطی کر جائے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟

(۱) ایسی صورت میں قرآن شریف تراویح میں سنے، یا ﴿الم تر كيف﴾ سے؟

---

(۱) نماز دونوں صورتوں میں صحیح و درست ہوگی، البتہ اگر کوئی دوسرا مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو تو امامت مکروہ ہوگی، جو عورتیں غیر محرم ہوں، ان کے لیے پردۂ شرعی کا مکمل نظم ضروری ہوگا۔ [مجاہد]

”(كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه) كأخته(أو زوجته أو أمته،أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمّهن في المسجد لا)يكره“.(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة : ۸۳/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) قال الإمام:إذا كان إمامه لحانا،لابأس بأن يترك مسجده ويطوف.(الفتاوىٰ الهندية: الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح: ۱۱۶/۱،رشيدية)

(۲)　اگر مقتدیوں کو شبہ ہوجائے تو ایسی حالت میں مقتدی کیا کرے؟

(۳)　اگر قرآن شریف کی وجہ سے مقتدی تراویح کم پڑھتے ہوں تو کیا مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھے؟

(۴)　اگر حافظ کو اطمینان ہو اور مقتدیوں کو نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

(۵)　بعض مقتدیوں کا خیال ہے کہ اگر حافظ صاحب کو یوں اطمینان ہوتا تو قرآن شریف کو بار بار کھولنے کا کیا مطلب ہے؟ اگر کوئی آیت چھوٹ جائے، یا تغیر وتبدل پیدا ہو کہ جس کا علم نہ حافظ صاحب کو ہے، نہ مقتدیوں کو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

(۱)　اگر پختہ حافظ ہو کہ اس کو خوب یاد ہو، بغیر تراویح بھی پڑھنے اور سنانے کی وجہ سے بار بار تجربہ ہو چکا ہے تو اس کے لیے مضائقہ نہیں،(۱) بلاوجہ غلطی کا اس پر وہم نہ کیا جائے۔ اگر حافظ ایسا نہ ہو تو اس کے پیچھے کوئی حافظ رہنا چاہیے؛ تاکہ بھول پر بتاسکے اور غلط نہ پڑھنے دے، ورنہ ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ لی جائے۔(۲)

(۲)　پختہ حافظ کے پیچھے تراویح پڑھ کر ختم قرآن کی فضیلت حاصل کرے، جو کچا حافظ ہو اور اٹکتا ہو، غلط پڑھتا ہو اور کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس کو امام نہ بنایا جائے۔ اگر ﴿ألم ترکیف﴾ سے پڑھائے تو اس کے پیچھے پڑھ لے، ورنہ کسی دوسری جگہ پڑھے؛ تاکہ غلطی سے حفاظت رہے، اگرچہ ختم کی فضیلت حاصل نہ ہوسکے۔(۳) مقتدی کو جو شبہ ہو، امام سے دریافت کرے اور بلاتحقیق عین نماز میں نہ کچھ بتائے، نہ کچھ پوچھے؛ بلکہ سلام کے بعد شبہ دور کرے۔

(۳)　اگر مقتدی پورا قرآن نہ سنیں؛ بلکہ اس کی وجہ سے جماعت میں آنا بھی بند کردیں تو پھر مجبوراً ختم نہ کیا جائے؛ بلکہ اتنا پڑھادے کہ مقتدی سن لیں اور مسجد کو نہ چھوڑیں؛ لیکن ایسی حالت میں سنت ختم سے سب محروم رہیں گے۔(۴) لہٰذا ہمت کر کے ختم کا اہتمام کیا جائے۔

---

(۱)　ولاينبغي للقوم أن يقدموا في التراويح الخوشخوان، ولكن يقدمون الدرستخوان. (فتاویٰ قاضی خان، كتاب الصلاة، فصل في مقدار القرأة في التراويح: ۱/۲۳۸، رشيدية)

(۲)　والمتأخرون كانوا يفتون في زماننا بثلاث آيات قصار أو آية طويلة حتىٰ لايمل القوم، ولايلزم تعطيل المساجد، وهٰذا أحسن، كذا في الزاهدي. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل فصل في التراويح: ۱/۱۱۸، رشيدية)

(۳)　لو كان الإمام لحاناً لابأس بأن يترك مسجده. (فتاویٰ قاضی خان، كتاب الصلاة، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۱/۲۳۹، رشيدية)

(۴)　(قوله: الأفضل في زماننا إلخ)؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة ... فالحاصل أن المصحّح في المذهب أن الختم سنة، لٰكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۷، سعيد)

(۴) امام نے تو پڑھا، یاد کیا، سنایا اس کو تو اس لیے اطمینان ہے، مقتدی کو اطمینان کیوں نہیں؟ اگر مقتدی کے نزدیک امام غلط پڑھتا ہے اور صحیح کرنے کی کوئی صورت نہیں تو وہ ایسے امام کے پیچھے نہ پڑھے۔(۱)

(۵) اتفاقاً اگر ایسا ہو جائے کہ امام کو متشابہ لگ گیا، پھر اس نے قرآن شریف کھول کر دیکھ لیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام قرآن ہی غلط پڑھتا ہے، جس سے معنی بگڑ جاتے ہیں اور نماز فاسد ہو جاتی ہے؛ تاہم اگر واقعہ ایسا ہی ہو تو ایسے شخص کو ایسی حالت میں امام نہ بنایا جائے۔(۲) اگر دوسرا کوئی شخص امامت کا اہل نہ ہو تو امام کو چاہیے کہ دن میں خوب یاد کرے، کسی کو سنایا کرے، ورنہ ﴿الم تر کیف﴾ سے، یا جہاں سے پختہ ہو، وہاں سے ہی تراویح میں پڑھ دیا کرے، غلط سلط پڑھ کر نماز خراب نہ کرے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم شعبان ۸۷/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۲۳-۳۲۵)

☆ ☆ ☆

---

(۱) وكذا لو كان الإمام لحاناً،لابأس بأن يترك مسجده.(فتاویٰ قاضی خان،كتاب الصلاة،فصل في مقدار القرأة في التراويح: ۲۳۸/۱، رشيدية)

(۲) وكذا لو كان الإمام لحاناً،لابأس بأن يترك مسجده.(فتاوٰی قاضی خان،كتاب الصلاة،فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۲۳۸/۱،رشيدية)

دو چند جگہیں نماز تراویح کی امامت

ایک حافظ کا دو مسجدوں میں تراویح پڑھانا:

سوال: بعض حافظ ایسا کرتے ہیں کہ مسجد میں تراویح پڑھا کر آتے ہیں، پھر اسی وقت دوسری مسجد میں بھی پڑھا دیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اس کو مکروہ لکھا ہے، اگرچہ تراویح ہو جاتی ہیں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۹/۴)

دو جگہ ایک شخص تراویح پڑھا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال (۱) امام اگر دو جگہ تراویح پڑھا دے تو ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

(۲) ۲۷ر رمضان شریف کو قرآن شریف ختم کر کے غزل الوداع مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

(۱) دو جگہ تراویح ہو جاتی ہیں۔(۲) فقط

(اگر دونوں جگہ پوری پوری تراویح پڑھاوے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق دوسری مسجد والے کی تراویح درست نہ ہوگی۔ عالمگیری میں صراحت ہے، حاشیہ پر حوالہ دیکھیں۔ظفیر)

(۲) یہ درست نہیں۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۸/۴)

---

(۱) عالمگیری میں سوال مذکور کا جواب ناجائز لکھا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لايجوز، كذا في محيط السرخسي، والفتوىٰ علىٰ ذلك، كذا في المضمرات. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ١١٦/١، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۲) ولو أم في التراويح مرتين في مسجد واحد كره (إلىٰ قوله) وإن صلىٰ في المسجدين اختلف المشائخ فيه حكي عن أبي بكر الإسكاف أنه لايجوز يعني لايجوز تر أويح أهل المسجد الثاني واختاره أبو الليث، وقال أبو نصر: يجوز لأهل المسجدين جميعاً الخ. (غنية المستملي، ص: ٣٨٩)　==

ایک امام کا دو جگہ تراویح پڑھانا:

سوال: زید نے ایک مسجد میں قرآن کا ایک پارہ سنایا، پھر دوسری مسجد میں یہی ایک پارہ سنایا تو کیا ایک حافظ دو مسجدوں میں اس طرح قرآن مجید سنا سکتا ہے اور اس طرح سنت ادا ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر امام دونوں مسجدوں میں تراویح پڑھے، مثلا: ایک مسجد میں دس رکعت تراویح میں ایک پارہ پڑھا اور پھر دوسری مسجد میں دس رکعتوں میں یہی پارہ پڑھایا، ایک روز ایک مسجد میں اور دوسرے روز دوسری مسجد میں پڑھا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہوجائے گی اور اگر ایک مسجد میں تراویح بیس رکعت پوری کرکے اسی رات دوسری مسجد میں بھی تراویح کی امامت کی تو امام کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں؛ مگر مقتدیوں کی تراویح صحیح ہیں؛ اس لیے کہ تراویح میں متنفل کی اقتدا جائز ہے۔

نقل ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ عن الخلاصة إمام يصلي التراويح في مسجدين كل مسجد علىٰ وجه الكمال لايجوز؛ لأنه لا يتكرر. (البحر الرائق: ٦٨/٢)(١)

وفي إمامة الشامية تحت(قوله:في الصحيح،خانية): يصح الاقتداء في الترويح وغيرها بمفترض وغيره ومثلها سائر السنن الرواتب كما تفيده عبارة الخانية، تأمل. (٢)

وفي التراويح منها(قوله وفي التاترخانية) إلخ عبارتها نقلا عن المحيط وذكر القاضي الإمام أبوعلي النسفي فيمن صلى العشاء والتراويح والوتر في منزله ثم أم قومًا آخرين في التراويح ونوىٰ الإمامة كره له ذلك ولا يكره للمأمومين ولو لم ينوا لإمامة وشرع في الصلاة فاقتدىٰ الناس به لم يكره لوأحد منهما، آه. (٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷/رمضان ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۲۳/۳) ☆

== إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لايجوز،كذا في محيط السرخسي،والفتوىٰ علىٰ ذلك،كذا في المضمرات.(الفتاوىٰ الهندية،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح: ١١٦/١، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(٣) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهورد. {متفق عليه}(مشكوٰة،ظفير)(كتاب الإيمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة،الفصل الأول،انيس)

حاشية صفحه هذا:

(١) البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ١٢٠/٢ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(٢) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الإمامة: ٣٣١/٤،دارالفكر بيروت،انيس

(٣) رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب في كراهة الاقتداء في النفل علىٰ سبيل التداعي: ٥٠١/٢ ،دارالكتب العلمية،انيس ==

دو مسجدوں میں جماعت تراویح کرانے کا حکم:

سوال: قصبہ ہذا کئی مسجدوں پر بوجہ عدم موجودگی حفاظ کئی سال سے ختم قرآن مجید نہیں ہوتا تھا اور وہاں کے مصلیاں اس کے ثواب سے محروم رہتے تھے۔امسال ایک حافظ صاحب نے قبل رمضان شریف یہاں کی یہ حالت سن کر یہ نیت کیا تھا کہ اگر میں یہاں رمضان شریف میں رہا تو جو مسجدیں خالی رہیں گی، اگر وہاں کے مصلی سنیں گے تو بلا معاوضہ ختم سناؤں گا، چناں چہ چاندرات ہی سے دو مسجدوں پر وہاں کے مصلیان کی خواہش سے تراویح بکمالہ (یعنی بست رکعت ہر دو مسجد) پڑھانا شروع کر دیا۔بعض لوگوں نے حافظ صاحب کہ اس طرز عمل پر اعتراض کیا، حافظ صاحب نے اپنے عمل کے ثبوت جواز میں فتاوی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کی اس تحریر کو پیش کیا اور خود کو نا ذر قرار دیا، والتحریر ھٰذا:

جواز التراويح بنية مطلقة ونية النفل كماحققه ابن الهمام وفي الثاني هوأداء التراويح من المقتدى خلف من يصلي التطوع إلا أنه لايخلو عن كراهة لمخالفة السلف والملخص في هٰذا أن يندر الإمام الذى صلى التراويح ويوجب علٰى نفسه قد رما يريد أن يؤديه مع الجماعة الثانية فيكون ذلك عليه واجباً ويخرج عن شبهته،إلخ. (۲۵۲/۱،مطبوعة يوسفي،طبع سنة: ۱۳۲۱/الهجرى)

(ثبوت:۲)

وقال قاضي خان: وقال أبوبكر: سمعت أبا نصر أنه قال: يجوز لأهل المسجدين جميعاً، الخ. (۱۱۲/۱، باب التراويح)(۱)

(ثبوت:۳،حدیث مشکوٰۃ)

عن جابر قال: كان معاذبن جبل يصلي مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ثم يأتي قومه فيصلي بهم. {متفق عليه} **وعنه قال: كان معا ذ يصلي مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم العشاء ثم يرجع إلٰى قومه فيصلي بهم العشاء وهي له نافلة.** {رواه البيقهي والبخاري،ص:۱۰۳،باب من صلٰى صلاة مرتين}(۲)

== ☆ دو مسجدوں میں جماعت تراویح کرانے کا حکم:

سوال: زید ایک مسجد میں بیس رکعت تراویح پڑھانے کے بعد دوسری مسجد میں بھی بیس رکعت پڑھاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس دوسری مسجد میں مقتدیوں کی نماز درست ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کوئی صورت جواز کی ہو سکتی ہے؟

الجواب

ہمارے نزدیک دوسری مسجد کے مقتدیوں کی تراویح درست نہیں ہوتی اور صورت جواز نکالنے کی ضرورت کیا ہے۔

۱۲ رمضان ۱۳۴۷ھ۔(امداد الاحکام:۲/۶۷۲)

---

(۱) فتاویٰ قاضي خان علٰى الهندية، كتاب الصلاة، باب التراويح: ۲۳۳/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) مشكٰوة المصابيح، كتاب الصلاة، الفصل الأول، ص:۱۰۳، انيس

(۱)　اب سوال یہ ہے کہ ان مقتدیوں کی اقتدا امام ناذر مذکورہ صحیح ہوئی، یا نہیں؟ اور تراویح دوسری مسجد والے مصلیوں کی ادا ہوئی اور سورۂ تراویح سے یہ صورت ان کے لیے افضل ہے، یا نہیں؟

(۲)　جناب نے استفتاء سابق میں مولانا عبدالحی صاحب کے فتویٰ محولہ کو تسلیم کرتے ہوئے عندالضرورۃ کی قید لگائی ہے، یہ قید ان کی کس عبارت سے مفہوم ہوتی ہے۔ براہ کرم نقل فرماویں اور لفظ ''ضرورت'' سے جناب کی کس قسم کی ضرورت مراد ہے، کیا حالات موجودہ مذکورہ بالا ضرورت کے لیے کافی ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا برھنوا علٰی أقوالکم.

الجواب

جن معترضوں نے حافظ صاحب موصوف کے طرز عمل پر اعتراض کیا ہے، ان کا اعتراض غلط نہیں؛ کیوں کہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس کے متعلق قاضی خان کا قول نقل فرمایا ہے: ''الأصح أنه لایجوز'' اور صدر شہیدؒ سے نقل کیا ہے: ''إمام یصلی التراویح فی مسجد ین علی الکمال لایجوز'' اور امام قاسم بن قطلوبغا محدث وفقیہ الحنفیہ کا قول نقل فرمایا ہے: ''الأصح أنه لایصح وھو مکروہ'' اور نصاب الفقہ سے نقل کیا ہے: ''لایجوز له أن یفعل؛ لأن التراویح سنة والسنن لایتکرر فی الوقت والواحد فإذا فعل ذلک لا یکون سنة و الفتوٰی علٰی ذلک، آہ'' اور یہ الفاظ وہ ہیں، جو لفظ فتویٰ اور اصح سے مؤید ہیں۔ ان کے خلاف جو قول ہوگا، وہ ضعیف ہے، جیسا کہ لفظ ''قیل، وقال بعضھم وینبغی أن یقول'' کے عنوانات اس کے ضعف پر دال ہیں اور ضعیف روایت پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا؛ مگر سخت ضرورت کے وقت، مثلاً: صورت مسئولہ میں کوئی حاکم مسلم اس حافظ کو یہ حکم کرتا کہ دو تین مسجدوں میں علی الکمال تراویح پڑھاؤ اور مقتدیوں کو سننے کا امر کرتا اور تخلف میں خطرہ ہوتا تو ہم اس وقت ضعیف روایت کو اخذ کر کے فتویٰ جواز کا دیتے؛ کیوں کہ جب تک شریعت میں کچھ بھی وسعت ہو تو مسلمانوں کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں۔ ہاں وسعت نہ ہو تو گنجائش نہ دی جائے گی؛ بلکہ اس وقت حاکم کو دبایا جائے گا، ونحو ذلک من الضرورات التی یعرفھا العلماء اور ایسے ہی ضرورت کے وقت اس مخلص سے کام لیا جائے گا، جو مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ''والمخلص فی ھٰذا أن ینذر الإمام'' میں بیان کیا ہے اور گو مولانا عبدالحیؒ نے اس کو ضرورت سے مقید نہیں کیا؛ مگر ہم نے ان کے کلام کو صحیح کرنے کے لیے یہ محمل بیان کر دیا اور نہ بظاہر ان کا قول صحیح نہیں؛ کیوں کہ وہ خود اوپر عالمگیریہ سے نقل کر چکے ہیں کہ تراویح مفترض کے پیچھے صحیح نہیں، بوجہ مخالف سلف کے، (حالاں کہ نافلہ مطلقہ خلف المفترض صحیح ہے)، پھر وہ ناذر کے پیچھے کس دلیل سے تراویح کو جائز کرتے ہیں، کیا اس میں سلف کی مخالفت نہیں ہے؟ کیا سلف نے کبھی نذر کر کے ایسا ہے؟ اور اگر ناذر کے پیچھے تراویح بلا کراہت جائز ہے تو مفترض کے پیچھے بھی جائز ہونا چاہیے۔ غرض یہ مخلص مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے محض اپنی رائے سے بیان فرمایا ہے، جو

عالمگیریہ کے جزئیہ کے مصادم ہے، لہٰذا اگر اس کو کوئی رد کردے تو اس کو حق ہے؛ مگر ہم نے ادباً یہ لکھ دیا تھا کہ وہ ضرورت کے وقت پر محمول ہے اورصورتِ مسئولہ میں کوئی ضرورت نہیں؛اس لیے حافظ صاحب موصوف کو اپنے طرزِعمل کواس طرح بدل دینا چاہیے کہ ایک مسجد میں آٹھ رکعتوں میں، یادس میں سیپارہ سنادیں، بقیہ کو وہ لوگ ﴿الم تر کیف﴾ سے پورا کرلیں اور دوسری مسجد میں ان کے جانے تک دس، یا آٹھ رکعتیں ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھی جائیں، بقیہ کو مع وتر کے سیپارہ کے ساتھ حافظ صاحب پڑھادیں؛ بلکہ اس طرح حافظ صاحب چاہیں تو پانچ مسجدوں میں ایک ساتھ ختم سنا سکتے ہیں کہ ایک ایک مسجد میں چار چار رکعتوں میں سیپارہ سنا دیا کریں اور بقیہ رکعتیں دوسرا شخص چھوٹی چھوٹی سورتیں سے پڑھاویں اور اگر مولانا عبدالحی صاحبؒ کے مخلص کو ضرورت کے ساتھ مقید نہ کیا گیا؛ بلکہ مطلق رکھا گیا تو اس سے وہ حفاظ بہت زیادہ کام لے لیں گے، جو بمعاوضہ ختم سناتے پھرتے ہیں کہ وہ چالیس رکعتوں میں دس جگہ قرآن شروع کرکے معقول رقم جمع کرلیا کریں گے،اس کو مولانا عبدالحی صاحبؒ بھی کبھی جائز نہیں کہہ سکتے تھے۔معلوم ہوا کہ یہ مخلص عام نہیں۔

اوراس کے بعد حافظ صاحب نے دوسرا ثبوت قاضی خاں سے دیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی خان ہی میں اس سے پہلے ابوبکر اسکلاف کا قول مذکور ہے،اس کے بعد ابوبکر کے واسطے سے ابونصر کا قول نقل کیا گیا ہے:"**یجوز لأهل المسجدين جميعًا**" اور قاعدہ اصولیہ یہ ہے کہ جس روایت کی مخالفت خود راوی کرے، وہ روایت قابل احتجاج نہیں رہتی۔پس ابونصر کا قول قابل اخذ نہ رہا؛ کیوں کہ اس کے راوی ابوبکر نے خود اس کی مخالفت کی ہے۔(۱)

اوراگر ابونصر سے اس قول کی روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو خود اس روایت کو بوجہ ضعف دلیل کے ضعیف کہا جائے گا؛ کیوں کہ اس کے خلاف جو اقوال ہیں، وہ لفظ فتویٰ وغیرہ سے مؤکد ومؤید ہیں، جو ان کی قوتِ دلیل پر دال ہے۔

اورحدیث معاذ کو جو ثبوت میں پیش کیا گیا ہے، یہ نہایت ہی عجب ہے؛ کیوں کہ حدیث معاذ تکرار وتراویح کے متعلق نہیں؛ بلکہ اگر اس کا مطلب وہی مان لیا جائے، جو حافظ موصوف سمجھے ہیں تو اس سے تکرارِ فرض لازم آئے گا کہ ایک شخص فرض نماز پڑھ کو وہ وہی فرض دوسری جگہ جاکر مقتدیوں کو پڑھاوے اوراس کو حنفیہ میں سے کسی نے بھی جائز نہیں کیا، نہ متقدمین میں سے، نہ متاخرین میں سے، نہ مولانا عبدالحیؒ صاحب نے، پس اس کا حنفیہ کے نزدیک وہ مطلب نہیں، جو ظاہراً مفہوم ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل کی نیت

---

(۱) وهٰذا فيما إذا كان ثبوت قول المروى عنه موقوفاً علىٰ رواية الراوى بخلاف ما إذا اشتهر عنه ولم يكن موقوفاًعلىٰ رواية الراوى كمذهب أبى حنيفة فإنه معروف برواية والموافق والمخالف فى أكثر المسائل فلا يقدح فيه مخالفه الرواة عنه فى بعض المسائل.

کرتے اور اپنی مسجد میں فرض کی نیت کرتے تھے اور دوسری روایت جو ''هی له نافلة'' آیا ہے، اس میں تصریح نہیں کہ یہ قول کس کا ہے؛ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہے، یا ان کے پیچھے کے راوی کا ہے؟ تو حجت نہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہے تو اس حالت میں حجت ہے کہ انھوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سن کر ایسا فرمایا ہو، محض ظن اور تخمین سے نہ فرمایا ہو اور اس میں اس قدر احتمالات ہیں تو احتمالات کے ساتھ استدلال ساقط ہے اور بعد تسلیم کے یہ اس وقت پر محمول ہے، جب کہ تکرار فرض وتر جائز تھا، بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لا تصلوا بعد صلاة مثلها ولا وتران في ليلة'' (۱) فرما کر اس سے منع فرما دیا تو اب یہ صورت ممنوع ہوگئی۔

یہ تو دلائل خصم کا جواب ہے اور حنفیہ کی اصل دلیل جس کی بنا پر وہ ''بناء قوی علی الضعیف'' کو جائز نہیں کہتے، حدیث: ''الامام ضامن'' ہے، جو صحیح حدیث ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام مقتدی سے کم نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ ادنی اعلی کا ضامن نہیں ہوسکتا ۔ واللہ تعالی اعلم

ظفر احمد عفا عنہ، ۱۴؍رمضان ۱۳۴۷ھ۔ الجواب صحیح: اشرف علی۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۷۴)

تتمہ سوال وجواب مندرجہ بالا:

آپ نے فتوی نمبر: ۶ میں جس کے سائل احمد مکرم صاحب ہیں اور جس کی نقل ارسال خدمت ہے، فرمایا ہے کہ اگر جواز سے مراد صحت صلوٰۃ ہے تو مسلم اور اگر صحت بلا کراہت ہے تو مسلم نہیں، للدلائل التی قد ذکرناها أولا اور اسی فتوی کے سوال نمبر: ۴ میں لکھتے ہیں کہ صحت صلوٰۃ میں کلام نہیں؛ بلکہ اس میں کلام ہے کہ صحت مع الکراہت ہے، یا بلا کراہت تو اس سے صحت صلوٰۃ تراویح متنازعہ فیہ مراد ہے، یا نفل؟ اگر تراویح مراد ہے تو کراہت تحریمی ہے، یا تنزیہی؟ اور اس مکروہ صورت پر عمل کی اجازت دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ ہر جزو کا جواب صاف اور صریح قابل عمل دیا جاوے۔

اور اسی فتوے کے سوال نمبر: ۶ کے جواب میں آپ نے قاسم بن قطلو بغا کی عبارت کا جو مطلب بیان کیا ہے، اسے مدلل ارشاد فرمایئے؟ مجوزین فریق کا خیال ہے کہ یہ جواب بغیر دلیل قابل وقعت نہیں؛ اس لیے اسے جواز ہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ آپ با دلیل اور بالتشریح صحیح مطلب بیان فرمائیں اور جائز مع الکراہت کی صورت میں افضلیت ختم قرآن فی التراویح متنازعہ پر ہے، یا سورۂ تراویح کو، اسے بھی ضرور ارقام فرمایئے اور اس میں قابل عمل طریقہ کون سا ہے، یا بالکل اس پر عمل کی اجازت ہی نہیں ہوسکتی۔

---

(۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ قَالَ زَارَنَا طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ فِي يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ وَأَمْسَى عِنْدَنَا وَأَفْطَرَ ثُمَّ قَامَ بِنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَأَوْتَرَ بِنَا ثُمَّ انْحَدَرَ إِلَى مَسْجِدِهِ فَصَلَّى بِأَصْحَابِهِ حَتَّى إِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ قَدَّمَ رَجُلاً فَقَالَ أَوْتِرْ بِأَصْحَابِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: لاَ وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ. (سنن أبی داؤد، باب فی نقض الوتر، رقم الحدیث: ۱۴۴۱، انیس)

اور آپ نے فتوی نمبر: ۷ پر سائل محمد ایوب اسروی کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک دوسری مسجد میں مقتدیوں کی تراویح درست نہیں ہوتی اور درسرا فتوی نمبر: ۱۵ (جس کا سائل بھی محمد ایوب اسروی ہی ہے) اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اور مولانا عبدالحی صاحب نے اس صورت کو مکروہ لکھا ہے، وہی صحیح ہے۔ فتوی نمبر: ۷ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تراویح درست ہی نہیں اور فتوی نمبر: ۱۵ سے ظاہر ہے کہ جائز مع الکراہت ہے۔ لہذا اس تعارض کو رفع فرما کر صحیح اور قابل عمل جواب ارقام فرمئے؟

الجواب

صحت سے مراد صحت صلوٰۃ بطور نفل محض ہے اور تراویح اس صورت سے ادا نہ ہوگی۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ قاضی خاں کا اس صورت (تکرار تراویح) کے متعلق قول یہ ہے: "الأصح أنه لايجوز" اور صدر شہید کا قول ہے: "إمام يصلي التراويح في مسجد ين في كل مسجد على الكمال لايجوز". (۱) اور نصاب الفقہ میں ہے: "لايجوز له أن يفعل؛ لأن التراويح سنته والسنن لا تتكرر في الوقت الواجد فإذا فعل ذالك لا يكون سنة والفتوىٰ علىٰ ذلك، آه" اور عالمگیریہ میں ہے: "لو صلى التراويح مقتديًا بمن يصلي مكتوبة أووترًا أو نافلة الأصح أن لايصلح الاقتداء به؛ لأنه مكروه ومخالفة لعمل السلف". (ذكر العبارات كلها مولانا عبد الحي في فتاواه: ۱/۱۱۷-۱۱۸، مع الخلاصة)

ان عبارات میں تکرار تراویح بمسجد ین کا عدم جواز وعدم صحت مصرح ہے اور علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اختلاف نقل کرنے کے بعد یہی فرمایا ہے: "والأصح أنه لايصح وهو مكروه". پس اس میں "لا يصح" کے معنی وہی ہیں، جو عالمگیری اور نصاب الفقہ اور قاضی خان وغیرہ کی عبارات میں "لا يجوز" کے معنی ہیں؛ یعنی کہ تراویح مسنونہ کے طور پر یہ نماز درست اور صحیح نہ ہوگی۔ ہاں نفلاً صحیح ہے اور نفل جماعت سے مکروہ؛ اس لیے یہ نماز نفلاً مکروہ بھی ہے۔

قال في جامع المضمرات: قوم صلوا التراويح ثم أرادوا أن يصلوها بعد ذلك يصلون فرادىٰ؛ لأنه تطوع وصلاة التطوع بجماعة ليست بمستحبة، آه. (فتاوىٰ عبد الحي)

قلت: وهويعم الإمام والمقتدي جميعًا فإن الجماعة في التطوع يكره مطلقًا للإمام والمقتدىٰ فافهم.

میں نے مولانا عبدالحی صاحبؒ کے قول کو غیر مقلدوں کے قول کے مقابلہ میں صحیح کہا ہے اور اس کے اول و آخر میں تصریح کردی ہے کہ مولانا کا قول بھی سلف کے خلاف ہے، سلف نے اس صورت کو غیر جائز اور غیر صحیح لکھتے ہوئے مکروہ فرمایا ہے، جس کے معنی وہی ہیں، جو اوپر مذکور ہوئے کہ تراویح تو درست وصحیح نہیں، ہاں نفل بکراہت صحیح ہے۔ میرے

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

سب اقوال کو جمع کرنے اور غور کرنے کے بعد یہ مراد واضح ہے، مخفی نہیں اور اس باب میں صاحب نصاب الفقہ کا یہ قول: ”أن التراویح سنة والسنن لاتتکرر فی الوقت الواحد فإذا فعل ذلک لایکون سنة“(۱) سب سے اقویٰ ہے۔ تمام فقہا اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص سنت فجر کو دوبارہ پڑھے، یا سنت ظہر ومغرب وعشا کو مکرر پڑھے تو سنت صرف اول ہے، ثانی سنت نہیں؛ بلکہ نفل محض ہے اور سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے تو جب امام تراویح کا تکرار کررہا ہے اور سنت مؤکدہ نہیں تو اس کے پیچھے قوم کی تراویح ادا نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک یہی راجح اور صحیح ہے، گو مسئلہ مختلف فیہ ہے؛ مگر فتوی اسی پر ہے اور اصح یہی ہے اور جن فقہا نے اسی صورت میں تراویح کو مع الکراہۃ جائز کہا ہے، ان کی مراد کراہت تحریمہ ہے؛ کیوں کہ اطلاق کراہت بلا قید اسی کو مقتضی ہے۔ واللہ اعلم

۲۱/ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۷۰-۲۷۶)

ایک مسجد میں قرآن ختم کرنے کے بعد دوسری مسجد میں قرآن مجید سنانے کا حکم:

سوال: اس مسئلہ میں مدت سے شبہ ہے، لہذا حضرت والا سے استفتا کرتا ہوں، امید ہے کہ جواب سے تشفی خاطر فرماویں گے۔ ایک حافظ قرآن نے رمضان کے عشرۂ اُولیٰ میں ایک مسجد میں چند مقتدیوں کو ایک ختم لوجہ اللہ سنایا، پھر عشرۂ ثانیہ میں دوسری مسجد میں دوسرے مقتدیوں کو، جنھوں نے ختم سنا نہیں، ان کو دوسرا ختم سنایا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں بناء قوی علی الضعیف لازم آتا ہے؛ کیوں کہ دوسرے مقتدیوں کو ایک ختم سنانا مؤکدہ ہے اور حافظ صاحب کو دوسرا ختم سنانا مستحب ہے، یہ تو بندہ کا شبہ ہے، باقی جو حضرت کی مرضی ہو، وہی صواب ہے؟

الجواب

بناء القوی علی الضعیف یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز سے اضعف ہو اور یہاں ایسا نہیں؛ کیوں کہ عشرۂ ثانیہ میں تراویح کی نماز امام ومقتدی دونوں پر علی السواء سنتِ مؤکدہ ہے؛ اس لیے یہ صورت جائز ہے۔ دوسرے یہ بھی مسلّم نہیں ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت سے اس صورت میں اضعف ہے؛ کیوں کہ گو نماز شروع کرنے سے پہلے تو امام پر قرأت واجب وسنت نہ تھی؛ بلکہ نفل تھی؛ لیکن نیت وافتتاحِ صلوٰۃ کے بعد اس پر قرأت بقدر صحت صلوٰۃ فرض ہوگئی اور اب وہ جتنی بھی قرأت کرے گا، سب فرض میں داخل ہوگی، اگرچہ سارا قرآن ہی ایک نماز میں پڑھ جائے، یہ سب فرض ہی میں داخل ہوگی۔

۹/شعبان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۰)

---

(۱) قال المرغیناني: إنها سنة عین و کرہ أن یؤم فی التراویح مرتین فی لیلة واحدة وعلیه الفتویٰ لأن السنة لا تتکرر فی الوقت الواحد فتقع الثانیة نفلا، مضمرات. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی صلاة التراویح: ۴۱۲، بیروت، انیس)

دس دس رکعت دو مسجدوں میں پڑھانا کیسا ہے:

سوال: ایک مسجد میں خطیب امام مقرر ہے۔ تراویح اس قاعدہ سے پڑھاتے ہیں کہ عشا کے فرض دوسرا شخص پڑھاتا ہے اور تراویح کی دس رکعت میں سوا پارہ حافظ صاحب پڑھتے ہیں، باقی تراویح کو سورہ سورہ تراویح کی جماعت والوں میں سے ایک شخص پڑھاتے ہیں، اس کے بعد وہ حافظ صاحب دوسری مسجد میں جا کر وہی سوا پارہ دس رکعت تراویح میں پڑھاتے ہیں۔ یہ صورت جائز ہے، یا نہ؟

الجواب

قال فی الهندية: إمام يصلی التراويح فی مسجدين فی كل مسجد علی الكمال لايجوز، كذا فی محيط السرخسی.(۱)

اس (فقہی) روایت سے معلوم ہوا کہ دس دس تراویح دو مسجدوں میں پڑھانا درست ہے؛ مگر کچھ لینا بمعاوضہ قرآن شریف ختم کرنے کے درست نہیں ہے، **كما ورد﴿اقرؤوا القرآن ولاتأكلوا به﴾**(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۶۱/۴)

ایک حافظ ایک ہفتہ میں ایک مسجد میں، دوسرے ہفتہ دوسری مسجد میں قرآن تراویح میں ختم کرے:

سوال: بعض حافظ پانچ سات روز میں ایک مسجد میں قرآن شریف تراویح میں پورا ختم کر کے دوسری مسجد میں دوسرا ختم تراویح میں سناتے ہیں۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟ اور دوسری مسجد والوں کی تراویح ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ حافظ لوگ اور بعض عالم اس کو جائز بتلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حافظ کو ایک ختم سنت ہے، دوسرا ختم نفل ہے اور مقتدی کے واسطے ختم سنت ہے تو سنت والوں کی نماز نفل والے کے پیچھے کیسے ہوگی؟ اس کی تحقیق فرمائیں۔

---

(۱) عالمگیری کشوری، فصل فی التراويح : ۱۱۵/۱، ظفیر) (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل: ۱۱٦/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) وأخرج أحمد بن عبد الرحمن بن شبل الأنصاری أن معاوية قال له: إذا أتيت فسطاطی فقم فأخبر ماسمعت من رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: اقرؤا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به .(مسند الإمام أحمدبن حنبل، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

أخرج البيهقی عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم.(شعب الإيمان للبيهقی، التاسع عشر من شعب الإيمان هو باب فی تعظيم القرآن، فصل فی ترک قراءة القرآن فی المساجد والأسواق ليعطی ويتأكل به: ٥٣٢/٢، رقم الحديث: ٢٥٢٦، انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

ایک مسجد میں پانچ سات روز میں قرآن شریف ختم کر کے دوسری مسجد میں دوسرا ختم حافظوں کو کرنا درست ہے اور دوسری مسجد والوں کی تراویح صحیح ہیں؛ کیوں کہ تراویح کی نماز تمام رمضان شریف میں سنت مؤکدہ ہے۔ پس دوسری مسجد میں جو حافظ نے تراویح پڑھائی، وہ بھی سنت مؤکدہ ہوئی اور مقتدیوں کی تراویح بھی سنت مؤکدہ ہوئی، لہٰذا دونوں کی نماز متحد ہوئی۔ علاوہ بریں نفل پڑھنے والے کے پیچھے سنت بھی ہو جاتی ہیں اور یہ شبہ کہ ختم قرآن شریف ایک بار سنت مؤکدہ ہے۔ دوسرا اور تیسرا ختم نفل ہے، ساقط ہے؛ کیوں کہ نماز امام کی سنت مؤکدہ ہے، ختم کے سنت نہ ہونے سے وہ نماز سنت ہونے سے خارج نہیں ہوئی اور مقتدیوں کی نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا؛ لیکن افضل اور بہتر اس زمانہ میں یہ ہے کہ امام حافظ ایک ختم سے زیادہ تراویح میں نہ پڑھے؛ تاکہ مقتدیوں کو گراں نہ ہو۔

كمافي ردالمحتار: لٰكـن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدرما لايثقل عليهم، وفي الشامي: ومنهم من استحب الختم في ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۳/۴)

ایک حافظ کے لیے دو ختم پڑھنے کا حکم:

سوال: رمضان میں ایک حافظ دس، دس روز میں دو ختم دو مسجدوں میں کرسکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

نماز تراویح پورے ماہ رمضان میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے؛ اس لیے حافظ صاحب موصوف کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں میں، یا دس، پانچ مسجدوں میں سے ہر ایک میں ایک ایک ختم پڑھیں۔ یہ سب نماز ان کی اور ان کے مقتدیوں کی سنت مؤکدہ ہی ادا ہوگی۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۵/۳/۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۵/۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث صلاة التراويح: ٤٩٧/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) السنة في التراويح إنما هو الختم مرة ... والختم مرتين فضيلة والختم ثلاث مرات أفضل، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوٰى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ١١٧/١)/ كذا في الجوهرة النيرة، باب قيام شهر رمضان: ٩٨/١، المطبعة الخيرية، انيس)

ينبغي للإمام وغيره إذا صلى التراويح وعاد إلٰى منزله وهو يقرأ القرآن أن يصلي عشرين ركعة في كل ركعة عشر آيات احرازًا للفضيلة وهي الختم مرتين والزهاد وأهل الاجتهاد كانوا يختمون في كل عشر ليال ... ولو عجل الختم له أن يفتتح من أول القرأن في بقية الشهر. (فتاوى قاضي خان علٰى هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ٢٣٨/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

ایک مسجد میں ختم قرآن کے بعد دوسری مسجد کی تراویح کی امامت:

سوال: فتاوی عالمگیری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حافظ ایک مسجد میں قرآن ختم کرنے کے بعد دوسرے دن سے دوسری مسجد میں ختم تراویح کی امامت نہیں کرسکتا ہے۔ عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

"إمام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز". (۱)

اس کے متعلق شرعی احکام سے آگاہ کرائیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

حنفیہ کے نزدیک رمضان المبارک کی ہر ایک رات کو بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، چاہے اس میں قرآن ختم کیا جائے، یا نہ کیا جائے۔ ایک پیش امام (چاہے حافظ ہو، یا نہ ہو) ایک رات میں بیس رکعت ایک مسجد میں، پھر بیس رکعت دوسری مسجد میں نہیں پڑھا سکتا ہے؛ کیوں کہ پہلی مسجد میں تو سنت مؤکدہ ادا ہوچکی، اب دوسری مسجد میں محض نفل ادا ہوگی اور محض متنفل کے پیچھے سنت مؤکدہ پڑھنے والے کی نماز ناقص ہوگی۔ فتاوی عالمگیری کی عبارت کا مطلب یہی ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ چندروز کی تراویح میں اگر ایک ختم قرآن ہوجائے تو پھر وہ حافظ دوسری مسجد میں تراویح نہیں پڑھا سکتا ہے، یا یہ کہ چندروز میں ختم قرآن کے بعد باقی رمضان کی راتوں کی تراویح سنت مؤکدہ نہیں رہتی ہے، ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۱۸/۹/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۲۸/۲-۳۲۹)

ایک حافظ کا ایک رمضان میں تین چار جگہ قرآن ختم کرنا:

سوال: ایک حافظ ایک رمضان میں مثلاً: تین عشرہ میں تین جگہ تراویح میں قرآن ختم کرتے ہیں اور ہر ایک جگہ مقتدی غیر ہوتے ہیں۔ اب سوال ہے کہ ایسے ختم وتراویح جائز ہے، یا نہیں؟ اگر اس کے جواز کی ایک دلیل مرقوم ہوتو بہتر ہے؟

الجواب ــــــــــــــ

جائز ہے۔

قال فی نورالإیضاح وشرحہ: (وسن ختم القراٰن فیھا) أی التراویح (مرة فی الشھر علی الصحیح)

---

(۱) الفتاویٰ الھندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۶/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) ینبغی للإمام وغیرہ إذا صلی التراویح وعاد إلٰی منزلہ وھویقرأ القرآن أن یصلی عشرین رکعة، فی کل رکعة عشرآیات احرازًا للفضیلة وھی الختم مرتین والزھاد وأھل الاجتھاد کانوا یختمون فی کل عشرلیال. (فتاویٰ قاضی خان علٰی ھامش الفتاویٰ الھندیة، فصل فی مقدارالقراء ة فی التراویح: ۱۳۸/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وهوقول الأكثرقال الطحطاوی ومرتين فضيلة وثلا ثاً فی كل عشر مرة أفضل،آه.(ص: ۲٤۱)(۱)

قلت: والاطلاق يدل علىٰ أفضلية الختم ثلا ثاً مطلقًا سواء كان فی مسجد واحد أوفی ثلاث مساجد فی كل مسجد مرة.

اور فتاویٰ قاضی خان میں جس صورت کو مکروہ لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ روزانہ ایک مسجد میں پوری تراویح پڑھائے اور پھر وہی امام دوسری مسجد میں جا کر تراویح پڑھاوے، یہ مکروہ ہے۔

ولو صلىٰ إمام واحد التراويح فی مسجدين كل مسجد علىٰ وجه الكمال اختلف المشايخ فيه حكی عن أبی بكرالإسكاف رحمه الله أنه لايجوز وقال أبو بكرسمعت أبانصرأنه قال يجوز لأهل المسجدين جميعًا كما لوأذن المؤذن وأقام وصلىٰ ثم أتی مسجدًا آخر فأذن وأقام وصلىٰ معهم فإنه لايكره وإنما يكره إذا أذن وأقام ولا يصلی معهم كذلک فی التراويح إلىٰ أن قال هٰذا إذا أمّ للناس مرتين فإن لم يكن إماماً وصلىٰ التراويح فی مسجد بجماعة ثم أدرک جماعة أخرىٰ فی مسجد آخر فدخل معهم وصلىٰ لابأس به،آه.(۲)

اور وجہ کراہت یہ ہے کہ جب ایک بار یہ شخص تراویح پڑھ چکا ہے تو دوبارہ اس کی نماز نفل ہوگی اور مقتدیوں کی تراویح ہوگی تو امام کی نماز مقتدی سے اضعف ہوگی، وذلک لا یجوز، بخلاف اس کے ایک مسجد میں ختم کر کے دوسری مسجدوں میں ختم کرے اور ہر جگہ امام ومقتدی کی نماز تراویح کی ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

۳/شعبان (امداد الاحکام:۲/۲۳۴-۲۳۵)

ایک حافظ متعدد بار ختم قرآن متعدد مساجد میں کرسکتا ہے:

سوال: کیا رمضان کے اندر ایک حافظ دس، دس روز میں دو ختم دو مسجدوں میں کرسکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نماز تراویح پورے ماہ رمضان میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اس لئے حافظ صاحب موصوف کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں میں یا دس، پانچ مسجدوں میں ہر ایک میں ایک ایک ختم پڑھیں، یہ سب نمازیں ان کی اور ان کے مقتدیوں کی سنت مؤکدہ ہی ادا ہوں گی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۱۳۵۲/۱۱/۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۲۸)

---

(۱) حاشية الطحطاوی علىٰ مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراويح، ص: ٤١٤-٤١٥، انيس

(۲) فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح: ۲۳۳/۱-۲۳٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) (التراويح سنة مؤكدة) لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) اجماعاً. (الدرالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

تراویح میں دو شخص کی امامت:

سوال: تراویح کی نماز دو امام مل کر پڑھا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تراویح کی نماز دو امام پڑھا سکتے ہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۸/۱۱/۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۱۴)

دو امام مل کر تراویح پڑھائیں:

سوال: اگر دو امام مل کر تراویح کی نماز پڑھائیں، دس رکعت پہلا امام اور دس رکعت دوسرا امام تو کیا اس طرح تراویح پڑھانا درست ہے؟ (عبدالمجید، مشیر آباد)

الجواب ـــــــــــــ

بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی امام پوری بیس رکعتیں پڑھائے، اگر دو امام پڑھائیں تو مستحب ہے کہ پہلا امام ترویحہ مکمل ہونے پر دوسرے امام کو آگے بڑھائے، مثلاً: وہ آٹھ رکعت پڑھائے اور دوسرا بارہ رکعت، یا وہ بارہ رکعت پڑھائے اور دوسرا آٹھ رکعت۔

”والأفضل أن يصلى التراويح بإمام واحد، فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد علىٰ كمال الترويحة“. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۲-۴۰۳)

---

(۱) وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ بِإِمَامٍ وَاحِدٍ فَإِنْ صَلَّوْهَا بِإِمَامَيْنِ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ انْصِرَافُ كل وَاحِدٍ على كَمَالِ التَّرْوِيحَةِ فَإِنْ انْصَرَفَ على تَسْلِيمَةٍ لَا يُسْتَحَبُّ ذلک في الصَّحِيحِ وإذا جَازَتْ التَّرَاوِيحُ بِإِمَامَيْنِ على هذا الْوَجْهِ جَازَ أَنْ يُصَلِّيَ الْفَرِيضَةَ أَحَدُهُمَا وَيُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ الْآخَرُ وقد كان عُمَرُ رضي اللّٰهُ تَعَالَى عنه يَؤُمُّهُمْ في الْفَرِيضَةِ وَالْوِتْرِ وكان أُبَيٌّ يَؤُمُّهُمْ في التَّرَاوِيحِ كَذَا في السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ بِإِمَامٍ وَاحِدٍ؛ لِأَنَّ عُمَرَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – جَمَعَ النَّاسَ عَلَى قَارِءٍ وَاحِدٍ وَهُوَ أُبَيّ بْنُ كَعْبٍ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – فَإِنْ صَلَّوْهَا بِإِمَامَيْنِ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ انْصِرَافُ كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى كَمَالِ التَّرْوِيحَةِ فَإِنْ انْصَرَفَ عَلَى تَسْلِيمَةٍ لَا يُسْتَحَبُّ ذَلِكَ وَكَانَ عُمَرُ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – يَؤُمُّهُمْ فِي الْفَرِيضَةِ وَالْوِتْرِ وَكَانَ أُبَيّ بْنُ كَعْبٍ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – يَؤُمُّهُمْ فِي التَّرَاوِيحِ. (الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، باب قيام شهر رمضان: ۱/۹۸، المطبعة الخيرية، انيس)

عشاء، وتر اور تراویح علاحدہ امام پڑھائیں:

سوال: بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ مستقل امام صاحب نماز عشا اور وتر پڑھا دیتے ہیں اور حافظ صاحب تراویح، کیا یہ صورت درست ہے؟ (محمد بدرالدین، کرنول)

الجواب

اس طرح نماز پڑھانا درست ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نمازِ عشا اور وتر خود پڑھایا کرتے تھے اور نمازِ تراویح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پڑھایا کرتے تھے۔

"**وقد كان عمر رضى الله عنه يؤمهم في الفريضة والوتر وكان أُبي رضى الله عنه يؤمهم في التراويح**". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۳)

☆ ☆ ☆

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱/۱۱۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

امامتِ تراویح پر اجرت لینا

تراویح میں سنانے کی اجرت:

سوال: مردمان زید را برائے خواندن قرآن مجید در نماز تراویح دعوت نمودند و بعد ختم کردن زید سامعین چندہ کردہ قدرے معین فیما بینہم از سکۂ انگریزی باو دادند و نیز ایں دادن در عرف مروج است الا آنکہ ہنگام دادن گفتند کہ ایں قابل شما نیست و نیت طرفین للہ بود، آیا زید را ایں روپیہ گرفتن درست است، یا نہ؟ و سامعین را دادن روا باشد، یا نہ؟ (۱)

الجواب

اصل اینست کہ بر تلاوۃ قرآن شریف و ختم قرآن حمید اجرت و معاوضہ گرفتن حرام است و ثواب تالی و سامعین را باطل می کند۔ کما فی الشامی، کتاب الإجارۃ: "قال تاج الشریعۃ فی شرح الھدایۃ: إن القرآن بالأجرۃ لایستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری (إلیٰ أن قال) والآخذ والمعطی آثمان إلخ فإذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیۃ الصحیحۃ فأین یصل الثواب إلی المستأجر"، إلخ. (۲)

پس اگر در صورت مسئولہ حسب عرف و رواج کہ بمنزلۂ شرط صریحی است اگر زید قاری را خیال و ارادہ اخذ مال از سامعین بود دلدادۂ سامعین بدادن مقدارے از مال بود دریں صورت موافق تصریح فقہا ثواب قاری و سامعین باطل شد و سنت قرآن شریف ادا نہ شد، و اگر در نیت قاری و سامعین گرفتن و دادن روپیہ نہ بود بعد از ختم محض لوجہ اللہ و ابتغاء مرضات اللہ روپیہ بقاری دادند و او قبول کرد جائز خواہد شد، فالعبرۃ لنیۃ القاری والسامعین۔

قال علیہ الصلاۃ والسلام: "إنما الأعمال بالنیات وإنما لکل امرئ ما نویٰ". {الحدیث} (رواہ البخاری وغیرہ) (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۹۸/۴-۲۹۹)

---

(۱) خلاصۂ سوال: چند لوگوں نے زید کو نماز تراویح میں قرآن سنانے کے لیے مدعو کیا اور زید کے قرآن ختم کرنے کے بعد سامعین نے آپس میں ایک متعین مقدار انگریزی روپیہ چندہ کرکے اس کو دیا اور یہ لین دین عرف میں رائج بھی ہے، البتہ دیتے وقت لوگ کہتے ہیں کہ یہ آپ کے شان کے مناسب نہیں ہے اور طرفین کی نیت اللہ کے لیے تھی تو کیا یہ روپیہ لینا زید کے لیے درست ہے، یا نہیں؟ اور سامعین کا دینا جائز ہے، یا نہیں؟ (انیس)

(۲) رد المحتار، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مطلب فی الإستیجار علی الطاعات: ۷۷/۹، دار الکتب العلمیۃ، انیس

(۳) صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی إلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۲/۱، مکتبۃ ملت دیوبند، انیس

خلاصۂ جواب: اصل یہ ہے کہ تلاوت قرآن اور ختم قرآن پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے اور پڑھنے والے اور سننے والے کے ثواب کو باطل کر دیتا ہے، جیسا کہ شامی، کتاب الاجارہ میں ہے:..... ==

پیسے دے کر تراویح پڑھانا:

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶/ اگست ۱۹۳۸ء)

سوال (۱) ایک مسلمان خود نماز پنجگانہ، یا تراویح نہیں پڑھتا؛ لیکن بغرض حصول ثواب روپیہ دے کر کسی مسلمان سے نماز تراویح پڑھواتا ہے تو اسے ثواب ملے گا، یا نہیں؟

موقوفہ دکان کی آمدنی سے امام مسجد کو تنخواہ دینا:

(۲) کسی مسلمان نے ایک مسجد پر اپنا موضع، یا مکان وغیرہ بغرض حصول ثواب وقف کر دیا ہے؛ تاکہ اس کی آمدنی سے انتظام صوم وصلوٰۃ ومرمت مسجد وغیرہ ہوتی رہے۔ وقف کنندہ، یا متولی روپیہ دے کر نماز تراویح پڑھواتا ہے، اس مسجد میں کوئی امام برائے نماز پنجگانہ نہیں ہے تو وہ روپیہ جو تراویح میں خرچ ہوا وقف کنندہ کو اس کا ثواب ملے گا، یا نہیں؟

تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز:

(۳) کسی مسجد میں ایک امام بہ تنخواہ قلیل، یا کثیر پنجوقتہ نماز پڑھانے کے لیے مقرر ہے اور وہ نماز تراویح بھی پڑھاتا ہے تو ایسی نماز تراویح سے امام ومقتدی کو ثواب ملے گا، یا نہیں؟

تراویح کی اجرت لینا جائز نہیں:

(۴) ایسا روپیہ جو امام صاحبان نماز تراویح میں خلاف شرع لیتے ہیں، وہ رقم حلال ہے، یا حرام؟

الجواب

(۱) روپیہ دینا جب تراویح کے معاوضہ میں جائز ہی نہیں ہے تو اس کا ثواب کیا ملے گا۔ (۱) واللہ اعلم

== پس اگر صورت مسئولہ میں عرف ورواج کے مطابق جو کہ واضح شرط ہے اگر قاری زید کو سامعین سے مال لینے کا خیال وارادہ تھا، سامعین کا خیال بھی ایک متعین مقدار مال دینے کا تھا تو اس صورت میں فقہا کی تصریح کے مطابق قاری وسامعین کا ثواب باطل ہوگا اور قرآن کی سنت ادا نہ ہوگی اور اگر قاری وسامعین کی نیت روپیہ لینے دینے کی نہ تھی اور ختم کے بعد محض لوجہ اللہ اور خوشنودی خداوند کے لیے قاری کو لوگوں نے روپیہ دیا اور اس نے اس کو قبول کر لیا تو جائز ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قاری وسامع کی نیت کا اعتبار ہے، جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ہے۔ (انیس)

(۱) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وعلیہ وسلم: من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ ووجہہ عظم لیس علیہ لحم. (شعب الإیمان للبیہقی ،التاسع عشر من شعب الإیمان ہو باب فی تعظیم القرآن،فصل فی ترک قراءۃ القرآن فی المساجد والأسواق للیعطٰی ویستأکل بہ،رقم الحدیث: ۲۶۲۵،انیس)

وأن القراءۃ لشيء من الدنیا لا تجوز و أن الأخذ والمعطی آثمان،لأن ذلک یشبہ الاستئجار علی ==

(۲) اگراس مسجد میں امام کوئی مقرر نہیں ،فرض نمازوں کے پڑھانے کے لیےتو یہ ہوسکتا ہے کہ صرف رمضان المبارک کی امامت کے لیے کسی شخص کو پنج وقتی نمازوں کے لیےاور نماز تراویح پڑھانے کے لیےامام مقرر کردیا جائے تو واقف کوثواب ہوگا، لہٰذا بہتر یہی ہے؛ بلکہ ایسی صورت وقف مذکور میں ضروری ہے کہ بارہ مہینوں کے لیے امام مقرر کرلیا جائے؛ تاکہ بارہ مہینے نماز باجماعت ہوتی رہے اور جائداد موقوفہ کی آمدنی میں سے پیش امام کوتنخواہ دی جائے تو اس تنخواہ کے دینے کا واقف کوبھی ثواب ملے گا۔(۱)

(۳) بے شک ایسی نماز تراویح سے امام ومقتدیان کوبھی ثواب ملے گا۔(۲)

(۴) یہ رقم جوناجائز طریق پروہ لیں گے،ان کے لیےمکروہ تحریمی ہوگی۔واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۱۲،۴۱۳)

ازتتمہ:

سوال (۱) ایک مسجد میں ایک جماعت تراویح سے زیادہ جماعتیں قائم کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) تراویح میں ایک حافظ اتنی بلند آواز سے قرآن پاک پڑھتا ہے کہ مسجد کے بالاخانوں اور صحنچیوں اور دیگر اطراف میں پہونچتی ہے،ایسی صورت میں دوسرے حافظ کااس مسجد میں تراویح پڑھانا بلاکراہت جائز ہے، یانہیں؟

(شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی)

الجواب

(۱) مسجد کے اندر ایک ہی جماعت ہونی چاہئے ،ہاں اگراوپر دوسری منزل ہواورآواز ایک امام کی دوسری جماعت تک نہ پہنچے تو خیر۔

(۲) مکروہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی:۳/۴۱۳)

== القراءة ونفس الاستئجارعليها لايجوز فكذا ما أشبه كما صرح بذلك فی عدة كتب من مشاهير كتب المذهب؛ وإنما أفتٰى المتأخرون بجواز الاستيجار علٰى تعليم القرآن لا على التلاوة وعللوه وهی خوف ضياع القرآن،ولا ضرورة فی جواز الاستئجارعلی التلاوة.(رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی بطلان الوصية بالحتمات والتهاليل:۲/۷۳، ط:سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) ويبدأ من غلته لعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس و مدرسة يعطون بقدر كفايتهم، إلخ.(الدرالمختار،كتاب الوقف:۴/۳۶۶_۳۶۷،ط:سعيد)

(۲) ويفتٰی اليوم بصحتها لتعليم القرآن الفقه والإمام والأذان.(الدرالمختار،كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة:۶/۵۵،ط:سعيد)

تراویح میں اجرت والے قاری سے سننے والوں کو ثواب حاصل ہونے کی تحقیق:

سوال: جس جگہ حافظ قرآن اجرت پر بلا کر اس سے کلام اللہ تراویح میں سنتے ہیں، معین تو نہیں کرے؛ مگر رواج عام اس بات پر ہو رہا ہے کہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے ختم کے روز حافظ کو دیتے ہیں، گو اس صورت میں تراویح سننے کا ثواب ہوگا، یا نہیں؟ اگر ثواب نہ ہو تو کیا کرے آیا گھر پر تنہا پڑھ لیا کرے؟ مگر اس صورت میں جماعت سے محروم ہوگا؛ بلکہ فرضوں کی جماعت کا ترک بھی غالب ہوگا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

سننا جدا عمل ہے، اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں اس کا ثواب ہوگا۔(۱)

۱۲/شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۶۳) (امداد الفتاویٰ:۱/۴۹۶)

حفّاظ کو تراویح میں قرآن مجید کا معاوضہ دینے کے مسائل:

سوال: نماز تراویح میں قرآن پڑھنے، یا سننے پر اجرت مقرر کر کے لینا، یا بغیر مقرر کئے ہوئے قاری و سامع کو کچھ دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

قرآن سنانے کی اجرت تراویح میں لینا درست نہیں کہ قرآن پڑھنا عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا حرام ہے۔
قال فی ردالمحتار: "الآخذ والمعطی آثمان". انتھی. (۲) واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۲۴)

تراویح میں اجرت والے حافظ سے قرآن سننے کا حکم اور اس کی مختلف صورتوں کا بیان:

سوال: ہمارے ملک میں چند سال سے رواج ہو گیا ہے کہ اکثر حفاظ تراویح میں ختم پڑھنے کے لیے مساجد میں رمضان شریف میں مبلغ مقرر کر کے ختم کرتے ہیں، اگر کسی جا پر زیادہ مبلغ ملنے کی امید ہے تو بلا مقرر پڑھ دیتے ہیں اور یہ معلوم ہو جاوے کہ یہاں زنہار مبلغ حاصل نہ ہوگا، بالکل اقبال نہیں فرماتے۔ یہ امر اجرت علی الطاعۃ جس کی حرمت و منع شرع میں وارد ہے، اسی میں داخل ہے، یا نہیں؟ اور بعض علماء فقط کراہۃً ہی کہتے ہیں اور بعض علما جائز بتلاتے ہیں، فقہاء متاخرین امور اربعہ؛ یعنی امامت و اذان و تعلیم و وعظ میں ضرورۃً جائز ہی کہتے ہیں، سو اس ختم کو اسی باب امامت میں

---

(۱) اس میں شرط یہ ہے کہ سننے والا امام کو معاوضہ دینے والوں میں داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم (محمد شفیع)

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ: ۲/۵۳۴، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس
ردالمحتار میں ہے کہ لینے اور دینے والا دونوں گناہ گار ہیں۔

داخل کر کے امامت تراویح بھی جس میں ختم ہو امامت سے خارج نہیں کہتے ہیں، فقہا کی عبارات سے یا اور کتب سے حرمت اجرت ختم قرآن پر تراویح کی تصریح کہیں پائی نہ گئی، سوائے قواعد وقیاس کے اگر نظر فیض منظر میں گذری ہے تو ترقیم فرمانا؛ کیوں کہ ایصال ثواب قرأت کے منع میں جو اجرت سے واقع ہو، فقہا نے اس کے منع میں تشدد کئے ہیں، تراویح میں جو ایصال نہیں، محل تأمل ہے کہتے ہیں اور تعلیل فقہا کی "ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن"(۱) کی جو تعلیم قرآن کی ہے حفظ قرآن میں بھی جاری ہے کہتے ہیں کیونکہ ختم تراویح ترک کریں تو حفظ میں فتور وقصور واقع ہوگا، کبھی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ سے جو تعلیم قرآن میں کہتے ہیں: ''درخانہ کسے رفتن واز صبح تا شام نشستن، الخ''، کو محل اجارہ ٹھہرانے سے اس کی اجرت لینے میں کسی طرح کا خلاف نہیں کہتے اور کہتے ہیں گو کہ مبلغ کا دینا لینا واقع ہو؛ مگر بطریق تبادل وتعارض نہ ہو، بطریق صدقہ، یا ہدیہ جو چاہے سو دے سکتے ہیں اور یہ للہ پڑھ سکتے ہیں اور اس کو اس طرح سے زبان سے تصریح کر دینے میں دوسرے احتمالات منعدم ہو جاتے ہیں، انتہیٰ۔ ان صورتوں میں حق اور مطابق واقع اور صحیح وجہ مدلل مطلوب ہے اور ان امور کے سوائے اکثر پڑھنے والوں کی عادت یہ ہے کہ ترتیل اور قواعد تجوید سے عاری جلد طے کرنے کے طالب اور متعدد مقاموں میں غلطی بتلانے والے جا بجا ٹوکتے ہیں تو وے کبھی لیتے، یا گڑبڑاتے، یا وقفہ کر لیتے، پھر اپنے خیال میں آنے کے بعد مقام معین تک پڑھ کر نماز بلا سہو تمام کر دینا اور اعراب والفاظ میں کلمات کفر کا لحاظ نہ رکھنا ایسے ختم میں امید اجر ہے، یا موجب وزر؟ بینوا توجروا۔

تتمه السوال: **الفصل الثالث فی أمور مبتدعة باطلة،أكب الناس عليها علىٰ ظن أنها قرب مقصودة وهٰذه كثيرة فلنذكر أعظمها منها وقف الأوقاف سيما النقود لتلاوة القرآن العظيم فی أجزاء قرآنية عين الواقف قراء تها فی مكان مخصوص أولم يعين له مكاناً أولأن يصلی نوافل أولأن يسبح أی يقول له سبحان الله كذا أولأن يهلل أولأن يصلی أو أطلق فی ذلک كله ولم يذكر عدد أويهدی ثوابها لروح الواقف أو لروح من أراده وأصل المسلة صحيح فيمن قرأ القرآن أوسبح أوهلل أوصلیٰ كذاركعة وأهدی ثواب ذلک لفلان الحی أوالميت.قال الوالد فی شرحه علیٰ شرح الدرر فی بيان الحج عن الغير: إعلم أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصومًا أوصدقة أوقراءة قرآن أوذكرأوطوافًا أوحجًا أوعمرة أوغير ذلک عند أصحابنا، كذا فی البحر. أما قوله عليه الصلاة والسلام لايصلی أحد عن أحد ولايصوم أحد عن أحد فهو فی حق الخروج عن العهدة لا فی حق الثواب فإن من صام أوصلیٰ أوتصدق وجعل**

---

(۱)　**قال عبدالرحمن بن شبل:سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثرو به.(مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل:۴۴۳/۳،رقم الحديث:۱۵۷۵۸،انيس)**

ثوابه لغيره للأموات والإحياء جاز ويصل إليهم ثوابه عند أهل السنة والجماعة،كذا فى البدائع ثم فى البحر وبهٰذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أوحيا والظاهر أنه لافرق بين أن ينوى به عند الفعل للغيرأويفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لاطلاق كلامهم ولم أرحكم من أخذ شيئًا من الدنيا فيجعل شيئا من عبادته للمعطى وينبغى أن لايصح ذلك. قال الوالد رحمه اللّٰه: ففيه نظر بل اطلاق ما سبق يقتضى الصحة،انتهٰى. ووجهه أن أخذ الدراهم صدقة من المعطى وأخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطى ووجه الأول فى المتن أن ثواب العبادة لايدخل تحت عقد البيع؛ لأن ذلك مخصوص بالأعواض الدنيوية بهٰذا السبب يبطل الوقف المشروط فيه ذلك؛لأن بدل أخذ المعلوم من الواقف فى مقابلة فعل الشرط الذى شرطها الواقف فهوكالبيع للثواب وإن اعتبرنا وجه كونه صدقة علٰى من يقرأ الواقف القرآن ويصلى له إلٰى آخره لا أن ذلك المعلوم عوض عن تلك القربة وثمن لثوابها ولكنه بمنزلة ما إذا كان الوقف علٰى إمام الجامع أو الخطيب ونحو ذلك فانها شروط علٰى من اتصف بذلك فهى صدقة من الواقف علٰى صاحب هٰذه الوصف المذكور؛لأن الوقف ليفعل الموقوف عليه ذلك فى مقابلة أخذه المعلوم المعين له ومنها الوصية باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أوبعدها وبأعطاء دراهم معدودة لمن يتلوالقرآن لروحه أويسبح له أويهلل أوبأن يبيت عنده قبره أربعين ليلة أوأكثر أوأقل أوبأن يبنى على قبره بناءً وكل هذه بدع منكرة أى أنكرها الشرع لمخالفتها لمقتضاها حيث اشتملت علٰى بيع ثواب الطاعة وأخذ الشىء من الدنيا فى مقابلته والوقف والوصية باطلان والمأخوذ منهما حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا والمفهوم منه أن الذى يأخذ ذلك لوتلى القرآن أوذكراللّٰه تعالٰى وصلٰى كذا ركعة أوهلل أوكبر ونحو ذلك من أنواع القربات لا لأجل ما يأخذه من المعلوم المعين له فى الوقف لمن فعل ذلك بل لوجه اللّٰه تعالٰى أخذ المعلوم صدقة عليه من الواقف جازوصح الوقف حينئذٍ وهوما ذهبنا إليه فيما تقدم فى حق جميع الوظائف فى الأصناف كلها وليس الأمرمخصوصًا لهٰذا النوع منهما،انتهٰى. (الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية)

عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

واختلفوافى الاستئجارعلٰى قراء ة القرآن على القبر مدة معلومة قال بعضهم لايجوز وقال بعضهم يجوز وهوالمختار، كذا فى السراج الوهاج. (كتاب الاجارة:۱۱۳۵/۳)(۱)

---

(۱) السراج الوهاج،الباب السادس عشر فى مسائل الشيوع فى الإجارة والاستيجار على الطاعات والمعاصى والأفعال المباحة: ٤٤٩/٤ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ردالمحتار(۱) میں اس عبارت کی توجیہ ”علی قراءۃ القرآن“ کی جائے پر ”علی تعلیم القرآن“ کی ضرور ہی کہا ہے، ورنہ جمیع فقہا کی تصریح کا خلاف ہی کہا ہے۔

مدراس کے فاضل مولوی صاحب صورۃً جواز کی اس طرح ترقیم فرماتے ہیں، نزد فقہاء متقدمین حنفیہ اجارۂ عبادات باطل ست؛ لیکن متاخرین دراذان وامامت وتعلیم قرآن وغیرہ جائز داشتہ اند وامامت شامل میشود امامت نماز پنجگانہ وعیدین وتر واتح راوبراخراج امامت تراویح سندے یافتہ نمی شود وآنچہ فقہاء درتعلیل جواز تعلیم قرآن میگویند کہ ”**لظهور التوانی فی الأمور الدینیة ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن**“. (۲) درامامت تراویح نیز جاری می شود کہ برائے امامت تراویح قرآن راخوب حفظ می کنند وبدون حفظ جید امامت آں نمی توانند ومعائنہ می شود کہ حفاظے کہ امامت تراویح نمی کنند، یا ترک کردہ اند درحفظ آنہا قصوری باشد، پس از مانع جواز شوند ہرگز امامت تراویح نخواہند کرد قصور درحفظ قرآن خواہند شد بلکہ ترک حفظ خواہند نمود ایں وقنیست کہ امامت براجارہ واقع شود؛ لیکن اگر اجارہ برامور دیگرورائے امامت واقع شود وامامت ضمنا واقع شود عدم جوازش وجہے ندارد ودرفتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب (۳) واقع شدہ است قاعدہ اجارہ آن است کہ برشے واجب ومندوب منعقد نمی شود وتعلیم قرآن فرض بالکفایہ است ومندوب علی العین پس محل اجارہ نیست آرے درخانہ کسے رفتن واز صبح تا شام نشستن واطفال اوراشبانی کردن فعلیست اورائے تعلیم کہ براں اجارہ منعقدمی تواند شد، انتہیٰ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا اجارے کی دوقسم کرکے دوسری جہت میں تعمیم کا خیال ہے۔ واللہ اعلم اوروہ بھی اسی فتوے میں ہے، واگر درمیان آنہا عقد اجارہ واقع نشود گو کہ بقاعدۃ المعروف کالمشروط محمول براجارہ خواہد شد؛ لیکن دراں وقت نیت معارضہ نداشتہ نیت صلہ وصدقہ دارد وبراجارہ محمول نتواند شد خصوصا اگر تصریح کند ایں روپیہا بطور صلہ وتبرع است عبارت حدیقۃ الندیہ برہمیں محمول است ودرفتاویٰ عزیزیہ(۴) واقع شدہ است شخصے طلب علم دینی، یا حفظ قرآن، یا اشتغال بطاعت دیگر می خواہد؛ لیکن از راہ تنگدستی وفقدان وجہ معاش فراغت اشتغال بایں امور ندارد دومردے دیگر صاحب مایہ ذمہ دار وجہ قوت اوشود تا بفراغ بال مشغول بطاعت گردد دریں صورت ہردو را اجر کامل بہ ہر طاعت اوحاصل می شود ومورد ایں آیت ہمین است۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿للفقراء الذین أحصروا﴾ إلخ.** (۵) واعانت برطاعت کہ درحدیث جابجا ممدوح واقع شد ہمین است؛ لیکن ایں را اجرت گفتن مجازست، انتہیٰ۔ واللہ اعلم

(۱) ردالمحتار: ۴۷/۱، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوۃ، الخ.
(۲) کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مطلب فی الاستیجار علی الطاعات: ۷۶/۹، انیس
(۳) فتاویٰ عزیزی جلداول: ۱۲۲، مجتبائی میں ہے۔
(۴) فتاویٰ عزیزیہ جلداول: ۹، مجتبائی، سعید
(۵) سورۃالبقرۃ: ۲۷۳، انیس

الجواب

قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے:

"کل طاعة یختص بها المسلم لایجوز الاستئجار علیها عندنا". (۱)

اور دلیل نقلی اس کی یہ ہے:

لقوله علیه الصلاة والسلام: "اقرؤوا القرآن ولاتأکلوا به". (۲)

اور عقلی یہ ہے:

"لأن القربة متٰی حصلت وقعت علی العامل ولهٰذا تتعین أهلیته فلایجوز له أخذ الأجرة من غیره، کما فی الصوم والصلاة". (هٰکذا فی الشامیة: ۵/۵۲)(۳)

اور متأخرین نے چند فروع کو اس کلیہ سے استحساناً بعلت ضرورۃ بقاء وحفظ شعائر دین مستثنٰی ومخصوص کرلیا ہے۔

فی الدرالمختار، باب الإجارة الفاسدة: ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة والأذان، آه.

فی ردالمحتار: وقد ذکرنا مسئلة تعلیم القرآن علٰی استحسان، آه؛ یعنی للضرورة، آه. (۵/۵۳)(۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حرمۃ استیجار علی الطاعۃ ہے اور استثناء بعض فروع کا خلاف اصل مذہب بعلت ضرورت مذکورہ ہے، پس ماسوا فروع مذکور کے بقیہ طاعات کا حکم اپنی اصل پر رہے گا۔

قال فی الشامیة بعد العبارة الأولٰی المذکورة: وقد اتفقت کلمتهم جمیعًا علی التصریح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ماعلمته فهٰذا دلیل قاطع وبرهان ساطع علٰی أن المفتی به لیس هو جواز الاستئجار علٰی کل طاعة بل علٰی ماذکروه فقط مما فیه ضرورة ظاهرة تبیح الخروج عن أصل المذهب من طروالمنع فإن مفاهیم الکتب حجة ولومفهوم لقب علٰی ما صرح به الأصولیون بل هومنطوق فإن الاستثناء من أدوات العموم کماصرحوا به أیضًا، آه. (۵)

عبارت ہٰذا سے معلوم ہوا کہ ختم فی التراویح کی تصریح بہ خصوصیت نہ پایا جانا (اگر مسلم ہو) مضر حکم حرمۃ استیجار نہیں؛ کیوں کہ اولاً مفہوم مخالف روایات فقہیہ میں حجت ہے، ثانیاً بوجہ عموم صدر کلام کے سوی المستثنٰی کو اس ختم علی الاجرۃ کی

(۱) ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة ۹/۷٦، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) اقرؤو القرآن ... ولا تأکلوا به ولا تستکثروا. (مسند الإمام أحمد، حدیث عبد الرحمن شبل: ۳/۴۴۳، رقم الحدیث: ۱۵۷۵۸، انیس)

(۳) کتاب الإجارة، مطلب فی الاسئتجار علی الطاعة

(۴) کتاب الإجارة، مطلب مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة: ۹/۷۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۵) رد المحتار، کتاب الإجارة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة: ۹/۷٦، مکتبة زکریا، انیس

حرمۃ منطوق ومنصوص ہے، چناں چہ عبارت مذکورہ آنفا اس پر دال ہے اور اگر قواعد کلیہ کے بعد بھی ہر جزئی کی تصریح خصوصیت کے ساتھ ضروری ہوا کرے تو کسی مسکر جدید الترکیب کی حرمۃ پر ”کل مسکر حرام“ سے استدلال جائز نہ ہوگا، وھو باطل. دوسرے تلاوۃ لایصال الثواب جس کی حرمۃ استیجار بالخصوص مصرح ہے، اس کی تعلیل میں حرمت کی تقریر میں علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے:

”ویمنع القارئ للدنیا والأخذ والمعطی آثمان فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لایجوز؛ لأن فیه الأمر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال فإذا لم یکن للقارئ ثواب لعدم النیة الصحیحة فأین یصل الثواب إلی المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فی هٰذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة إلٰی جمع الدنیا إنا للّٰه وإنا إلیه راجعون“، آه. (کذافی الشامیة: ٥٣، من المجلد الخامس)(۱)

اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم فی التراویح میں جاری ہے۔ پس اشتراک علت سے یہ ختم بھی بالخصوص مصرح ہوگیا؛ کیوں کہ ختم تراویح میں بھی مقصود ثواب ہی ہے، ورنہ فی نفسہ شعائر دین سے نہیں اور لوگوں نے اس کو مکسبہ بنالیا ہے، پس اشتراک علۃ ثابت ہوگیا، بہرحال خصوصاً لیا جاوے، یا عموماً، پھر عموم میں مفہوماً لیا جاوے، یا منطوقاً، ہر طرح سے حرمت استیجار علی الختم ثابت ہوگئی اور اس سے زائد تصریح نہ ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت یہ رسم فاسد نہ ہوگی، ہر مصنف اپنے زمانہ کے مفاسد پر تنبیہ کیا کرتا ہے؛ لیکن جب دلیل حرمت کی قائم ہے تو ثبوت حکم متیقن ہے۔ اب باقی رہا جواب توجیہات جواز کا، سو جواز ہذا الختم کے لیے ضرورت کی یہ تقریر جو سوال میں مذکور ہے، محض فاسد ہے، جس کا منشا سوء تدبر ہے اور بنا بر ضرورت مزعومہ کے اس کو تعلیم قرآن پر قیاس کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے؛ کیوں کہ تعلیم قرآن خود باعتبار اصل وضع کے موقوف علیہ ہے تعلیم کا، جو موقوف علیہ ہے، پس حفظ کا بحسب اس قاعدہ کے کہ موقوف علیہ کا موقوف علیہ موقوف علیہ ہوتا ہے، تعلیم موقوف علیہ ہے حفظ کا اور باعتبار عارض عادۃ کے، یہ تعلیم موقوف ہے اخذ اجرت پر، پس اخذ اجرت موقوف علیہ ہوا حفظ کا، بخلاف ختم مقیس کے کہ وہ باعتبار اصل کے موقوف علیہ نہیں ہے حفظ کا؛ بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ خود حفظ موقوف علیہ ہے ختم کا، چناں چہ بدیہی ہے، پس حفظ کا توقف ختم پر ثابت نہ ہوا، غایت مافی الباب ختم بواسطہ حفظ کے موقوف ہوا اس اجرت پر جو بعوض تعلیم لی جاتی ہے، سو اس کا جواز مفتی بہ ہے اور ختم بلاواسطہ حفظ گو اسی اجرت پر موقوف ہے، جو بمقابلہ ختم لی جاتی ہے؛ لیکن تعلیم پر قیاس اس لیے جائز نہیں کہ ختم مثل حفظ کے مہمات دین سے نہیں، چناں چہ فقہا نے اس کی سنت ہونے کی تصریح کی ہے؛ بلکہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر قوم پر ختم ثقیل ہو تو اس کا ترک افضل ہے۔

(۱) ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم عدم جواز الاستیجار علی التلاوة والتهلیل ونحوها مما لا ضرورة إلیه: ۷۷/۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

فی الدر المختار ورد المحتار: والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثاً أفضل ولا يترک الختم لكسل القوم لٰكن فی الاختيار: الأفضل فی زماننا قدر مالايثقل عليهم وأقره المصنف وغيره (إلٰى قوله) ومن لم يكن عالمًا بأهل زمانه فهو جاهل، آه. (قوله: الأفضل فی زماننا) لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراء ة (إلٰى قوله) ولِهٰذا قال فی البحر: فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة لٰكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً فی زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (۷۳۹/۱)(۱)

ان روایات سے اس کا ضروریات دین سے نہ ہونا ظاہر ہے۔ پس جب ختم ضروریات سے نہ ہوا تو اس کا توقف جس اجرت پر بعارض عادت مثبت ومسلم ہو، اس کا جواز علت ضرورت سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے؛ بلکہ ایسی حالت میں اس ختم ہی کا اہتمام چھوڑ دیا جاوے گا، چناں چہ قاعدہ فقہیہ مقررہ ہے:

"إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترک السنة راجحًا على فعل البدعة". (كذافی الشامية المجلد اول، ص: ٦٧١)(۲)

پس جب اس سنت کے ادا سے ایک بدعت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو اس سنت ہی کو ترک کردیں گے اور اگر کوئی شخص توقف حفظ علی الختم الموقوف علی الاجرۃ کی یہ توجیہ کرے کہ مراد توقف الحفظ علی تصور الختم بالاجرۃ وتوقعہ ہے، سو اولاً اس عادت کا فاشی اور شائع ہونا غلط ہے، ثانیاً تحصیل قرآن وحفظ کے وقت اکثر محصلین کو اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، اسی طرح اگر یہ توجیہ کی جاوے کہ بدون اجرت کے ختم نہ کریں گے اور بدون ختم کے محفوظ نہ رہے گا، سو اس کا بھی اولاً عادت فاشیہ ہونا غلط، ہزاروں بندگان خدا سامعین کو دے کر اپنے بقاء حفظ کے لیے پڑھتے ہیں۔ ثانیاً یہ توقف دونوں توجیہوں میں باعتبار اصل وضع کے نہیں ہے، جیسا تعلیم میں تھا؛ بلکہ اپنی سوء طمع سے ہے، اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو صوم وصلوٰۃ میں بھی اگر کسی زمان، یا مکان میں اشتراط اجرت ہونے لگے اور بدون اس کے کوئی نہ پڑھے تو چاہیے کہ اسی تقریر سے وہاں بھی اخذ اجرت کے جواز کا حکم کردیا جاوے، **وهو باطل بالاجماع والتنصيص من الشارع والفقهاء** اور تعلیم میں اس عادت کا اعتبار اس لیے کیا کہ تعلیم میں اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ دوسرے طریق سے اکتساب معاش نہیں کرسکتا اور ہر شخص فارغ البال ومرفہ الحال نہیں، بخلاف ختم متنازع فیہ کے اس سے معیشت کے دوسرے طرق مختل نہیں ہوتے؛ اس لیے عادۃً متعلقہ تعلیم شرعاً معتبر ومخفف حکم ہوگی اور عادۃ متعلقہ ختم معتبر ومخفف حکم نہ ہوگی، فافہم۔ اسی طرح اس ختم کو باب امامت میں داخل کرنے کا دعویٰ اور اس بنا پر اس کو مستثنیٰ سمجھنا

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح: ٤٩٧/٢-٤٩٨، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) رد المحتار: ٦٤٢/١

محض باطل ہے؛ کیوں کہ ختم نہ عین امامت ہے، نہ اس کا موقوف علیہ جزئیۃً، یالزوماً ہے: کیوں کہ امامت بلاختم بھی متحقق ہوتی ہے، کما ہومدرک بالحس۔پس دعویٰ استثنا کی اس بناپر گنجائش نہ ہوئی اورشاہ صاحب کے فتوے اولیٰ کواس سے کچھ بھی مس نہیں؛ کیوں کہ یہ توجیہ جس کی مخصوص ہے صورۃً ضرورت کے ساتھ اور جہاں ضرورۃً مذکورہ نہ ہو، وہاں یہ تأویل مقبول نہیں، ورنہ طاعت کی ایک فرد بھی نہ رہے گی، جس پر حرمت استیجار کا حکم کیا جاوے؛ کیوں کہ یہ تاویل ہر جگہ چل سکے گی، علی ہذا فتویٰ ثانیہ کواس سے کچھ تعلق نہیں؛ کیوں کہ اعانۃ علی الطاعۃ اور چیز ہے، گواس کومجازاً اجرت کہا جاوے اوراجرت علی الطاعۃ اور چیز ہے اورمشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس وقت جو رسم ہے، وہ حقیقۃ اجرت ہے، **کماهو ظاهروسيأتي قرينته عن الامام الاستاذ**، ونیزاجرت کوماؤل باعانت کرنا معلل ہے ضرورت کے ساتھ اور یہاں ضرورت نہیں کما مر اور یہ تأویل کہ یہ حسبۃً للہ پڑھتے ہیں، وہ حسبۃً للہ دیتے ہیں، الخ، بالکل انکار حسیات اورتاویل العمل بمالا یرضیٰ بہ العامل ہے، جوشخص ان فاعلین کے معاملہ کودیکھے گا، اس کو ہرگز شبہ نہ رہے گا کہ مقصود اصل اجرت ہے اور ایسی تصریح کہ فعل کے خلاف ہو اور متعاقدین کے نزدیک غیر مقصود ہو، ہزل محض ہے، جوشرعاً بجز مستثنیات معدودہ کے قابل اعتبار نہیں۔

قال الإمام الأستاذ: لايطيب والمعروف كالمشروط اهـ قلت: وهٰذا مما يتعين الأخذبه في زماننا لعلمهم أنهم لايذهبون إلا بأجر البتة. (كذا في الشامية،المجلد الخامس،ص:٥٢)(١)

في تقرير مسئلة أخرىٰ أوردناها احتجاجا بالعلة اوربعض بزرگوں سے یہ توجیہ نقل کی گئی ہے: ان کے زمانہ میں ممکن ہے کہ نیات میں اس قدر فساد نہ ہوگا، ورنہ اس توجیہ کا غیر مقبول ہونا ظاہروباہر ہے اورحدیقہ میں جو بحر کی عبارت منقول ہے، اس کی نسبت شامی میں ردامنقول ہے۔

وقد اغتر بما في الجوهرة صاحب البحر في كتاب الوقف وتبعه الشارح في كتاب الوصايا حيث يشعر كلامهما بجواز الاستئجار علىٰ كل الطاعات ومنها القراء ة وقدرده الشيخ خيرالدين الرملي في حاشية البحرفي كتاب الوقف حيث قال: أقول المفتي به جواز الأخذ استحساناً علىٰ تعليم القرآن لا على القراء ة المجردة، كماصرح به في التاتارخانية،إلخ. (٥/٥٣)(٢)

اورحسب قواعدرسم المفتی بہ چوں کہ یہ مرجوح ہے، لہٰذا اس پر عمل جائز نہ ہوگا اور عالمگیری میں جوعبارت ہے، اس کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے:

والصواب أن يقال علىٰ تعليم القرآن، فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراء ة المجردة فإنه

---

(١) كتاب الإجارة،مطلب في الاستئجارعلى المعاصي

(٢) ردالمحتار، كتاب الإجارة،مطلب:تحريرمهم في عدم جواز الاستيجارعلى التلاوة:٧٧/٩،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

لاضرورة فيها فإن كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلايقبل وقد أطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستندًا إلى النقول الصريحة(إلى آخر ما قال).(۵/۵۲)(۱)

اسی طرح بعض نے جواز القراءۃ علی القبر سے جواز استیجار پر استدلال کیا ہے اس کی بھی تغلیط محققین نے کی ہے

قال الشامي: وفيه رد أيضًا على صاحب البحر حيث علل البطلان بأنه مبني على القول بكراهة القرآن على القبر وليس كذلك، بل لما فيه من شبه الاستئجار على القراءة كما علمت، وصرح به في الاختيار وغيره، ولذا قال في الولوالجية ما نصه: ولو زار قبر صديق أو قريب له و قرأ عنده شيئًا من القرآن فهو حسن أما الوصية بذلك فلا معنى لها، ولا معنى أيضًا لصلة القارئ، لأن ذلك يشبه استئجاره على قراءة القرآن وذلك باطل، ولم يفعل ذلك أحد من الخلفاء.(۵/۵۳)(۲)

ایک مقام پر شامی نے کہا ہے:

"ولاضرورة في استئجار شخص يقرأ على القبر وغيره، اه.(۵/۶۷۷)(۳)

اس "غیرہ" کے لفظ میں غیر قراءۃ علی القبر بھی داخل ہے، جو تراویح کو بھی شامل ہے۔ حاصل جواب یہ ہوا کہ رواج مذکور فی السوال محض باطل اور مخالف شرع ہے اور ایسا ختم ہرگز موجب ثواب نہیں؛ بلکہ موجب معصیت ہے۔ واللہ اعلم

رابع ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۴۰) (امداد الفتاویٰ: ۱/۴۷۱-۴۸۱)

سوال: سلام مسنون! سوالات ذیل بطور استفتا روانہ خدمت ہیں جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیے۔

(۱) اس قصبہ میں عام طور سے اکثر مساجد میں نماز تراویح باجماعت تمام رمضان المبارک ہوتی ہے؛ لیکن حافظ جوان تراویحوں میں امام بن کر ختم کلام شریف کرتے ہیں، بدون عوض نقدی نہیں ملتے۔

(۲) حفاظ کو معاوضہ دینے کی یہاں دو صورتیں رائج ہیں، اکثر تو قبل شروع تراویح معاملہ صاف صاف کر لیتے ہیں؛ لیکن زیادہ تعداد ایسے حافظوں کی ہے، جو تعیین عوض نہیں کرتے؛ بلکہ جس روز کلام شریف ختم ہوتا ہے مقتدیان نماز تراویح بطیب خاطر و برغبت حافظ صاحب کو نقدی ۸/ پیش کرتے ہیں، جس کو حافظ صاحب حلوائے بے دودھ کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔

(۳) ایک صورت یہ بھی مستعمل ہے کہ محلّہ کا رئیس، یا کوئی ذی مقدرت شخص ایک حافظ کو محض ختم کلام شریف کے واسطے اپنی مسجد میں متعین کرتا ہے اور اس کی خدمت نقدی معاوضہ سے اپنی جیب خاص سے پوری کرتا ہے، مقتدیوں کو کچھ نہیں دینا پڑتا ہے۔

(۱-۲) رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۹/۷۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار

(۴)　رسالہ اصلاح الرسوم مؤلفہ آں مخدوم کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ طاعت الٰہی پر اجرت نہیں ہے۔ لٰہذا مسئلہ بالا میں کون سی صورت بغرضہ جواز اقتداء امام ماجور اختیار کی جاسکتی ہے؟

(۵)　جب کہ حفاظ ماجور کی وبا عالمگیر ہوتو محض بیس رکعت نماز تراویح باجماعت جن میں چند سورتیں کلام پاک کی پڑھ لی جایا کریں، افضل اورانسب ہے بہ نسبت اقتدا ان حفاظ ماجور کے؟

(۶)　اگرحافظ صاحب سے نہ قبل از تراویح معاملہ کی جاوے اور نہ اختتام کلام پاک پران کواجرت دی جاوے؛ بلکہ تمام سال کے اندر بغیر تعیین تاریخ ان کی کما حقہ نقدی سے خدمت کردی جاوے تو کیا یہ نقدی معاوضہ لینا حافظ کو جائز ہے اور ایسے حافظ کی اقتدا کی جاسکتی ہے۔

(۷)　ایک محلّہ میں نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہے؛ لیکن اس میں ختم کلام شریف حسب رواج نہیں ہوتا؛ لیکن صرف ﴿الم تر کیف﴾ سے آخر تک کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔ پس ان دو شخصوں میں سے کس کا فعل افضل ہے؟ آیا اس شخص کا جو اپنے محلّہ کی ایسی نماز تراویح میں شریک ہوتا ہے، یا دوسرے شخص کا جو دوسرے محلّہ میں کرایہ دار حافظ کے پیچھے اقتدا کر کے ختم کلام شریف پر فخر کرتا ہے۔

(۸)　اگرکسی شہر میں حسن اتفاق سے کسی خاص مسجد میں کوئی حافظ محض بہ نیت ثواب بلا کسی معاوضہ نقدی کے کلام پاک نماز تراویح میں ختم کرتا ہے تو ایسی حالت میں دوسری مساجد میں نماز تراویح صرف ﴿الم تر کیف﴾ سے باجماعت قائم کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ (۱) جب کہ وہ مسجد اس محلّہ میں نہ ہو، (۲) جب کہ وہ مسجد دوسرے محلّہ میں ہو؟

الجواب

چوں کہ تراویح میں قرآن سننا منجملہ مقاصد دینیہ ہے اور سلف سے اس کا اہتمام متوارث ہے اور وہ آج کل بوجہ فساد زمان کے مخلص ختم سنانے والوں سے کم میسر ہوتا ہے، اگر ایسے حفاظ کے ساتھ قرآن نہ سنا جاوے تو یقیناً بعض مقامات پر بعض لوگ عمر بھر اجتماع ختم قرآن سے محروم رہیں؛ اس لیے سننے والوں کو مضطر سمجھا جاوے گا اور شرعی قاعدہ ہے کہ اضطرار جالب تیسیر ہے؛ اس لیے اگر ممکن ہو تو ان سننے والوں کے حق میں اس فعل کی کچھ تاویل کرنا مناسب ہے اور یہاں یہ تاویل(۱) ممکن ہے کہ اس اجرت کو (خواہ وہ مشروط ہو، یا معروف ہو کہ وہ بھی حکم مشروط میں ہے (یہ معاملہ

(۱)　اس کے بعد ۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ کو ایک فتویٰ اس کے علی الاطلاق ممنوع ہونے کا لکھا گیا ہے (یہ فتویٰ سوال:۴۰۹ پر درج ہے۔سعید) جس میں بناء تاویل کا جواب بھی ہے اور وہ بنا اس ختم کا مقاصد دینیہ سے ہونا ہے اور وہ جواب جو کہ خلاصہ ہے اس فتوے کا، یہ ہے کہ جہاں فقہا نے ایک ختم کو سنت کہا ہے، جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو، وہاں ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ دے۔ پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لیے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی تو استیجار علی الطاعۃ کا محذور اس سے بڑھ کر ہے، اس سے بچنے کے لیے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ لے، آہ۔　==

امامت کے کہا جاوے گا، جس کو متأخرین نے جائز رکھا ہے اور چوں کہ ختم سنانے والا مضطر نہیں ہے، اس کے حق میں اس تاویل کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ پس اس کے حق میں یہ اجرت بحالہا نادرست رہے گی۔ اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہوگیا، اگر کسی خاص (سوال سے) اس کا انطباق ظاہر نہ ہوتو مکرر پوچھ لیا جاوے۔ (مگر یہ پرچہ بھی واپس آوے۔)

۸؍رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (حوادث: ۱/۲-۱۱۶)

نوٹ: حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ، ص: ۱۱۸ میں استماع قرآن من الحافظ الاجیر کا مسئلہ ہے، اس کی سطر: ۹ پر ایک حاشیہ ہے (یہ حوالہ سوال بالا حاشیہ کے متعلق ہے) وہ ملاحظہ فرمالیا جاوے اور تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ، ص: ۱۶۲، میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق ہے، اس کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ (ترجیح ثالث، ص: ۲۳۴)

سوال (۱) حافظ جو تراویح میں سنائے، اس کو دینا بھی جائز ہے، یا لینا دینا دونوں ناجائز؟

(۲) اور اگر بلا اجرت حافظ نہ ملے تو اجرت پر مقرر کرے، یا ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح پڑھ لے؟

(۳) اور جب امامت پر اجرت جائز ہے تو تراویح میں ایک قرآن بھی تو سنت مؤکدہ ہے، اس پر اجرت کیوں ناجائز؟

الجواب

(۱) میں تو ناجائز سمجھتا ہوں۔(۱)

(۲) میں تو ﴿الم تر کیف﴾ سے بتلا دیتا ہوں۔

(۳) جہاں فقہا نے ایک ختم کو سنت کہا ہے، جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو، وہاں ﴿الم تر کیف﴾ وغیرہ سے پڑھ دے۔ پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لیے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی تو استیجار علی الطاعۃ کا محذور اس سے بڑھ کر ہے، اس سے بچنے کے لیے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ ﴿الم تر کیف﴾ سے پڑھ لے اور اسی سے نمبر: ۲ کی وجہ بھی معلوم ہوگئی ہوگی۔

۱۰؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۶۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۸۱-۴۸۴)

حکم اجرت بر سماع قرآن:

سوال: سماعت قرآن کی اجرت اور قرأت قرآن کی اجرت میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام اور اول حلال؟

== چوں کہ یہ فتویٰ بعد کا ہے مجیب کے نزدیک عمل کیلئے یہی متعین ہے باقی فتوی سابق کا نقل کر دینا اس خیال سے ہے کہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کی بناؤں پر غور فرمالیں اور جو راجح ہو اس پر فتویٰ دیں ممکن ہے کہ مجیب احقر کی نظر قاصر رہی ہو۔ منہ عفی عنہ

(۱) یعنی لینا دینا دونوں۔ سعید

الجواب

سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا، بتلاوے گا، پس یہ تعلیم ہے اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے، بخلاف قرأت کے اس میں تعلیم مقصود نہیں؛ اس لیے کلیہ حرمت اجر علی الطاعت میں داخل رہے گا۔(۱) فقط واللہ اعلم

۱۱/رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد: ۶۱/۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۹۶/۱)

تراویح میں قرآن مجید سنانے پر معاوضہ لینا:

سوال: حافظوں کو نماز تراویح میں قرآن اُجرت پر سنانا اور اُجرت مقرر کی ہو، یا نہ کی ہو لینا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ اجرت لینا منع ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جیسے اجرت اذان واقامت وامامت پر درست ہے، ویسے ہی قرآن سنانے پر درست ہے۔ صحیح کس طور پر ہے؟

الجواب

حافظوں کو اجرت پر قرآن سنانا حرام ہے اور اجرت بھی ناجائز ہے۔(۲) اذان واقامت اور تعلیم وعظ اس کو متأخرین نے بوجہ ضرورت استثنا کیا ہے۔ قرآن سنانے میں کوئی ضرورت نہیں، جس نے قرآن سنانے کو اذان پر قیاس کیا ہے، وہ غلط ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۴)

تراویح پڑھانے والے کی اجرت اور شبینہ کا حکم:

سوال: تراویح میں قرآن شریف سنانے والے حافظ کو اجرت دینا جائز ہے، یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو تعین کے ساتھ، یا بلا تعین؟ شبینہ ایک رات میں کرنا جائز ہے، یا تین راتوں میں؟

(المستفتی: ۳۰۲، حافظ محمد عزیز اللہ اجمیر، ۱۸/صفر ۱۳۵۳ھ، مطابق ۲/جون ۱۹۳۴ء)

الجواب

بلا تعین دے دیا جائے اور نہ دینے پر کوئی شکوہ شکایت نہ ہو تو یہ صورت اجرت سے خارج اور حد جواز میں داخل ہو سکتی ہے۔ شبینہ کی دونوں صورتیں بوجہ ان عوارض کے جو پیش آتے ہیں اور تقریباً لازم ہیں، مکروہ ہیں۔(۳) اگر پڑھنے والا اور سننے والے سب کے سب مخلص ہوں اور بہ نیت عبادت شوق سے پڑھیں اور سنیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳۹۴/۳-۳۹۵)

(۱-۲) قال رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم: اقرؤوا القرآن ... ولاتأكلوا به.(مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

(۳) ويجتنب المنكر هذرمة القراءة.(الدرالمختار، مبحث التراويح: ٤٧/٢، ط: سعيد)

اجرت لے کر قرآن سنانے کا حکم:

سوال: امام مسجد اگر حافظ نہ ہو اور مصلیان رمضان میں قرآن شریف سننے کے شائق ہوں تو کسی حافظ کو چندہ سے، یا مسجد کی آمدنی سے جو مسجد کے اخراجات سے زائد ہو، یا امام خود اپنی تنخواہ دے کر قرآن شریف پڑھواوے تو یہ دینا اور لینا جائز ہوگا، یا نہیں؟ یا امام حافظ ہو؛ لیکن کسی عذر سے قرآن نہیں سنا سکتا تو ایسی صورت میں اجرت دے کر سننا کیسا ہے؟ سامع اور قاری کا ایک ہی حکم ہے، یا جدا؟ اور حافظ کو اجرت طے کئے بغیر مال زکوٰۃ سے دیں تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اجرت دے کر قرآن شریف سننا شرعاً جائز نہیں۔(۱) لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہیں، اور اگر بغیر تعیین اجرت سنا جاوے اور ختم قرآن کے بعد بطور تبرع دیا جائے تو اصح قول کی بنا پر یہ صورت بھی ناجائز ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دینا اگر مصرف زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے خیال سے دیا جائے تو یہ جائز ہے، اس وقت زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ لیکن اگر قرآن شریف سنانے کے مقابلہ میں اس کو زکوٰۃ دی گئی تو پھر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، علیٰ ھذا، اگر امام مصرف زکوٰۃ نہ ہو، اس وقت بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوں گے۔(۲) فقط

خلیل احمد بقلم ضیاء احمد، ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱۲۲/۳-۱۲۳)

اجرت لے کر تراویح پڑھانا:

سوال: متعلقہ اجرت تراویح۔

الجواب

اجرت دے کر قرآن شریف تراویح میں پڑھوانا درست نہیں۔(۳) اگر بے اجرت لیے ہوئے پڑھنے والا حافظ نہ ملے تو سورت تراویح پڑھنا بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۰۹/۳)

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤو القرآن ... وتأكلوا به. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث عبد الرحمن: ٤٤٣/٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

(۲-۳) وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز وأن الأخذ والمعطى آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز. (ردالمحتار: ٤٩٢/١) (باب قضاء الفوائت، مطلب: فى بطلان الوصية بالختمات والتهاليل: ٥٣٤/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

والاستيجار علىٰ مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة وإنما تنازعوا فى الاستئجار على التعليم. (رد المحتار: ٣٥/٥) (كتاب الإجارة، مطلب: تحريرمهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ٧٨/٩، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

تراویح میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینا:

سوال: رمضان میں حافظ لوگ رقم متعین کرتے ہیں، مثلاً: اس طرح اگر ہم کو ساٹھ، یا ستّر روپیہ دے دیں تو ہم نماز پڑھائیں گے، ورنہ نہیں۔ اس طرح متعین کرنا درست بھی ہے، یا نہیں؟ اس طرح متعین کرنے والے کے پیچھے نماز تراویح جائز ہے، یا نہیں؟ نیز نابالغ لڑکا مثلاً سات، یا آٹھ سالہ تراویح نماز کے لیے کھڑا کر دیا جائے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کر لینا خواہ صراحۃً ہو جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں یا بطور عرف و عادت ہو جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے۔ دونوں صورتوں میں جائز نہیں، (۱) اور تحقیق اس معاملہ کی یہ ہے کہ اصل مذہب میں مطلقاً عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، خواہ کوئی عبادت ہو؛ لیکن حضرات متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کلیہ سے چند چیزیں استثنا کی ہیں اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ استثنا انہیں چیزوں میں ہے۔ باقی عبادات وطاعات اپنے اصلی حکم پر ہیں کہ ان میں اجرت لینا جائز نہ ہوگا اور ان مستثنیات میں ختم قرآن در تراویح کو کسی نے شامل نہیں فرمایا؛ اس لیے اس پر اجرت لینا اسی طرح ناجائز رہے گا۔

قال فی الدر المختار من کتاب الإجارة: ولا تصح الإجارة لعسب التیس (إلی قوله) ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعلیم القرآن والفقه ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة و الاذان، انتهٰی.

قال الشامی: وقد ذکرنا مسئلة تعلیم القرآن علٰی استحسان، آه؛ یعنی للضرورة. (۳۷۵/۵)(۲)

ثم قال الشامی بعد ذلک بأسطر: وقد اتفقت کلمتهم جمیعاً علی التصریح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ماعلمته فهٰذا دلیل قاطع وبرهان ساطع علٰی أن المفتی به لیس هو جواز الاستئجار علٰی کل طاعة، بل علٰی ماذکروه فقط مما فیه ضرورة ظاهرة تبیح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع فإن مفاهیم الکتب حجة ولو مفهوم لقب، انتهٰی. (ردالمحتار، کتاب الإجارة: ۳۸/۵)(۳)

ثم قال بعد ذلک نقلاً عن شرح الهدایة للعینی: ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی

---

(۱) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اقرؤو القرآن ... وتأکلوا به. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث عبد الرحمن: ۴۴۳/۳، رقم الحدیث: ۱۵۷۵۸، انیس)

(۲-۳) رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم عدم جواز الاستیجار علی التلاوة: ۷۷/۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

آثمان فالحاصل أن ماشاع فی زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لایجوز؛لأن فیه الأمربالقراء ة وإعطاء الثواب للآمر والقراء ة لإجل المال فإذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فأین یصل الثواب إلی المستاجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فی هٰذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسباً ووسیلة إلٰی جمع الدنیا. إنّا لِلّٰہِ وَإنّا إلَیْهِ رَاجِعُوْنَ،انتهیٰ. (ردالمحتار: ۳۸/۵)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاء متأخرین نے جو امامت اور تعلیم القرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے تو اس وجہ سے کہ ضرورت شرعیہ ہے کہ اس کے بغیر فرائض کا تعطل لازم آجاتا ہے۔ تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا فرض وواجب نہیں کہ اس کو تعلیم اور امامت پر قیاس کیا جائے؛ بلکہ سنت ہے اور اس میں بھی فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پورا ختم قرآن کرنے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی نوبت آتی ہو اور لوگ بوجہ سستی کے شرکت تراویح ہی سے باز رہتے ہوں تو پورا ختم قرآن کرنا مناسب ہی نہیں۔

لما قال صاحب الدرالمختارفی باب التراویح: والختم مرة سنة...ولا یترک الختم لکسل القوم؛ لکن فی الإختیار:الأفضل فی زماننا قد ر مالا یثقل علیهم،وأقره المصنف وغیرهم (إلٰی قولہٖ)ومن لم یکن عا لماً بأهل زمانه فهو جاهل،انتهیٰ.

قال الشامی:(قوله: الأفضل فی زماننا،إلخ) لأن تکثیرالجمع أفضل من تطویل القراء ة(إلٰی قولہٖ)ولهٰذا قال فی البحر:فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة لکن لایلزم منه عدم ترکه إذا لزم منه تنفیرالقوم وتعطیل کثیرمن المساجدخصوصاً فی زماننا فالظاهر اختیار الأخف علی القوم. (ردالمحتار،المجلدالأول، باب التراویح)(۱)

عبارات مذکرہ سے معلوم ہوا کہ تراویح میں ختم قرآن کرنا واجب نہیں؛ بلکہ سنت ہے اور سستی قوم کے عذر سے چھوڑ دینا بھی جائز ہے؛اس لیے ختم کی ضرورت کو ضرورت امامت، یا ضرورت تعلیم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اگر کوئی شخص بلا اجرت پڑھنے والا نہ ملے تو جس قدر سورتیں محلّہ والوں کو یاد ہوں، ان سے تراویح پڑھنا اس سے بہتر ہوگا کہ اجرت دے کر کسی سے پڑھوائیں۔ یہ سب اس وقت ہے کہ جب کہ لینا دینا باضابطہ طے ہوجائے، یا عادتاً طے ہوجانا سمجھا جاتا ہو اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں کہ لینے کی غرض سے نہ پڑھتا ہو اور دینے والے بھی بطور ہدیہ غیر ضروری سمجھ کر دیتے ہوں، اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو کسی کو شکایت نہ ہو تو ایسا دینا بلا شبہ جائز؛ بلکہ باعث اجر ہے اور اس کا لینا بھی جائز ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ امام اور قاری کی خدمت کی جائے۔

مگر کوئی معمول مقرر نہ کیا جائے کہ ختم کے وقت دیں گے، یا پہلے؟ اور نقد دیں گے، یا کوئی اور چیز؟ تاکہ اس کو انتظار کی صورت قائم نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۲/ ۳۱۳-۳۱۵)

---

(۱) رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مبحث:صلاة التراویح: ۴۹۷/۲-۴۹۸،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

اجرت دے کر تراویح میں قرآن شریف پڑھانا:

سوال: عموماً تمام حفاظ ہمارے صوبہ بہار میں اجرت لے کر رمضان المبارک میں ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اجرت دے کر قرآن پاک سننے میں ثواب ہے، یا نہیں؟ اور مقتدیوں کی نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟ اور اجرت دے کر قرآن مجید سننے سے بلا اجرت سورت تراویح پڑھنی بہتر وافضل ہے، یا نہیں؟ جواب باصواب سے ممنون ومشکور فرمایا جاوے۔(والأجر عند الله جزيل)

الجواب

قال العينى فى شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا والآخذ والمعطى آثمان ... وقال الشيخ خيرالدين الرملى فى حاشية البحر: أقول: المفتى به جواز الأخذ استحساناً علىٰ تعليم القرآن لا علىٰ القراء ة المجردة، كما صرح به فى التاتارخانية.(۱)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اجرت لے کر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا گناہ ہے؛(۲) اس لیے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے بیس رکعت پڑھ لینا، بلا شبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن پڑھوائیں؛ کیوں کہ پورا قرآن تراویح میں پڑھنا مستحب ہے اور اجرت دے کر قرآن پڑھوانا اور پڑھنا گناہ ہے اور گناہ سے بچنا بہ نسبت مستحب پر عمل کرنے کے لیے زیادہ ضروری ہے؛ البتہ اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں نماز ہوگئی، اگر چہ مکروہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۳۱۵/۲)

تراویح پر اجرت:

سوال: اجرت پر تراویح سنانا کیسا ہے اور اس طرح نماز درست ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

اگر حافظ رمضان شریف کے اندر قرآن سنانے پر کوئی مقدار شرط کرتا ہے، یا اگر مقتدی اس کو کچھ نہ دیں، یا کم دیں تو جھگڑتا ہے، قرآن سنانا بند کر دیتا ہے، اگر چہ شرط زبانی نہیں کرتا؛ مگر معاملہ ایسا ہی کرتا ہے تو اس صورت میں اس کا رقم لینا جائز نہیں۔(۳) نماز ادا ہو جائے گی؛ مگر وہ فضیلت قرآن کے سننے اور سنانے کی حاصل نہ ہوگی اور اگر حافظ نے کوئی شرط

(۱) رد المختار، كتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸/۵

(۲) قال رسول اللّٰه صلى الله عليه و سلم: "اقرؤوا القرآن ... ولا تأكلوا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ۴۴۳/۲، رقم الحديث: ۱۵۷۵۸، انيس)

(۳) ويمنع القارى للدّنيا والأخذ والمعطى اثمان. (ردالمحتار: ۵۶/۶)

زبانی، یا عملی نہیں کی، اخلاص سے لوجہ اللہ سناتا ہے اور مقتدی اس کو بلا طلب کچھ دیتے ہیں، خواہ کم ہو، یا زیادہ تو اس کو لینا جائز ہے اور کسی کی نماز اور ثواب میں کوئی خلل نہیں؛ بلکہ مقتدیوں کو مزید ثواب کی امید ہے۔

(مکتوبات:۴/۵۰) (فتاویٰ شیخ الاسلام:ص۵۵-۵۶)

تراویح اور معین نذرانہ:

سوال: ایک ایسا حافظ ہے، جو بغیر نذرانہ نماز تراویح پڑھانے کو تیار ہے، دوسرا حافظ ہے، جو نذرانہ معینہ لے کر تراویح پڑھانا چاہتا ہے۔ افضلیت کس کو ہے اور حق تراویح پڑھانے کا کس کو ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ان دونوں حفاظ میں سے جو بلا معین نذرانہ تراویح پڑھاوے، اس کو امام تراویح بنانا بہتر ہے اور اگر بلا نذرانہ پڑھانے پر دونوں راضی ہوں تو متولی کو اختیار ہے، جس کو ترجیح دے، یا دونوں یکے بعد دیگرے پڑھاویں اور اگر بغیر تعین نذرانہ کوئی پڑھانے پر راضی نہ ہو تو امام مسجد سورۂ تراویح پڑھائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۹)

تراویح میں قرآن مجید سننے والے کی اجرت:

سوال: جس حالت میں قرآن مجید کا سننا لازم ہوا تو اس ضرورت کے ادا کرنے کے واسطے حافظ کو کچھ اجرت کے طور پر ٹھہرا کر دینا کیسا ہے؟ اگر حافظ کو نہ دیا جائے تو سامع کو کچھ اجرت کے طور پر دینا کیسا ہے۔ اگر حافظ کو نہ بھی دیا جاوے تو سامع بغیر لیے نہیں مانتے اور بغیر سامع کے صرف حافظ کے پڑھنے میں شک رہتا ہے اور اکثر بعض بعض الفاظ رہ جاتے ہیں؛ بلکہ آیت رہ جاتی ہے اور تنہا حافظ کو اس کا پتہ نہیں چلتا تو مجبوراً سامع کو اجرت دی جاتی ہے اور سامع پہلے ٹھہرا لیتے ہیں، پس بہتر کیا ہے؟ آیا ﴿الم تر کیف﴾ سے ہی روزانہ تراویح ادا کر لی جاویں، یا سامع کو بطور اجرت کچھ دے دیا جاوے اور جو مصلحتیں اول سے آخر تک قرآن شریف کے سننے میں ہیں، وہ حضور کو معلوم ہیں، اظہار کی چنداں ضرورت نہیں اور اس وقت کے حفاظ کی حالت بھی زمانہ کے موافق ظاہر ہے، پس سب امورات پر نظر فرما کر جو حکم ہو، اس سے مفصل اور مشرح طور پر آگاہی بخشئے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

تراویح میں جو کلام اللہ پڑھے، یا سنے، اس کی اجرت دینا حرام ہے، جب اجرت کا دینا حرام ہوا تو ﴿الم تر کیف﴾ سے ہی پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۲۴-۳۲۵)

پیسے لے کر قرآن سننا:

سوال: زید حافظ قرآن ہے اور وہ ہر سال تراویح میں قرآن سناتا ہے اور اپنے قرآن سنانے کا وہ روپیہ؛ یعنی ہدیہ بھی لیتا ہے، گذشتہ رمضان میں ختم قرآن کے دن ایک صاحب نے غیر ضروری شوشہ چھوڑا کہ قرآن سنانے کے پیسے لینا جائز نہیں اور اگر زید اگلے سال روپیہ لے کر قرآن سنانے کی بات کرے گا تو ہم زید کے پیچھے قرآن نہیں سنیں گے، جب کہ زید کہتا ہے کہ ہم اپنے قیمتی وقت اور محنت کے پیسے لیتے ہیں؟ (مولوی محمد رہبر عالم، رعدی، ہوڑ گی، بہار)

الجواب

تراویح میں قرآن مجید سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں،(۱) اجرت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص تراویح سے پہلے، یا تراویح پڑھانے کے بعد معاوضہ کا مطالبہ کرے، یا اسی امید پر پڑھائے کہ لوگ اجرت ادا کریں گے، اگر اس کی امید نہ ہوتی تو نہ پڑھاتا۔ ہاں اگر مطالبہ بھی نہیں تھا اور دل میں یہ خیال بھی نہ تھا کہ اگر اجرت نہیں ملے گی تو نہ پڑھاؤں گا، حافظ کے زبان و دل سے انکار کے باوجود لوگوں نے تحفہ پیش کر دیا تو اب اس کے قبول کر لینے کی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ نہ اس میں طلب ہے اور نہ اشراف، قرآن کا سنانا عبادت ہے اور عبادت کے ادا کرنے میں جو محنت لگے اور وقت صرف ہو، اس کی اجرت لینا جائز نہیں، پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ تراویح میں ختم قرآن ضروری نہیں اور اسی پر تراویح کا درست ہونا موقوف نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۱۵-۴۱۶)

معاوضہ کی نیت ہو اور زبان سے نہ کہے تو کیا لین دین ناجائز ہے:

سوال: قیام رمضان میں ختم قرآن شریف کے غرض سے حافظ قاری کو لینے دینے کی نیت سے قرآن شریف سننا سنانا اور بعد میں لینا دینا کیسا ہے؟ نیت دونوں کی لینے دینے کی ہوتی ہے، بغیر اس کے کوئی سنتا سناتا نہیں۔ اگر کسی مسجد میں قرآن شریف نہ سنا جاوے اور محض تراویح پڑھنے پر اکتفا کیا جاوے، تو وہ لوگ فضیلت قیام رمضان سے محروم ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب

اجرت پر قرآن شریف پڑھنا درست نہیں ہے اور اس میں ثواب نہیں ہے اور بحکم "المعروف کالمشروط" جن کی نیت لینے دینے کی ہے، وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے اور ناجائز ہے۔(۲) اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے اور صرف تراویح ادا کر لینے سے قیام رمضان کی فضیلت حاصل ہو جاوے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۴۶)

---

(۱) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰه علیه و سلم: "اقرؤوا القرآن ... ولا تأكلوا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٢، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انيس)

(۲) "وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز و الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية: ٦٨٧/١، ظفير)

بشرط ختم قرآن ماہ رمضان میں نماز پنجگانہ پڑھانے کے لیے امام کے تقرر کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے ایک مستند عالم سے بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ تراویح ماہ رمضان قرآن با اجرت پڑھوانا اور سماعت کرنا ایسے قرآن کے متعلق علماء کا کیا حکم ہے؟ عالم موصوف نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اجرت پر تراویح میں قرآن پڑھاوانا اور سماعت کرنا ناجائز ہے؛ مگر امام مسجد اجرت پر مقرر کر کے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اب ان صاحب نے جنھوں نے یہ فتوی حاصل کیا تھا بمشورہ دو تین اصحاب کے جن میں سے کوئی شخص عالم نہیں ہے، اپنی رائے سے حسب فتوی آخر الذکر؛ یعنی تقرر امام کے ایک حافظ کو پچیس روپے اجرت پر صرف ماہ مبارک کے واسطے؛ یعنی رویت ہلال ماہ رمضان سے رویت ہلال ماہ شوال تک بہ حیثیت امام مقرر کیا کہ وہ پانچوں وقت کی نماز بہ حیثیت امام مسجد پڑھایا کریں؛ لیکن نماز تراویح میں ایک، یا سوا پارہ پڑھا کریں، حافظ نے اس شرط کو منظور کر لیا، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جب تراویح میں قرآن شریف پڑھانا مشروط ہے تو جواز کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے، اگر یہ شرط نہ ہوتی؛ بلکہ فقط امام مسجد مقرر کرتے اور قرآن شریف اپنی خوشی سے بلا کسی معاوضہ کے پڑھائے تو جائز ہو سکتا تھا۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ

نوٹ: یہ جواب اس وقت ہے کہ یہ شرط صلب عقد اجارہ میں ہو اور اگر خارج عقد محض وعدہ ہے تو مضائقہ نہیں۔ فقط

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۵؍ رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲؍ ۲۷۸-۲۷۹)

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کے لیے حیلہ کا ابطال:

سوال: اگر زید کو کوئی شخص بغیر اجرت طے کئے ہوئے اپنی خوشی سے دس پانچ روپے دیوے، یا ایک ماہ کے لیے امام مقرر کر کے کچھ اجرت دیوے، اس طور سے عندالشرع اجرت حلال ہوگی، یا نہیں؟ اور امامت کی صورت میں تو حلال ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں معلوم ہوتا؛ کیوں کہ علماء متاخرین نے امامت کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ تفصیل وار تحریر کیجئے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے، جب امامت ہی مقصود ہو، حالاں کہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے، (۱) اور یہ محض ایک

(۱) قاعدہ ہے: الأمور بمقاصدها، پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لیے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم جدید: ۴؍ ۲۷۳) ==

حیلہ دیانات میں جو کہ معاملہ فی مابین العبد وبین اللہ ہے، حیل مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے، لہٰذا یہ ناجائز ہوگا۔(۱)

۶؍شوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۸۷) حیلہ نمبر:۱۲۔(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۸۴-۴۸۵)

معاوضہ طے کرنے والے اور داڑھی کترانے والے حافظ کی اقتدا میں تراویح:

سوال: اکثر حافظ صاحبان جن کے کھانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، وہ باقاعدہ معاوضہ طے کرکے پھر تراویح پڑھانے کے لئے تیار ہوتے ہیں، کیا ایسی صورت میں جبکہ روزگار وغیرہ نہ ہو قرآن عظیم کو ذریعہ آمدنی بنانا جائز ہے

الجواب

اجرت لے تراویح پڑھانا جائز نہیں اور ایسے حافظ کے پیچھے تراویح مکروہ تحریمی ہے، اس کے بجائے ﴿الم تر کیف﴾ کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۸۸)

نابالغ بچے اور اجرت پر قرآن پاک سنانے والے کے پیچھے نماز تراویح کا حکم:

سوال: محلّہ میں تین حافظ ہیں، جو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، ایک صاحب بوجہ ضعف عمری تراویح میں کلام پاک سنانے سے معذوری ظاہر فرماتے ہیں اور شاید کسی وجہ سے معذور ہوں، دوسرے صاحب بوجہ کریہۃ الصوت کہے جانے کے سنانا نہیں چاہتے، البتہ ایک صاحب جو ہنوز بالغ نہیں ہوئے؛ مگر قریب البلوغ کے ہے؛ یعنی جس کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہے، وہ سنا سکتا ہے اور شہر میں کوئی حافظ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے شہر سے مثلاً لکھنؤ، سنڈیلہ، یا بریلی سے اجرت پر حافظ بلوا کر تراویح سنی جاوے، یا اس نابالغ کے پیچھے سننا مناسب ہے، شریعت کا جو حکم ہو، اس سے اطلاع بخشی جائے۔ جو لوگ نابالغ کے اقتدا کے قائل نہیں، وہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ ایک بخاری شریف میں دوسری مشکوٰۃ میں، ان احادیث کا جواب کیا ہے؟ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ دہلوی فرماتے ہیں

== لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حیلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، فرماتے ہیں ''اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لیے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین کردی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے؛ کیوں کہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے''۔(دیباچہ فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم،ص:۵)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ حیلہ ہی حیلہ ہے، مقصود واقعی ختم قرآن شریف ہے، امامت مقصود ہرگز نہیں ہے اور دیانات میں حیلے مفید جواز نہیں ہوتے۔ فالحق ما افتی بہ المجیب قدس سرہ العزیز (سعید)

(۱) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقرؤا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل:۴۴۳/۳،رقم الحديث:۱۵۷۵۸،انيس)

(۲) ''وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز و الآخذ والمعطى آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز''. (ردالمحتار،باب قضاء الفوائت،مطلب في بطلان الوصية:۷۳/۲)

کہ حضرت ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر شافعیہ کا عمل درآمد ہے، ایسی حالت میں جب کہ فرض پر استدلال ہے تو نفل اور سنت مؤکدہ پر عدم وجوہ بھی رقم فرمائے جائیں؟ نابالغ حفاظ کے پیچھے تراویح نہیں سنتا ہے، اس سے وہ کلام پاک بھولتے جارہے ہیں اور لوگوں میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ بچوں کے حفظ قران کرانا ایک فضول چیز ہے، کیا کیا جاوے؟ اللہ کے واسطے معہ دلائل مرحمت فرمائیں۔ سننے میں آیا ہے کہ علماء فرنگی محل اور علماء ماوراء النھر نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس کے موافقین قول امام، یا حدیث جو اس کے خلاف ہو طلب ہو، طلب فرماتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو بہت ہی اچھا ہے، ورنہ ہم کو صرف آپ کا فتویٰ درکار ہے۔

الجواب

اس صورت میں یا تو حافظ کریہۃ الصوت کا قرآن نماز میں سن لیا جاوے، بشرطیکہ سب اس پر آمادہ ہوں اور اس حافظ کی خوشامد کر لی جائے، ورنہ حافظ ضعیف العمر کے پیچھے ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح پڑھ لی جائے، اجرت پر نابالغ حافظ کے پیچھے بھی تراویح نہ پڑھی جائیں، گو امام شافعیؒ کے مذہب میں جائز ہے؛ مگر امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، نہ فرائض میں نہ نوافل میں اور تراویح سال بھر میں ایک دفعہ نصیب ہوتی ہے، ایسی عبادت کو اختلاف ڈالنا سخت محرومی کی بات ہے اور حدیثوں سے شوافع نے استدلال کیا ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ نے ان کے شافعی کافی جواب دیدئے، جو مطولات فقہ میں مذکور ہیں، مقلد کو ان کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں اور محققین کے نزدیک مانعین کے دلائل مجوزین کے دلائل سے اقوی ہیں، کما ذکر فی الاعلاء اور نابالغ حافظوں کے قرآن پختہ کرنے کی یہ صورت ہے کہ نوافل میں مغرب کے بعد، یا بعد تراویح کے اس نابالغ حافظ کو امام اور دوسرے نابالغ حافظوں کو مقتدی بنا کر اس کا قرآن سن لیا جائے، اگر سامع نابالغ نہ ملے تو دو چار رکعت میں کوئی بالغ حافظ ہی اس نابالغ کا مقتدی بنا کر قرآن سن لیں اور گو اس صورت میں بھی ان نوافل کی صحت مقتدی بالغ کے حق میں مختلف فیہ ہوگی؛ مگر چوں کہ یہ رکعتیں سنت مؤکدہ نہیں ہوں گی؛ بلکہ زائد نفلیں ہوں گی، ان کو اختلاف کی صورت سے ادا کرنے میں بضرورت حفظ قرآن مضائقہ نہیں؛ لیکن تراویح جو سنت مؤکدہ ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ رمضان میں ہی نصیب ہوتی ہے، اختلاف میں ڈالنا سخت بری بات ہے، علماء ماوراء النھر نے جواز کا فتوی نہیں دیا اور علماء فرنگی محل اور علماء بلخ نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا کہ خروج من الخلاف عبادت میں اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷/شعبان ۱۳۳۷ھ (امداد الاحکام: ۲/۶۶۔۶۶۹)

قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام اور ایسے قاری کے پیچھے تراویح ناجائز ہے:

سوال: رمضان میں ختم قرآن پر قاری اور سامع اگر کچھ معاوضہ طے نہ کریں، ویسے ہی اہل مسجد ان کی کچھ

خدمت کر دیں، یا کپڑوں کا جوڑا بنا دیں تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

خدمت کے نام سے نقد، یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے اور اجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے؛ اس لیے کہ اس میں دو گناہ ہیں: ایک قرآن سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی للہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی للہ ان کی خدمت کرتے ہیں، معاوضہ مقصود نہیں، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لیے حضرات فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، یا نہیں؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں، یا نہیں؟ اب دور حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری، یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا، وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو، ان کو اس کی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جانبین کی نیت معاوضہ کی ہے اور للّٰہیت کے دعوے میں جھوٹے ہیں، لہذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو، یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھ لی جائے، ترک جماعت جائز نہیں؛ مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتدا میں جائز نہیں۔ اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلّہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ مکان میں پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہ ہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اس کی توقع ہوگی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہوگا، یہ اشراف نفس ہے، جو حرام ہے۔ اگر کسی قاری کو اشراف نفس سے بھی پاک تصور کر لیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مروج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تائید ہوتی ہے، علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے؛ اس لیے بہر کیف اس سے کلی اجتناب واجب ہے۔ فقط واللہ الموفق

۲۳ر شوال ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱۴-۵۱۵)

تراویح پر بخوشی حافظ کو نذرانہ دینا کیسا ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب بہت دیندار، پرہیزگار حافظ قرآن ہیں، وہ ہر سال رمضان میں ایک قصبہ کی مسجد میں جا کر نماز تراویح میں قرآن شریف سنایا کرتے ہیں۔ پس بعد ختم کے مقتدی وغیرہ حسب مقدار بلا جبر واکراہ

وبلا گفتگو حسبۃً للہ حافظ صاحب کو کچھ دیتے ہیں؛ یعنی نقد روپیہ اور حافظ صاحب بھی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا مقصود اس سے مال اور کسب دنیا نہیں ہے، میرا مقصود تو ثواب اور ادائے سنت مؤکدہ ہے اور یادداشت قرآن مجید ہے۔ روپیہ پیسہ ہونا نہ ہونا میرے نزدیک مساوی ہے اور تفسیر عزیزی کی عبارت مندرجہ سوال سے جواز اجرت علی العبادت معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

فقہا نے یہ قاعدہ لکھ دیا ہے:

"**المعروف کالمشروط**". (کذا فی الشامی وغیرہ)

پس اگر ان حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ان کو قرآن شریف سنانے پر کچھ روپیہ ملے گا اور لینا دینا معروف ہے تو ان حافظ صاحب کو کچھ لینا قرآن شریف ختم کر کے درست نہیں ہے اور اس میں تالی وسامع دونوں ثواب سے محروم ہیں،(۱) اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر اس حالت پر محمول ہے کہ اس عبادت پر کچھ لینا دینا معروف نہ ہو؛ تاکہ کلام فقہا اور ارشاد شاہ صاحب میں تعارض نہ ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۶۳-۲۶۴)

حافظ کو بغیر مانگے کے دینا:

سوال: جو شخص قرآن نماز تراویح میں سنائے بغیر ٹھہرائے اور مانگے، اگر آدمی کچھ اس کو بطور چندہ کے دے دیویں، یہ لینا اس کو جائز ہے، یا نہیں ہے؟ اور دینے والے کو یہ دینا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے دیا تو درست ہے اور جو حسب رواج وعرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے، اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۳۲۵)

بوقت ختم قرآن امام ومؤذن کو کچھ دینا:

سوال: عام مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر لوگوں سے چندہ وصول کر کے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور امام ومؤذن کو بطور امداد عطیہ دیا جاتا ہے، کیا امام اور موذن کو یہ رقم لینا شرعا درست ہے؟ اور اگر چند کی بجائے دوسرے کسی ذریعہ سے دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(۱) وأن القراءة لشئ من الدنيا لا تجوز و إن الآخذ والمعطى آثمان؛لأن ذلک يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه،إلخ، ولا ضرورة فى جواز الاستيجار على التلاوة.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب بطلان الوصية،الخ: ١/٦٨٧،ظفير)

الجواب ـــــــــــ باسم ملهم الصواب

وجوہ ذیل کی بنا پر امام اور مؤذن کے لیے یہ عطیات خواہ از قسم نقد ہوں، یا بصورت لباس وغیرہ، جائز نہیں۔

(۱) بالعموم چندہ وصول کرنے میں ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے؛ اس لیے یہ وصول کردہ رقم حرام ہے، جب تک دینے والے کی طیب خاطر کا یقین نہ ہو، اس سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔

(۲) چندہ دہندگان میں بنک اور بیمہ کے ملازمین اور دوسرے حرام ذرائع آمدنی رکھنے والے بکثرت ہوتے ہیں۔

(۳) یہ رسم عام ہو جانے کی وجہ سے ایک قسم کا معاوضہ ہے، جس کی تفصیل سوال سابق کے جواب میں لکھی جا چکی ہے۔ امام اور مؤذن کو تنخواہ لینا اگر چہ جائز ہے؛ مگر اس رقم کی مقدار مجہول ہے؛ اس لیے یہ لین دین ناجائز ہے۔

(۴) اگر امام واقعۃً اس رقم کو معاوضہ نہ سمجھتا ہو، جس کا امتحان سوال سابق کے جواب میں لکھا جا چکا ہے تو اشراف نفس کی وجہ سے حرام ہے۔

(۵) اگر بالفرض اشراف نفس نہ بھی ہو تو بھی اس سے غلط رسم اور ناجائز معاملہ کی تائید ہوتی ہے؛ اس لیے ناجائز ہے۔ اگر یہ عطیہ چندہ سے نہ ہو تو بھی آخری تین وجوہ کی بناہ پر ناجائز ہے۔ اگر اہل مسجد واقعۃً امام اور مؤذن کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ان کی مقرر تنخواہ میں اضافہ کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر شوال ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱۵-۵۱۶)

حافظ کو آمد و رفت کا کرایہ دینا اور کھانا کھلانا معاوضہ میں داخل ہے، یا نہیں:

سوال: ایک حافظ کو شعبان کے آخر میں بلایا گیا اور سب لوگوں نے چندہ کر کے آمد و رفت کا کرایہ واقعی دیا اور تمام مہینہ رمضان شریف ان کو عمدہ کھلایا پلایا تو یہ صورت قرآن شریف سننے کی بلاعوض محسوب ہوگی، یا یہ صورت ناجائز ہے اور ان کو کچھ زائد اس کے عوض میں نہیں دیا جاتا۔ اگر یہ صورت نہ کی جائے تو وہ حافظ سناتے نہیں۔

الجواب ـــــــــــ

آمد و رفت کا کرایہ دیکر حافظ کو باہر سے بلانا اور اس کا قرآن شریف بلا معاوضہ سننا جائز اور موجب ثواب ہے اور جبکہ وہ باہر سے آیا ہو اور بلایا ہوا مہمان ہے تو اس کو عمدہ کھلانا جائز ہے اور ثواب ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۹۵)

تراویح کی اجرت ناجائز کیوں اور امام و مدرسین کی تنخواہ جائز کیوں:

سوال: عرض ہے کہ ایک حافظ قرآن، رمضان کے مہینے میں، اپنے قصبہ سے دور دوسرے شہر میں، تراویح پڑھانے جاتا ہے اور اجرت مقرر نہیں کرتا؛ لیکن پھر بھی وہاں اتنے روپے مل جاتے ہیں کہ خرچہ اور کرایہ کے علاوہ کچھ

روپے اس کو فاضل بچ جاتے ہیں تو اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ ناجائز ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولوی حضرات مدرسوں میں قرآن وحدیث پڑھاتے ہیں اور مسجدوں میں امامت کرتے ہیں اور اس کی اجرت پہلے سے مقرر کر لیتے ہیں؛ بلکہ اگر روپیہ کم ملتا ہے تو دوسری جگہ کی تلاش شروع ہو جاتی ہے اور اس پر یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ روپیہ قرآن وحدیث کی اجرت نہیں؛ بلکہ وقت کا اور بیوی بچوں کے گزارے کا لیتے ہیں تو کیا حافظ ایک مہینہ گھر سے باہر رہتا ہے تو اس کا وقت خرچ نہیں ہوتا، یا اس کے بیوی بچے نہیں؟

جس حافظ کے متعلق یہ اعتراض ہے، وہ تقریباً تیس سال سے گھر پر بچوں کو ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم مفت انجام دے رہا ہے اور ایک پیسہ تنخواہ نہیں لیتا، گھر پر اپنی مزدوری کرتا رہتا ہے اور اسی میں بچوں کو بھی پڑھاتا ہے اور اگر ایک ماہ باہر جا کر تراویح پڑھاتا ہے اور وہاں جو کچھ روپیہ ملتا ہے، وہ لے لیتا ہے تو یہ ناجائز قرار پاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

الجواب

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کرنا، خواہ صراحۃً ہو، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، یا بطور عرف وعادت ہو، جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے، دونوں صورتوں میں جائز نہیں اور تحقیق اس معاملہ کی یہ ہے کہ اصل مذہب میں مطلقاً عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، خواہ کوئی عبادت ہو؛ لیکن حضرات متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کلیہ سے چند چیزیں مستثنیٰ کی ہیں اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ استثنا انہیں چیزوں میں ہے، باقی عبادات وطاعات اپنے اصلی حکم پر ہیں کہ ان میں اجرت لینا جائز نہ ہوگا اور ان مستثنیات میں ختم قرآن اور تراویح کو کسی نے شامل نہیں فرمایا؛ اس لیے اس پر اجرت لینا اسی طرح ناجائز رہے گا۔(۱)

درمختار میں ہے:

"لاتصح الإجارة لعسب التيس(إلى) ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (٣٤/٥)(۲)

شامی میں ہے:

"وقد اتفقت كلمتهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده

---

(۱) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثرو به.(مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٣،رقم الحديث: ١٥٧٥٨،انيس)

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة،باب الإجارة الفاسدة: ٧٧/٩،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ترجمہ: نہیں صحیح ہے اجارہ بکرے کے اندر نسل بڑھانے کے لیے (تا) اور نہ طاعات کے لیے مثلاً اذان، حج، امامت، تعلیم قرآن، تعلیم فقہ؛ لیکن آج کے زمانہ میں فتویٰ یہ ہے کہ تعلیم قرآن وفقہ اور امامت واذان میں اجارہ صحیح ہے۔ محشی

ما علمته،فهٰذا دليل قاطع وبرهان ساطع علٰى أن المفتىٰ به ليس هوجوازالاستيجارعلٰى كل طاعة بل علٰى ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع فإن مفاهيم الكتب حجة". (۳۵/۵)(۱)

نیز اسی کتاب میں اسی صفحہ پر ہے:

"ويمنع القارى للدنيا والأخذ والمعطى اٰثمان.فالحاصل أن ما شاع فى زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛لأن فيه الأمربالقراءة وإعطاء الثواب للاٰمرو القراءة؛لأجل المال،فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجرولولا الأجرة ماقرأ أحد لأحد فى هٰذاالزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة إلٰى جمع الدنيا،إنا لله وإنا إليه راجعون. (۳۵/۵)(۲)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاء متأخرین نے جو امامت اور تعلیم قرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے تو اس وجہ سے کہ ضرورت شرعیہ ہے، جس کے بغیر فرائض کا تعطل لازم آتا ہے اور تراویح میں پورا قرآن شریف ختم کرنا فرض وواجب نہیں کہ اس کو تعلیم اور امامت پر قیاس کیا جائے؛ بلکہ سنت ہے اور اس میں بھی فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پورا ختم کرنے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی نوبت آتی ہو اور لوگ بوجہ سستی کے شرکت تراویح سے باز رہتے ہوں تو پورا قرآن ختم کرنا مناسب نہیں۔

---

(۱)　**رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الإجارة،باب الإجارة الفاسدة،مطلب:تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۷٦/۹،مكتبة زكريا ديوبند،انيس**

ترجمہ:　تمام علما وفقہا کا بالصراحت اس پر اتفاق ہے کہ اصل مذہب یہی ہے کہ مذکورہ تمام امور پر اجرت لینا صحیح نہیں، پھر اس کے بعد جیسا کہ مجھے معلوم ہے (تعلیم قرآن وفقہ واذان وامامت) کا انہوں نے استثنا کیا، پس یہ دلیل قاطع اور برہان واضح ہے کہ مفتیٰ بہ مسلک یہی ہے کہ جمیع طاعات میں اجارہ کا جواز نہیں؛ بلکہ صرف انہیں امور میں ہے، جن کا ابھی ذکر ہوا؛ کیوں کہ ان امور کی ضرورت بالکل ظاہر ہے، یہی ضرورت اصل مذہب سے خروج کو مباح قرار دے رہی ہے، منع کے طریقہ پر؛ اس لیے کہ کتابوں کا مفہوم مخالف حجت ہے۔ محشی

(۲)　**رد المحتار ،كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة ، مطلب : تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۷۷/۹، مكتبة زكريا ديوبند،انيس**

ترجمہ:　اور جو محض دنیا کے لیے قرآن پڑھتا ہو اسے منع کیا جائے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو ہمارے زمانہ میں قرآن کے اجزا اجرت پر پڑھنے کا رواج چل پڑا ہے، جائز نہیں؛ اس لیے کہ اس میں ایک شخص تلاوت دوسرے سے اس لیے کراتا ہے کہ وہ ثواب اس کو دے تو تلاوت مال کے لیے ہوئی، پس جب خود تلاوت کرنے والے کو نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہیں ملا تو اجرت پر لینے والے کو کہاں سے ثواب مل جائے گا، آج کل ایسا زمانہ آگیا ہے کہ اگر اجرت نہ ملے تو کوئی کسی کے لیے قرآن نہ پڑھے، ان لوگوں نے قرآن کو کمائی اور حصول دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون. محشی

درمختار میں ہے:

"**والختم مرة سنة ... ولایترک ... لکسل القوم لکن فی الاختیار:الأفضل فی زما ننا قدرما لا یثقل علیهم وأ قره المصنف وغیرهم (إلیٰ) ومن لم یکن عالماً بأهل زمانه فهوجاهل**".(٤٧٤/١)(۱)

شامی میں ہے:

"**(قوله:الأفضل فی زماننا):لأن تکثرالجمع أفضل من تطویل القراءة (إلیٰ) ولهٰذا قال فی البحر: فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة لکن لایلزم منه عدم ترکه إذا لزم منه تنفیرالقوم وتعطیل کثیرمن المساجد خصوصاً فی زماننا فالظاهراختیارالأخف علی القوم**".(٤٧٥/١)(۲)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تراویح میں ختم قرآن کرنا واجب نہیں؛ بلکہ سنت ہے اور سستی قوم کی وجہ سے پورا ختم نہ کرنا بھی جائز ہے؛اس لیے ختم کی ضرورت کو ضرورت تعلیم، یا ضرورت امامت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اگر کوئی شخص بلا اجرت پڑھنے والا نہ ملے تو جس قدر سورتیں محلّہ والوں کو یاد ہوں، ان سے تراویح پڑھنا اس سے بہتر ہوگا کہ اجرت دے کر کسی سے پڑھوائیں۔ یہ سب اس وقت ہے، جب کہ لینا دینا طے ہو جائے، یا عادۃً طے شدہ سمجھا جاتا ہو اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں کہ لینے والا لینے کی غرض سے نہ پڑھتا ہو اور دینے والے بھی بطور ہدیہ غیر ضروری سمجھ کر دیتے ہوں، اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو شکایت نہ ہو تو ایسا دینا جائز ہے اور اس کا لینا بھی جائز ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ پڑھانے والے کی خدمت کی جائے؛ مگر کوئی معمول مقرر نہ کیا جائے کہ ختم کے وقت دیں گے، یا پہلے اور نقد دیں گے، یا اور کوئی چیز؛ تاکہ اس کو انتظار کی صورت قائم نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ تراویح پڑھانے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اور تعلیم قرآن وغیرہ کام کی اجرت لینا جائز ہے، کم وبیش جو اجرت جانبین میں کام کے لیے طے ہو جائے۔

واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ احیاء العلوم:۱/۱۹۸-۲۰۲)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل: ٤٩٧/٢-٤٩٨، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

ترجمہ: ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا سنت ہے، قوم کے کسل وسستی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے؛ لیکن افضل یہ ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ اتنی ہی مقدار اختیار کی جائے جو مقتدیوں پر ثقیل نہ ہو (تا) جو اپنے زمانہ کے لوگوں سے واقف نہ ہو، وہ جاہل ہے۔ محشی

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتروالنوافل: ٤٩٧/٢-٤٩٨، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

ترجمہ: صاحب درمختارؒ نے ہمارے زمانہ میں جو بات افضل بتائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا جماعت میں زیادہ شریک ہونا طویل قرأت سے افضل ہے، (تا) اسی وجہ سے البحرالرائق میں کہا ہے:" کہ خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ تراویح میں ایک ختم قرآن سنت ہے؛ لیکن کم پڑھنے سے اس صورت میں صحیح مذہب کا ترک لازم نہیں آئے گا، جب کہ پورا قرآن پڑھنے کے نتیجے میں قوم کو متنفر کرنا اور بہت سی مساجد کو معطل کرنا لازم آجائے۔ خصوصاً ہمارے زمانہ میں، پس ظاہر یہی ہے کہ وہی صورت اختیار کی جائے، جو قوم کے لیے آسان اور سہولت والی ہو"۔ محشی

امامت کی اجرت لینا جائز ہے، تراویح کی نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۴/اپریل ۱۹۲۸ء)

سوال: گزشتہ ماہ رمضان سنہ رواں میں یہاں کے تجار کاٹھیاواڑی اور کچھی میمنوں نے ایک مصری حافظ صاحب کو بمبئی سے ایک سوتیس روپے اجرت مقرر کر کے کچھیوں والی مسجد میں تراویح پڑھانے کو بلایا تھا اور یہاں کے ایک ہفتہ وار اخبار ''البرہان اکولہ'' مطبوعہ یوم جمعہ ۹/رمضان ۱۳۴۶ھ میں مندرجہ ذیل مضمون شائع ہوا تھا۔

''مقامی بیس مساجد میں سے صرف سات مسجدوں میں تراویح میں قرآن شریف کا دور ہو رہا ہے، خصوصا کچھی صاحبان کی مسجد میں مولانا سید احمد صاحب مصری قاری کو جو کہ جامعۂ ازہر کے ایک جید عالم ہیں بلایا گیا ہے''۔

اس اخباری شہرت، نیز اکولہ میں مشہور عبدالقادر قندھاری صاحب مولوی بیڑی پان والے کی دکان پر بیٹھ کر مدح سرائی کی وجہ سے کچھیوں والی مسجد میں افطار و تراویح کے وقت مسلمانوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔

کیا اجرت دے کر امام مذکور بلانا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

متاخرین فقہائے حنفیہ نے امامت کی اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(۱) پس اگر امام مذکور سے معاملہ امامت نماز کے متعلق ہوا تھا تو درست تھا؛ لیکن قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے،(۲) اگر معاملہ قرآن مجید سنانے کے لیے ہوا تھا تو ناجائز تھا۔(۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴۱۰/۳)

کیا تراویح کے لیے امام مقرر کرنا درست نہیں ہے:

سوال: جس طرح پنجوقتہ نمازوں کے لیے امام کو مقرر کیا جاتا ہے، اسی طرح ماہِ رمضان میں تراویح کے لیے امام مقرر کرنا جائز ہے، یا نہ؟

---

(۱) ویفتٰی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن الفقه والإمامة والأذان. (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/٦، ط: سعید)

(۲) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ٤٤٣/٣، رقم الحديث: ١٥٧٥٨، انیس)

(۳) و أن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز و أن الآخذ والمعطى آثمان، لأن ذلک يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لا يجوز فكذا ... ولا ضرورة في جوازالاستئجار على التلاوة. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل: ٧٣/٢، ط: سهيل)

الجواب ــــــــــــــــــــ

چوں کہ مسئلہ یہ ہے کہ ''الأمور بمقاصدها'' اور یہ بھی ہے: ''المعروف کالمشروط''. پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لیے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے، لہٰذا اس پر جو کچھ اجرت دی لی جاوے گی، وہ ختم قرآن شریف کی وجہ سے ہے، نہ بوجہ امامت محضہ کے۔ پس حسب قاعدہ ''لایجوز أخذ الأجرة علیٰ قراءة القرآن'' تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا دینا جائز نہ ہوگا۔

قال في رد المحتار: وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطي آثمان. فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز، إلخ. (ردالمحتار: ۳۵/۵)(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۳/۴-۲۷۴)

کیا مستقل امام کو حق تراویح ہے، یا دوسرے مقررہ حافظ کو:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا اور حافظ قرآن ہے اور زید بھی حافظ قرآن ہے، وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں، تراویح پڑھانے کا حق مجھ کو ہی ہے اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے تو کس کو حق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں جب کہ بکر امام مقرر ہو گیا ہے تو تراویح کی امامت کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۲/۴)

تراویح میں امام وسامع کو برابر کھڑا کرنا کیسا ہے اور سامع کو اجرت دینا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: تراویح میں اگر امام وسامع برابر میں کھڑے ہوں امام کو عذر سماعت ہو یا نہ ہو کیسا ہے؟ اور سامع کو اجرت پر مقرر کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر کچھ ضرورت ہو، مثلاً یہ کہ امام کی سمجھ میں سامع کا بتلانا دور سے نہ آوے تو برابر کھڑا ہونا درست ہے اور

(۱) رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب الإجارة في الطاعة: ۴۷/۵، ظفير (باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۷۷/۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقاً. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۲۲/۱، ظفير)

بلاضرورت اچھانہیں ہےاور سامع کواجرت پرمقرر کرنا بھی اچھانہیں ہے؛ بلکہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ قرآن شریف کے پڑھنے اور سننے پر اجرت لینا حرام ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۵/۴)

سامع کی اجرت:

سوال: سامع کواجرت لینا جائز ہے، یانہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہےاور امداد الفتاویٰ جلداول کا حوالہ دیتا ہے، شرعا کیاحکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

امدادالفتاویٰ میں اس کوتعلیم قرار دے کراس پر اجرت کا جوازتحریرفرمایا ہے؛ مگرصحیح یہ ہے کہ یہ تعلیم نہیں؛ بلکہ تذکیر ہے۔ ثانیا اگر تعلیم ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ اس قسم کی ضروری تعلیم نہیں، جس پر جواز اجرت کا فتویٰ ہے، جب تراویح میں ختم قرآن ہی ضروری نہیں؛اسی لیے اس پر اجرت لینا جائز نہیں تو قاری کوتعلیم، یا تذکیرایسی ضروری کیوں کر ہوسکتی ہے کہ اس پر اجرت لینا جائز ہو،لہٰذا قاری کی طرح سامع کوبھی اجرت لینا جائز نہیں،(۱) خواہ اجرت متعین ہو، یا بلاتعیین بنام امداد وخدمت ہو، بہرحال ناجائز ہے؛ بلکہ بدون تعیین میں مزید قباحت یہ ہے کہ اس میں اجرت مجہول ہے؛اس لیے یہ اور بھی زیادہ شدید گناہ ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷/رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ (احسن الفتاویٰ:۵۱۶/۳)

نابالغ سامع کوصف اول میں کھڑا کرنا:

سوال: تراویح کی جماعت میں بعض جگہ سامع نابالغ بچہ ہوتا ہےاور سامع کوصف اول میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے، کیااس صورت میں نابالغ کوصف اول میں کھڑا کرنا جائز ہوگا، یااس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثرو به.(مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل:٤٤٣/٣،رقم الحديث:١٥٧٥٨،انيس)

قال رسول اللّٰه صلى الله وعليه وسلم:من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم.(شعب الإيمان للبيهقي ،التاسع عشر من شعب الإيمان هو باب في تعظيم القرآن،فصل في ترك قراء ة القرآن في المساجد والأسواق لليعطى ويستأكل به،رقم الحديث:٢٦٢٥،انيس)

وأن القراء ة لشئ من الدنيا لا تجوز و إن الآخذ والمعطى آثمان؛لأن ذلك يشبه الاستيجار على القراء ة ونفس الاستيجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلک في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة.(رد المحتار،باب قضاء الفوائت،مطلب بطلان الوصية: ٦٨٧/١،انيس)

الجواب ــــــــــــــ باسم ملہم الصواب

نابالغ بلاضرورت بھی بالغین کی صف میں بلاکراہت کھڑا ہوسکتا ہے،ضرورت سے بطریق اولی جواز ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/رجب ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۱۶-۵۱۷)

سامع کے لیے جگہ کی تعیین:

سوال: تراویح میں سامع کے لیے جانماز بچھا کرجگہ پر قبضہ کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملہم الصواب

اصلاح نماز کے لیےاس کی ضرورت ہے؛اس لیے جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/شوال ۱۳۹۲ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۳)

☆ ☆ ☆

(۱) قوله (فلو واحدا دخل الصف) ذكره في البحر بحثا ، قال وكذا لو كان المقتدى رجلا وصبيا يصفهما خلفه لحديث أنس فصففت أنا وليتيم ورائه والعجوز من ورائنا وهذا بخلاف المرأة الواحدة فإنها تتأخر مطلقا كالمتعددات للحديث المذكور.(ردالمحتار،باب الإمامة،مطلب في الكلام على الصف الأول: ۱/ ۵۷۱،دارالفكر،انيس)

(۲) (قوله:وليس له)قال في القنية:له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره، قال الأوزاعي:له أن يزعجه وليس له ذلك عندنا،آه ،أي؛ لأن المسجد ليس ملكاً لأحد،بحرعن النهاية،قلت:وينبغي تقييده بما إذا لم يقم عنه علىٰ نية العود بلا مهلة،كما لوقام للوضوء مثلاً ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده، تأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب في الغرس في المسجد ۱/ ۴۹۰،قبيل باب الوتر والنوافل، انيس)

عورتوں کی تراویح

عورتوں کی جماعت تراویح:

سوال (۱) چند عورتیں حافظ قرآن مجید یہ چاہتی ہیں کہ تراویح میں قرآن مجید اپنی جماعت سے ختم کریں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۲) عیدین کی نماز بھی چند عورتیں جماعت سے پڑھ سکتی ہیں، یا نہیں؟ کیا عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

عورتوں کی جماعت اس طرح کہ عورت ہی امام ہو، مکروہ ہے، خواہ تراویح کی جماعت ہو، یا غیر تراویح کی، سب میں عورت کا امام ہونا عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۶۵-۲۶۶)

خواتین اور تراویح وعیدین:

سوال: میرے پڑوس میں چند خواتین نہ تو تراویح کی نماز پڑھتی ہیں، نہ تو عید کی، پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ تراویح اور عید کی نماز پڑھنا ضروری نہیں، پڑھیں تو ثواب ملے گا، ورنہ نہیں؟ (ناصرہ بیگم، یاقوت پورہ)

الجواب

تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی، اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔

"التراويح سنة مؤكدة ... للرجال والنساء إجماعا". (۲)

یہ ضرور ہے کے مردوں کے لیے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا افضل ہے اور عورتوں کے لیے تنہا پڑھنا بہتر ہے، البتہ عید کی نماز مردوں پر واجب ہے، عورتوں پر واجب نہیں۔

---

(۱) ويكره تحريماً جماعة النساء ولو في التراويح. (الدر المختار: ۲/۳۰۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)
أفاد أن الكراهة في كل ماتشرع فيه جماعة الرجال فرضاً أو نفلاً. (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۲۸، ظفير)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۳

"تجب صلاۃ العید علیٰ کل من تجب علیه الجمعة". (۱)

"لا تجب الجمعة علی العبید والنسوان". (۲)

آج کل چوں کہ عورتوں کے عیدگاہ جانے اور عید کی نماز میں شریک ہونے میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے خواتین کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ عید کی نماز میں شرکت نہ کریں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۹/۲)

خواتین اور تراویح:

سوال: کیا تراویح کی نماز عورت کو بھی پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کسی عورت کو دس سورتیں ہی یاد ہوں تو کیا ان ہی دس سورتوں کو بیس رکعتوں میں پڑھ سکتی ہے؟ (ایک بہن، جگتیال)

الجواب

تراویح کی نماز کا حکم عورتوں کے لیے بھی وہی ہے، جو مردوں کے لیے ہے۔ عورتیں بھی اگر تراویح کو بلا عذر ترک کردیں تو ترکِ سنت کا گناہ ہوگا، اگر دس سورتیں یاد ہوں تو یہ درست ہے کہ پہلی دس رکعت میں ان سورتوں کو پڑھ جائے، پھر اگلی دس رکعت میں دوبارہ ان ہی سورتوں کو پڑھے، یا ایک رکعت میں کوئی ایک سورت اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتی جائے، یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دینی بھائی کی حیثیت سے ایک خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کی کچھ اور سورتیں یاد کرلیں، ان شاء اللہ تھوڑی محنت سے آپ مزید سورتیں یاد کرسکتی ہیں، قرآن یاد کرنے اور دین کا علم حاصل کرنے کے لیے کوئی عمر متعین نہیں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۸۸/۲)

خواتین کی جماعت تراویح:

سوال: کیا خواتین کے لیے نماز تراویح پڑھنا ضروری ہے، نیز ان کے لیے کسی گھر میں جمع ہوکر کسی خاتون کی امامت میں تراویح پڑھ لینا جائز ہے؟ اور تنہا نماز تراویح پڑھی جائے تو کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئے؟

(تسنیم تبسم، امان نگر)

الجواب

(الف) جیسے مردوں کے لیے تراویح سنت مؤکدہ ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہے۔ تراویح کے حکم میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق نہیں۔ (۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية، باب صلاۃ العيدين: ۱۵۰/۱

(۲) الفتاوی الهندية، باب فی صلاۃ الجمعة: ۱۴۴/۱

(۳) "وهي سنة للرجال والنساء". (الفتاوی الهندية، فصل فی التراويح: ۱۱۶/۱، مکتبة زکريا ديوبند)

(ب) خواتین گھر میں جمع ہو کر کسی خاتون کی اقتدا میں تراویح پڑھ لیں تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: ایک یہ کہ آواز اتنی بلند نہ ہو کہ غیر محرم مردوں تک پہونچے۔ دوسرے اتنی دور سے نہ آتی ہوں کہ فتنہ؛ یعنی راستہ میں چھیڑ چھاڑ یا بدنگاہی وغیرہ کا اندیشہ ہو؛ مگر اس کے باوجود ان کے لیے تنہا نماز تراویح پڑھنا زیادہ باعث ثواب ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فإنما يفيد نسخ السنية وهو لايستلزم ثبوت كراهة التحريم فى الفعل بل التنزيه ومرجعهما إلىٰ خلاف الأولىٰ". (۱)

(عورتوں کے لیے جماعت سنیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، یہ نسل میں جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے کو متلازم نہیں ہے اور کراہت تنزیہی کے ساتھ جواز کا حکم باقی ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولی کہا جا سکتا ہے۔)

البتہ اس صورت میں امامت کرنے والی عورت صف سے آگے کھڑی ہونے کے بجائے پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہوگی، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول منقول ہے، وہ رمضان المبارک کے مہینہ میں خواتین کی امامت فرمایا کرتی تھیں اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (۲)

(ج) نماز تراویح جماعت سے پڑھی جائے، یا تنہا، رکعات کی تعداد میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر صورت میں بیس رکعت ادا کی جائے گی۔ (کتاب الفتاویٰ:۳۹۶/۲-۳۹۷)

تراویح اور وتر میں عورتوں کی جماعت:

سوال: میں نے اپنے بھائی سے قرآن حفظ کیا اور میں تراویح سنانا چاہتی ہوں، اس کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ اور سامع کس کو بناؤں، جب کہ کوئی حافظ نہ ملتا ہو، کیا نابالغ لڑکا سامع بن سکتا ہے؟ اور یہ بھی تحریر فرما دیں وتر کیسے پڑھی جائے گی اور اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

نابالغ کا سامع بننا درست ہے، جب کہ اس کو یاد ہو اور لقمہ دے سکے؛ (۳) مگر آپ کو امام بن کر جماعت کرانا اور

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۳٦٥/۱، مكتبة زكريا ديوبند

(۲) عن أبى حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن عائشة رضى الله عنها انها كانت تؤم النساء فى رمضان تطوعا وتقوم فى وسط الصف. (كتاب الآثار لإمام محمد، باب السهو: ٦۰۳/۱، رقم الحديث: ۲۱۲)

(۳) و إن فتح علىٰ إمامه لم تفسد ... وفتح المراهق كالبالغ. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۹۹/۱، رشيدية)

قال فى الغاية: وفتح المراهق كالبالغ. (تبيين الحقائق، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱٥٦/۱، بولاق، انيس)

تراویح میں قرآن پاک سنانا نہیں چاہیے، تنہا تراویح میں، یا نوافل میں جتنا چاہیں پڑھا کریں، بغیر نماز کے نابالغ حافظ کو سنا دیا کریں۔ عورتوں کی جماعت مکروہ ہے فرض میں بھی، وتر میں بھی، تراویح میں بھی۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۷۹-۲۸۰)

تراویح میں عورتوں کی امامت:

سوال: عورتوں کے لیے عورت کی امامت مکروہ بتلائی گئی ہے؛ لیکن علم الفقہ میں جائز لکھا ہے، صحیح مسئلہ کیا ہے؟ آج کل تراویح میں حافظہ عورت قرآن سنائے تو بہت سی عورتوں کو نماز کا ذوق بھی ہوسکتا ہے اور قرآن سننے کا موقع بھی مل سکتا ہے، فی زمانہ دینی حالات کے اعتبار سے اس کی اجازت ہے، یا نہیں؟ (محمد تقی الدین، مدرسہ نور)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

قرآن وحدیث سے تو ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے کہ عورتوں کی جماعت اور ان میں کسی خاتون ہی کی امامت سے منع کیا گیا ہو؛ بلکہ بعض روایات سے عورتوں کی امامت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ دارقطنی، مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان المبارک میں عورتوں کی امامت فرمایا کرتی تھیں۔ (۲)

ابوداؤد، دارقطنی اور حاکم نے نقل کیا ہے:

''آپ نے حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دے دی تھی کہ اپنے گھر ہی میں اہل خانہ کی امامت کرلیا کریں''۔ (۳)

امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مردوں کے لیے تراویح کا علاحدہ امام اور عورتوں کے لیے علاحدہ امام مقرر کردیا تھا''۔ (۴)

---

(۱) ویکرہ تحریماً (جماعة النساء) ولو فی التراویح''. (الدر المختار)

''(قوله: ولو فی التراویح) أفاد ان الکراهة فی کل ما تشرع فیه جماعة الرجال فرضاً ونفلاً''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة: ۱/۵۶۵، سعید)

(۲) عن عائشة أم المؤمنین رضي اللّٰه تعالٰی عنها أنها کانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطاً. (کتاب الآثار للإمام محمد: ۱/۴۴، رقم الحدیث: ۲۱۷، باب المرأة تؤم النساء وکیف تجلس فی الصلاة)

عن عائشة أنها کانت تؤم النساء تقوم معهن فی الصف. (المصنف لإبن أبی شیبة، کتاب الصلاة، باب المرأة تؤم النساء: ۱/۴۳۰، رقم الحدیث: ۴۹۵۴، انیس)

(۳) وأمرها أن تؤم أهل دارها. (سنن أبي داؤد، باب إمامة النساء: ۱/۸۷، رقم الحدیث: ۵۹۲، مکتبة رشیدیة دهلی)

(۴) کشف الغمة عن جمیع الأمة: ۱/۱۶۷

ظاہر ہے عورتوں کے لیے ایک علاحدہ امام خاتون ہی رہی ہوں گی؛ اس لیے کہ خالص عورتوں کے لیے مرد امام کا تقرر فتنہ سے خالی نہیں، البتہ صاحب ہدایہ کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے:

"وحمل فعلها الجماعة علیٰ ابتداء الإسلام". (۱)

لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہے؛ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم عمر صحابیات میں ہیں اور مدنی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات رہی ہیں؛ اس لیے یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اخیر زندگی کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعد کے ادوار میں فقہاء نے فتنہ کو پیش نظر رکھ کر خالصۃ عورتوں کی جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہ عورتوں سے متعلق دین کے مجموعی احکام اور ان کی روح کے مطابق بھی ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"ویکره للنساء أن یصلین وحدهن الجماعة". (۲)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویکره إمامة المرأة النساء فی الصلاة کلها من الفرائض والنوافل إلا فی صلاة الجنازة". (۳)

آپ نے جو صورت تحریر کی ہے، اس میں چوں کہ قرآن کے ضائع ہوجانے اور خواتین کے حفظ کرنے کے بعد پھر بھول جانے کا اندیشہ ہے اور نماز اور قرآن کے لیے ترغیب کا باعث بھی ہوسکتا ہے؛ اس لیے کوئی ایسا مکان ہو، جس میں پردہ کا پورا پورا اہتمام ہو، صرف اس گھر، یا قریب کے گھروں کی عورتیں جمع ہو جائیں، اجنبی اور غیر محرم مردوں کی اس طرف آمد نہ ہو اور بظاہر فتنہ ومعصیت کا اندیشہ نہیں ہو تو نماز پڑھ لی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں امام کا طریقہ یہ ہے کہ امام آگے کھڑی ہونے کے بجائے صف کے وسط میں کھڑی ہو۔

"وإن فعلن قامت الإمام وسطهن". (۴)

مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی طرح امامت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۱۶-۴۱۸)

کیا حافظ قرآن عورت، عورتوں کی تراویح میں امامت کرسکتی ہے:

سوال: عورت اگر حافظ ہو کیا وہ تراویح پڑھا سکتی ہے؟ اور عورت کے تراویح پڑھانے کا کیا طریقہ ہے؟

(۱-۲) الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱۲۳/۱
(۳) الفتاوی الهندية: ۸۵/۱، نیز دیکھئے: الهداية: ٤٤/۱
(۴) الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱۲۳/۱
(۵) الدراية فی تخريج أحاديث الهداية، علیٰ هامش الهداية: ۱۲۳/۱

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، اگر کرائیں تو امام آگے کھڑی نہ ہو، جیسا کہ امام کا مصلی الگ ہوتا ہے؛ بلکہ صف ہی میں ذرا کو آگے ہو کر کھڑی ہو، (۱) اور عورت تراویح سنائے تو کسی مرد کو (خواہ اس کا محرم ہو) اس کی نماز میں شریک ہونا جائز نہیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۸/۴)

تراویح میں حافظہ عورت امامت کرسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: ایک لڑکی قریب البلوغ حافظہ ہے، عورتیں چاہتی ہیں کہ تراویح پڑھاویں اور ہم لوگ سنیں، مکان ایسا محفوظ ہے کہ جہاں سے کسی مرد کے کان میں آواز نہیں پہونچتی تو کیا وہ تراویح پڑھا سکتی ہے اور عورتیں سن سکتی ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عورتوں کی جماعت مشروع نہیں ہے؛ اس لیے فرض نماز، عورتیں علاحدہ علاحدہ پڑھیں اور تراویح میں حافظہ امامت کرے اور جماعت میں صف ہی میں رہے، اس کا پاؤں صرف اپنی مقتدیوں سے ذرا سا آگے رہے، چوں کہ قرآن کی حفاظت وہ بغیر تراویح پڑھے نہیں کرسکتی؛ اس لیے اس کو تراویح پڑھانے کی گنجائش ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۲/۶/۲۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۴/۲-۲۱۵)

حافظہ لڑکی کا خواتین کو تراویح پڑھانا:

سوال: حافظہ لڑکیوں کے قرآن کی حفاظت کے لیے اپنے ہی مکان میں موجودہ خواتین کو جوڑ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھانے کی شرعاً گنجائش ہے، یا نہیں؟ اگر گھر میں خواتین نہ ہوں تو کیا پڑوسی خواتین بلا اعلان جمع ہو کر اس طرح تراویح پڑھ سکتی ہیں، یا نہیں؟ غالباً مسائل تراویح (ترتیب: مفتی رفعت قاسمی) میں مولانا عبد الحئی صاحب کے حوالہ سے اس کی اجازت دی ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ (محمد نصیر عالم، جالے، دربھنگہ)

---

(۱) ویکره تحریمًا جماعة النساء ولو التراویح ... فإن فعلن تقف الإمام وسطهن ...إلخ. (التنویر مع شرحه، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۶۵/۱، الفتاویٰ الهندیة: ۸۵/۱، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۰۴)

(۲) ولا یجوز إقتداء رجل بامرأة، هکذا فی الهدایة. (الفتاویٰ الهندیة: ۸۵/۱، الباب الخامس فی الإمامة)

(۳) البتہ مکروہ ہے۔ [مجاہد] ''(و) یکره تحریمًا (جماعة النساء) ولو فی التراویح ... (فإن فعلن تقف الإمام وسطهن) فلو تقدّمت أثمت''. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب الإمامة: ۳۰۵/۲-۳۰۶)

(قوله ولو فی التراویح) أفاد أن الکراهة فی کل ما تشرع فیه جماعة الرجال فرضًا أو نفلاً ... (قوله فلو تقدّمت أثمت) أفاد أن وقوفها وسطهن واجب کما صرّح به فی الفتح، وأن الصلاة صحیحة، و أنها إذا توسّطت لا تزول الکراه، وإنما أرشدوا إلی التوسط؛ لأنه أقل کراهیة من التقدم کما فی السراج. (ردالمحتار ۳۰۶/۲)

الجواب

اگر خواتین اپنی جماعت بنا کر نماز پڑھ لیں تو نماز کے درست ہو جانے پر تو محل جمہور کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ بڑے محقق، فقیہ اور محدث ہیں، وہ تو اس سلسلہ میں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں:

"فإنهن لو صلين جماعة جازت بالإجماع". (۱)

مگر اجماع کا دعویٰ محل نظر ہے، مالکیہ کے یہاں خواتین کی جماعت جائز نہیں، (۲) البتہ اس میں شبہ نہیں کہ خواتین کی جماعت کا اہتمام بہتر نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اسی اندیشہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف مردوں پر جماعت کو واجب قرار دیا اور دوسری طرف عورتوں کے لیے مستحب بھی نہیں رکھا؛ بلکہ فرمایا کہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے؛ (۳) اس لیے خواتین کے لیے تراویح کی جماعتوں کا اہتمام ایسا عمل نہیں ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

فتنہ کا اندیشہ دو وجوہ سے پیدا ہوتا ہے، ایک تو دور دور سے خواتین کا آنا، دوسرے نماز پڑھانے والی حافظہ کی آواز؛ اس لیے اگر گھر کی خواتین، یا پڑوس کی خواتین ایسے محفوظ گھر میں جمع ہو جائیں، جہاں پردہ کا پورا اہتمام ہو اور دور سے آنا نہ پڑے، نیز امامت کرنے والی حافظہ خاتون قرآن ایسی معتدل آواز میں پڑھے کہ آواز نماز میں شریک ہونے والی خواتین تک محدود رہے، غیر محرموں تک نہ پہنچے، تو اس کی گنجائش ہے، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق خواتین امامت کرتے ہوئے صف کے بیچ میں ہی کھڑی ہوں گی، نہ کہ صف کے آگے، چناں چہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان کے مہینہ میں خواتین کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں:

"كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطاً". (۴)

یہی رائے میرے استاد حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی بھی ہے، چناں چہ اپنے ایک تفصیلی فتوی کے اخیر میں فرماتے ہیں:

---

(۱) العناية مع فتح القدير: ۳۰۶/۱

(۲) الخرشي: ۱٤٥/۲

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وصلاتک في دارک خير لک من صلاتک في مسجد قومک، إلخ". (دیکھئے: مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲٦٥٥۰، بحوالہ جمع الفوائد: ۲۰۴/۱، حدیث نمبر: ۱۲۱۵، باب المساجد)

(۴) كتاب الآثار، رقم الحديث: ۲۱۷، باب المرأة تؤم النساء وكيف تجلس في الصلاة

عن الشعبي قال: تؤم المرأة النساء في صلاة رمضان تقوم معهن في صفهن. (المصنف لإبن أبي شيبة، كتاب الصلاة: من كان يقول: إذا كنت في ماء وطين: ۸۹/۲، رقم الحديث: ٤٩٩٢، انيس

(ب) اگر اتنی بڑی جماعت کی امامت ہو، جس میں آواز معتاد آواز سے زائد ہو تو تمام قیود وشرائط کے باوجود مکروہ تحریمی وناجائز ہوگا۔

(ج) اگر ماہِ رمضان میں حافظ قرآن عورتوں کی چھوٹی جماعت جس میں آواز معتاد کے اندر اندر رہے اور تمام قیود وشرائط کے اندر رہے اور عورت صف سے صرف چار انگل آگے رہے تو "الأمور بمقاصدها" کے تحت یہ فعل جائز رہے گا۔

(د) اگر ماہِ رمضان المبارک میں صرف دودو، تین تین عورتوں کی جماعت جو محض بہ نیت حفظِ قرآن پاک اور بطور دور ہو اور قیود وشرائط کے موافق ہو اور مکان محفوظ کے اندر ہو، جس میں آواز اپنی معتاد آواز سے زائد نہ رہے تو بلاشبہ جائز رہے گی؛ بلکہ "الأمور بمقاصدها" کے تحت مستحسن بھی ہوسکتی ہے۔ واالعلم عنداللہ۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۳۹۸-۴۰۰)

عورتوں کی جماعت اور عورتوں کا اذان واقامت بلند آواز سے کہنا:

سوال (۱) عورت عورت کی جماعت کرے، یا نہیں؟

(۲) عورت کونماز میں اقامت بلند آواز سے کہنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عورتوں کی جماعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اگر نماز جماعت سے پڑھیں گی تو وسط صف میں امام کھڑی ہو،(۲) بغیر اذان واقامت وجہر کے نماز پڑھی جائے۔(۳)

وهو سنة للرجال فی مكان عال(مؤكدة). (الدرالمختار)**(قوله:(للرجال)أما النساء فيكره لهن الأذان وكذا الاقامة،لما روى عن أنس وابن عمرمن كراهتها لهن،ولأن مبنى حالهن على الستر ورفع صوتهن حرام،إمداد.** (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد حفیظ الحسن، ۳/۳/۱۳۴۴ھ

الجواب صواب: محمد عثمان غنی عفی عنہ، الجواب صحیح: محمد نورالحسن، نورالدین عفی عنہ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۴۳)

---

(۱) مطبوعہ سہ ماہی حراء، شمارہ نمبر:۱صفحہ نمبر:۸۳

(۲) عن الشعبی قال: تؤم المرأة النساء فی صلاة رمضان تقوم معهن فی صفهن.(المصنف لإبن أبی شيبة،كتاب الصلاة:من كان يقول:إذا كنت فی ماء وطين: ۸۹/۲،رقم الحديث: ۴۹۹۲،انيس)

ويكره تحريماً (جماعة النساء) ولو فی التراويح فی غيرصلاة جنازة (لأنها لم تشرع مكررة) ...(فإن فعلن تقف الإمام وسطهن) فلو تقدمت أثمت.(الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الإمامة:۳۰۵/۲-۳۰۶)

(۳) وليس على النساء أذان ولا إقامة فان صلّين بجماعة يصلين بغير أذان وإقامة وإن صلين بهما جازت صلا تهن مع لاساءة (الفتاوىٰ الهندية: ۵۳/۱)

(۴) ردالمحتار: ۴۸/۲

عورتیں وتر کی جماعت کریں، یا نہیں:

سوال: وتر کی جماعت عورتیں کریں، یا نہیں؟

الجواب

وتر کی جماعت عورتیں نہ کریں۔

"ویکره تحریماً جماعة النساء ولو فی التراویح، إلخ". (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۹/۴-۳۰۰)

مساجد میں خواتین کی تراویح اور سماعت قرآن مجید:

سوال (الف) محلّہ کی مساجد میں نماز تراویح کے لیے مستورات کا جمع ہونا کیا درست ہے؟ جب کہ اس پرفتن دور میں خواتین کا رات کے وقت اپنے گھروں سے نکلنا خطرہ سے خالی نظر نہیں آتا، کیا اسی طرح خواتین کسی ایک گھر میں جمع ہوکہ حافظہ خاتون کے ساتھ نماز تراویح ادا کرسکتی ہیں؟

(ب) کیا صرف خواتین کسی گھر میں جمع ہوکر مرد حافظ کے پیچھے نماز تراویح پڑھ سکتی ہیں؟

(ج) خواتین دن میں کسی جگہ جمع ہوکر مرد حافظ سے تین دن، یا پانچ دن میں مکمل قرآن مجید سن سکتی ہیں؟

(د) کیا کوئی حافظہ لڑکی حفظ کو باقی رکھنے کی غرض سے دن میں اپنے قریبی رشتہ دار خواتین سے جو پاس ہی رہتی ہوں، بغیر کسی اعلان اور اشتہار کے روزانہ پانچ پارے با تجوید مصحف دیکھے بغیر سنانے کا اہتمام کرسکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر حافظہ لڑکیوں کے لیے حفظ کو باقی رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ (م، ع، غ، واجد، مادنا پیٹ، سعید آباد)

الجواب

(الف-ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لیے اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے عبادت کریں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عورت کا اپنے چھوٹے کمرہ میں نماز پڑھنا دالان میں نماز پڑھنے سے اور دالان میں نماز پڑھنا گھر کے احاطہ میں نماز ادا کرنے سے اور گھر کے احاطہ میں نماز ادا کرنا محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے"۔ (۲)

---

(۱) الدرالمختار علی الشامی: ۷۲۸/۱

(۲) سنن البیهقی الکبریٰ: ۱۳۱/۳ (عن أم سلمة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "خیر مساجد النساء أقعر بیوتهن".)

وعن أبی الأحوص عن عبد اللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلا تها فی مخدعها أفضل من صلا تها فی بیتها". (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتهن: ۲۱۸/٤، مکتب البحوث والدراسات فی دارالفکر بیروت، انیس)

حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ظاہر ہے کہ یہ نماز مسجد اور مسجد نبوی جیسی عالی مرتبت مسجد میں ادا ہوتی اور وہ بھی آپ کی اقتدا میں؛ لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھیں، یہ زیادہ بہتر ہے۔(۱)

اسی لیے عام طور پر فقہاءؒ نے لکھا کہ عورتوں کا مسجدوں میں آنا بہتر نہیں۔یہ رائے صرف حنفیہ کی نہیں؛ بلکہ دوسرے فقہاء کی بھی ہے۔فقہاء شوافع میں مشہور محدث اور فقیہ امام نوویؒ نے شرح مہذب (۲) میں اور فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ مقدسیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''المغنی'' (۳) میں بھی یہی لکھا ہے؛اس لیے محلّہ کی مساجد ہوں، یا محلّہ کا کوئی مکان، تراویح پڑھانے والا مرد ہو، یا عورت، یہ اجتماع نماز پڑھنے کے لیے ہو، یا محض قرآن سننے کے لیے،موجودہ حالات میں کراہت سے خالی نہیں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

مسجدوں کو بازار اور دوسرے مواقع پر قیاس نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اگر ان مقامات پر کوئی ناشائستہ بات پیش آتی ہے تو یہ برائی دنیا کی طرف منسوب ہوتی ہے،اس سے بازار بدنام ہوں گے؛لیکن وہی بات؛ بلکہ اس سے کمتر درجہ کی بات بھی کسی دینی مرکز پر، یا مسجد میں پیش آئے تو اب یہ برائی دین کی طرف منسوب ہوگی، دینی مراکز بدنام ہوں گے اور دین کے وقار واعتبار کو نقصان پہنچے گا؛اس لیے صحیح طریقہ یہی ہے کہ خواتین اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور جب نماز کے لیے باہر نکلنا مناسب نہیں، جب کہ نماز میں جماعت مطلوب ہے تو محض قرآن مجید سننے کے لئے باہر نکلنے کے کیا معنی؟

اصل خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہے نہ کہ اپنے جذبات کی تکمیل اور خواہشات کی تسکین، پس جب شریعت نے خواتین کے لیے یہ رعایت رکھی ہے کہ گھر میں نماز ادا کرنے میں زیادہ اجر وثواب ہے تو مسجدوں میں اور دوسرے مقامات پر جا کر نماز ادا کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ گھر میں نماز ادا کرنے میں زیادہ اجر وثواب کا حاصل ہونا یقینی ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور باہر جا کر نماز پڑھنے میں گناہ کا اندیشہ ہے تو یقینی اجر وثواب کو چھوڑ کر اندیشۂ گناہ مول لینا کیا عقلمندی کی بات ہوسکتی ہے؟

---

(۱) فتح الباری:۳۵۰/۲۔نیز دیکھئے: مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر:۲۶۵۵،بحوالہ جمع الفوائد، حدیث نمبر:۱۲۱۵۔محشی

عن عمته أم حميد امرأة أبی حميد الساعدی أنها جائت النبی صلی الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله إنی أحب الصلاة معک، قال: قد علمت إنک تحبين الصلاة معی وصلاتک فی بيتک خير لک من صلاتک فی حجرتک خير من صلاتک فی دارک،إلخ.(فتح الباری،باب انقطاء الناس قيام الإمام:۳۵۰/۲،انیس)

(۲) الشرح المهذب: ۱۹۸/٤

(۳) المغنی: ۱۸/۲

(د) حافظہ خاتون کے لیے حفظ باقی رکھنے کی صورت یہ ہے کہ تلاوت کلام پاک کی کثرت رکھیں، تنہا نماز ادا کرتے ہوئے قرآن مکمل کرلیں اوراس بات کی بھی گنجائش ہے کہ اپنے ہی گھر کی خواتین کوکسی کمرہ میں اکٹھا کر کے تراویح پڑھا دیں اورقرآن اس طرح پڑھا جائے کہ غیرمحرم مردوں تک آواز نہ پہنچے، چوں کہ اس صورت میں فتنہ کا اندیشہ نہیں؛اس لیے اس کی گنجائش ہے، البتہ اس صورت میں امام کو پہلی صف کے وسط میں کھڑا ہونا چاہیے، نہ کہ نمازیوں سے آگے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی عمل منقول ہے۔(۱)(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۲-۴۱۵)

گھر کے اندر تراویح میں محرم وغیرمحرم عورتوں کی اقتدا درست ہے، یانہیں:

سوال: شخصے فرض نماز عشا بجماعت درمسجد در ماہ رمضان ادانمودہ تراویح ووتر درخانۂ خودمی خواندودرتراویح ختم قرآن می خواند بعض زنان محرمات وے وبعض زنان غیرمحرمات درآں خانہ آمدہ زیراقتدائے آں حافظ تراویح ووترادامی نمایند،ایں اقتدا جائزاست یانہ؟(۲)

الجواب

بوجود زنان محرم کراہت مرتفع می شود۔(۳)

كما يظهرمن عبارة الدرالمختار: كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته أوزوجته أوأمته،أما إذا كان معهن واحد ممن ذكرأوأمهن في المسجد لا يكره.(۴)

وفي ردالمحتار: وأفاد أن المراد بالمحرم ماكان من الرحم.(۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۰-۲۵۱)

(۱) (ويكره للنساء أن يصلين وحدهن الجماعة) لأنها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الإمام وسط الصف فيكره كالعراة (فإن فعلن قامت الإمام وسطهن)لأن عائشة رضى الله عنها فعلت كذلك.(الهداية فى شرح بداية المبتدى،باب الإمامة: ۱/۱٦٦،ط: كراچی)

(قَوْلُهُ فَإِنْ فَعَلْنَ تَقِفُ الْإِمَامُ وَسَطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ) لِأَنَّ عَائِشَةَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا – فَعَلَتْ كَذَلِكَ.(البحرالرائق، جماعة النساء في الصلاة: ۱/۳۷۳،دارالكتاب الإسلامى بيروت،انيس)

قوله:(ولا يصح اقتداء الرجل بالمرأة) لقوله عليه السلام:﴿أخروهن من حيث أخرهن الله﴾ فينافى هذا تقديمهن على غيرهن وتجوز إمامتها للنساء، ولكن جماعتهن مكروهة، فإن فعلن: يقف الإمام وسطهن كالعراة. (منحة السلوك، فصل في الجماعة۱/۱٦۷،وزارة الأوقاف قطر،انيس)

(۲) خلاصۂ سوال:ایک شخص ماہ رمضان میں عشا کی فرض نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرکے تراویح اوروتر اپنے گھرمیں پڑھتا ہے،اورتراویح میں قرآن ختم کرتا ہے،اس کی بعض محرم عورتیں اور کچھ غیرمحرم عورتیں اس کے گھر آ کراس حافظ کی اقتدامیں تراویح اوروتر کی نماز ادا کرتی ہیں تو یہ اقتدا جائز ہے، یانہیں؟انیس

(۳) خلاصہ ترجمہ:محرم عورتوں کی موجودگی میں کراہت ختم ہوجاتی ہے۔انیس

(۴) الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۱/۵۲۹،ظفير

(۵) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۱/ ۵۲۹،ظفير

مرد کی اقتدا عورتیں پردہ کے پیچھے کرسکتی ہیں:

سوال: اگرکوئی امام نماز فرض، یا تراویح پڑھاتا ہواور مستورات کسی پردہ، یا دیوار کے پیچھے فاصلہ سے مقتدی بن کرنماز پڑھیں تو عورتوں کی نماز جائز ہے، یا نہیں؟ اور امام کی نماز میں کچھ خلل تو نہیں آتا؟

الجواب

ان مستورات کی نماز درست ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲۶۱/۴-۲۶۲)

عورتوں کا تراویح پڑھنے کا طریقہ:

سوال: عورتوں کا تراویح پڑھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ وہ تراویح کس طرح قرآن پاک ختم کریں؟

الجواب

کوئی حافظ محرم ہوتو اس سے گھر پر قرآن کریم سن لیا کریں اور نامحرم ہوتو پس پردہ رہ کر سنا کریں، اگر گھر پر حافظ کا انتظار نہ ہوسکے تو ﴿الم تر کیف﴾ سے تراویح پڑھ لیا کریں۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۸/۴)

☆ ☆ ☆

(۱) کما تکره إمامة الرجل لهن فی بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه،الخ،أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أومعهن فی المسجد لا يكره.(الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الإمامة: ۵۲۹/۱،ظفير)

(۲) (ولا يحضرون الجماعات)لقوله صلى الله عليه وسلم :"صلاة المرأة فی بيتها أفضل من صلاتها فی حجرتها، وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بيتها"،فالأفضل لها ما كان أستر لها،لافرق بين الفرائض وغيرها كالتراويح.(حاشية الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح،ص:۱۶۶،فصل فی بيان الأحق بالإمامة، وأيضا فی الشامية: ۵۶۶/۱)

تراویح میں لقمہ دینے کے مسائل

بدون سامع قرآن سنانا:

سوال: کیا تراویح میں حافظ کے پیچھے سامع ہونا ضروری ہے؟ بغیر سامع بھی پورا قرآن مجید کا ثواب ملے گا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر قاری کا حفظ پختہ ہو تو سامع ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷/شوال ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۲۰-۵۲۱)

تراویح میں لقمہ:

سوال: کیا تراویح پڑھتے وقت حافظ صاحب آیت بھول جائیں تو لقمہ دے سکتے ہیں؟ (واحد، آصف نگر)

الجواب ــــــــــ

اگر امام سے قرآن پڑھنے میں بھول ہو جائے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے، لقمہ دیتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ امام مزید التباس میں نہ پڑ جائے؛ یعنی اگر امام صحیح طور پر پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو تو اوّلاً اس کو موقعہ دیا جائے، اگر امام نہ پڑھ پائے تو لقمہ دیا جائے، لقمہ کوئی ایک شخص دے اور اس طرح پڑھے کہ امام کو سمجھ میں آجائے، جو شخص نماز میں شریک نہ ہو اس کو لقمہ نہ دینا چاہیے اور اگر اس نے لقمہ دے ہی دیا اور امام نے قبول کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۰-۴۰۱)

قرآن دیکھ کر لقمہ دینا مفسد ہے:

سوال: قرآن دیکھ کر لقمہ دینا حافظ کو تراویح میں جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگئی اور امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز جاتی رہی۔(۱)

---

(۱) وإن فتح غير المصلي على المصلي فأخذ بفتحه تفسد، كذا في منية المصلي. (الهندية: ۹۹/۱، باب في ما يفسد الصلاة)

(۳) ويفسد ها قرائته من مصحف. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع فيما يفسدها: ۱۰۱/۱، دار الفكر، انيس)

لأنه عمل كثير وتلقن من الخارج. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴؍شوال ۱۳۹۳ھ (احسن الفتاویٰ: ۵۲۴/۳)

کیا شیعہ حافظ جماعت میں مل کر لقمہ دے سکتا ہے:

سوال: اگر تراویح میں امام غلطیاں کرتا ہے اور سامع بھی چوک جاتا ہے اور شیعہ حافظ موجود ہے، اگر وہ نیت کر کے اقتدا میں آکر بتائے تو عندالحنفیہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر شیعہ ایسا ہے کہ نہ تبرّا گو ہے اور نہ منکر صحبت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہے اور نہ قائل قذف صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے تو اس صورت میں لقمہ دینا جائز ہے، اس کے بتلانے سے لقمہ لینے والے کی نماز اور اس کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہے، (۲) اور اگر وہ شیعہ غالی ہے، جس میں امور مذکورہ موجود ہوں؛ یعنی تبرائی ہو اور منکر صحبت حضرت خلیفہ اول ہو اور حضرت صدیقہ کے افک کا قائل ہو تو چوں کہ ایسا رافضی مرتد و کافر ہے؛ اس لیے اس کے بتلانے سے اور امام کے لقمہ لینے سے نماز امام کی اور اس کے مقتدیوں کی باطل ہو جاوے گی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۹/۴)

نیت باندھ کر لقمہ دے پھر نیت توڑے، یہ کیسا ہے:

سوال: بعض حافظ دوسرے حافظ کا پڑھنا نماز سے خارج بیٹھے سنا کرتے ہیں، جب وہ بھول جاتا ہے تو یہ جلدی سے صف میں، یا قریب صف کے نیت باندھ کر اس کو بتا دیتے ہیں اور پھر فوراً نیت توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بعض ناخدا ترس اسی صورت میں کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ بغیر وضو کے، یا پانی پر قدرت ہوتے ہوئے تیمّم کر کے نیت باندھ کر بتا دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں لقمہ دینے والے اور لقمہ لینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر نیت باندھ کر بتلا دیں گے، تو قاری کی نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا؛ (۳) مگر اس کو نیت توڑنے کا گناہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی اور جو بے وضو بتلایا، یا باوجود پانی کے تیمّم کر کے بتلایا اور قاری نے لے لیا تو اس کی نماز فاسد ہوئی اور مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہوئی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۸/۴)

---

(۲) وفتحه على غير إمامه ...بخلاف فتحه على إمامه فإنه لايفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بكل حال إلا إذا سمعه المؤتم من غير مصلي ففتح به تفسد صلاة الكل. (الدرالمختار على هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۵۸۱/۱، ظفير)

(۳) وإن فتح على إمامه لم تفسد. (عالمگیری کشوری، الباب السابع فیما یفسد الصلاة: ۹۰/۱، ظفیر)

صرف لقمہ دینے کے لیے تراویح میں شرکت:

سوال: جو شخص نماز تراویح میں اس نیت سے شریک ہو کہ امام غلطی کرر ہا ہے اس کو بتلا کر علاحدہ ہو جاؤں گا تو اس نیت سے وہ مقتدی ہو گیا یا نہیں؟ اگر امام کو لقمہ دیکر علاحدہ ہو گیا تو امام کی نماز ہوئی، یا نہیں؟ اور شبینہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

مقتدی ہو گیا اور نماز پوری کرنی اس کے ذمہ لازم ہوگئی، امام تو لقمہ لے لیگا، اسے کیا خبر کہ یہ بتلا کر علاحدہ ہو جاوے گا، نماز امام کی ہوگئی، اس نیت سے شریک ہونا برا ہے، وہ نماز اس کے ذمہ پوری کرنی لازم ہے۔(۱)
شبینہ اگر قرآن شریف کو صحیح اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ ہو تو عمدہ ہے؛ لیکن جیسا کہ اس زمانہ میں ہوتا ہے، اکثر سبب معاصی کا ہوتا ہے، ترک کرنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۸۸)

تراویح میں غلط لقمہ دے کر پریشان کرنا:

سوال: بعض پرانے حافظ نئے حافظ کو تراویح میں لقمہ غلط دے کر پریشان کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ بھی انہی اغلوطات میں سے ہے، جن کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۸)

حافظ کو تنگ کرنے کے لیے تراویح کے وقت شوروغل جائز نہیں:

سوال: بعض حافظوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو لڑکا نیا محراب سنانے والا ہوتا ہے، اس کے سنانے کے وقت جا کر اس کو گھبرانے اور بھلانے کے لیے زور سے پاؤں پیٹتے اور کھنکارتے اور کھانستے ہیں، ایسے حافظوں کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغلوطات سے منع فرمایا ہے، یعنی جو امور کسی مسلمان کو غلطی میں ڈالیں ان سے احتراز لازم ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۶)

بھولنے اور نہ لقمہ لینے والے قاری کا کیا کریں:

سوال: ہماری مسجد میں جو امام صاحب ہیں، وہ عالم دین بھی ہیں اور حافظ اور قاری بھی، جب وہ اس مسجد میں

---

(۱) ومن شرع في نافلة ثم أفسدها قضاها... ولنا أن المؤدى وقع قربة فيلزم الإتمام ضرورة صيانته عن البطلان. (الهداية، باب النوافل: ۱/۱۳۱، ظفير)
(۲-۳) عن معاوية قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الأغلوطات. (رواه أبو داؤد) (مشكوٰة، كتاب العلم: ۳۵، ظفير)

تراویح پڑھانے تشریف لائے تو بہت سہو ہوتا تھا، اس کی انہوں نے یہ تاویل کی کہ میں پہلے صرف چند افراد کی امامت کیا کرتا تھا اور یہاں بہت بڑی تعداد نمازیوں کی ہوتی ہے؛ اس لیے (شاید گھبراہٹ میں) بھول ہوتی ہے؛ لیکن اب کم وبیش دس سال امامت وتراویح پڑھاتے ہوئے ہوگئے ہیں، سہو نسبتاً بڑھتا جاتا ہے، اگر کوئی دوسرا حافظ (ان کے مقرر کردہ سامع کے علاوہ) لقمہ دے تو قبول نہیں کرتے، انتظامیہ باوجود شکایت کے اپنے کو اس لیے مجبور پاتی ہے کہ!

(۱)　مکان رہنے کو دیا ہے، جو مسجد کی ملکیت ہے۔

(۲)　شمالی علاقے سے تعلق ہے، انہوں نے اپنے ایک حلقے کو وسعت دے دی ہے، کم ازکم اور کسی جھگڑے کے علاوہ مکان خالی نہ ہونے کا خطرہ لازمی محسوس کرتے ہیں، ان حالات میں مقتدی کیا کریں؟ گو اس مسجد میں بالائی منزل پر دوسرے حافظ (کبھی تو آموز حافظ بھی) تراویح پڑھاتے ہیں؛ لیکن ضعیف لوگوں کو اوپر چڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے، کیا اب وہ لوگ الم ترکیف سے علاحدہ اپنی تراویح پوری کر سکتے ہیں؟

الجواب

اگر قاری صاحب بہ کثرت بھولتے ہیں، اور پیچھے سے لقمہ بھی نہیں لیتے، تو ان کے بجائے دوسرے آدمی کو مقرر کرنا چاہیے۔(۱) لوگوں کا قرآن سننے سے محروم رہنا افسوس کی بات ہوگی؛ لیکن اگر قاری صاحب کے پیچھے کھڑے ہونے کا تحمل نہیں تو اپنی تراویح کرالیا کریں، بہتر ہے کہ ان کے لیے کسی الگ جگہ جماعت کا انتظام کردیا جائے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۹۹/۴)

لیٹے لیٹے تراویح کے وقت گفتگو کرنا:

سوال:　بعض مقتدی ایسا کرتے ہیں کہ جب حافظ تراویح میں دو تین یا اور زیادہ پارے پڑھتا ہے تو یہ صف سے دور نماز سے باہر خاموش بیٹھے، یا لیٹے رہتے ہیں، یا چپکے چپکے گپ شپ کیا کرتے ہیں؛ مگر خاموشی کی حالت میں بھی قرآن شریف سننا ان کا مقصود ہرگز نہیں ہوتا۔ پس ان کو سننے کا ثواب ملے گا، یا کیا اور اس فعل کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

ظاہر ہے کہ بات چیت کرنا ایسے وقت گناہ ہے اور مبطل ثواب ہے اور چپ لیٹے بیٹھے رہنا اگرچہ بہ نیت سننے کے نہ ہو؛ مگر کان میں آواز آتی ہے تو سننے کا ثواب مل جاوے گا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۸/۴-۲۵۹)

---

(۱)　لاینبغی للقوم أن یقدموا فی التراویح الخوشخوان ولکن یقدموا الدرستخوان،إلخ. (الفتاویٰ الهندیة،الباب التاسع فی النوافل،فصل فی التراویح: ۱۱٦/۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

ویکره الإسراع فی القراءة وفی اداء الأرکان. (أیضا: ۱۱۸/۱، فصل وأما شرائط الأرکان، کتاب الصلاة)

(۲)　یجب الاستماع للقراءة مطلقاً. (الدرالمختار)أی فی الصلاة وخارجها. (رد المحتار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی القراءة: ۲٦۸/۲،مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

تراویح میں قرأت کے مسائل

نماز تراویح میں قرآن کی سورتوں کی ترتیب کا حکم:

سوال: ایک شخص نماز تراویح کی چار رکعت کی نیت کرتا ہے، اول رکعت میں سورۂ والعصر پڑھتا ہے، دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھتا ہے، تیسری میں سورۂ الہمزہ اور چوتھی میں پھر سورۂ اخلاص پڑھتا ہے، اس صورت نماز تراویح ہوگی، یا نہیں؟ اگر ہوگی تو حوالۂ کتاب اور استدلالِ حدیث کی ضرورت ہے اور اگر نہیں ہوگی تو بھی دلائل کی ضرورت ہے، بہر حال ہر حالت میں ثبوت اور حوالۂ کتاب کی ضرورت ہے، ایسا کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے اور اس کے لیے کیا حکم ہے؟ میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ ترتیبِ قرآن ٹھیک نہیں اور ہر نماز لیے ترتیبِ قرآن کا ہونا ضروری ہے، بہر حال اس مسئلہ کے لیے جو کچھ ضروری ہو، تحریر فرمائیے؟

(۲) ایک شخص دو رکعت نماز تراویح کی نیت کرتا ہے، پہلی رکعت میں سورۂ والعصر پڑھتا ہے، دوسری میں سورۂ الاخلاص، اسی طرح وہ نماز تراویح کی بست رکعتیں ختم کرتا ہے، یا یہ طریقہ جائز ہے، یا نہیں؟ دونوں صورتوں کے لیے دلائل کی ضرورت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

قال فی الخلاصة: رجل یصلی أربع رکعات بتسلیمة وقعد فی الثانیة قدر التشهد اختلف المشائخ فیه أکثرهم علی أنه یجزی عن تسلیمتین، آہ. (۶۵/۱)

صورتِ مذکورہ میں نماز درست ہوجاوے گی؛ مگر تراویح میں چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا خلافِ سنت ہے۔

قال فی الخلاصة: وإن قرأفی رکعة سورة وفی رکعة أخریٰ فوق تلک السورة أوفعل ذلک فی رکعة مکروه وإن وقع هٰذا من غیرقصده بأن قرأ فی الرکعة الأولٰی قل أعوذ برب الناس یقرأ فی الرکعة الثانیة هٰذه السورة أیضاً وهٰذه کلها فی الفرائض أما فی النوافل لایکره، آہ. (ص:۱۹۷)

اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کی ترتیب فرائض میں ضروری ہے، غیر ترتیب سے پڑھنے میں کراہت ہوگی؛ لیکن نوافل میں ہر طرح اختیار ہے، گو نوافل میں بھی ترتیب کی رعایت افضل ہے؛ لیکن جو صورت سائل نے لکھی ہے، اس

میں تو کچھ بھی حرج نہیں؛ کیوں کہ نوافل وتراویح کا ہر شفعہ صلوٰۃ مستقلہ ہے اور ہر شفعہ کی قرأت میں الگ الگ رعایت ترتیب کی ہے، گو مجموعہ شفعتین میں ترتیب نہ رہی ہو، اس کا مضائقہ نہیں۔

۲۲/رمضان ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۳۵-۲۳۶)

ختم تراویح میں خلاف ترتیب قرأت:

سوال: بعد ختم قرآن حافظ ﴿مفلحون﴾ سے چند آیات دعائیہ وغیرہ پڑھتے ہیں، بروئے احادیث وفقہ جائز ہے، یا نہیں؟ ودوگانہ مکمل سمجھا جاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

ایسا کرنا بہتر ہے، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

"ويكره الفصل بسورة قصيرة، وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم، فيقرأ من البقرة. (الدرالمختار) **قال في شرح المنية: وفي الوالوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ، يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خير الناس الحال المرتحل": أي الختم المفتتح".** (ردالمحتار: ۱/۵۷۰)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۲۲)

تراویح میں مقدارِ قرأت مسنونہ:

سوال: یکم رمضان کو حافظ محراب سنانے کے لیے تیار ہوا۔ ایک مقتدی نے انکار کیا کہ ہم قرآن شریف نہیں سنتے، امام ودیگر مقتدیان نے اسے جواب دیا کہ تم نہیں سنتے، ہم سنیں گے۔ اس پر شخص اول نے کہا کہ چھوٹی ہوئی سورتوں سے پڑھاؤ، شخص معترض توانا وتندرس ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا ارشاد ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

فقہا نے ایسا لکھا ہے کہ افضل اس زمانہ میں اس قدر پڑھنا ہے، تراویح میں کہ مقتدیوں پر بھاری نہ ہو۔ پس شخص مذکور کے قول کو بھی اسی پر حمل کیا جاوے گا کہ مناسب مقتدیوں کے حال کے سورتوں سے تراویح کا پڑھنا ہے، نہ یہ کہ قرآن شریف کے سننے سے انکار ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کراؤ؛ بلکہ سورتوں سے تراویح پڑھو تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

وفي فضائل رمضان للزاهدي: أفتىٰ أبوالفضل الكرماني والوبرى أنه إذا قرأ في التراويح الفاتحة

---

(۱) **ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۲/۲۶۹، سعيد**

وآية أو آيتين لايكره ومن لم يكن عالماً بأهل زمانه فهو جاهل، إلخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۰/۴-۲۶۱)

تراویح کی بعض رکعتیں طویل اور بعض مختصر:

سوال: عام طور پر تراویح میں ختم قرآن کے دن ابتدائی رکعتوں میں قرآن مجید کی زیادہ مقدار پڑھی جاتی ہے اور آخری چار رکعت میں کچھ چھوٹی چھوٹی سورتیں کیا ایسا کرنا بہتر ہے؟ (مصلح الدین، کوہیر)

الجواب

بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ تمام ترویحات میں قرآن برابر پڑھا جائے، البتہ ایک میں زیادہ اور ایک میں کم پڑھنے میں بھی قباحت نہیں، بشرطیکہ مصلیوں کو اس سے بوجھ نہ ہوتا ہو۔

"الأفضل تعديل القراءة بين التسليمات فإن خالف فلا بأس به". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۴)

تراویح میں بعض آیتوں کے بعد بعض کلمات:

سوال: نماز تراویح میں حافظ صاحب بعض سورتوں کے اختتام پر نماز ہی میں بعض الفاظ غیر قرآنیہ عربی میں پڑھتے تھے، مثلاً سورۂ مرسلات کی آخری آیت ﴿فَبِاَىِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ کے بعد آمنا باللّٰہ کہتے تھے۔ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

حنفیہ اس قسم کی دعاؤں کو نماز میں پڑھنے کو منع فرماتے ہیں؛ لیکن اگر نوافل میں ایسا کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور تراویح بھی فاسد نہ ہوگی۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۸/۴)

قرآن اس قدر تیز پڑھنا مناسب نہیں کہ سمجھ میں نہ آوے:

سوال: بعض حافظ تراویح میں ایسا جلدی قرآن شریف پڑھتے ہیں کہ سوائے **یعلمون** اور **تعلمون** کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور بعض مقتدی بھی ایسا پڑھنے کو بوجہ جلدی ختم ہوجانے تراویح کے پسند کرتے ہیں۔ ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) الدرالمختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ۶۶۲/۱، ظفير

(۲) الفتاوى الهندية: ۱۱۷/۱

(۳) والمؤتم لايقرأ مطلقاً إلخ بل يستمع إذا جهر وينصت إذا أسر، إلخ، وإن قرأ الإمام آية ترغيب أو ترهيب وكذا الإمام لايشتغل بغير القرآن وما ورد حمل على النفل منفردًا. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۵۰۹/۱، ظفير)

الجواب

درمختار میں ہے:

ویجتنب المنکرات هذرمة القراء ة وترک تعوذ وتسمیة وطمأنینة،إلخ. (۱)

یعنی ختم قرآن میں منکرات سے احتراز کرے؛ یعنی جلدی پڑھنے سے اور اعوذ و بسم اللہ اور اطمینان کے چھوڑنے سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا پڑھنا امر منکر ہے جو بجائے ثواب کے سبب معصیت ہوجاتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۷)

حروف کاٹ کر تیز پڑھنے والے حافظ کے پیچھے نماز مکروہ ہے:

سوال: ایسا حافظ جو سال بھر قرآن مجید کی تلاوت نہ کرتا ہو اور حافظ بھی پختہ نہیں ہے، دنیادار ایسا کہ تین چار قسم کا روزگار کئے ہوئے ہے؛ مگر اتنا چاہتا ہے کہ سال بھر میں بذریعہ تراویح قرآن سنا دوں، انداز اس کے سنانے کا یہ ہے کہ صاف لفظ نہیں ادا کرتا، کسی لفظ کا کوئی جُزو پڑھا اور تیزی میں اس لفظ کا کوئی جزو چھوڑ دیا اور اسی تیزی میں کئی؛ بلکہ آیت، یا دو آیت، یا کئی آیتیں چھوڑ گیا تو ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔

۲۷/شوال ۱۳۴۰ھ (امدادالاحکام:۲/۲۳۴)

تراویح میں تیز رفتار حافظ کے پیچھے قرآن سننا کیسا ہے:

سوال: سورۂ مزمل کی ایک آیت کے ذریعہ تاکید کی گئی ہے کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، ﴿ورتل القرآن ترتیلا﴾ (المزمل: ٤) اس کے برعکس تراویح میں حافظ صاحبان اس قدر روانی سے پڑھتے ہیں کہ الفاظ سمجھ میں نہیں آتے، اگر وہ ایسا نہ کریں تو پورا قرآن وقت مقررہ پر ختم نہیں کر سکتے، باپ اور بیٹا دونوں حافظ ہیں، بیٹا باپ سے زیادہ روانی سے پڑھتا ہے، جس پر لوگوں نے باپ کو ''حافظ ریل'' اور بیٹے کو ''حافظ انجن'' کے لقب سے نوازا ہے اور وہ اب اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں، کیا تراویح میں اس طرح پڑھنا درست ہے؟

الجواب

تراویح کی نماز میں عام نمازوں کی نسبت ذرا تیز پڑھنے کا معمول تو ہے؛ (۲) مگر ایسا تیز پڑھنا کہ الفاظ صحیح طور پر ادا

(۱) الدرالمختارعلی هامش رد المحتار،باب الوتروالنوافل،مبحث التراویح: ۲/۴۹۹،مکتبة زکریا دیوبند،ظفیر

(۲) وفی الدر: یقرأ فی الفرض بالترسل حرفًا حرفاً،وفی التروایح بین بین وفی الشامیة (قوله بین بین) أی بأن تکون بین الترسل والإسراع،إلخ.(الدرالمختارمع رد المحتار،فصل القراء ة: ۲/۲۶۲،مکتبة زکریا دیوبند)

نہ ہوں، اور سننے والوں کو سوائے **یعلمون تعلمون** کے کچھ سمجھ نہ آئے، حرام ہے، ایسے حافظ کے بجائے ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱۸۹/۴)

قرأت مقتدیوں کے حال کے مطابق کی جائے:

سوال: قصبہ سردھنہ میں حفاظ نے متفقہ طور پر ایک کمیٹی قائم کرکے یہ وجہ بتلاتے ہوئے کہ اس سے قرآن شریف پختہ یاد ہوجائے گا، یہ پاس کیا ہے۔امسال ہم لوگ روزانہ ڈھائی پارہ تراویح میں سناویں اور وہ اس طریقے سے کہ فی مسجد دو حافظ مقرر ہوں اور ہر ایک حافظ ایک ہی سوا پارہ کو دس دس تراویح میں سنادے، ہر ایک حافظ کا پڑھنے میں سوا پارہ ہوجائے اور مقتدیوں کے لیے ڈھائی ہوجائیں۔اگرچہ اکثر مقتدی اپنی ناتوانی کی بنا پر ڈھائی پارہ روزانہ تراویح میں سننے پر راضی نہیں ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو اپنا قرآن شریف یاد کرنا منظور ہے تو اس کی اور صورتیں ہوسکتی ہیں، بارہ مہینے دور کرو، علاوہ تراویح کے نفلوں میں بوقت تہجد کے ایک ایک دو دو کو سناؤ؛ مگر حفاظ ان صورتوں کو نہ مانتے ہوئے اور زبردستی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم کو سننا ہے تو ہمارے طے کئے ہوئے کے موافق ڈھائی پارہ ہی سنو، ورنہ ہم نہیں سناتے، ہر چندان کو بہشتی زیور وغیرہ دکھا کر سمجھایا جاتا ہے کہ تمہاری اس صورت میں جماعت کم ہوتی ہے، آدھی مسجدیں بغیر قرآن شریف کے رہ جاتی ہیں، مکروہ نہیں، مانع ایسی صورت میں اگر مقتدی ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھنا شروع کریں تو کیسا ہے؟ ترک سنت قرآن لازم آتا ہے، یا نہیں؟ اور ثواب میں کمی ہوتی ہے، یا نہیں؟ نیز ان حفاظ میں سے بعض ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور بعض پنجگانہ نماز کے پوری طرح پابند نہیں ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ

---

(۱) وشروط الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام ... والقراء ة والسلامة من الأعذار كالرعاف والفأفأة والتمتمة واللثغ، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۰/۱)

ويكره الإسراع في القراء ة. (الفتاویٰ الهندية: ۱۱۷/۱، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، طبع رشيدية)

قال عبدالرحمن بن شبل: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقروأ القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا فيه ولا تأكلوا به ولا تستكثرو به. (مسند الإمام أحمد، حديث عبد الرحمن بن شبل: ۴۴۳/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۵۸، انيس)

قال رسول اللّٰه صلى الله وعليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان للبيهقي، التاسع عشر من شعب الإيمان هو باب في تعظيم القرآن، فصل في ترك قراء ة القرآن في المساجد والأسواق لليعطى ويستأكل به، رقم الحديث: ۲۶۲۵، انيس)

وأن القراء ة لشئ من الدنيا لا تجوز و إن الآخذ والمعطى آثمان؛ لأن ذلک يشبه الاستيجار على القراء ة ونفس الاستيجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلک في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب بطلان الوصية: ۶۸۷/۱، انيس)

جورو پیہ طے کرتے ہیں، ان کی امامت تراویح میں کیسی ہے؟ ان صورتوں میں حفاظ کی ضد مان کر ڈھائی پارہ ہی سنیں، تقلیل جماعت کا خیال نہ کریں، یا جماعت کا خیال کرتے ہوئے ﴿الم ترکیف﴾ سے پڑھ لیں۔

(المستفتی: ۱۲۴۵، امیر الدین صاحب قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ، ۷؍رمضان ۱۳۵۵ھ، ۲۳؍نومبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

حفاظ کی یہ ضد اور مقتدیوں کی مرضی کے خلاف جبراً ڈھائی پارہ پڑھنا اور جماعت کے تفرق اور انتشار کی پرواہ نہ کرنا گناہ کی بات ہے، وہ اس میں یقیناً گناہ کے مرتکب ہوں گے؛ بلکہ مقتدیوں کی رضامندی کے خلاف امامت کرنے والے کے حق میں لعنت کی وعید بھی وارد ہے، اگر ضعیف و ناتواں لوگ اس طرز عمل کے خلاف ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح ادا کرلیں تو ان کے حق میں کوئی کراہت نہ ہوگی۔ ڈاڑھی منڈانے والے اور نماز فرض کے تارک اور پیسے طے کر کے لینے والے حافظوں کی امامت مکروہ ہے،(۱) ان کے پیچھے قرآن سننے سے نہ سننا اور سورت تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳؍۴۰۱-۴۰۲)

☆ ☆ ☆

(۱) قال في التنوير: "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق" إلخ. (باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ط: سعيد)

والتنوير مع شرحه: "ومن أم قوماً وهم له كارهون أن الكراهة لفساد فيه .... كره له ذلک تحريمًا لحديث أبي داؤد: "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم و هم له كارهون: ۱/۸۸، فيصل پبليكيشنز، ديوبند، انيس) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة ۱/۵۵۹، ط: سعيد)

تراویح میں مسبوق کے مسائل

تراویح میں اگر مقتدی کا رکوع چھوٹ گیا تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی:

سوال: تراویح میں امام صاحب نے کہا کہ دوسری رکعت میں سجدہ ہے؛ لیکن دوسری رکعت میں امام نے نہ جانے کس مصلحت کی بناپر سجدہ کی آیت تلاوت کرنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا، جب کہ مقتدی خاص طور پر جو کونوں اور پیچھے کی طرف تھے، وہ دوسری رکعت میں سجدہ کی بنا پر سجدہ میں چلے گئے؛ لیکن جب امام نے ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہا تو وہ حیرت اور پریشانی میں کھڑے ہوئے اور امام ''اللّٰہ اکبر'' کہتا ہوا سجدہ میں گیا تو مقتدی بھی سجدے میں چلے گئے اور بقیہ نماز ادا کی؛ یعنی امام کی نماز تو درست رہی، جب کہ مقتدیوں کا رکوع چھوٹ گیا اور انہوں نے سلام امام کے ساتھ ہی پھیرا، کیا مقتدیوں کی نماز درست ہوئی؟ اگر نہیں تو اس صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

مقتدیوں کو چاہیے تھا کہ وہ اپنا رکوع کر کے امام کے ساتھ سجدے میں شریک ہو جاتے، بہر حال رکوع نماز میں فرض ہے، جب وہ چھوٹ گیا تو نماز نہیں ہوئی، ان حضرات کو چاہیے کہ اپنی دو رکعتیں قضا کرلیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۳/۴)

چھوٹی ہوئی تراویح کی رکعتیں کب پڑھے:

سوال: ایک آدمی مسجد میں اس وقت داخل ہوا کہ نماز عشا کی فرض ہو چکی تھی اور تراویح میں سے دو چار رکعت

(۱) (قوله: ومتابعته لإمامه فى الفروض) أى بأن يأتى بها معه أو بعده، حتى لو ركع إمامه ورفع فركع هو بعده، صح بخلاف ما لو ركع قبل إمامه و رفع ثم ركع إمامه ولم يركع ثانياً مع إمامه أو بعده بطلت صلاته، فالمراد بالمتابعة عدم المسابقة، نعم متابعته لإمامه بمعنى مشاركته له فى الفروض معه، لا قبله ولا بعده، واجبة، إلخ. (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۴۵۰/۱، كتاب الصلاة، مطلب الخروج بصنعه، طبع: ايچ ايم سعيد)

واعلم أنه مما يبتنى على لزوم المتابعة فى الأركان أنه (لو رفع الإمام رأسه) من الركوع أو السجود (قبل أن يتم المأموم التسبيحات) الثلاث (وجب متابعته) وكذا عكسه فيعود ولا يصير ذلك ركوعين (بخلاف سلامه) أو قيامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولو لم يتم جاز ولو سلم والمؤتم فى أدعية التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون. (الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ۶۸/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

ہونے کے بعد شامل ہوا تو اب بقیہ تراویح کس طرح پوری کرے؟ آیا جب امام ہر چار رکعت پر بیٹھے، اس وقت موقع پا کر، یا جب امام بیسوں رکعت پوری کر چکے؟ دریں حالت وتر با جماعت پڑھے، یا بقیہ تراویح پوری کرنے کے بعد؟

الجواب

اگر درمیان میں موقع ملے امام کے ترویحہ میں بیٹھنے کے وقت، اس وقت پڑھ لے، ورنہ امام کے ساتھ وتر با جماعت پڑھ کر پیچھے پوری کر لے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۲۵۱/۴-۲۵۲)

تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں کب پڑھی جائیں گی:

سوال: تراویح کی اگر چند رکعتیں چھوٹ جائیں تو وہ وتر با جماعت ادا کرنے کے بعد پڑھی جائے، یا قبل؟

الجواب وباللّٰه التوفيق

تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں وتر با جماعت ادا کرنے کے بعد پڑھی جائیں، یا اس سے قبل؟ دونوں طرح جائز ہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۳/۷/۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۱۸/۲-۲۱۹)

چھٹی ہوئی تراویح وتر بعد پڑھ سکتا ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ جس شخص کی بعض تراویح باقی ہوں، وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے، بعد وتر پڑھنے کے پھر تراویح باقی ماندہ کو پورا کرے۔ عمر کہتا ہے کہ تراویح باقی ماندہ کو پورا کرے، پھر وتر پڑھے، جب تک تراویح پوری نہ ہوں، وتروں میں امام کے ساتھ شریک نہ ہو۔ درمختار وغیرہ میں وقت تراویح بعد العشاء بیان کیا ہے، خواہ قبل وتر ہو، خواہ بعد وتر۔ شارح ہدایہ نے اسی قول کی تصدیق کی ہے، شامی میں بھی اسی قول کی تصدیق ہے۔ تحقیق مسئلہ کیا ہے؟

---

(۱) وإذا فاتته ترويحة أوترويحتان فلواشتغل بها يفوته الوتربالجماعة يشتغل بالوترثم يصلي مافاته من التراويح وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهيرالدين، كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۷/۱، ظفیر)

(۲) البتہ پہلی صورت بہتر ہے۔ [مجاہد]

(ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتروبعده) في الأصح، فلوفاته بعضها وقام الإمام إلى الوترأو ترمعه ثم صلّى ما فاته". (الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۴/۲-۴۹۴)

"فقوله أوترمعه أي على وجه الأفضلية". (ردالمحتار ۴۹۴/۲)

الجواب

درمختار میں ہے:

"فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلىٰ ما فاته". (۱)

یعنی اگر بعض تراویح اس کی رہ گئی اور امام وتر کے لیے کھڑا ہوا تو وتر امام کے ساتھ پڑھ لیوے، بعد وتر کے باقی تراویح پوری کر لے۔

اور نیز درمختار میں ہے:

"ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فی الأصح". (۲)

اس کا حاصل یہ ہے کہ وقت تراویح کا نماز عشا کے بعد ہے فجر تک، وتر سے پہلے اور پیچھے اصح مذہب میں، پس جب کہ اصح ہونا اس کا معلوم ہوا تو اب جائے تردد کچھ نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۰/۴)

جس کی تراویح رہ گئی ہو، وہ پہلے وتر جماعت سے پڑھ لے، پھر تراویح پڑھے:

سوال: شخصے کہ از و بعض تراویح فوت شدہ بود و در بعض آں اقتدا با امام کرد چوں امام برائے خواندن وتر برخاست شخص مذکور را بناء بر مذہب حنفی چہ حکم است آیا اولاً وتر بدیں امام برخواند و بعد ازاں تراویح فائتہ را، یا نخستیں تراویح متروکہ بخواند و بعد ازاں وتر را تنہا ادا نماید ازیں دو صورت اولیٰ و افضل کدام است؟ (۳)

الجواب

جواب اصل سوال ایں است کہ بصورت مذکورہ شخص مذکور اولاً وتر بجماعت گذارد و بعد ازاں تراویح باقیماندہ ادا نماید۔ (۴)

لكي تحصل له فضيلة جماعة الوتر في رمضان كما رجحه الكمال وعليه عملنا وعمل مشائخنا. وقال في رد المحتار في شرح قول الدر المختار: وهل الأفضل في الوتر الجماعة أم المنزل. (الدر

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح، باب الوتر والنوافل: ٦٥٩/١، ظفير

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٤٩٣/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) خلاصۂ سوال: ایک شخص کی تراویح کی بعض رکعات چھوٹ گئیں اور بقیہ رکعات میں اس نے امام کی اقتدا کی، جب امام وتر پڑھنے کے لیے اٹھے تو مذکورہ شخص کو مذہب حنفی کے مطابق کیا کرنا چاہیے؟ آیا وہ وتر اس امام کے ساتھ پڑھے اور چھوٹی ہوئی تراویح کو بعد میں پڑھے، یا پہلے چھوٹی ہوئی تراویح کو پڑھے اور اس کے بعد وتر تنہا ادا کرے؟ ان دونوں صورتوں میں سے اولیٰ و افضل کون سا ہے؟ انیس

(۴) خلاصۂ جواب: اس سوال کا اصل جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں وہ شخص پہلے وتر جماعت سے پڑھے، پھر بعد میں باقی ماندہ تراویح ادا کرے۔ انیس

المختار)قوله:(تصحيحان)رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتربهم ثم بين العذر في تأخره مثل ما صنع في التراويح فالوتر كالتراويح فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر، بحر، وفي شرح المنية:والصحيح أن الجماعة فيها أفضل،الخ. (۱)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۰)

فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت صحیح نہیں:

سوال: زید ایسے وقت آیا کہ وتر کی جماعت کھڑی تھی تو کیا زید وضوکر کے وتر مین شامل ہو جائے، یا عشا کی نماز اور تراویح ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

پہلے فرض پڑھے اس کے بعد وتر کی جماعت مل جائے تو شریک ہو جائے،اس کے بعد تراویح پڑھے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/شوال ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۱۷-۵۱۸)

جماعت کے ساتھ وتر پڑھ کر تراویح کے بقیہ رکعات کو مکمل کرنے کا حکم:

سوال: تراویح کی جماعت قائم ہوئی، چار یا چھ رکعت گزرنے کے بعد ایک شخص آیا اور فرض پڑھ کر امام کے ساتھ جماعت تراویح میں داخل ہو گیا، جب امام کی نماز تمام ہو جائے گی تو وہ شخص امام کے ساتھ وتر کی جماعت میں شامل ہوگا، یا اپنی مافات کو ادا کرے گا؟

الجواب ــــــــــــ

في الهندية: وإذا فاتته ترويحة أوترويحتان فلو اشتغل بهايفوته الوتربالجماعة يشتغل بالوترثم يصلى ما فاته من التراويح، وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهيرالدين،كذا في الخلاصة.(۱/۱۷۵)(۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص وتر میں شریک ہو جاوے، پھر بقیہ تراویح پڑھ لے۔

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ:٦)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۹٦)

رہی ہوئی تراویح وتر کے بعد:

سوال: جس شخص کی تراویح کی نماز دو چار رکعت رہ گئی، وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے اور اس کے بعد باقی تراویح نماز پڑھ لے تو یہ درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) رد المحتارمع الدرالمختار، كتاب الصلاة، مبحث التراويح، قبيل باب إدراك الفريضة: ١/ ٦٦٤-٦٦٥، ظفير

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ١/١١٧، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر دو چار رکعت تراویح باقی رہ گئی اور وتر کی جماعت میں شرکت کر کے وتر کے بعد رہی ہوئی تراویح پڑھ لے، تب بھی درست ہے۔ (كذا فى الهندية)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۰/۷)

پہلے تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کرے، یا وتر باجماعت:

سوال: اگر کسی کی تراویح کی چند رکعتیں چھوٹ جائیں تو اسے پہلے یہ رکعتیں ادا کرنی چاہئیں، یا وتر کی جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے؟ (عبدالمتین، سدی پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایسی صورت میں بہتر ہے کہ پہلے وتر جماعت کے ساتھ پڑھ لے، پھر تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کر لے۔

"وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة، يشتغل بالوتر، ثم يصلى ما فاته من التراويح". (۲)(کتاب الفتاویٰ: ۴۰۳/۲-۴۰۴)

رہی ہوئی تراویح کی نماز جماعت سے ادا کرنا:

سوال: اگر تراویح کی جماعت ہوگئی اور کچھ آدمی رہ گئے تو وہ لوگ مسجد کے علاوہ دوسری جگہ جماعت سے تراویح کی نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جی ہاں! پڑھ سکتے ہیں، یہ جماعت ثانیہ نہیں جس کو منع کیا جائے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۹/۷-۲۷۰)

---

(۱) وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان، فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة، يشتغل بالوتر، ثم يصلى ما فاته من التراويح، وبه كان يفتى الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين". (الفتاوىٰ الهندية، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۷/۱، رشيدية)

(۲) الفتاوىٰ الهندية: ۱۱۷/۱

(۳) قال العلامة الحلبى: "وإن صلى فى بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة فى المسجد، وهكذا فى المكتوبات): أى الفرائض لو صلى جماعة فى البيت على هيئة الجماعة فى المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهى المضاعفة بسبع وعشرين درجة، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد". (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكادمى لاهور)

تراویح کی سولہ رکعت پڑھی اور بقیہ چار رکعت تہجد کے وقت تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر حافظ نے تراویح میں ۱۶؍رکعت پڑھی اور چار رکعت اس وقت نہ پڑھی کہ کوئی اور پڑھا دیتا ہو، تو اگر حافظ چار رکعت تہجد میں جماعت سے پڑھا دے تو جائز ہے، یا نہیں کہ خود تراویح کی نیت کرے اور بقیہ مقتدی تہجد کی، یا وہ بھی بقیہ چار رکعتیں تراویح کی نیت سے پڑھیں تو یہ فعل جائز ہے، یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ تداعی کے ساتھ اجتماع کیا جاتا ہو؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

تراویح اگر چار رکعت چھوڑ دی اور آخر شب میں اس کی جماعت کر لی تو درست ہے، (۱) اور سوائے تراویح کے دیگر نوافل کی جماعت بتداعی؛ یعنی تین چار آدمیوں سے زیادہ کی جماعت درست نہیں ہے، مکروہ ہے۔ اسی طرح تہجد کی جماعت بھی مکروہ ہے۔ (۲) فقط (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۸۴)

مقتدیوں کو آٹھ رکعات پڑھانے کے بعد امام کا اپنی تراویح پوری کرنا:

سوال: ایک امام پہلے اہل حدیث کو تراویح آٹھ رکعت پڑھا کر وتر پڑھا دیتا ہے، اس کے بعد بارہ رکعت اپنی علاحدہ پوری کر لیتا ہے، ایسا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

تراویح ان کو آٹھ رکعت پڑھ کر بقیہ بارہ رکعت خود پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۶۶)

---

(۱) ووقتها (أی صلاة التراويح) بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فی الأصح، إلخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، مبحث صلاة التراويح: ۱/۶۵۹، ظفير) / الإختيار لتعليل المختار، باب صلاة التراويح: ۱/۶۹، مطبعة الحلبی، انيس)

(۲) ولا يصلى الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أی يكره ذلک علىٰ سبيل التداعی بأن يقتدی أربعة بواحد، إلخ. (الدر المختار، باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراويح: ۱/۶۶۳، ظفير)

(قَوْلُهُ: وَلَا يُصَلِّى الْوِتْرَ فِی جَمَاعَةٍ فِی غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ) لِأَنَّهُ لَمْ يَفْعَلْهُ الصَّحَابَةُ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِجَمَاعَةٍ فِی غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَأَمَّا فِی رَمَضَانَ فَهِیَ بِجَمَاعَةٍ أَفْضَلُ مِنْ أَدَائِهَا فِی مَنْزِلِهِ؛ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِی الْوِتْرِ وَفِی النَّوَافِلِ يَجُوزُ الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِی غَيْرِ رَمَضَانَ وَمَعْنَى قَوْلِ الشَّيْخِ وَلَا يُصَلِّى الْوِتْرَ فِی جَمَاعَةٍ يَعْنِی بِهِ الْكَرَاهَةَ لَا نَفْىَ الْجَوَازِ. وَفِی الْيَنَابِيعِ إذَا صَلَّى الْوِتْرَ مَعَ الْإِمَامِ فِی غَيْرِ رَمَضَانَ يُجْزِئُهُ وَلَا يُسْتَحَبُّ ذَلِکَ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ. (الجوهرة النيرة، باب قيام شهر رمضان: ۱/۹۹، المطبعة الخيرية، انيس)

(۳) (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلىٰ الفجر (قبل الوتر وبعده) فی الأصح، فلو فاته بعضها وقام الإمام إلىٰ الوتر، أوتر معه، ثم صلىٰ ما فاته. (ردالمحتار مع الدر المختار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۴، سعيد)

بہشتی گوہر کے ایک مسئلہ متعلق تقدیمِ وتر علی التراویح پر شبہ کا جواب:

سوال: بہشتی گوہر، ص ۳۹ میں تراویح کا بیان مطالعہ کر رہا تھا، وقت تراویح کے متعلق یہ عبارت دیکھی گئی کہ وتر کے بعد تراویح کا پڑھنا بہتر ہے، اگر پہلے پڑھ لے، تب بھی درست ہے۔ (مراقی الفلاح، ص: ۲۴۰)

اس سے مجھے شبہ پیدا ہوا؛ اس لیے کہ میرے علم میں اس کے برعکس ہے؛ یعنی وتر کا پہلے تراویح سے پڑھنا بہتر ہے، اگر بعد کو پڑھے، تب بھی درست ہے؛ لیکن چوں کہ حوالہ موجود تھا، خیال ہوا ممکن ہے کہ میری ہی معلومات غلط ہوں، دفع شبہ کے لیے مراقی الفلاح نکالی گئی، اس میں یہ عبارت ملی ہے کہ!

(وقتها) ما (بعد صلاة العشاء) على الصحيح إلى طلوع الفجر (و) لتبيعتها للعشاء (يصح تقديم الوتر على التراويح وتأخيره عنها) وهو أفضل، الخ. (۱)

پھر حاشیۂ طحطاوی لکھتے ہیں کہ!

(وقوله ويصحّ تقديم الوتر على التراويح، الخ) وقيل وقتها بعد العشاء وقبل الوتر وبه قال عامة مشايخ بخارىٰ. (۲)

اس سے میری معلومات کی تائید ہوتی ہے؛ تاہم چوں کہ میں ایک ادنیٰ طالب العلم ہوں کہ ارجاع ضمیر میں غلطی ہو، بنابریں آپ سے درخواست ہے کہ مراقی الفلاح کی عبارت کا وہی مطلب ہے، جو بہشتی گوہر میں مندرج ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم کروں گا کہ یہ کاتب ہی غلطی ہے، صحیح کر لیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ) اور اگر بہشتی گوہر کی عبارت کی تائید کرتا ہوں تو اپنے کو اس شبہ سے بچالوں گا۔

الجواب

بہشتی گوہر کا مسئلہ درست ہے۔ مراقی الفلاح میں ''وهو أفضل'' کا مرجع ''تاخيره عنها'' ہے اور طحطاوی میں قول مشائخ بخاری بعد العشاء وقبل الوتر کو قیل سے تعبیر کرنا خود اس کے ضعف کی علامت ہے۔ فافہم

۲۷/رجب ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۸-۲۴۹)

☆ ☆ ☆

(۱-۲) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراويح، ص: ٤٣١، دار الكتاب، ديوبند، انيس

دوران قرأت چند آیتوں کا چھوٹ جانا

تراویح میں بعض آیتیں سہواً چھوٹ جائیں اور امام اسے کسی دن پڑھ دے تو جائز ہے، یا نہیں:

سوال: تراویح میں امام کا بعض آیت سہواً چھوڑ دینا اور دوسرے تیسرے دن ان آیات کو متفرق طور سے یکے بعد دیگرے پڑھ دینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور پورے ختم کا ثواب بلا کراہت ہوگا، یا مع الکراہت؟ ایک عالم کہتے ہیں کہ پڑھنے والے اور سننے والے کو اگرچہ ثواب ختم کامل جائے گا؛ مگر گناہ بھی ہوگا؛ کیوں کہ سورۂ مائدہ کی آیتیں سورۂ توبہ کے ساتھ پڑھی گئیں۔ یہ کہنا ان کا صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

پورے ختم کا ثواب ہوجائے گا اور جبکہ فراموشی سے ایسا ہوا ہے تو اس میں کچھ گناہ اور کراہت نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۳/۴-۲۹۴)

نماز تراویح میں صرف بھولی ہوئی آیات کو دہرانا بھی جائز ہے:

سوال: تراویح میں تلاوت کرتے کرتے اگر حافظ صاحب آگے نکل جائیں اور بعد میں معلوم ہو کہ بیچ مین کچھ آیتیں رہ گئی ہیں تو کیا ایسی صورت میں تلاوت کیا گیا پورا کلام پاک دہرائے، یا صرف چھوٹی ہوئی اور غلط پڑھی گئی آیتیں دہرائے؟

الجواب

پورا لوٹانا افضل ہے، صرف اتنی آیتوں کا بھی پڑھ لینا جائز ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۱/۴)

(۱) وإذا غلط فی القراءۃ فی التراویح فترک سورۃ أو آیۃ وقرأ ما بعدها فالمستحب له أن یقرأ المتروکۃ ثم المقرواءۃ لیکون علی الترتیب، کذا فی فتاویٰ قاضی خان. (الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۸۸/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس، ظفیر)

(۲) وإذا غلط فی القراءۃ فی التراویح فترک سورۃ أو آیۃ وقرأ ما بعد ها فالمستحب له أن یقرأ المتروکۃ ثم المقروءۃ لیکون علی الترتیب کذا فی فتاویٰ قاضیخان. (الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱، أیضا فی حلبی کبیر، ص: ۴۰۷)

چھوٹی ہوئی آیتوں کو تراویح میں کہاں دہرائے:

سوال: ہمارے ملک میں حافظ عام طور سے جاہل ہیں، وہ ایسا کرتے ہیں کہ تراویح میں قرآن شریف پڑھتے ہیں اور سہواً درمیان سے دوتین آیتیں چھوٹ گئیں، یا ضمہ، فتحہ، کسرہ چھوٹ گیا تو دوسری رکعت یا دوگانہ میں ان چھوٹی ہوئی آیتوں کو پھر پڑھتے ہیں؛ لیکن جس دوگانہ میں یہ آیتیں چھوٹ گئی تھیں، اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیات کے چھوٹ جانے سے تغیر معنی کے سبب فساد نماز لازم آتا ہے تو اعادہ نماز کا لازم ہے، یا نہیں؟ یا تغیر معنی کی خبر نہ ہونے کی وجہ سے اعادہ لازم نہیں آتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر قرأت کی غلطی کسی ایسے دوگانہ میں موقع پر آئی ہو، جو فساد صلوٰۃ کا موجب ہو تو اس دوگانہ کا اعادہ ضروری ہے اور اگر ایسی غلطی ہے، جو مفسد صلوٰۃ نہ ہو تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ نماز ہو جاتی ہے۔ پس درمیان میں آیات کے چھوٹنے، یا ضمہ فتحہ کسرہ کی غلطی کرنے میں بھی یہی حکم ہے۔ مثلاً چند آیات کے درمیان میں چھوٹ جانے سے تغیر معنی نہیں ہوا تو وہ دوگانہ صحیح ہو گیا، صرف ختم قرآن کیلئے دوسرے دوگانہ میں ان آیات کا اعادہ کر لیا جائے، یہ کافی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۹۷-۲۹۸)

تراویح میں آیت بھول جائے تو اعادہ کس طرح کرے:

سوال: تراویح میں امام دوسری رکعت میں جو رکوع پڑھ رہا تھا، اس میں بھول گیا تو کیا جہاں سے بھولا ہے، وہیں سے لوٹا دے، یا نماز توڑ دے؟ اور اگر دو آیت پیچھے کی پہلے پڑھ گیا ہے تو پھر نماز کس طرح درست کرے؟ اور جیسا کہ فرض نماز میں پہلی رکعت میں قرأت طویل اور دوسری میں کم کرتے ہیں، اسی طرح تراویح میں بھی کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جہاں سے بھولا ہے وہیں سے لوٹاوے اور اگر یاد نہ آوے اور لوٹا نہ سکے تو پھر اگر تین آیت کی مقدار پڑھ چکا ہے تو رکوع کرلے اور نماز تمام کرے اور اگر تین آیت کی مقدار نہیں پڑھا ہے تو کوئی چھوٹی سورہ پڑھ کر رکوع کرے۔ قصداً ایک رکعت میں بہت طویل قرأت اور دوسری میں بہت کم نہیں کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۵۲/۸/۳۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۲۱۶)

---

(۱) وإذا غلط في القراءة في التراويح فترك سورةً أو آيةً وقرأ مابعدها فالمستحب له أن يقرأ المتروكة ثم المقروأة ليكون على الترتيب، كذا في قاضي خان، وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتدُّ بما قرأ فيه و يعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلاة الجائزة،الخ.(فتاویٰ عالمگیری مصری: ۱/ ۱۱۰)(كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/ ۱۱۸،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

تراویح میں چھوٹا ہوا قرآن پورا کرنے کی ترکیب:

سوال: کسی شخص کی تراویح دو چار یوم چھوٹ جائے، جس میں قرآن پڑھا جاتا ہو تو کس طرح ترکیب سے پڑھے کہ ترتیب قائم رہے؛ کیوں کہ جس حافظ کے پیچھے وہ پڑھ رہا ہے، اس کے دوبارہ تراویح پڑھانے میں اس کا قرآن پڑھنا نفل ہوگا اور مقتدی کا سنت، اور کسی ایسے حافظ کے پیچھے پڑھے، جس حافظ نے محراب میں کہیں سنایا، یا سنا ہو، یا کسی حافظ کے پیچھے خواہ امام تراویح جس کے پیچھے سن رہا ہو، وہ حافظ تراویح اپنے ذمہ اتنے پارے قرآن سنانے کی نذر مانے کہ مجھ کو اتنے پارے سنانا ہے نذر اپنے ذمہ کی اور بعد نذر ماننے کے اتنے پارہ سنانا اس مقتدی پر واجب ہوجائے گا، جیسا کہ فتاویٰ عبدالحئ میں ہے، یا اور کوئی طریقہ جس سے ترتیب سننے و پڑھنے والے کی قائم رہے؟ تحریر کیجئے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اپنے امام سے کہے کہ وہ کسی شب سولہ تراویح پڑھائے، ان میں جس قدر ہمیشہ بیس میں پڑھتا تھا اتنا پڑھے اور بقیہ چار رکعت میں کوئی اور شخص چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھادے، وہ شخص اور امام جس نے سولہ پڑھائی ہیں، ان میں چار نفل کی نیت کرے، پھر یہ امام چار رکعت تراویح اس شخص کو پڑھائے، جس کا کچھ قرآن کریم چھوٹ گیا ہے اور ان میں وہ چھوٹا ہوا قرآن شریف پڑھ دے، اس طرح ہر روز کی تراویح میں بھی نقصان نہ ہوگا اور قرآن کریم بھی تراویح میں پورا ہوجائے گا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۱۳۶۱ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۱۸-۳۱۹)

☆ ☆ ☆

(۱) وإذا غلط في القراءة في التراويح، فترك سورة او آية، وقرأماها، فالمستحب له أن يقرأ المتروكة، ثم المقروءة، ليكون على الترتيب. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۲۳۸/۱، رشيدية)

تراویح میں سہو کے مسائل

چار رکعت تراویح جس میں قعدۂ اولیٰ نہیں کیا:

سوال: اگرامام صلوٰۃ تراویح میں تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا اور چاروں رکعت پوری کرلی؛ لیکن دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تھا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنے سے دو رکعت ہوں گی، یا چار؟

الجواب

درمختار و شامی بیان تراویح میں اس کی تصریح ہے کہ ایسی صورت میں دو رکعت تراویح ہوتی ہیں۔

"فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد، به يفتٰى". (الدرالمختار)

(قوله به يفتٰى): لم أر من صرح بهٰذا اللفظ هنا وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى أربعاً بتسليمة واحدة وقعدة واحدة، الخ. (ردالمحتار: ٤٧٤)(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۲/۴)

چار رکعت تراویح کی نیت باندھی اور چوتھی رکعت پر بیٹھنا یاد نہ رہا تو اس کو کیا کرنا چاہیے:

سوال: اگر تراویح چار رکعت شروع کی جاویں اور چوتھی رکعت پر بیٹھنا یاد نہ رہے تو اب کیا صورت کی جاوے گی؟

الجواب

تراویح دو دو رکعت ہی سنت ہے، اس کے خلاف کرنا اور چار چار رکعت پڑھنا مکروہ ہے اور جو شخص چار چار پڑھتا ہو، وہ اگر چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول جائے تو اس کو پانچویں کے سجدہ کے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آنا اور سجدہ سہو کرلینا چاہیے اور قعدہ کرکے کھڑا ہوا ہو تو چھ رکعت پوری کرکے سلام پھیردے۔

قال في مراقي الفلاح: وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات ... يسلم علىٰ رأس ركعتين فإذا وصلها وجلس علىٰ كل شفع فالأصح أنه تعمد ذلك كره وصحت وأجزأته عن كلها، آه. (ص: ٢٤٠)(۲)

۱۲/رمضان ۱۳۴۷ھ (امدادالاحکام: ۲۷۰/۲)

---

(۱) رد المحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ٦٦٠/١-٦٦١، ظفير

(۲) مراقي الفلاح، مع حاشية الطحطاوي، فصل في صلاة التراويح، ص: ٤١٤، دارالكتاب ديوبند، انيس

چار رکعت تراویح بغیر قعدۂ اولیٰ کے پڑھنا:

جناب حضرت مولانا مفتی صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ادام اللہ فیوضکم وبرکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ازاں عرض ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل میں احناف کا مفتیٰ بہ قول نقل فرما کر جوابات سے مشرف فرمادیں:

سوال: دو رکعت تراویح کی نیت باندھی؛ مگر ''التحیات'' کے واسطے دو رکعت کے بعد امام نہیں بیٹھا، تیسری کے بعد بیٹھنے لگا تو مقتدی نے تکبیر کہہ کر اٹھادیا، پھر چوتھی کے بعد سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو نہیں کیا، اس صورت میں یہ امور دریافت طلب ہیں:

(۱) دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھی گئیں؛ بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ امام نے تو دو ہی پوری کیں؛ مگر ہوگئیں چار، یہ چار ہوئیں، یا دو باطل ہوگئیں؟ اور اگر باطل ہوگئیں تو قضا دو کی آئے گی، یا چار کی؟

(۲) اس صورت مذکورہ میں سجدہ سہو آوے گا، یا نہیں؟ اگر آوے گا تو اس کی وجہ بیان فرمائی جائے۔

(۳) اس صورت مذکورہ میں جو قرآن شریف پڑھا گیا، اس کو لوٹایا جائے گا، یا نہیں؟

(۴) صورت مذکورہ میں دوسرے شفعہ کی نیت نہیں کی، امام نے تیسری رکعت کو پہلی سمجھا جب کہ مقتدیوں نے تکبیر کہہ کر اٹھادیا، اگر اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے چار پڑھی اور بیچ کی التحیات نہیں پڑھی تو سجدۂ سہو کرتا۔ کیا بلا نیت نماز ہوجاتی ہے، یا بلا نیت کے بنا کرنا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو بنائے صحیح فاسد پر لازم آوے گی، یا نہیں؟

(۵) دیوبند کے اشتہار میں لکھا ہے کہ تراویح میں دو کے بعد بیٹھنا بھول گیا اور چار پڑھ کر سلام پھیرا تو ان کو دو شمار کیا جائے، اس کی کیا صورت ہے؟ اور صورت بالا میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔ فقط (میر سید جگادری)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱) **''وأرادو بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات، كماهو المتوارث علىٰ رأس كل ركعتين، فلو صلىٰ الإمام أربعاً بتسليمة ولم يقعد فى الثانية، فأظهر الروايتين عن أبى حنيفة وأبى يوسف عدم الفساد، ثم اختلفوا هل تنوب عن تسليمة أو تسليمتين؟ قال أبو الليث: تنوب عن تسليمتين، و قال أبو جعفر وابن الفضل: تنوب عن واحدة، وهو الصحيح، كذا فى الظهيرية، والخانية، وفى المجتبىٰ: وعليه الفتوىٰ ولو قعد علىٰ رأس الركعتين فالصحيح أنه يجوز عن تسليمتين، وهو قول العامة''.** (البحر الرائق: ۶۷/۲)(۱)

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۱۷/۲-۱۱۸، رشيدية

(قوله:ثم اختلفوا،إلخ)قال الرملي:أقول:علىٰ القولين يجب سجود السهو،فتأمل.(منحة الخالق)(۱)
عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے،اظہر روایت شیخین کی یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی اور مفتی بہ قول کے مطابق یہ دو رکعتیں ہوئیں اور شفعۂ اولیٰ فاسد ہوگیا،اس کا اعادہ لازم ہے۔

(۲) سجدہ سہو لازم آئے گا،لما مر في الجواب الأول.(۲)
ومقتضاه أن تنوب عن تسليمتين،ويجب عليه السجود إن كان ساهياً.(۳)

(۳) پہلے شفعہ میں جو پڑھا گیا،اس کا لوٹانا مستحب ہے؛ کیوں کہ پہلا فاسد ہوا ہے۔

"إذاصلى الإمام أربع ركعات بتسليمة واحدة،ولم يقعد في الثانية،في القياس تفسد صلاته، وهوقول محمد وزفررحمهما الله تعالىٰ،ويلزمه قضاء هٰذه التسليمة،وهورواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ.وفي الاستحسان–وهو أظهرالروايتين عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ–لا تفسد وإذ لم تفسد،اختلفوا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنها تنوب عن تسليمة أوتسليمتين،كمن أوجب علىٰ نفسه أن يصلي أربع ركعات بتسليمة،فصلىٰ أربعاً بتسليمة واحدة،ذكر في الأمالي عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه يجوز،فكذا هنا.وكذا لو صلىٰ الأربع قبل الظهر،ولم يقعد علىٰ رأس الركعتين،جاز استحساناً.وقال الفقيه أبوجعفروالشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمهما الله تعالىٰ:في التراويح تنوب الأربع عمن تسليمة واحدة،وهو الصحيح؛لأن القعدة علىٰ رأس الثانية فرض في التطوع،فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو وجه القياس،وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقياس،وقلنا بفساد الشفع الأول،وأخذنا بالاتحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني،وقد أتمها بالقعدة فجازعن تسليمة واحدة".(فتاویٰ قاضی خان:۱۱۲/۱)(۴)

وإذا فسد الشفع من التراويح وقد قرأ فيه هل يعتد بما قرأ ؟ قال بعضهم:لايعتد ليحصل الختم في الصلوات الجائزة،وقال بعضهم:بتلك القراءة؛لأن المقصود هوالقرآن ولا فساد في القراءة.(فتاویٰ قاضی خان:۱۱۲/۱)(۵)

(۴) عن أبي بكرالإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح،ولم يقعد في الثانية؟ قال:إن تذكر في القيام،ينبغي أن يعود ويقعد ويسلم ما لم يقيد الثالثة بالسجدة،وإن

(۱) منحة الخالق على البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۱۱۷/۲ـ۱۱۸،رشيدية
(۲) البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:۱۱۷/۲ـ۱۱۸،رشيدية
(۳) حاشية الطحطاوی علىٰ مراقی الفلاح،كتاب الصلاة،فصل في صلاة التراويح،ص:٤١٤،قديمي
(۴) فتاویٰ قاضيخان ،كتاب الصوم،فصل في السهو:۲۳۹/۱ ـ ۲٤۰،رشيدية
(۵) فتاویٰ قاضيخان،كتاب الصوم،فصل في مقدار القراءة في التراويح:۲۳۸/۱ ،رشيدية

تذكر بعد ما ركع الثالثة وسجد،فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ،أن هٰذه الأربع عن ترويحة واحدة يعني عن الركعتين. (فتاویٰ قاضي خان: ۱۱۳/۱)(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تراویح میں شفعۂ ثانیہ کے لیے کھڑا ہو جانا بغیر شفعہ کے قعدہ کئے اور بغیر شفعۂ ثانیہ کی نیت کئے ہوئے بھی شفعہ ثانیہ کے شروع کے لیے صحیح ہے، اگر چہ قعدہ نہ ہونے کی وجہ سے شفعۂ اولیٰ فاسد ہو جائے گا؛ لیکن شفعۂ اولیٰ کا تحریمہ باقی رہنے کی وجہ سے شفعہ ثانیہ کی بنا صحیح ہوگی، **كما صرح في الجواب الثالث.** (۲) بحر: ۵۷/۲ میں بھی اس کی تصریح ہے۔

(۵) دیوبند کا اشتہار میرے پاس نہیں؛ اس لیے بغیر دیکھے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا۔ صورتِ مسئولہ کا حکم تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔
صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۰/۷-۲۶۳)

تراویح کی دو رکعتوں کی بجائے سہواً چار رکعت پڑھنے کا مسئلہ:

سوال: تراویح میں بجائے دو رکعتیں سہواً چار رکعت پڑھ لیں، اب سجدہ سہو سے تلافی ہو کر نماز صحیح ہوگی، یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی؛ کیوں کہ دو رکعتوں پر قعدہ فرض تھا اور وہ ترک ہو گیا۔ یہ مقولہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

دو تراویح ہوئیں ترک فرض نہیں ہوا؛ بلکہ تاخیر فرض ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۵)

درمیان قعدہ کئے بغیر چار رکعت پڑھیں تو وہ شمار ہوں گی:

سوال: متعلقہ سہو قعدہ؟

الجواب

جب کہ درمیان میں قعدہ نہیں کیا، بھول کر دو رکعتوں کی جگہ چار پڑھ لیں تو اس میں سجدۂ سہو ضرور کرنا چاہیے تھا، آخر کی دو رکعتیں معتبر ہوتیں اور اول کی دو رکعتیں بیکار ہوتیں، اب تراویح کی دو رکعتیں جو کم رہیں وہ رہیں، اب ان کی کوئی صورت نہیں، امام تارک سنت ہوا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۰۹/۳/۳)

(۱-۲) فتاویٰ قاضيخان، كتاب الصوم، فصل في السهو: ۲۳۹/۱-۲۴۰، رشيدية

(۲) وإن صلىٰ أربع ركعات بتسليمه واحدة، والحال أنه لم يقعد علىٰ ركعتين تجزى عن تسليمة واحدة وهو المختار. (الحلبي الكبير، فروع، ص: ۴۰۸، سهيل اكيڈمي، لاهور)

چار رکعت تراویح میں قعدہ اولیٰ بھول گیا تو دو ہوئیں:

السوال: ولو صلّٰی أربعاً بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة ففی الاستحسان لا تفسد وهو أظهر الروایتین عن أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما اللّٰه تعالٰی وإذا لم تفسد، قال محمد بن الفضل: تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة وهو الصحیح، کذا فی السراج والوهاج وهٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان وعن أبی بکر الإسکاف أنه سئل عن رجل قام إلی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال: إن تذکر فی القیام ینبغی أن یعود ویقعد ویسلم وأن تذکر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إلیها رکعة أخریٰ کانت هٰذه الأربعة عن تسلیمة واحدة وإن قعد فی الثانیة قدر التشهد اختلفوا فیه فعلٰی قول العامة یجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح هٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان. (۱)

اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کرلیا تو رابعہ ملانے سے چار نفل نہ ہوں؛ بلکہ دو ہوں، اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل ہوں، حالاں کہ عامۂ کتب میں فجر میں چار اور ظہر میں چھ کا نفل ہونا مذکور ہے، جو تحقیق ہو مطلع فرمائیں؟ والاجر عند اللہ الکریم

الجواب ــــــــــــــ منه الصدق و الصواب

فتاویٰ عالمگیریہ کا جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے، جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئیں اور دو فاسد؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنت مؤکدہ) ہوئیں اور دو نفل، اسی وجہ سے ”**تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة**“ کہا، ورنہ ”**صحت الرکعتان**“ کہنا چاہیے تھا۔

ومن الدلیل علٰی صحة الأربعة ما فی شرح التنویر أن کل شفع صلوٰة الا بعارض اقتداء أو نذر أو ترک قعود أول. (۲)

فإن قلت: إن هٰذا إذا کان نویٰ أربعًا، لما فی الشامیة (بعد ذکر الخلاف فی العود وعدمه بترک القعود الأول من النفل) والخلاف فیما إذا أحرم بنیة الأربع فإن نویٰ ثنتین عاد اتفاقا. (۳)

فالجواب أنهم وإن اتفقوا علی الحکم بالعود ولکنهم لم یصرحوا بالفساد فی صورة عدم العود بل عدم الفساد مصرح فی الجزئیة المذکورة فی السؤال أی قوله أنه سئل عن رجل، إلخ.

الحاصل: مقصد یہ ہے کہ چار تراویح کے قائم مقام نہ ہوں گی؛ بلکہ دو کے ہوں گی، جیسا کہ ظہر کی صورت میں خامسہ

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۸/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۷۸/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۳) ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۵۵/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

وسادسہ قائم مقام دو رکعت سنت مؤکدہ بعد یہ کے نہیں ہوتیں، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت ہی باطل ہوگئی۔

وضم إليها سادسة ... لتصير الركعتان له نفلاً ... وسجد للسهو ... ولاينوبان عن السنة الراتبة بعد الفرض في الأصح. (شرح التنوير، باب سجود السهو)(۱)

حالاں کہ اس صورت میں قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا ہے کہ چار فرض بھی صحیح ہوگئے اور دو نفل بھی؛ مگر چوں کہ سنن بعد یہ کو تحریمہ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا سنت ہے؛ اس لیے یہ دو رکعت اس کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲/رجب ۱۳۷۵ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱۰-۵۱۱)

نمازِ تراویح چار رکعت کی نیت سے پڑھی جائے تو قعدۂ اولیٰ ودرود وغیرہ کا کیا حکم ہے:

سوال: تراویح میں اگر چار رکعت کی نیت کی جائے تو قعدۂ اولیٰ میں بعد تشہد کے درود شریف اور رکعت ثالث میں قبل فاتحہ ثنا پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

چاہیے، **کما في الدرالمختار: وفي البواقي من ذوات الأربع يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويستفتح ويتعوذ، إلخ.** (۲)

تراویح اگر چہ سنت مؤکدہ ہے؛ لیکن چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا یہ سنت مؤکدہ نہیں ہے، بخلاف ظہر کی چار رکعت سنت کے کہ ان کا ایک سلام سے پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور تراویح میں افضل دو دو رکعت پر سلام پھیرنا ہے۔

درمختار میں ہے:

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين، إلخ، وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات، إلخ. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۶۸)

ایسے تراویح کا حکم کہ دو رکعت کے بجائے چار رکعت قعدہ چھوڑ کر پڑھی گئی ہو:

سوال: تراویح میں اگر دو رکعت کی جگہ امام چار پڑھ جاوے اور درمیان میں قعدہ نہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے تو نماز تراویح ہوں گی، یا نہیں؟ اور اگر ہوں گی تو دو ہوں گی، یا چار؟ اور اگر دو ہوں گی تو اول کی دو، یا آخر کی؟ اور کون سی رکعات کے قرآن شریف کے اعادہ کی ضرورت ہوگی؟

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵۵۳-۵۵٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/٦۳۳، ظفير

(۳) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، مبحث التراويح: ۱/٦٦۰، ظفير

الجواب

فی الفتاویٰ:ولوصلّٰی أربعا بتسليمة ولم يقعد فی الثانية ففی الاستحسان لا تفسد وهو أظهر الروايتين عن أبی حنيفة وأبی يوسف رحمهما اللّٰه تعالٰی وإذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الأربع عن تسليمة واحدة وهوالصحيح، كذا فی السراج الوهاج وهٰكذا فی فتاویٰ قاضيخان. (۱)

(۱) مسئلہ زیر بحث کے سلسلہ میں ایک مجمل جواب س:۳۷۳ پر گزرا ہے اور دوسرا جواب میں ۴۱۴ پر گزرا ہے (جس میں تسامح ہے) صحیح مسئلہ اس طرح ہے:

اگر تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک ''تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، بیٹھ جائے اور با قاعدہ سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے۔ اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے؛ لیکن یہ چار رکعت صرف دو رکعت شمار ہوں گی اور پہلے شفعہ میں جو قرآن پڑھا گیا ہے، اس کا اعادہ کرنا ہوگا؛ کیوں کہ پہلا شفعہ قعدۂ اخیرہ ترک کرنے کی وجہ سے فاسد ہو گیا ہے، لہٰذا تراویح میں محسوب نہ ہوگا اور اس میں پڑھے گئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ تحریمہ استحسانا باقی ہے؛ اس لیے دوسرا شفعہ صحیح ہو جائے گا اور اس میں پڑھا ہوا قرآن بھی معتبر ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہوا تھا اور تیسری رکعت پڑھ کر قعدہ کر کے سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو تینوں رکعتیں بیکار گئیں، پہلا شفعہ بوجہ فاسد ہو جانے کے اور دوسرا شفعہ بوجہ نا تمام رہ جانے کے اور تینوں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر بقدر تشہد قعدہ کر کے کھڑا ہوا ہے اور چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ہے تو چاروں رکعتیں صحیح ہوں گی اور سب تراویح میں محسوب ہوں گی اور سجدۂ سہو کی حاجت نہیں ہوگی اور اگر تین پر قعدہ کر کے سلام پھیر دیا تو پہلا شفعہ صحیح ہو گیا اور تیسری رکعت بیکار گئی، اس کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۳۵۱، فتاویٰ دارالعلوم جدید: ۴/۲۶۲-۲۷۵، کفایت المفتی: ۳/۳۴۹، ۳۶۰، ۳۶۴)

فی شرح المنية: إن صلّٰی أربع ركعات بتسليمة واحدة، والحال أنه لم يقعد علٰی ركعتين منها قدرالتشهد، تجزئی الأربع عن تسلمية واحدة أی عن ركعتين، عند أبی حنيفة وأبی يوسف، وهوالمختار اختاره الفقيه أبوجعفر وأبوبكر محمد بن الفضل، قال قاضی خان: وهو الصحيح؛ لأن القعدة علٰی رأس الثانية فرض فی التطوع، فإذا تركها كان ينبغی أن تفسد صلا ته أصلاً، كما هوقول محمد وزفر، وهوالقياس، وإنما جازعلٰی قول أبی حنيفة وأبی يوسف استحساناً فأخذنا بالقياس فی فساد الشفع الأول وبالاستحسان فی حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت صح شروعه فی الشفع الثانی، وقد أتمه القعدة فجازعن تسليمة واحدة، وقال الفقيه أبو الليث: تنوب عن تسليمتين، والصحيح الأول، ولوقعد علٰی رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالاتفاق، آه. (الكبيری، ص: ۳۹۰)

وفی الدرالمختار: وهی عشرون ركعة ... بعشرتسليمات فلوفعلها بستليمة، فإن قعدلكل شفع صحت بكراهة، وإلا نابت عن شفع واحد، به يفتی، آه. وفی ردالمحتار: (قوله به يفتی) لم أر من صرح بهٰذا للفظ هنا، وإنما صرح به فی النهر عن الزاهدی فيما لوصلّٰی أربعاً بتسليمة واحدة وقعدة واحدة، آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ۲/۴۹٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وفی الهندية: وإذا فسدالشفع، وقد قرأفيه، لايعتد بماقرأ فيه، ويعيد القراء ة ليحصل له الختم فی الصلاة الجائز ة، وقال بعضهم: يعتد بها، كذا فی الجوهرة النيرة. (الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح: ۱/۱۱۸) (سعيد احمد عفااللّٰه عنه)

وعن أبی بکر الإسکاف أنه سئل عن رجل قام إلی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال: إن تذکر فی القیام ینبغی أن یعود ویقعد ویسلم وإن تذکر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إلیها رکعة أخریٰ کانت هٰذه الأربع عن تسلیمة واحدة وإن قعد فی الثانیة قدر التشهد، اختلفوا فیه، فعلٰی قول العامة: یجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح، هٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان، آه. (۱)

اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ قعدہ نہ کرنے سے شفعہ اولیٰ بھی فاسد نہ ہوگا، البتہ مجموعہ معتبر بھی نہ ہوگا؛ بلکہ دونوں شفعہ مل کر بجائے ایک شفعہ کے سمجھے جاویں گے اور جب مجموعہ شفعہ معتبر نہ ہوگا تو ایک شفعہ اور پڑھا جاوے گا۔ رہا یہ امر کہ کون سے شفعہ کا پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہوگا اور کون سے قابل اعادہ؟ تو یہ اس پر موقوف ہے کہ یہ متعین ہو جاوے کہ کون سا شفعہ تراویح ہے کہ اس میں پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہو اور کون سا نفل کہ اس میں پڑھا ہوا قابل اعادہ ہو، سو اس میں مجھ کو تردد ہے، دوسرے علما سے تحقیق کیا جاوے اور میرے خیال میں اگر صرف اعادہ قرآن کے حق میں سہولت کے لیے دوسرے قول پر عمل کر لے، جو دونوں شفعہ کو معتبر کہتے ہیں تو گنجائش ہے۔ پس شفعہ تو ایک اور پڑھ لے اور قرآن کا اعادہ نہ کرے۔

۲۵ / رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (تتمہ خامسہ: ۳۰۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۴۹۶-۵۰۰)

تراویح کی چار رکعت میں اگر قعدۂ اُولی بھُول گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: امداد الفتاوی جلد اوّل، صفحہ: ۹۳ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ”تراویح میں قعدۂ اولیٰ کو سہواً ترک پر سجدۂ سہو کے بعد چار ہی محسوب ہوں گی“ اور قاضی خاں کی عبارت سے استدلال کیا ہے، حالاں کہ کبیری ہندوستانی مطبع ص: ۳۹۰ میں ہے:

”وإن صلٰی أربع رکعات بتسلیمة واحدة ولم یقعد علٰی رکعتین تجزئ عن تسلیمة واحدة وهو المختار، قال قاضی خان: وهو الصحیح، وقال أبو اللیث: تنوب عن تسلیمتین والصحیح الأوّل، انتهٰی مختصراً“.

اور طحطاوی مراقی الفلاح، ص: ۲۲۵ میں ہے:

”یسلم علی کل رکعتین فإذا وصلها وجلس علٰی کل شفع فالأصح أنه إن تعمد ذٰلک کره وصحت وأجزأته عن کلها وإذا لم یجلس إلا فی آخر أربع نابت عن تسلیمة“. (۲)

اس پر طحطاوی نے ایک خلجان بھی کیا ہے؛ مگر کچھ وقیع نہیں، بالجملہ اس کی تحقیق حضرت مولانا سے مراجعت کے بعد فرماویں، انتظار ہے، اب تک کبیری وغیرہ ہی پر عامل تھا؛ مگر فتاویٰ کی عبارت سے تردّد میں پڑ گیا؟ (السائل محمد زکریا کاندھلوی)

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/ ۱۱۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح، ۴۱۴، دار الکتاب دیوبند، انیس

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

مکرمی المحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بجواب مسئلہ عرض ہے کہ فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت میں نے دیکھی، اس میں بھی آگے چل کر دوسرے ہی قول کو صحیح لکھا ہے، جیسا کہ کبیری وطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

قال قاضی خان: وقال الفقیه أبو جعفر والشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل فی التراویح: ینوب الأربع عن تسلیمة واحدة وهو الصحیح؛ لأن القعدة علی رأس الثانیة فرض فی التطوع فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلاته أصلاً هو وجه القیاس وإنما جاز استحسانا فأخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الأول وأخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمة وإذا بقیت التحریمة صح شروعه فی الشفع الثانی وقد أتمها بالقعدة فجاز عن تسلیمة واحدة وعن أبی بکر الاسکاف، إلخ، فذکر نحوه. (ص: ۱۱۵)

میں نے یہ عبارت حضرت مولانا کو بھی دکھلائی فرمایا کہ میرا معمول تو عرصہ سے دوسرے ہی قول پر فتوی دینے کا ہے کہ یہ چار قائم مقام دو کے ہوں گی، جیسا کہ کلام مشائخ سے اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے؛ لیکن امداد الفتاویٰ کا جواب غالبًا اس کی بنا پر ہے کہ آج کل طبائع میں کسل غالب ہے، اگر چار کو قائم مقام تسلیمۃ واحدۃ کے مان کر دو رکعت کا اعادہ کیا جائے گا تو وہ اعادہ مع اس مقدار قرآن کے ہوگا، جو ان رکعتوں میں پڑھا گیا ہے اور بعض دفعہ ان دو رکعتوں میں بہت زیادہ مقدار تلاوت کی جاسکتی ہے، ان کا اعادہ مع مقدارِ تلاوت نمازیوں پر بہت گراں ہوتا ہے، حتی کہ فرماتے تھے کہ میں نے بعض جگہ اس پر لڑائی ہوتے ہوئے دیکھا ہے؛ اس لیے تسہیل عوام کے لحاظ سے امداد الفتاویٰ میں فقیہ ابو اللیث کے قول پر میں نے اکتفا کیا کہ جب مسئلہ میں دو قول موجود ہیں اور ایک قول میں عوام کو سہولت ہے تو اس کو اس جہت سے ترجیح ہے۔

وقال صلی اللّٰه علیه وسلم: "یسرا ولا تعسرا وبشرا ولاتنفرا". (۱)

گو قواعد کے لحاظ سے دوسرا ہی قول صحیح ہے۔ ھذا واللہ اعلم

پس جس جگہ دوسرے قول پر فتویٰ دینے سے لوگوں میں توحش اور تنگی کا اندیشہ ہو، وہاں میرے نزدیک پہلے ہی قول پر فتویٰ دینا چاہیے۔ واللہ اعلم

۲۲ر رمضان ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۳۲-۲۳۴)

---

(۱) **عن سعید بن أبی بردة عن أبیه عن جده: أن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم بعث معاذا وأبا موسی إلی الیمن قال (یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا. (صحیح البخاری، باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب وعقوبة من عصی إمامه: ۱/۴۲۶، مکتبة أشرفیة دیوبند، رقم الحدیث: ۲۸۷۳، ۴۰۸۶، ۴۰۸۸، ۵۷۷۳، ۶۷۵۱، انیس)**

جتنی رکعات فاسد ہوئیں، ان میں پڑھی ہوئی منزل کا اعادہ کیا جائے:

سوال: امرتسر میں چوک فرید میں ایک مسجد ہے، اس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے صاحبزادے قرآن مجید پڑھتے ہیں، میں بھی وہیں نماز تراویح پڑھتا ہوں، انہوں نے سجدہ کی آیت پڑھنے سے قبل یہ خیال کر کے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے سجدہ کرلیا، پھر سجدہ کی آیت پڑھنے پر سجدہ کیا گیا؛ مگر انہوں نے سجدہ سہو نہیں کیا، سلام کے بعد میں نے ان سے کہا کہ تم کو سجدہ سہو کرنا چاہیے تھا؛ کیوں کہ کسی واجب کے سہوا چھوٹ جانے، یا مکرر ہوجانے، یا کسی فرض میں تاخیر ہوجانے سے سجدہ سہو کرنا واجب ہوتا ہے، چوں کہ تم نے سجدہ سہو نہیں کیا ہے؛ اس لیے تم ان دونوں رکعتوں کا اعادہ کرو، چناں چہ نماز دوبارہ پڑھی گئی اور چھوٹی سی سورت پڑھی گئی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب نماز لوٹائی گئی ہے تو پھر قرآن بھی وہی پڑھنا چاہیے جو ان دو رکعتوں میں پڑھایا گیا تھا، میں نے ان سے کہا کہ چوں کہ قرآن ترتیل کے ساتھ الفاظ اور معنی کے لحاظ سے صحیح پڑھا گیا ہے؛ اس لیے قرآن کی وہی آیات پڑھنے کی ضرورت نہیں، مجھے بھی کچھ شبہ ہوگیا ہے۔ اب آپ یہ شبہ دور فرمادیجئے، میں نے جو صرف نماز کا اعادہ کرایا ہے قرآن کا نہیں، کیا یہ درست ہے؟ قرآن کے اعادہ کی تو ضرورت نہیں؟ (المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

قرآن مجید کا اعادہ بھی کرنا چاہیے تھا؛(۱) کیوں کہ جب تراویح کی وہ دو رکعتیں تراویح میں شمار نہیں ہوئیں اور ان کا اعادہ کیا گیا تو ان میں پڑھا ہوا قرآن بھی ختم میں شمار نہیں ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۴-۴۰۵)

دوسری رکعت میں بھول کر کھڑا ہوگیا، پھر یاد آیا تو کیا کرے:

سوال: اگر تراویح کی رکعت ثانیہ میں بجائے بیٹھنے کے کھڑا ہوگیا، بعد میں یاد آیا تو کیا کرے؟

الجواب

سجدہ سے پہلے پہلے اگر یاد آجائے تو بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کرے۔

"وأما النفل فيعود ما لم يقيده بالسجدة". (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۷۴-۲۷۵)

---

(۱) وإذا غلط في القراء ة في التراويح فترك سورة أو آية وقرأ ما بعدها فالمستحب له أن يقرأ المتروكة ثم المقروء ة ليكون على الترتيب ...وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه و يعيد القراء ة(الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح: ۱/۱۱۸،ط:سعيد،ماجدية)

(۲) الدرالمختارعلى هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب سجود السهو : ۱/۶۹۶،ظفير

دو رکعت تراویح کی نیت کی؛ مگر دوسری پر نہ بیٹھا تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور سہواً دوسری رکعت پر نہ بیٹھا؛ بلکہ تیسری پر بیٹھا اور سجدۂ سہو کیا تو ایک رکعت ضائع گئی، یا تینوں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر سجدۂ سہو کرلیا تو دو رکعت تراویح ہوگئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو بوجہ نقصان کے واجب الاعادہ ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۲/۴)

ایک قعدہ سے تین رکعت تراویح:

سوال: امام تراویح کی دوسری رکعت پر بدون قعدہ کئے سہوا کھڑا ہوگیا، تین رکعتیں پڑھ کر سجدہ سہو کرلیا تو دو رکعتیں صحیح ہوں گی، یا نہیں؟ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ دو رکعتیں نہیں ہوئیں؛ مگر ایک کتاب میں عالمگیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس صورت میں دو رکعتیں ہوجاتی ہیں، اس پر غور فرما کر تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر چہ ایک قول جواز کا بھی ہے؛ مگر عدم جواز راجح ہے۔ عالمگیریہ باب النوافل کے آخر میں دونوں قول نقل کئے گئے ہیں؛ مگر اسی باب کے شروع میں عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔ ونصها:

"ولو صلى التطوع ثلاث ركعات ولم يقعد علىٰ رأس الركعتين الأصح أنه تفسد صلاته". (۲)

اسی طرح شامیہ وخانیہ وغیرہ میں بھی فساد ہی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال في الشامية تحت (قوله: أو ترك قعود أول) فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتبارًا بصلاة المغرب لكن الأصح عدمه؛ لأنه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الأخيرة؛ لأن التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها. (۳)

عبارات مذکورہ اگر چہ نوافل سے متعلق ہیں؛ مگر تراویح کا بھی یہی حکم ہے، چناں چہ چار سے زیادہ رکعات قعدہ

---

(۱) وذكر الإمام الصفار في نسخته من الأصل أنه إن لم يقعد حتىٰ قام إلى الثالثة علىٰ قياس قول محمد رحمه الله يعود ويقعد وعندهما لا يعود ويلزمه سجود السهو، كذا في الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱۰٦/۱، ظفير)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۳/۱

(۳) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٤۷۸/۲-٤۷۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

واحدہ سے پڑھنے کی صورت میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک جزئیہ نوافل سے متعلق اور دوسرا اس کے خلاف تراویح سے متعلق نقل فرما کر اس کو اختلاف تصحیح پر محمول فرمایا ہے۔

ونصه:(قوله:فأكثر) هٰذا خلاف الأصح كما قدمناه عن البدائع والخلاصة وفي التتارخانية: لوصلى التطوع ثلاثاً ولم يقعد على الركعتين فالأصح أنه يفسد ولوستا أوثمانيا بقعدة واحدة اختلفوا فيه والأصح أنه يفسد استحساناً وقياساً،آه،لكن صححوا في التراويح أنه لو صلاها كلها بقعدة واحدة وتسليمة أنها تجزئ عن ركعتين فقد اختلف التصحيح.(۱)

وقال أيضاً في شرح قول العلائي:وإلا نابت عن شفع واحد به يفتى.(الدرالمختار)

لم أرمن صرح بهٰذا اللفظ هنا وإنما صرح به في النهرعن الزاهدي فيما لو صلىٰ أربعًا بتسليمة واحدة و قعدة واحدة وأما إذا صلى العشرين جملة كذلك فقد قاسه عليه في البحر، نعم صرح في الخانية وغيرها بأنه الصحيح مع أنا قدمنا عن البدائع والخلاصة والتتارخانية أنه لوصلى التطوع ثلا ثاً أوستاً أوثمانياً بقعدة واحدة فالأصح أنه يفسد استحساناً وقياسا وقدمنا وجهه فقد اختلف التصحيح في الزائد على الأربعة بتسليمة وقعدة واحدة هل يصح عن شفع واحد أويفسد فليتنبه.(۲)

اور قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو صراحت تراویح وتطوع دونوں سے متعلق عدم جواز کی ترجیح نقل فرمائی ہے، چناں چہ تراویح کے بیان میں فرماتے ہیں:

وإن صلىٰ ثلاث ركعات بتسليمة واحدة فهوعلى وجهين أما إن قعد في الثانية أولم يقعد (إلىٰ قوله) وإن لم يقعد في الثانية ساهياً أوعامدًا لاشك أن في القياس وهوقول محمد وزفر رحمهما اللّٰه تعالىٰ وإحدى الروايتين عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ تفسد صلاته ويلزمه قضاء ركعتين لا غير وأما في الاستحسان هل تفسد صلاته في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ، اختلفوا فيه ، قال بعضهم: تفسد ولا يجزئ عن شئ وقال بعضهم: تجزئ عن تسليمة واحدة وعلىٰ هٰذا الخلاف إذا تنفل بثلاث ركعات ولم يقعد في الثانية على قول الفريق الأول لايجزيه،وجه قول الفريق الثاني:أن التطوع معتبر بالمكتوبة ولوصلى المغرب ثلاث ركعات ولم يقعد في الثانية يجوز، فكذا التطوع يجوزعن تسليمة؛لأنه لم يضم الرابعة إلى الثالثة،وجه من قال أنه لايجوز عن شئ وهوالصحيح أنه ترك القعد ة المشروعة وهي القعدة علىٰ رأس الثانية والقعدة علىٰ رأس الثالثة غير مشروعة في التطوع فصار كأنه لم يقعد أصلاً فلا يجوز بخلاف ما إذا صلىٰ أربعًا ولم يقعد علىٰ رأس الثانية؛لأن القعدة علىٰ رأس الرابعة مشروعة فجازت.(الخانية علىٰ هامش الهندية: ۱/ ۲٤۱)فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

۱۷/رمضان ۱۳۹۵ھ (احسن الفتاویٰ:۳/ ۵۱۲-۵۱۴)

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ٤٨٣/٢،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) رد المحتارعلى الدرالمختار،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح: ٤٩٦/٢،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

تراویح میں دو رکعت پر نہ بیٹھنے کا حکم:

سوال: اگر امام تراویح کی نماز میں دو رکعت پر نہ بیٹھ کر سیدھے قیام میں چلا جائے، لقمہ دینے پر لقمہ نہ لے، اس طرح چار رکعت پوری کرے اور سجدۂ سہو بھی کرے تو تراویح کی رکعت دو ہی مانی جائے گی، یا چار رکعت مانی جائے گی؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تراویح میں امام دو رکعت پر نہیں بیٹھا، تیسری رکعت کے لیے سیدھا کھڑا ہو گیا، لقمہ دیا گیا؛ لیکن نہیں لیا، چار رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کیا اور سلام پھیرا تو تراویح کی صرف دو رکعت مانی جائے گی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۱۳/۹/۱۴۰۴ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۶۰)

تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کے بغیر تیسری پر سلام پھیر دیا تو اعادہ واجب ہے:

سوال: امام نے دو رکعت تراویح کی نیت باندھی بھولے سے دوسری رکعت کے قعدہ میں نہیں بیٹھا؛ بلکہ تیسری رکعت کے سجدہ میں، یا سجدہ کے بعد اس کو یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے، اس نے تیسری رکعت پر قعدہ کر کے سجدہ سہو کے بعد سلام پھیر دیا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ اس کی دو رکعت تراویح ہوگئی، یا نہیں؟ اگر دو رکعت تراویح ہوگئی تو تیسری رکعت میں جو قرأت پڑھی ہے، اس کو لوٹائے، یا پہلی رکعت کی قرأت کو لوٹائے؟

(۲) اگر وہ تیسری رکعت پر قعدہ نہ کرتا؛ بلکہ چوتھی رکعت پڑھ کے قعدہ کرتا اور سجدہ سہو بھی کر لیتا تو چار رکعت تراویح کی ہو جاتی، یا دو ہوتیں؟ اگر دو ہوتیں قرأت بھی لوٹائی جاتی، یا نہیں؟ اور کون سی رکعتوں کی قرأت لوٹائی جاتی؟ پہلی رکعتوں کی، یا آخری رکعتوں کی؟

الجواب ـــــــــــــــ

اس صورت میں یہ تینوں رکعتیں تر اویح میں محسوب نہ ہوں گی اور ان تینوں کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا۔

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأفيه ويعيد القراء ة ليحصل له الختم فى الصلاة الجائزة وقال بعضهم: يعتدبها، كذا فى الجوهرة. (۲)

---

(۱) فلو صلى الإمام أربعة بتسليمة ولم يقعد فى الثانية فأظهر الروايتين عن أبى حنيفة وأبى يوسف عدم الفساد ثم اختلفوا هل تنوب عن تسليمة أو تسليمتين قال أبو الليث نتوب عن تسليمتين وقال أبو جعفر وابن الفضل تنوب عن واحدة وهو الصحيح كذا فى الظهيرية و الخانية وفى المجتبىٰ وعليه الفتوى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۱۸/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۸/۱، ط: ماجدية كوئٹة

(۲)　اس صورت میں دو رکعت تراویح کی ہو جاتیں اور شفع اخیر صحیح ہوتا، شفع اول تراویح میں محسوب نہ ہوتا، اور شفع اول کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوتا۔ (۱)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۳۹۴/۳)

نماز تراویح میں ایک غلطی کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دو رکعت نماز تراویح کی نیت باندھے اور بھول کر تین رکعت پڑھ گیا تو اس کو نماز دہرانی چاہیے؟ ایسی حالت میں کہ سجدہ سہو بھی نہ کیا ہو اور تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور اول ارادہ کیا تھا کہ دو پڑھوں گا، اگر تین پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ پڑھنی تھی دو اور تین پڑھ چکا اور پھر وہ چار پوری کرے تو اس کی چار رکعتیں، یا نہیں؟ مفصل طریق سے آگاہی بخشیں۔

الجواب

جو شخص تراویح میں بھول کر تین رکعت پڑھ جاوے اور سجدہ سہو نہ کرے، اس کو دوبارہ دو رکعت تراویح کا اعادہ کر لینا چاہیے۔ اگر دوسری رکعت پر قعدہ کیا تھا، تب تو یہ چاروں رکعت تراویح شمار ہوں گی اور اگر دو رکعت پر قعدہ نہیں تو یہ چاروں رکعت فقط دو رکعت کے قائم مقام ہوں گی، کما فی العالمگیریہ (۷۵/۱):

"فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ كانت هٰذه الأربعة عن تسليمة واحدة وإن قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه فعلىٰ قول العامة يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح، هٰكذا في فتاوى قاضي خان".

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲۷۷/۲-۲۷۸)

ایک سلام کے ساتھ چھ رکعات تراویح:

سوال: امام صاحب نے چار رکعت تراویح کی نیت باندھی، چار رکعت پوری کر کے ایک طرف سلام پھیرا، مقتدی نے لقمہ دیا: اللہ اکبر، امام صاحب کھڑے ہوگئے، دو رکعت اسی نیت سے اور پڑھی اور ایک طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر کے دونوں طرف سلام پھیرا، آیا نماز ہوئی، یا نہیں؟ اس حساب سے چھ رکعت تو پوری ہوگئی اور سہو کے سجدہ سمیت سات ہوئیں۔ امام کہتے ہیں کہ میرے دل میں تو یہ خیال ہوا کہ دو رکعت ہوئی اور لقمہ دینے سے میں نے دو کھڑے ہو کر اور پڑھ لی اور سہو کا سجدہ کر لیا نماز ہوئی، یا نہیں؟ اس حساب سے پانچ رکعت ہوتی ہیں، جب کہ امام نے چار رکعت پڑھ لی تو سجدہ سہو لازم تھا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۱۷، ابراہیم خاں (الور) ۱۰/رمضان ۱۳۵۶ھ، مطابق: ۱۵/نومبر ۱۹۳۷ء)

---

(۱)　**فلو فعلها بتسليمة واحدة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة، وإلا نابت عن شفع واحد، به يفتىٰ. (تنوير وشرحه) لم أر من صرح بهٰذا اللفظ هنا وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلىٰ أربعًا بتسليمة واحدة وقعدة واحدة إلخ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح: ٤٥/٢، ط: سعيد)**

الجواب

نماز ہوگئی اور چھ رکعت جو امام نے پڑھیں، وہ چھ رکعت سب تراویح میں شمار ہوں گی، سجدۂ سہو نہ کیا جاتا، تب بھی نماز ہوجاتی اور کرلیا تو بھی نماز ہوگئی، سجدہ سہو کو نماز میں شامل کر کے سات رکعت قرار دینا غلط ہے، سجدۂ سہو نہ کیا جاتا، تب بھی نماز ہوجاتی اور کرلیا تو بھی نماز ہوگئی، سجدۂ سہو کو نماز میں شامل کر کے سات رکعت قرار دینا غلط ہے، سجدہ سہو کی رکعت شمار نہیں ہوتی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۴۰۶/۳)

تراویح کی پہلی رکعت میں بیٹھنے لگا؛ مگر اشارہ پا کر کھڑا ہو گیا، کیا حکم ہے:

سوال (۱) امام تراویح کی پہلی رکعت میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھنے کا قصد کرتا تھا کہ پیچھے سے اشارہ کیا گیا اور وہ سیدھا کھڑا ہوگیا، دو رکعت پوری ہونے کے بعد سلام پھیرا سجدۂ سہو نہیں کیا، نماز ہوئی، یا نہ؟ اگر نہیں ہوئی تو علم ہونے پر بجماعت ادا کرے، یا تنہا؟

کیا سجدۂ سہو ہوگا:

(۲) کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے؟

ذرا سا بیٹھا پھر کھڑا ہوگیا تو کیا سجدہ واجب ہے:

(۳) امام بیٹھنے کے ارادہ سے "اللّٰـه أكبر" کہتا ہے۔مقتدی نے بصورت نشست دیکھتے ہوئے آواز بلند "اللّٰه أكبر" کہا، امام فوراً دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا، اس وقفہ میں کوئی کلمہ التحیات کا بھی زبان سے نہیں نکالا، اس وقفہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

پہلی اور تیسری رکعت میں کتنی دیر بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے:

(۴) اگر پہلی اور تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ کر کھڑا ہوجاوے تو کتنے وقفہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

جلسہ استراحت سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا:

(۵) جلسہ استراحت کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، یا نہیں؟

---

(۱) فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة،الخ.(الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح: ٤٥/٢،ط:سعيد)

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی اوراعادہ کی ضرورت نہ تھی اور سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوا؛ کیوں کہ ایک رکعت کے بعد اگر کسی قدر بیٹھ کر کھڑا ہو جاوے تو اس کو بھی فقہانے جائز لکھا ہے، چہ جائیکہ محض ارادہ بیٹھنے کا کیا ہو اور پورے طور پر بیٹھا بھی نہ ہو کہ کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں نہ سجدۂ سہو لازم ہے، نہ اعادہ کی ضرورت ہے۔

شامی میں ہے: **هٰذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التى استحبها الشافعى فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل،إلخ''.** (۱)

(۱) نماز ہوگئی۔

(۲) نہیں آتا۔(۲)

(۳) اس قدر وقفہ سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔(۳)

(۴) طویل قعدہ سے سجدۂ لازم آتا ہے، جیسے بقدر التحیات پڑھنے کے مثلاً، یا اس کے قریب ہو، باقی جلسہ خفیفہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔(۴)

(۵) اس سے سجدۂ سہو لازم نہ آوے گا۔(۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۶-۲۷۸)

تراویح میں سجدۂ سہو لازم آئے تو کرسکتا ہے:

سوال (۱) اگر تراویح میں ایسا سہو ہو جاوے، جس سے سجدۂ سہو واجب ہو تو سجدۂ سہو کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

کیا یہ کہنا غلط ہے کہ تراویح میں سجدہ سہو نہیں:

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح میں سجدہ سہو ہے ہی نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

(۱) ترکِ واجب سے جس طرح تمام نمازوں میں سجدہ سہو لازم ہے، تراویح میں بھی لازم ہے۔(۶)

(۲) صحیح نہیں ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۸۰) ☆

(۱،۲،۳) رد المحتار على المختار،باب صفة الصلاة،قبيل مطلب مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۱/ ۴۳۸،ظفير

(۴،۵) وكذا القعدة فى آخر الركعة الأولٰى أوالثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضاً تأخير القيام إلى الثانية أوالرابعة عن محله وهٰذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التى استحبها الشافعى فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل كما سيأتى''.(رد المحتار،باب صفة الصلاة قبيل مطلب مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۱/ ۴۳۸،ظفير)

(۶) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء.(الدرالمختار،باب سجود السهو: ۱/ ۷۰۵،ظفير)==

بھول جانے کی وجہ سے خاموش ہوکر سوچنا کیسا ہے:

سوال (۱) بعض حافظ پڑھتے پڑھتے بھول جاتے ہیں تو کبھی حالت قیام میں چپ کھڑے ہوکر سوچنے لگتے ہیں اور کبھی قعدہ میں قبل تشہد، یا بعد تشہد سوچنے لگتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

بھولتے وقت ادھر ادھر سے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں:

(۲) بعض حافظ پڑھتے پڑھتے بھول کر خاموش تو نہیں ہوتے ؛ مگر کبھی اس سورتمیں اور کبھی اس سورت میں ادھر اُدھر پڑھتے رہتے ہیں، اگر یاد آ گیا تو پھر سیدھے پڑھنے لگتے ہیں اور نہ یاد آیا تو کچھ دیر تک پریشان رہ کر رکوع کرکے نماز ختم کردیتے ہیں؛ مگر یاد آنے اور نہ آنے دونوں صورت میں وہ سجدۂ سہو کرتے ہیں۔ آیا سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱-۲) ان دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو کرلینا چاہیے۔

والحاصل أنه اختلف فی التفکر الموجب للسهو ،فقیل ما لزم منه تأخیر الواجب أوالرکن عن محله بأن قطع الاشتغال بالرکن أوالواجب قد أداء رکن وهوالأصح وقیل مجرد التفکر الشاغل للقلب وإن لم یقطع الموالاة،إلخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۵۷-۲۵۸)

تراویح میں ایک ہی آیت کی تکرار:

سوال: اکثر حفاظ تراویح میں ایک آیت کی بار بار تکرار کرتے ہیں، کیا کثرت تکرار پر سجدہ سہو واجب ہے اور اس کی کیا حد ہے؟ (مولانا ہارون رشید قاسمی، ورنگل)

== قال فی الأصل: والسهو فی العیدین والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء لأن الجمعة والعیدین ساوت سائر الصلوات فیما یوجب الفساد فتساویها فیما یوجب الجبر. (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی. الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین: ۲۹۹/۲ ،دارإحیاء التراث العربی بیروت،انیس)

☆ **تراویح میں سجدۂ سہو کا حکم:**

سوال: تراویح کی نماز میں سجدۂ سہو ہے، یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

تراویح کی نماز میں بھی سجدۂ سہو ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۳/ ۱۰۱-۱۰۲)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، تحت قوله: واعلم أنه إذا شغله، إلخ: ۷۰۶/۱، ظفیر

الجواب

نفل نماز میں تو قصدا بھی تکرار مکروہ نہیں، البتہ فرض نمازوں میں ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن عذر مثلا بھول جانے کی صورت میں تو فرض نمازوں میں بھی تکرار درست ہے، اس سے نماز میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا، جس کی تلافی کے لیے سجدہ سہو واجب ہو۔ تراویح کا شمار نفل نمازوں میں ہے؛ اس لیے بدرجہ اولی اس میں تکرار سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

إذا كرر آية واحدة مرارًا فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده فذلك غير مكروه وإن كان في الصلاة المفروضة فهو مكروه في حالة الاختيار وأما في حالة العذر والنسيان فلا بأس. (۱)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۱۸-۴۱۹)

سجدۂ تلاوت تراویح میں رکوع، یا ختم سورت پر آئے تو کیا حکم ہے:

سوال: تراویح میں اگر سجدہ رکوع کے ختم پر آوے، یا سورت کے ختم پر آوے تو کس طرح ادا کرنا چاہیے؟

الجواب

جس جگہ ختم پر آیت سجدے کی آوے، اس کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: یا یہ کہ فوراً سجدۂ تلاوت کرکے پھر اٹھ کر آگے سے چند آیات پڑھ کر پھر رکوع کرے۔ دوسری یہ کہ رکوع میں نیت سجدۂ تلاوت کی کرے، سجدہ ادا ہوجاتا ہے؛ مگر فوراً رکوع کرے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۸۷)

---

(۱) الفتاوى الهندية، الباب السادس، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره: ۱/۱۰۷، مكتبة زكريا، انيس

وإذا كرر آية واحدة مراراً، فإن كان ذلك في التطوع الذي يصلي وحده، فكذلك غير مكروه فقد ثبت عندنا عن جماعة من السلف أنهم كانوا يُحيون ليلتهم بآية العذاب أو آية الرحمة أو آية الرجاء أو آية الخوف، وإن كان ذلك في صلاة الفريضة فهو مكروه؛ لأنه لم ينقل إلينا عن واحد من السلف أنه فعل ذلك. وهذا كلّه في حالة الاختيار وأما في حالة العدو والنسيان فلا بأس به والله أعلم (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في كيفيتها: ۱/۴۳۶، دار إحياء التراث العربي بيروت، انيس)

(۲) پہلی صورت ہی پر عمل کرے؛ تاکہ سنت طریقہ پر ادائیگی ہو؛ یعنی دو مسنون جہری تکبیروں اور دو مستحب قیام کے درمیان سجدۂ تلاوت ادا ہو سکے۔

"وهي سجدة بين تكبيرتين مسنونتين جهرًا وبين قيامين مستحبين". (الدر المختار، باب سجود التلاوة، ظفير: ۲/۱۰۶، دار الفكر بيروت، انيس)

دوسری صورت مناسب نہیں ہے؛ اس لیے کہ صرف امام کی نیت کافی نہیں ہے، مقتدی کا سجدۂ تلاوت رہ جاوے گا اور بعد سلام ادا کرنا ہوگا۔

"ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۸۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

==

تراویح میں سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہو جائے گا، یا نہیں:

سوال: اگر تراویح میں ختم رکوع پر سجدۂ تلاوت آوے تو رکوع میں سجدہ ادا ہووے گا، یا نہیں؟ اور جو شخص خارج نماز سجدۂ تلاوت کرے تو سجدہ ادا ہووے گا، یا نہیں؟

الجواب

رکوع میں اگر نیت سجدہ کی کرلے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے اور سجدہ میں بلا نیت کے بھی ادا ہو جاتا ہے،(۱) اور سجدۂ تلاوت کا جو نماز میں واجب ہوا خارج نماز کرنا جائز نہیں ہے۔(۲) فقط
(تراویح میں سجدۂ تلاوت رکوع میں نہیں کرنا چاہیے۔ظفیر)(۳)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۷/۴)

== فوراً سجدہ مستقل کرنا چاہیے، ختم سورت پر سجدہ ہو تو سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر دوسری سورۃ کی دو تین آیتیں پڑھ کر پھر رکوع کرے۔
''وإن كانت السجدة آخر السورة يقرأ من سورة أخرىٰ ثم يركع''.(رد المحتار،كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة:۵۸۶/۲، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)
رکوع کے ختم پر سجدہ ہو تو سجدہ بعد دوسرے رکوع کا کچھ حصہ پڑھ کر نماز کے لیے رکوع کرے۔واللہ اعلم (ظفیر)

(۱) (و) تؤدى (بركوع صلاة) إذا كان الركوع (على الفور من قرائة آية) أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر، كما في البحر، (إن نواه) أى كون الركوع (لسجود) التلاوة على الراجح (و) تؤدى (بسجودها كذلك) أى على الفور (وإن لم ينو) بالإجماع، ولو نواها فى ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه، ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة ولو تركها فسدت صلاته، كذا فى القنية وينبغى حمله على الجهرية. نعم لو ركع وسجد لها فوراً ناب بلا نية ولو سجد لها فظن القوم أنه ركع فمن ركع رفضه وسجد لها ومن ركع وسجد سجدةً أجزأته عنها، ومن ركع وسجد سجدتين فسدت صلاته؛ لأنه انفرد بركعة تامة.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة:۷۲۳/۱،ظفير)

(۲) ولوتلاها فى الصلاة سجدها فيها لاخارجها، لما مرّ.(الدر المختار علىٰ رد المحتار،باب سجود التلاوة:۷۲۳/۱، ظفير)

(۳) قال فى الحلية: والأصل فى أدائها السجود وهو أفضل، ولو ركع لها على الفور جاز وإلا لا،آه،أى وإن فات الفور ولا يصح أن يركع لها ولو فى حرمة الصلاة،بدائع،أى فلا بد لها من سجود خاص بها كما يأتى نظيره.(رد المحتار،باب سجود التلاوة:۷۲۳/۱،انيس)

وأما لو كان الْكَلَامُ فى قِيَامِ الرُّكُوعِ مَقَامَ السُّجُودِ فَالْقِيَاسُ يَأْبَى الْجَوَازَ وفى الِاسْتِحْسَانِ يَجُوزُ لِأَنَّ الرُّكُوعَ مع السُّجُودِ مُخْتَلِفَانِ ذَاتًا فَلَوْ ثَبَتَ بَيْنَهُمَا مُسَاوَاةٌ لَثَبَتَ من الْمَعْنَى فَكَانَ عَدَمُ جَوَازِ إقَامَةِ أَحَدِهِمَا مَقَامَ صَاحِبِهِ من تَوَابِعِ الذَّاتِ وَالْعِلْمُ بِهِ ظَاهِرٌ وَجَوَازُ الْقِيَامِ من تَوَابِعِ الْمَعْنَى وَالْعِلْمُ بِهِ خَفِيٌّ فإذا كانت قَضِيَّةُ الْقِيَاسِ أَنْ لَا يَجُوزَ وَقَضِيَّةُ الِاسْتِحْسَانِ أَنْ يَجُوزَ وَجَوَابُ الْكِتَابِ على الْقَلْبِ من هذا فَدَلَّ أَنَّ الصَّحِيحَ ما ذَكَرْنَا وَعَامَّةُ مَشَايِخِنَا يَقُولُونَ لَا بَلْ الرُّكُوعُ هو الْقَائِمُ مَقَامَ سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ رحمه الله تعالى فى الْكِتَابِ فإنه قال فى الْكِتَابِ قُلْت فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ بِالسَّجْدَةِ بِعَيْنِهَا هل يُجْزِئُهُ ذلك قال أَمَّا فى الْقِيَاسِ فَالرَّكْعَةُ فى ذلك وَالسَّجْدَةُ سَوَاءٌ لِأَنَّ كُلَّ ذلك صَلَاةٌ أَلَا تَرَى إلَى قَوْله تَعَالَى﴿ وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ وَتَفْسِيرُهَا خَرَّ سَاجِدًا فَالرَّكْعَةُ وَالسَّجْدَةُ سَوَاءٌ فى الْقِيَاسِ وَأَمَّا فى الِاسْتِحْسَانِ يَنْبَغِى له أَنْ يَسْجُدَ وَبِالْقِيَاسِ نَأْخُذُ.(بدائع الصنائع،باب سجدة التلاوة:۱۸۹/۱،دارالكتاب العربى،انيس)

سجدۂ تلاوت سجدۂ نماز سے ادا ہوتا ہے یا نہیں:

سوال: اگر امام نے تراویح میں سجدۂ تلاوۃ سجدۂ صلوٰۃ کے ساتھ ادا کیا؛ یعنی تین سجدے کیے تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

نماز میں جس وقت آیۂ سجدہ کو تلاوۃ کرے، اسی وقت سجدۂ تلاوۃ کر لینا چاہیے اور اگر مؤخر کیا اور نماز کے سجدوں کے ساتھ کیا تو سجدۂ سہو لازم ہے اور بعد سجدۂ سہو کے نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

"**ولذا كان المختار وجوب سجود السهو تذكرها بعد محلها**". (ردالمحتار، باب سجود التلاوة)(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۵)

☆ ☆ ☆

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو:۲/۵۸٤، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير

قصداً سجدۂ تلاوۃ کا مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ آیت سجدہ کے فوراً بعد، یا زیادہ سے زیادہ تین آیت بعد سجدۂ تلاوت کر لینا ضروری ہے، ورنہ گناہگار ہوگا۔

فعلى الفور لصيرورتها جزأً منها ويأثم بتأخيرها. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵۸٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

فوجب أدائها مضيقاً كما في البدائع ثم تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثر من آيتين أو ثلاث، حلية. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۵۸٤، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

صلوٰۃ التسبیح کے مسائل

صلوٰۃ التسبیح کا ثواب خاص ہے، یا عام:

سوال: صلوٰۃ التسبیح کے مخاطب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں تو یہ حکم عام کیسے ہوا؟

الجواب

صلوٰۃ التسبیح کی حدیث میں مخاطب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱) اصول کا مسئلہ ہے کہ جو حکم ایک شخص کے لیے ہو، وہ حکم سب کے لیے ہوتا ہے، بشرطیکہ کوئی دلیل تخصیص کی موجود نہ ہو، چناں چہ ابوالیسر کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:﴿ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَات ﴾(ترجمہ: یعنی: نیکیاں برائیوں کو دفن کردیتی ہیں) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے جو اس پر عمل کرے، سب کے حق میں اس آیت کی فضیلت عام طور پر ثابت ہے۔(۲) (فتاویٰ عزیزی، ص:۲۷۶)

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: يَا عَبَّاسُ، يَا عَمَّاهُ أَلا أُعْطِيكَ، أَلا أَحْبُوكَ، أَلا أَفْعَلُ بِكَ عَشْرُ خِصَالٍ، إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ، قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ، خَطَأَهُ وَعَمْدَهُ، صَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ، سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ: أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَائَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ قُلْتَ وَأَنْتَ قَائِمٌ: سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُ وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، فَذٰلِكَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ فَافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً .(المستدرک للحاکم، کتاب صلاة التطوع، رقم الحديث: ۱۱۹۲/سنن أبي داؤد، باب صلاة التسبيح، رقم الحديث: ۱۲۹۹/سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی صلاة التسبيح، رقم الحديث: ۱۳۸۷، انيس)

(۲) عن ابن مسعود : أن رجلا أصاب من امرأة قبلة فأتى النبی صلی اللّٰه عليه و سلم فأخبره فأنزل اللّٰه﴿وَأَقِمِ الصَّلاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾فقال الرجل: يارسول اللّٰه! أ لی هذا؟ قال: لجميع أمتی كلهم.(صحيح البخاری، باب الصلاة كفارة، رقم الحديث: ۵۰۳/صحيح لمسلم، كتاب التوبة، باب قوله تعالىٰ:﴿إن الحسنات يذهبن السيئات﴾، رقم الحديث: ۲۷۶۳، انيس)

صلوٰۃ التسبیح کا ثواب:

سوال (۱) صلوٰۃ التسبیح کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا اور امتی کو بھی ایسا ہی ثواب ملے گا، یا نہیں؟

صلوٰۃ التسبیح میں سہو:

(۲) صلوٰۃ التسبیح میں اگر سہو ہو جاوے تو "**سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ**" سجدۂ سہو میں کہے، یا "**سبحان ربی الأعلیٰ**" کہے، قیام میں **سبحان اللّٰہ، الخ** ۲۵ رمرتبہ کہے، یا ۱۵ رمرتبہ، اگر قیام میں ۲۵ رمرتبہ کہے گا تو دوسرے سجدہ کے بعد نہ کہے گا۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱-۲) حدیث شریف میں ہے:

"**إنما الأعمال بالنیات، الخ، ولکل امرئ مانوی**". (الحدیث)(۱)

پس مدار ثواب کا نیت پر ہے، اگر لوجہ اللہ خالص نیت سے کوئی پڑھے گا تو اب بھی اسی قدر ثواب ملے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تعلیم جو فرمائی تھی، وہ ان کی خصوصیت نہ تھی، جیسے آپ کی دیگر ادعیہ واعمال کی تعلیم وبشارت ثواب عام تھی۔ سجدہ میں "**سبحان ربی الأعلیٰ**" کہے اور قیام میں پندرہ دفعہ "**سبحان اللّٰہ الخ**" کہے۔(۲)

حاصل یہ ہے کہ صلوٰۃ التسبیح فرض واجب تو ہے نہیں؛ لیکن اگر پڑھے تو اسی طریقہ سے پڑھے، جو سلف سے منقول ہے، اپنی طرف سے اس میں ایجاد کرنا درست نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۳۱۳)

اگر تسبیحات میں ایک جگہ بھول جائے تو دوسری جگہ ادا کر سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: صلوٰۃ التسبیح میں اگر کسی موقع کی تسبیح بھول کر دوسرے رکن میں تکبیر کہتا ہوا چلا گیا اور اس رکن میں دوگنی تسبیح پڑھ لی تو سجدہ سہو لازم ہوگا، یا نہیں؟

---

(۱) **عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: إنما الأعمال بالنیات وإنما لکل امرئ ما نویٰ، فمن کانت ہجرتہ إلٰی دنیا یصیبہا أو إلٰی امرأۃ ینکحہا فہجرتہ إلٰی ما ہاجر إلیہ. (صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی إلٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ۲/۱، قدیمی/صحیح لمسلم، قالہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إنما الأعمال بالنیۃ، رقم الحدیث: ۱۹۰۷، انیس)**

(۲) **الروایۃ الثانیۃ أن یقتصر فی القیام علیٰ خمسۃ عشر مرۃ بعد القراءۃ. (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مطلب فی صلاۃ التسبیح: ۱/۶۴۳، ظفیر)**

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔فقط (فتاویٰ دار العلوم:۴/۳۱۵)

صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں ایک سلام سے یا دو سے:

سوال: صلوٰۃ التسبیح چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا اولیٰ ہے، یا دو سلام کے ساتھ اور اگر تسبیح بجائے دس کے پندرہ دفعہ پڑھ لے بھول کر تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

صلوٰۃ التسبیح دو رکعت، یا چار رکعت کی نیت کرے، دونوں طرح جائز ہے، اگر چار رکعت کی نیت ہو تو درمیان کے قعدہ میں درود شریف پڑھ لیوے اور تسبیح اگر دس کی جگہ پندرہ پڑھ لیوے تو سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۱۵)

صلوٰۃ التسبیح میں تسبیح کے اوقات:

سوال: صلوٰۃ التسبیح کی پہلی اور تیسری رکعت میں تسبیح کس وقت پڑھے؟ شافعیہ کے نزدیک جلسۂ استراحت میں ہے، حنفیہ کے نزدیک کس وقت ہے اور راجح قول کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

یہی راجح اور معمول بہ ہے کہ بیٹھ کر تسبیح پڑھ کر اٹھ کر فاتحہ اور سورہ کے بعد تسبیح ۱۵/دفعہ پڑھے۔(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۱۲)

تسبیح معروفہ کب کب پڑھی جائے:

سوال: صلوٰۃ التسبیح میں تسبیح معروفہ پندرہ مرتبہ قبل از قرأت اور دس مرتبہ بعد از قرأت شامی میں منقول ہے اور حدیث میں بعد سجدہ دوئم دس مرتبہ وارد ہے۔عند الاحناف عمل کس پر ہے اور بعد سجدہ کے اگر پڑھے تو تکبیر کہہ کر پھر پڑھ کر کھڑا ہو، یا کیوں کر؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

شامی نے دونوں صورتیں لکھی ہیں اور دونوں منقول ہیں؛ لیکن بہتر وہ صورت معلوم ہوتی ہے، جو موافق احادیث

---

(۱) فبعد الثناء خمسة عشر مرة ثم بعد القراءة وفي ركوعه والرفع منه وكل من السجدتين وفي الجلسة بينهما عشرًا عشرًا بعد تسبيح الركوع والسجود وهذه الكيفية هي التي رواها الترمذي في جامعه ...وقال إنها المختار من الروايتين والرواية الثانية أن يقتصر في القيام على خمسة عشر مرة بعد القراءة.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مطلب في صلاة التسبيح:۲/۲۷،دار الفكر بيروت،انيس)

مشہور کے ہے کہ بعد قرأت کے پندرہ بار اور سجدۂ ثانیہ سے اٹھ کر دس بار تسبیح مذکور پڑھے، پھر اٹھے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۱۴/۴)

صلوٰۃ التسبیح کی دوسری رکعت کی تسبیحات میں راجح قول کون سا ہے:

سوال: صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں ترمذی شریف کے صفحہ:۶۳ پر ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث اور مشکوٰۃ کے صفحہ:۱۱۷ پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے دوسری رکعت کے ختم کی تسبیحات بعد تشہد پڑھی جاسکتی ہیں؛ کیوں کہ ان کی روایتوں میں پہلی کے ختم کی بھی جلسۂ استراحت میں ہیں؛ مگر کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ صورت مرجوح ہے، راجح عبداللہ بن المبارک والی ہے، جو ترمذی کے صفحہ:۶۴ پر ہے اور اس میں جلسۂ استراحت کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ قیام ہی میں پچیس ہو جاتی ہیں تو اس راجح صورت عندالحنفیہ پر دوسری رکعت کی تسبیحات کی کیا صورت ہوگی؟ یا جو عبداللہ بن المبارکؒ نے "یبدأ ،الخ" سے بیان فرمایا ہے، یہی ہے؟ اور آنجناب کی معمول بہا کون سی صورت ہے؟

الجواب

(حضرت) ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں کہ تسبیحات تشہد سے پیشتر پڑھی جاویں، یا بعد تشہد اور سوال میں بعد تشہد ہونے پر جو استدلال کیا گیا ہے، اس سے مدعی ثابت نہیں ہوتا۔ پہلی اور تیسری رکعت کے جلسۂ استراحت میں تسبیحات ہونے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت میں بعد تشہد ہو، البتہ اگر قرأت پر قیاس کیا جاوے تو ممکن ہے؛ یعنی یوں کہا جاوے کہ جس طرح قیام میں قرأت کے بعد تسبیحات ہیں، اسی طرح قعود میں تشہد کے بعد پڑھی جاویں؛ لیکن ایک روایت میں قبل تشہد پڑھنے کی تصریح وارد ہوئی ہے، اس واسطے اس قیاس پر عمل نہ ہوگا؛ بلکہ روایت پر عمل کیا جاوے گا۔

---

(۱) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال للعباس بن عبد المطلب: یا عباس! یاعماہ! ألا أعطیک ألا أمنحک ألا أخبرک ألا افعل بک عشر خصال إذا أنت فعلت ذلک غفر اللّٰہ لک ذنبک أوله وآخره قدیمه وحدیثه خطاه و عمده صغیره سره وعلانیته و أن تصلی أربع رکعات تقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب وسورة فإذا فرغت من القراء ة فی أول رکعة وأنت قائم قلت سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إله الا اللّٰہ واللّٰہ أکبر خمس عشرة مرة ثم ترکع فتقولها و أنت راکع عشرًا ثم ترفع رأسک من الرکوع فتقولها عشراً ثم تهوی ساجداً فتقولها وأنت ساجد عشراً، ثم ترفع رأسک من السجود فتقولها عشراً ثم تسجد فتقولها عشراً ثم ترفع رأسک فتقولها عشراً فذلک خمس وسبعون فی کل رکعة تفعل ذلک فی أربع رکعات ان استطعت أن تصلیها فی کل یوم مرة فافعل فان لم تفعل ففی کل جمعة مرة فان لم تفعل ففی کل سنة فان لم تفعل ففی عمرک مرة. (مشکاة المصابیح، باب صلاة التسبیح، ص:۱۱۷، ظفیر)

والرواية قد أخرجها الدارقطنی عن ابن عباس مرفوعاً وفيها: إنّک اذاجلس للتشهد قلت ذلک عشرمرات قبل التشهد. (اللالی المصنوعة،ص: ۲۰)

وقال العلامة السيوطی: رجاله ثقات إلا صدقة وهوالدمشقی، كما نسب فی رواية أبی نعيم وابن شاهين وهوابن عبدالله ويعرف بالسمين ضعيف من قبل حفظه ووثقه جماعة. (ص: ۲۲)

اورابن المبارک کی روایت میں سجدۂ ثانیہ کے بعد تسبیحات ہی نہیں، جوان کے محل کا سوال ہو، فافہم اورعبداللہ بن المبارکؒ سے ترمذیؒ نے جوروایت کی ہے، وہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔

رواه البيهقی من حديث أبی خباب الكلبی عن أبی الجوزاء عن عبدالله بن عمروعن النبی صلى الله عليه وسلم. (۵۲/۳)

والكلبی مختلف فيه ضعفه كثيرون وذكره ابن حبان فی الثقات وقال ابن نمير: صدوق كان صاحب تدليس، قال الفلابی: قال أبونعيم: لم يكن بأبی خباب بأس إلا أنه كان يدلس وكذا قال أحمد وابن معين وأبوداود عن أبی نعيم وقال أحمد بن سليمان الرهاوی عن أبی نعيم مثل ذلک وزاد ما سمعت منه شيئاً إلا شيئاً قال فيه حدثنا. (تهذيب التهذيب)

اوراللآلی المصنوعة (ص: ٤٤) میں ہے:

قال الحاكم: ولايتهم بعبد الله أنه يعلم ما لم يصح عنده سنده وأيضاً فيه. (ص: ۲۳)

وقال البيهقی بعد تخريجه: كان عبدالله بن المبارک يصليها وتداوله الصالحون بعضهم بعضا وفی ذلک تقوية للحديث المرقوم.

پس یہ روایت بھی ثابت ہے اور جب دونوں طریق ثابت ہیں تو دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، جس طریق سے چاہیں پڑھ لیں اور حنفیہ اگر طریق اول پر پڑھیں؛ یعنی جلسۂ استراحت کریں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں؛ کیوں کہ یہ ایک جداگانہ نماز ایک خاص طریق سے وارد ہوئی ہے، پس جس طرح اس میں تسبیحات کا اضافہ ہے، اسی طرح جلسۂ استراحت کا اضافہ ہے، اس سے تمام نمازوں میں جلسۂ استراحت ہونا لازم نہیں آتا اور حنفیہ میں سے بعض نے دونوں طریق نقل کئے ہیں اور بعض نے طریق اول پر اقتصار کیا اور بعض نے طریق ثانی پر اور علامہ شامی نے کہا ہے: "الذی ينبغی فعل هٰذه مرةً وهٰذه مرةً" اور ملّا علی قاریؒ نے بھی مرقات میں فرمایا ہے: "وينبغی للمتعبد أن يعمل بحديث ابن عباس رضی الله عنهما تارة ويعمل بحديث ابن المبارک أخرٰی" ولیکن قنیہ میں روایت ابن المبارک کے متعلق ہے: "أنها المختار من الروايتين" (شامی: ۱/۱۹/۱۷) ونیز علامہ نوویؒ نے اذکار میں اس کی موافقت کی ہے۔ (بذل المجہود: ۲/۶/۲۷) اور امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے: "هٰذا هوالأحسن وهواختيار ابن المبارک. (۱/۱۸۶)

اس سے معلوم ہوا کہ راجح طریق ابن المبارک کا ہے اور نوویؒ وغزالیؒ کی موافقت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ میں سے جن حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے، ان کا مطمح نظر موافقت حنفیہ فی عدم الجلسۃ للاستراحۃ نہیں ہے؛ بلکہ کوئی اور وجہ ہے اور اگر کوئی حنفی یہ بھی کہے کہ جب دونوں طریق ثابت ہیں تو ہمارے لیے وہ طریق اختیار کرنا بہتر ہے، جو اقرب الی المذہب ہو تو اس میں کچھ حرج بھی نہیں، ان پر اعتراض تو جب ہوتا جب غیر ثابت کو صرف موافقتِ مذہب کی بنا پر ترجیح دیتے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ، ۱۷ر شوال ۱۳۵۱ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۳۰-۲۳۲)

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ کھلا رکھے:

سوال: صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھے رکھے، یا کھلا رکھے؟

الجواب ــــــــــــــــ

کھلے رکھنا ہی معمول بہ ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۱۴)

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھیں، یا کھلے رکھیں:

سوال: صلوٰۃ التسبیح میں قومہ میں ہاتھ باندھ کر تسبیح پڑھنا اولیٰ ہے، یا ہاتھ کھول کر؟

الجواب ــــــــــــــــ

ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہیے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۴)

صلوٰۃ التسبیح میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد قیام طویل میں ہاتھ باندھے، یا کھلے رکھے:

سوال: مکمل ومدلل بہشتی زیور مطبوعہ اشرف المطابع ۱۳۴۴ھ دوسرا حصہ ص: ۴۴ پر صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ درج ہے: ''رکوع سے اٹھے اور سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے''۔ حضرت صاحب اس وقت ہاتھ باندھ کر تسبیح پڑھنی چاہیے، یا کہ کھلے ہی رکھے جائیں؟ مطلع فرماویں۔

الجواب ــــــــــــــــ

قال الطحطاوی فی حاشیته علیٰ مراقی الفلاح (ص: ۱۵۰) تحت قول المصنف (ویسن وضع الرجل یده الیمنیٰ علی الیسریٰ تحت سرته): ... ولا بد فی ذلک القیام أن یکون فیه ذکر مسنون ومالا فلا، کما فی السراج وغیره ... فان قیل فی القومة من الرکوع ذکر مشروع وهو التسمیع والتحمید فینبغی أن یضع فیها علیٰ قولهما أجیب بأن المراد قیام له ... إقرار وهذا لا

قرارله،آه، وهل يضع فيها فی صلاة التسابيح لكون القيام له قرارفيه ذكرمشروع يراجع،آه.(۱)

قال الشامی: ومقتضاه أنه يعتمد بيديه (فی القومة) فی النافلة ولم أرمن صرح به تأمل لكنه مقتضی اطلاق الأصلين المارين ومقتضاه أن يعتمد أيضاً فی صلاة التسابيح،آه.(۵۰۹/۱)(۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ التسبیح میں قومہ کے وقت ہاتھ باندھ کر تسبیح پڑھی جائے۔فقط واللہ اعلم

۱۴/صفر ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام:۲/۲۲۰-۲۲۱)

صلوٰۃ التسبیح کا مفصل طریقہ:

سوال: صلوٰۃ التسبیح کا مفصل طریقہ کیا ہے؟ تسبیحات کے اعداد اور مکمل طریقہ اور تسبیحات کس کس مقام پر کتنی کتنی پڑھنی چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

چار رکعت کی نیت باندھ کر اول "سبحانک اللٰهم" پڑھے، پھر پندرہ دفعہ "سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر"، پھر "الحمد" اور سورت پڑھ کر دس مرتبہ تسبیح، پھر رکوع میں "سبحان ربی العظیم" پڑھ کر دس مرتبہ تسبیح، پھر قومہ میں "سمع اللّٰه لمن حمده" کہہ کر "ربنا لک الحمد" کہہ کر دس مرتبہ تسبیح، پھر سجدہ میں "سبحان ربی الأعلیٰ" کہہ کر دس مرتبہ تسبیح، پھر جلسہ میں دس مرتبہ تسبیح، پھر سجدہ ثانیہ میں دس مرتبہ تسبیح یہ ایک رکعت میں پچھتر دفعہ تسبیح ہوگی، پھر دوسری رکعت میں "الحمد" سے پہلے پندرہ دفعہ اور اسی ترتیب کے ساتھ چاروں رکعات پڑھی جائیں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۷/۲۵۱)

---

(۱) حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، فصل فی سنن الصلاة، ص:۱٤۰، قديمی، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، آداب الصلاة، مطلب بيان المتواتر والشاذ:۱/٤۸۸، دار الفكر، بيروت، انيس

(۳) أخبرنا أبو وهب قال: سألتُ عبد اللّٰه بن المبارک عن الصلاة التی يسبح فيها، قال: يكبر، ثم يقول: "سبحانک اللٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إلٰه غيرک" ثم يقول: خمس عشرة مرة: "سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر" ثم يتعوذ، ويقرأ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، وفاتحة الكتاب و سورة، ثم يقول عشر مرات: "سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر ثم يركع فيقولها عشراً ثم يرفع رأسه ثم يسجد فيقولها عشراً ثم يرفع رأسه ويقولها عشراً"... ثم يسجد الثانية فيقولها عشراً. يصلی أربع ركعات علیٰ هٰذا، فذٰلک خمس وسبعون تسبيحةً، يبدأ فی كل ركعةٍ يبدأ فی كل ركعة بخمس عشرة تسبيحة، ثم يقرأ، ثم يسبح عشراً. فإن صلیٰ ليلاً فأحب الی أن يسلم فی كل ركعتين. وإن صلیٰ نهاراً، فإن شاء سلم، وإن شاء لم يسلم". (سنن الترمذی، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء فی صلاة التسبيح:۱/۱۰۹، سعيد)

==

صلوٰۃ التسبیح کی جماعت مکروہ ہے:

سوال: صلوٰۃ التسبیح کی جماعت درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

جماعت نوافل کی خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو، یا کوئی دوسرے نوافل اگر بتداعی ہو مکروہ ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۳/۴)

جماعت کے ساتھ صلوٰۃ التسبیح:

سوال: صلوٰۃ التسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ جب کہ پڑھانے والے کا مقصد صرف مقتدیوں کا اصرار بغرض تعلیم وترکیب ہو۔

(۲) اگر شق ثانی مراد ہے تو امام مقتدیوں میں کس حد تک گناہ کے مرتکب ہیں؟

(۳) امام اور مقتدی کی صلوٰۃ التسبیح ہوگئی، یا نہیں؟ جب کہ درمختار کی عبارت ''السنة نافلة'' موجود ہے، اگر شق اول مراد ہو تو ثواب میں کچھ کمی ہو جائے گی، یا ثواب برابر ملے گا؟

(۴) نماز تسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کو بدعتی کہنا کیسا ہے، جب کہ وہ موحد ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(۱) صلوٰۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول ومشروع نہیں ہے۔(۲)

(۲) التزام کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔(۳)

== ''عن أبی رافع قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: ''یا عم! ألا أصلک إلا أحبوک، ألا انفعک؟ قال: بلٰی یارسول اللّٰہ! قال: یاعم! صل أربع رکعات تقرأ فی کل رکعةٍ بفاتحة الکتاب وسورة، فإذا انقضت القراء ة فقل اللّٰہ أکبر والحمد للّٰہ وسبحان اللّٰہ خمس عشرة مرة قبل أن ترکع، ثم ارکع فقلها عشراً، ثم ارفع رأسک فقلها عشراً، ثم اسجد فقلها عشراً، ثم ارفع رأسک فقلها عشراً، ثم اسجد فقلها عشراً، ثم ارفع رأسک فقلها عشراً، قبل أن تقوم، فذلک خمس وسبعون فی کل رکعةٍ، وهی ثلاث مائة فی أربع رکعات ولو کانت ذنوبک مثل رمل عالج غفرها اللّٰہ لک قال: یا رسول اللّٰہ! ومن تستطیع أن یقولها فی یوم، قال إن لم یستطع أن تقولها فی یوم فقلها فی جمعةٍ، فإن لم تستطع أن تقولها فی جمعةٍ فقلها فی شهر'' فلم یزل یقول له حتٰی قال: ''فقلها فی سنةٍ''. (سنن الترمذی، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء فی صلاة التسبیح: ۱/ ۱۰۹، سعید)

(۱) (ولا یصلی الوتر) ولا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أی یکره ذلک علٰی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد. (الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار، باب الوتروالنوافل، قبیل باب ادراک الفریضة: ۲/ ۴۸ـ۴۹، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) ''والجماعة فی النفل غیرالتراویح مکروهة''. (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، کتاب الصلاة، باب الوتر واحکامه، ص: ۳۸۶، قدیمی)

(۳) إن الاصرار علٰی المندوب یبلغه الٰی حد الکراهة، فکیف اصرار البدعة التی لا أصل لها فی الشرع، وعلٰی هٰذا فلا شک فی الکراهة. (السعایة فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/ ۲۶۵، سهیل اکادمی لاهور)

(۳) کراہت کے ساتھ ہوگی۔(۱)

(۴) اگر وہ اس کی جماعت کو ثواب سمجھ کر کریں تو یہ بدعت بھی ہے اور مکروہ بھی۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۲/۷-۲۵۳)

صلوٰۃ التسبیح میں عورتوں کی جماعت:

سوال: ہمارے گاؤوں میں عورتیں صلوٰۃ التسبیح کی جماعت کرتی ہیں اور جماعت کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ان کا امام پیڑھا بچھا کر پیچھے بیٹھ جاتا ہے اور اگر بچہ روتا ہے تو اس کو چپکا کر دیا جاتا ہے اور کتا ہوتا ہے تو اس کو بھی دفع کر دیا جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

عورتوں کی جماعت فرض نماز میں مکروہ ہے،(۳) اور صلوٰۃ التسبیح تو نفل ہے، اس کی جماعت مردوں کے لیے بھی مکروہ ہے، عورتوں کے لیے اس کی کراہت میں زیادہ شدت ہوگی،(۴) اگر وہی نماز پڑھاتی ہے، جو پیڑھا بچھا کے پیچھے بیٹھتی ہے اور کتے وغیرہ کو دفع کرتی ہے تو بالکل نماز نہیں ہوتی،(۵) اور یہ حقیقۃً نماز ہی نہیں؛ بلکہ جہالت کی پوٹ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۲/۷)

---

(۱) (قوله: علىٰ سبيل التداعى) راجع إليها، والتداعى فأكثر علىٰ إمام، دون ذلک لا يكره إذا صلوا فى ناحية المسجد، كذا فى القهستانى ونقله فى البحر عن الصدر الشهيد وظاهر اطلاقه الكراهة انها تحريمية". (حاشية الطحطاوى علىٰ الدرالمختار، باب الإمامة: ۲۴۰/۱، دارالمعرفة، بيروت

(۲) عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلىٰ اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث فى أمرنا هٰذا ماليس منه، فهو رد". (الصحيح للإمام مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة وردمحدثات الأمور: ۷۷/۲، قديمى)

(البدعة) ما أحدث علىٰ خلاف الحق الملتقى عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰/۱-۵۶۱، سعيد)

(۳) (و) يكره تحريماً (جماعة النساء) ولوفى التراويح (وفى الرد تحته أفاد أن الكراهة فى كل ما تشرع فيه جماعة الرجال فرضاً أونفلاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۶۵/۱، سعيد)

(۴) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) ... وفى وتررمضان مستحبة علىٰ قول، وفى وتر غيره وتطوع علىٰ سبيل التداعى مكروهة". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الإمامة: ۵۵۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۵) ولوتقدم علىٰ الإمام غيرعذرفسدت صلاته، كذا فى فتاوىٰ قاضيخان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱۰۳/۱، رشيدية)

آخری جمعہ رمضان میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت کا ثبوت نہیں:

سوال: رمضان شریف کے آخر جمعہ میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھائی جاتی ہے، اس کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟ امام یہ کہتا ہے کہ جاہل لوگ تسبیح نہیں پڑھ سکتے، لہٰذا ان کو امام کی متابعت میں ثواب مل جاوے گا، اعتبارًا بصلاۃ الکسوف والخسوف والاستسقاء (اور کیا فوت شدہ نمازوں کا کفارہ ہوجائے گا)؟

الجواب

اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور اس سے نماز ہائے فوت شدہ کا کفارہ نہیں ہوتا، یہ خیال غلط ہے اور امام کا خیال بھی غلط ہے۔ بدعت کا ارتکاب اس خیال سے درست نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۴/۴)

☆ ☆ ☆

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا مالیس منه، فهو رد". (الصحیح للإمام مسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة وردمحدثات الأمور: ۷۷/۲، قدیمی، انیس)

(البدعة) ما أحدث علٰی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰/۱-۵۶۱، انیس)

قنوت نازلہ کے مسائل

قنوت نازلہ کا جواز اور اس کا ثبوت:

سوال: قنوت نازلہ جو تقریباً سال بھر سے پڑھی جا رہی ہے، اس پر بعض مسلمان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا پڑھنا جائز نہیں ہے اور حدیث انسؓ سے اس کا پڑھنا موقوف ہو چکا ہے۔

"عن أنس رضی اللّٰہ عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قنت شهرًا ثم ترکه". (رواہ أبوداؤد)(۱)

" ثم ترک" سے اس کا چھوڑنا فرض کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں کسی پر لعنت کرنا، یا بددعا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ حدیث اور قول امام اعظمؒ سے اس کا ثبوت مانگتے ہیں کہ "ثم ترکه" کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا ہو؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"ولایقنت لغیره إلا لنازلة فیقنت الإمام فی الجهریة وقیل فی الکل"إلخ.

اور ردالمحتار معروف بہ شامی میں ہے:

"(قوله فی الجهریة):یوافقه ما فی البحر والشرنبلالیة عن شرح النقایة عن الغایة:وإن نزل بالمسلمین نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهریة وهوقول الثوری وأحمد،آه،وکذا ما فی شرح الشیخ إسماعیل عن البنایة:إذا وقعت نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهریة،لکن فی الأشباه عن الغایة: قنت فی صلاة الفجر.

ویؤیده ما فی شرح المنیة حیث قال بعد کلام: فتکون شرعیته أی شرعیة القنوت فی النوازل مستمرة وهومحمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیه الصلاة والسلام، وهومذهبنا وعلیه الجمهور.قال الحافظ أبوجعفرالطحاوی:" إنما لایقنت عندنا فی صلاة الفجرمن غیر بلیة فإن وقعت فتنة أوبلیة، فلابأس به، فعله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم،إلخ.(إلیٰ أن

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة،باب القنوت فی الصلاة: ۱/ ۲۰٤،انیس

قال):وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختصٌ بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية أو السرية،إلخ.(۱)

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ عندالحنفیہ ؛ بلکہ عندالجمہو رقنوت نازلہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشروع ہے۔(۲)

پس جوشخص اس کاانکارکرے، وہ جملہ ائمہ اہل حق کا مخالف ہےاور کتب دینیہ سے ناواقف ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ اگرقنوت نازلہ منسوخ ہوجاتا تو آپ کی وفات کے بعدصحابہ کرام اس کومعمول بہ کیوں بناتے۔وکفٰی بھم قدوۃ

اورحدیث انس رضی اللہ عنہ ''أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قنت شھرًا ثم ترکه'' (۳) سے منسوخ سمجھنا قنوت نازلہ کا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ '' ثم ترکه '' کے یہ معنی ہیں کہ مہینہ بھر کے بعد آپ نے اس کوچھوڑ دیا؛ کیوں کہ مثلاً ضرورت باقی نہ رہی اور جوغرض تھی، وہ حاصل ہوگئی وغیرہ۔

اورلعنت کفار پرآیات واحادیث سے برابرثابت ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی:﴿فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾(۴)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ،اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾(۵)

اسی طرح بکثرت آیات واحادیث سے لعنت برکفارثابت ہے،انکاراس کا سوائے جاہل معاند کےاورکون کرسکتا ہے۔الغرض حنفیہ کواپنے ائمہ کے اقوال اورکتب فقہ کی تفصیل وتشریح کودیکھ کرعمل کرنا چاہیے۔منکرین ائمہ؛ یعنی فرقۂ غیرمقلدین کی بات نہ سننا چاہیے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۹۷-۱۹۹)☆

(۱) رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب فی القنوت للنازلة:۱/۶۲۸،ظفیر

(۲-۳) عن أنس أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قنت شھراً لعن رجالاً ،وقال هشام: يدعوعلٰی أحياء من أحياء العرب ثم تركه بعد الركوع.(سنن النسائی،باب اللعن فی القنوت،رقم الحديث:۱۰۷۷،انیس)

عن أنس بن مالک قال: قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شھرًا بعد الركوع.(سنن النسائی،باب القنوت بعد الركوع،رقم الحديث: ۱۰۷۰،انیس)

(۴) سورة البقرة:۷۹،ركوع:۱۱،ظفير

(۵) سورة البقرة:۱۵۹،ركوع:۱۹،ظفير

☆ **قنوت نازلہ کاثبوت کیاہے:**

سوال: قنوت درنماز فجر درموقعہ نوازل خواندہ میشود، حوالہ مطلوب است؟(مصیبت کے وقت نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھا جاتا ہے،اس کاحوالہ کیاہے؟انیس)

==

قنوت نازلہ جائز ہے، یانہیں اور جائز ہے تو کیوں:

سوال: اس زمانہ میں جو دعاء نازلہ پڑھی جاتی ہے، یہ دعا نماز فجر میں احناف کے نزدیک جائز ہے، یانہیں؟ اگر جائز ہے تو ”لیس لک من الأمر شیء“ کا کیا جواب ہے اوراس دعاء نازلہ میں اور قنوت میں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، جب کسی قبیلہ، یا قوم کو بددعا کرنا چاہتے تھے، فرق ہے، یانہیں؟

الجواب

بوقت نازلہ دعاء قنوت وغیرہ نماز فجر میں باتفاق حنفیہ جائز ہے۔(۱)

درمختار میں ہے:

”ولایقنت لغیرہ إلا لنازلة،إلخ.(۲)

وفی الشامی:وھوصریح فی أن قنوت النازلة عندنا مختصٌ بصلوٰة الفجر.(۳)

وفیہ عن شرح المنیة:فتکون شرعیته أی شرعیة القنوت فی النوازل مستمرة وھومحمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیه الصلاة والسلام وھومذھبنا وعلیه الجمھور.(۴)

پس جب کہ معلوم ہوا کہ مذہب جمہور ائمہ یہی ہے اور صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قنوت نازلہ پڑھا ہے تو اب کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

اور آیت ﴿لیس لک من الأمر شیء﴾ کے شان نزول میں اختلاف کثیر ہے، قنوت نازلہ میں نزول اس کا

==

الجواب

قنوت درنوازل درصلوٰۃ فجر نزد حنفیہ ثابت ومعمول بہ است۔(ترجمہ جواب: مصیبت کے وقت نماز فجر میں قنوت نازلہ حنفیہ کے نزدیک ثابت اور معمول بہ ہے، انیس)(عن أبی ھریرة رضی اللّٰه عنه یقول کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول حین یفرغ من صلاة الفجر من القراءة ویکبر ویرفع رأسه ویقول سمع اللّٰه لمن حمد ربنا ولک الحمد یقول وھوقائم اللّٰھم أنج الولید بن ولید وسلمة بن ھشام وعیاش بن أبی ربیعة والمستضعفین من المؤمنین اللّٰھم اشدد وطائک علٰی مضر واجعلھاعلیھم کسنی یوسف اللّٰھم العن لحیان ورعلاً وذکوان وعصیة عصت اللّٰه و رسوله.(شرح معانی الآثار،باب القنوت فی صلاة الفجروغیرھا: ۱۵۵/۱،مکتبة رحمانیة،لاھور،انیس)قال فی الشامی: وھوصریح فی أن قنوت النازلة عندنا مختصٌ بصلاة الفجر.(رد المحتار،باب الوتروالنوافل، مطلب فی القنوت للنازلة:۶۲۸/۱،ظفیر)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۹۰/۴)

(۱) عن أنس قال: قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم شھراً بعد الرکوع یدعوعلٰی حی من أحیاء العرب ثم ترکه.(شرح معانی الآثار،کتاب الصلاة،باب القنوت فی صلاة الفجر :۱۷٤/۱،انیس)

(۲) الدرالمختارعلٰی ھامش رد المحتار،باب الوتر والنوافل، مطلب فی القنوت للنازلة:۶۲۸/۱،ظفیر

(۳-۴) رد المحتار،اب الوتر والنوافل، مطلب فی القنوت للنازلة:۶۲۸/۱،ظفیر

متعین نہیں ہے، **كما صرح به فی المعالم** ؛ تاکہ جواب کی ضرورت ہو اور امام طحاویؒ کا قول خود شامی میں یہ منقول ہے:"**قال الحافظ أبو جعفر الطحاوی: "إنما لايقنت عندنا فی صلاة الفجر من غير بلية فإن وقعت فتنة أو بلية فلابأس به،فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۹۵-۱۹۶)

قنوت نازلہ کب اور کس نماز میں پڑھنی چاہیے:

سوال: قنوت نازلہ کب اور کن حالات میں پڑھنی چاہیے اور ایک وقت پڑھنی چاہیے، یا پانچوں وقت؟

الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

جب مسلمانوں پر مصائب نازل ہوں تو ان کے لیے قنوت نازلہ پڑھنا جائز و درست ہے۔(۲) قنوت نازلہ فرض نماز کے آخر رکوع کے بعد کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے رکوع کے بعد اور سجدہ کے پہلے۔(۳)

سری نمازوں میں آہستہ اور جہری نمازوں میں بلند آواز سے پڑھنا چاہیے، مناسب یہ ہے کہ عشا اور فجر کی نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی جاوے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۶۹/۸/۳۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۰۸-۲۰۹)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مطلب فی القنوت للنازلة : ٦٢٨/١،ظفير

وكان أحد من روى عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أيضا القنوت فى الفجر أنس بن مالك فروى عمرو بن عبيد عن الحسن عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يزل يقنت بعد الركوع فى صلاة الغداة حتى فارقه فأثبت فى هذا الحديث القنوت فى صلاة الغداة وإن ذلك لم ينسخ.(شرح معانى الآثار،كتاب الصلاة،باب القنوت فى صلاة الفجر: ١٧٦/١،انيس)

(۲) عن أبى هريرة رضى الله عنه يقول والله لأقربن بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان أبوهريرة يقنت فى الظهر والعشاء الآخرة وصلاة الصبح ويدعو للمؤمنين ويلعن الكفار.(الصحيح لمسلم،باب استحباب القنوت فى جميع الصلوات: ٢٣٧/١،انيس)

(۳) عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم شهراً متتابعاً فى الظهر والعصر والمغرب والعشاء و صلاة الصبح فى دبر كل صلاة إذا قال سمع الله لمن حمده من الركعة الآخرة.(سنن أبى داؤد، باب القنوت فى الصلاة: ٢٠٤/١،انيس)

(۴) مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے تو امام کو جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنی چاہیے۔[مجاہد]

وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الامام فى صلاة الجهر،وهو قول الثورى وأحمد آه.(ردالمحتار: ٤٤٨/٢)

بعض فقہا نے قنوت نازلہ کو نماز فجر کے ساتھ خاص کیا ہے۔

لكن فى الأشباه عن الغاية قنت فى صلاة الفجر ويؤيده ما فى شرح المنية.(ردالمحتار: ٤٤٨/٢)

وصال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ نے قنوت نازلہ پڑھا۔(عن أبى هريرة يقول و الله لأقربن بكم صلاة ==

قنوت نازلہ کے متعلق اختلافات:

سوال: قنوت نازلہ جو مصائب کے پیش آنے پر نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، اس کے متعلق بعض لوگ چند شبہات بیان کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ منسوخ ہے، کوئی کہتا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھنی چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ قنوت پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھنا چاہیے۔ براہ کرم ان امور کے متعلق تحقیقی جوابات مرحمت فرمائیں؟

الجواب

قنوت نازلہ مصیبتوں کے وقت فرض نمازوں میں پڑھنا جائز ہے اور اس کا جواز عموماً جمہور ائمہ اور خصوصا حنفیہ کے نزدیک منسوخ نہیں ہے؛ بلکہ جب کوئی عام مصیبت پیش آئے تو مصیبت کے زمانہ تک قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔(۱)

ہاں قنوت دوامی جو فجر کی نماز میں امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے، وہ حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں جہاں قنوت فجر کو منسوخ کہا ہے، اس سے مراد یہی ہے کہ قنوت دوامی فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے۔ قنوت نازلہ کا منسوخ نہ ہونا ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے صراحۃ ثابت ہوتا ہے۔

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فی صلاة العتمة شهرًا (إلٰی قوله) قال أبوهريرة رضی اللّٰه عنه: وأصبح رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ذات يوم فلم يدع لهم فذكرت ذلک له، فقال: وماتراهم قدقدموا. (أبوداؤد)(۱)

== رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فكان أبوهريرة يقنت فی الظهروالعشاء الآخرة وصلاة الصبح ويدعو للمؤمنين ويلعن الكفار (الصحيح لمسلم، باب استحباب القنوت فی جميع الصلوات: ۲۳۷/۱، انیس)، اس کا محمل یہی حکم شرعی ہے کہ مصیبتوں اور حادثات کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھنے کی مشروعیت دائمی ہے۔[مجاہد]

وقال الحافظ أبوجعفر الطحاوی: إنما لايقنت عندنا فی صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أوبلية فلا بأس به فعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم، وأما القنوت فی الصلوات كلها للنوازل فلم يقل به إلا الشافعی، وكأنهم حملوا ما روی عنه عليه الصلاة والسلام أنه قنت فی الظهر والعشاء كما فی مسلم، وانه قنت فی المغرب أيضًا (عن البراء قال قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فی الفجر والمغرب. (الصحيح لمسلم، باب استحباب القنوت فی جميع الصلوات: ۲۳۷/۱، انیس) كما فی البخاری علی النسخ لعدم ورود المواظبة والتكرار الواردين فی الفجر عنه عليه الصلٰوة و السلام اهـ وهو صريح فی أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية (ردالمحتار، مطلب فی القنوت للنازلة: ۴۴۹/۲)

بہتر یہی ہے کہ قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھی جائے۔[مجاہد]

(۱) إنما لايقنت عندنا فی صلاة الفجر من غير بليه فإن وقعت فتنه أوبلية لابأس به، فعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی قنوت النازلة: ۱۱/۲، ط: سعيد)

(۲) باب القنوت فی الصلاة: ۲۰۴/۱، ط: سعيد

(ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان قیدیوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت کے لیے ایک مہینہ تک عشا کی نماز میں قنوت پڑھی (الی قولہ) ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا نہیں پڑھی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مسلمان قیدی چھوٹ کر آ گئے۔ (ابوداؤد)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مہینہ تک قنوت پڑھ کر چھوڑ دینا قنوت کی ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے تھا، نہ کہ منسوخ ہونے کی وجہ سے۔

عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قنت شهرًا ثم ترکه. (۱)

(ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ دعائے قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی۔)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال: قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شهر امتتابعًا فی الظهر والعصروالمغرب والعشاء وصلاة الصبح فی دبر کل صلاة إذا قال سمع اللّٰہ لمن حمدة من الرکعة الآخرة یدعو علٰی أحیاء من بنی سلیم علٰی رعل وذکوان وعصیة ویؤمن من خلفه. (أبو داؤد) (۲)

(ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر ایک مہینے تک ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں قنوت پڑھی، ہر نماز کے آخر میں جب کہ آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو بنی سلیم کے قبیلوں رعل وذکوان وعصیہ پر بددعا فرماتے اور مقتدی آمین کہتے رہتے۔)

أو أنه لعدم وقوع نازلة تستدعی القنوت بعدها فتکون شرعیة مستمرة وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیه الصلٰوة والسلام وهو مذهبنا وعلیه الجمهور. (کبیری) (۳)

(ترجمہ: یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت کو چھوڑنا اس وجہ سے ہو کہ کوئی ضرورت بعد کو قنوت پڑھنے کی پیش نہ آئی، پس قنوت نازلہ کی مشروعیت مستمر ہے اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قنوت پڑھی، ان کا پڑھنا اسی پر محمول ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی کے جمہور قائل ہیں۔)

قال ابن الهمام فی شرح الهدایة: إن هٰذا ینشئی لنا أن القنوت للنازلة مستمر لم ینسخ. (إلٰی قوله) **وماذکرنا من أخبار الخلفاء یفید تقرره لفعلهم ذلک بعده صلی اللّٰہ علیہ وسلم.** (فتح القدیر) (۴)

---

(۱) سنن أبی داؤد، باب القنوت فی الصلاة: ۱/ ۲۰۴، ط، سعید
عن أنس رضی اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قنت شهراً یدعو علٰی أحیاء من أحیاء العرب ثم ترکه. (الصحیح لمسلم، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات: ۱/ ۲۳۷، انیس)
(۲) باب القنوت فی الصلاة: ۱/ ۲۰۴، ط: سعید
(۳) صلاة الوتر، ص: ۴۲۰، ط: سهیل اکادمی لاهور
(۴) باب صلاة الوتر: ۱/ ۴۳۴، ط: بیروت لبنان

(ترجمہ: ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ مذکورۂ بالا بیان ہمارے لیے ظاہر کرتا ہے کہ قنوت نازلہ کا جواز مستمر ہے، منسوخ نہیں ہوا، (الی قولہ) اور خلفائے راشدین کی جو روایتیں ہم نے ذکر کی ہیں، ان سے قنوت نازلہ کا منسوخ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے؛ کیوں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قنوت نازلہ پڑھی ہے۔)

إذا طبق علماء نا علٰی جواز القنوت عند النازلة. (مرقاة)(۱)

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء (ائمہ حنفیہ) کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پڑھنی جائز ہے۔)

روی عن أبی بکر رضی اللّٰه عنه أنه قنت عند محاربة مسیلمة و کذا قنت عمر رضی اللّٰه عنه(۲) و کذا علی و معاویة عند تحاربهما. (غنية المستملی)(۳)

(ترجمہ: حضرت صدیق ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسیلمہ کذاب سے جنگ کے زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی اور اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی پڑھی ہے اور ایسے ہی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے بھی اپنی جنگ کے زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی ہے۔)

ان روایات سے ثابت ہے کہ قنوت نازلہ ائمہ حنفیہ اور جمہور کے نزدیک جائز ہے، اس کا جواز اور مشروعیت مستمر ہے، منسوخ نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر منسوخ ہوتا تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیوں پڑھتے۔ فتح القدیر، کبیری، عینی، شرح ہدایہ، طحاوی، مراقی الفلاح، درمختار، اشباہ ونظائر، البحر الرائق، غایۃ شرح نقایہ، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ردالمحتار وغیرہ بہت سی کتابوں میں حنفیہ نے قنوت نازلہ کے جواز کی تصریح کی ہے۔ رہی یہ بات کہ حنفیہ کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں ہے، یا تین جہری نمازوں میں، یا پانچوں نمازوں میں؟ تو اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ علامہ طحاویؒ کی عبارت میں صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے، (۴) اور اسی کو صاحب شامیؒ

---

(۱) باب القنوت: ۱۷۸/۳، ط: إمدادية، ملتان

(۲) عن أبی رافع قال صلیت خلف عمر بن الخطاب صلاة الفجر، فقرأ بالأحزاب فسمعت قنوته وأنا فی آخر الصفوف. (شرح معانی الآثار، باب القنوت فی الفجر: ۱۷۷/۱، انیس)

(۳) صلاة الوتر، ص: ۴۲۰، ط: سهیل اکادمی لاهور

(۴) قال أبو جعفر: "فقد یجوز أن یکون علٰی کان یری القنوت فی صلاة الفجر سائر الدهر وقد یجوز أن یکون فعل ذٰلک فی وقت خاص للمعنی الذی کان فعله عمر من أجله، إلخ". (شرح معانی الآثار، باب القنوت فی الفجر وغیره: ۱۷۲/۱، ط: سعید)

قال أبو جعفر: "فذهب القوم إلٰی اثبات القنوت فی صلاة الفجر، إلخ". (شرح معانی الآثار، باب القنوت فی الفجر وغیره: ۱۶۸/۱، ط: سعید)

نے ترجیح دی ہے۔علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں صلوٰۃ الجہر لکھا ہے اوراسی طرح البحرالرائق ومراقی الفلاح میں شرح نقایہ سے صلوٰۃ الجہر نقل کیا ہے،(۱) اور درمختار میں ''وقیل فی الصلوات کلھا'' بھی لکھا ہے؛یعنی کہا گیا ہے کہ تمام نمازوں میں پڑھنی جائز ہے اوراحادیث میں بھی قنوت کا ذکر مختلف طریقوں سے آیا ہے،کسی حدیث میں صرف نماز فجر کا ذکر ہے اورکسی میں نمازعشا کا اورکسی میں دوتین نمازوں کا اورکسی میں پانچوں نمازوں کا۔پس صرف نماز فجر میں پڑھنے کی روایت اور جہری نمازوں میں پڑھنے کی روایت تو فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں بھی موجود ہے،ان دونوں صورتوں میں تو فقہ حنفی کی رو سے بھی تامل کی گنجائش نہیں۔رہا پانچوں نمازوں میں پڑھنا تو دیگر ائمہ بموجب حدیث ابن عباسؓ(۲) پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ کے جواز کے قائل ہیں اوریہی مطلب ہے درمختار کے اس قول کا ''وقیل فی الصلوات کلِھا'' مگرائمہ حنفیہ سے پانچوں نمازوں میں پڑھنے کی کوئی فقہی روایت نہیں ہے،جہری نمازوں میں پڑھنے کی فقہی روایتیں یہ ہیں:

''إن نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الإمام فی صلوٰۃ الجھروبہ قال الأکثرون وأحمد،إلخ''. (العینی شرح الھدایۃ)(۳)

(ترجمہ: اگرمسلمانوں پرکوئی مصیبت آجائے توجہری نمازوں میں امام قنوت پڑھے،اسی کے اکثر علما اورامام احمدؒ قائل ہیں۔)

وفی الغایۃ:إن نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الإمام فی صلاۃ الجھر،وھوقول الثوری وأحمد، إلخ.(مراقی الفلاح)(۴)

(ترجمہ: غایہ میں ہے کہ اگرمسلمانوں پرکوئی مصیبت آجائے توامام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے،امام ثوری اوراحمد کا یہی قول ہے۔)

اسی طرح البحرالرائق وشامی میں بھی منقول ہے۔

رکوع سے پہلے پڑھی جائے،یا بعدرکوع؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قنوت نازلہ کو بعدرکوع پڑھنا ہی اعتبار دلیل کے قوی ہے؛(۵) کیوں کہ جن روایات حدیث سے قنوت نازلہ کے جواز پر حنفیہ نے استدلال کیا ہے،اس میں تصریح ہے

---

(۱) قنت الإمام فی صلاۃ الجھر الذی فی البحرعن الشمنی فی شرح النقایۃ.(مراقی الفلاح،باب الوتر ص:۲۲۶،ط:مصر)

(۲) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال: قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شھراً متتابعاً فی الظھر والعصر والمغرب والعشاء وصلاۃ الصبح فی دبر کل صلاۃ إذا قال سمع اللّٰہ لمن حمدہ من الرکعۃ الآخرۃ یدعوعلیٰ أحیاء من بنی سلیم.(أبوداؤد،باب القنوت فی الصلاۃ:۱/۲۰٤)

(۳) باب صلاۃ الوتر:۲/٥۲٤،ط:دارالفکربیروت،لبنان

(۴) باب الوتر،ص:۲۲٦،انیس

(۵) عن أنس قال: قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شھراً بعد الرکوع یدعو علیٰ أحیاء من العرب. (صحیح البخاری،باب غزوۃ ذات الرجیع:۲/٥۸٦/الصحیح لمسلم،باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات:۱/۲۳۷،انیس)

کہ یہ قنوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد پڑھی ہے، اسی کو شامی نے ردالمحتار میں ترجیح دی ہے اور اسی کو مراقی الفلاح میں اختیار کیا گیا ہے۔(۱)

اور ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

قال البيهقي: صح أنه عليه السلام قنت قبل الركوع ؛ لكن رواة القنوت بعده أكثر وأحفظ فهو أولٰى. (مرقاة)(۲)

(ترجمہ: علامہ بیہقی نے فرمایا کہ حضور سے قبل الرکوع قنوت پڑھنا بھی ثابت ہے، لیکن بعد رکوع قنوت کے روایت کرنے والے زیادہ بھی ہیں اور حافظہ کے بھی قوی ہیں پس یہی اولیٰ ہے۔)

ہاتھ باندھ لیں، یا چھوڑے رکھیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے قیام میں جس میں کوئی ذکر مسنون ہو، ہاتھ باندھنا سنت ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جس قیام میں قرأت ہو؛ یعنی قرآن مجید پڑھا جائے، اس میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔ پس ہر نماز میں **سبحانک اللّٰھم** کے ختم تک اور قنوت کے وقت اور نماز جنازہ میں امام محمدؒ کے نزدیک ہاتھ چھوڑے رکھنا چاہیے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان سب مواقع میں ہاتھ باندھنا چاہیے، جیسے کہ تمام حنفیہ کا معمول ہے کہ ثنا اور قنوت وتر اور نماز جنازہ میں ہاتھ باندھے رہتے ہیں، پس قنوت نازلہ بھی چوں کہ ذکر مسنون ہے؛ اس لیے اس کے پڑھنے کے قیام میں بھی ہاتھ باندھنا ہی حضرت امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے مذہب کے موافق مسنون ہوگا، لہٰذا ہاتھ باندھنا ہی اولیٰ اور راجح ہے۔

مراقی الفلاح کے حاشیہ میں علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ويضع في كل قيام من الصلاة ولو حكماً فدخل المقاصد ولابد في ذلك القيام أن يكون فيه ذكر مسنون ومالا فلا، كمافي السراج وغيره، وقال محمد لايضع حتٰى يشرع في القراءة فهو عندهما سنة قيام فيه ذكر مشروع وعنده سنة للقراءة فيرسل عنده حالة الثناء والقنوت وفي صلاة الجنازة وعندهما يعتمد في الكل، إلخ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح)(۳)

(ترجمہ: نماز کے ہر قیام میں ہاتھ باندھے، اگرچہ قیام حکمی ہو تو اس میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والا بھی داخل ہوگیا؛ مگر یہ شرط ہے کہ اس قیام میں کوئی ذکر مسنون ہو اور جس میں ذکر مسنون نہ ہو، نہ باندھے، جیسا کہ سراج وغیرہ میں مرقوم ہے اور امام محمدؒ

---

(۱)　وأنه يقنت بعد الركوع، لا قبله بدليل أن ما استدل به الشافعي علٰى قنوت الفجر وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علمائنا على القنوت للنازلة ثم رأيت الشرنبلالي في مراقي الفلاح، إلخ. (رد المختار، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة: ۱۱/۲، ط: سعيد)

(۲)　باب القنوت: ۱۷۸/۳، إمدادية، ملتان

(۳)　فصل في بيان سننها، تتمة، ص: ۱۵٤، ط: مصر

نے فرمایا کہ جب تک قرأت شروع نہ کرے، ہاتھ نہ باندھے۔ پس ہاتھ باندھنا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ہر ایسے قیام کی سنت ہے، جس میں کوئی ذکر مسنون ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک قرأت کی سنت ہے، لہذا امام محمدؒ کے نزدیک حالت ثنا اور قنوت اور نماز جنازہ میں ہاتھ چھوڑے رکھنے چاہئیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف کے نزدیک ان تمام حالتوں (یعنی ثنا، قنوت، نماز جنازہ) میں ہاتھ باندھنا چاہیے۔ انتہیٰ)

اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر پڑھے تو حدیث شریف سے اس کی بھی گنجائش نکلتی ہے اور ایک فقہی روایت امام ابویوسفؒ سے بھی منقول ہے کہ قنوت وتر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر پڑھی ہے۔ حدیث شریف یہ ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم إذارفع رأسه من صلاة الصبح فی الركعة الثانية يرفع يديه فيها فيدعو بهٰذا الدعاء: اللّٰهم اهدنی فيمن هديت، إلخ. (۱)

(ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں جب رکوع سے سر اٹھاتے تو قومے میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے: **اللّٰهم اهدنی فيمن هديت، إلخ.**)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے؛ لیکن حاکم رحمہ اللہ سے اس کی تصحیح بھی خود ہی نقل فرمائی ہے، البتہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ہاتھ اٹھانے سے کیا مراد ہے، آیا ابتدا میں دعا شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھانا، جیسے تکبیر تحریمہ، یا قنوت وتر کے وقت اٹھاتے ہیں؟ یا تمام دعا پڑھنے اور ختم کرنے تک اٹھائے رکھنا، جیسے دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں؟ پھر بھی چوں کہ حدیث میں یہ احتمال بھی ہے؛ اس لیے ہاتھ اٹھا کر پڑھنے والوں سے بھی جھگڑنا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح جو لوگ ہاتھ چھوڑ کر پڑھیں، ان کے لیے امام محمدؒ کے مذہب کے موافق گنجائش ہے؛ اس لیے ان سے بھی جھگڑنے کا موقع نہیں ہے، اگر دعائے قنوت مقتدیوں کو یاد ہو تو بہتر ہے کہ امام بھی آہستہ پڑھے اور سب مقتدی بھی آہستہ پڑھیں اور مقتدیوں کو یاد نہ ہو، جیسا کہ اکثری تجربہ اسی کا شاہد ہے تو بہتر یہ ہے کہ امام زور سے پڑھے اور سب مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قنوت نازلہ کا زور سے پڑھنا روایت کیا ہے۔ (۲)

مغرب کی تیسری رکعت عشا کی چوتھی رکعت، فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد "**سمع الله لمن حمده**" کہہ کر امام دعائے قنوت پڑھے، مقتدی آمین کہتے رہیں، دعا سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائیں، دعائے قنوت کے الفاظ یہ ہیں: "**اللهم اهدنا فيمن هديت**" إلخ.

---

(۱) زاد المعاد فی هدی خير العباد، بحث القنوت فی الفجر وغيره: ۶۹/۱، ط، مصر

(۲) عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يدعو أحد أو يدعو لأحد قنت بعد الركوع ... واجعلها سنين كسني يجهر بذك. (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله ليس لک من الأمر شیء: ۶۵۵/۲، ط: قديمی/شرح معانی الآثار، باب القنوت فی صلاة الفجر وغيرهما: ۱۷۳/۱، انيس)

جو شخص تنہا نماز پڑھے وہ اپنی نماز میں اور عورتیں اپنی نماز میں قنوت پڑھیں، یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی اجازت، یا ممانعت کی تصریح میں نے نہیں دیکھی، بجز فقہا کے اس قول کے کہ "**قنت الإمام**"، مگر ظاہر ہے کہ یہ حکم باعتبار اصل ہے؛ کیوں کہ فرائض میں اصل یہی ہے کہ وہ جماعت سے ادا کئے جائیں اور منفرد کے حکم سے سکوت ہے؛ تاہم ممانعت کی کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، ۲۰/رجب المرجب ۱۳۳۸ء

الجواب صواب: محمد انور عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، محمد اعزاز علی غفرلہ، خاکسار سراج احمد رشیدی، حبیب الرحمٰن عفی عنہ، فقیر اصغر حسین حسنی حنفی، بندہ ضیاء الحق عفی عنہ

موجودہ یاس انگیز حالت میں قنوت نازلہ ہر مسجد میں ہونی چاہیے، اس کے مسنون ہونے میں ائمہ اربعہ متفق ہیں، پانچوں نمازوں میں جائز ہے؛(۱) مگر جہری نمازوں میں معتاد اکثرین سلف ہونا ثابت ہے، (۲) اور نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور ہاتھ باندھے ہوئے دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے، فاتحہ میں دعا "اھدنا" اور آیت ترغیب وترہیب میں دعا مناسب دست بستہ منقول ہے۔ قنوت میں امام ابو یوسفؒ سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی منقول ہے۔

مناسب ہے کہ ان جزوی امور میں اس وقت اختلاف نہ ہو، دست بستہ دعائے قنوت جہری نمازوں میں کیا کریں، اگر اہل محلّہ پانچوں نمازوں میں باہمی اتفاق سے کریں تو ان پر انکار نہ کریں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ﴾(الآية)﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾(الآية) فقط

حررہ محمد ناظر حسین نعمانی نقشبندی دیوبندی، صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

حامدًا و مصليًا:

قنوت عند المصیبت والحوادث العامہ مشروع ہے، جزوی وفروعی اختلاف کی وجہ سے نزاع مناسب نہیں۔ فقط

کتبہ الاحقر عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرس مظاہر علوم سہارنپور

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم شهراً متتابعًا في الظهر والعصر والمغرب والعشاء، وصلاة الصبح في دبر كل صلاة إذا قال سمع الله لمن حمده من الركعة الآخرة، يدعو علىٰ أحياء من بني سليم على رعل وذكوان وعصية ويؤمن من خلفه. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب القنوت في الصلاة: ۲۰۴/۱/ المنتقى لابن الجارود، صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۱۹۸، انيس)

(۲) عن البراء أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقنت في الصبح والمغرب. (شرح معاني الآثار، باب القنوت في صلاة الفجر: ۱۷۳/۱/ مسند أبي داؤد الطيالسي، البراء بن عازب، رقم الحديث: ۷۷۳/ صحيح لمسلم، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة، رقم الحديث: ۶۷۸، انيس)

حامدًا و مصلیًا و مسلما:

قنوت نازلہ کے احناف کے نزدیک جائز ہے اور بعد رکوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔(۱) احناف کے نزدیک قنوت نماز صبح میں علی الدوام ثابت نہیں۔(۲) یہ قنوت جس کی بابت سوال ہے، اس کے جواز میں چوں و چرا کرنا لغو ہے۔ جواب جو مجیب نے تحریر فرمایا ہے، یہ عاجز اس سے متفق ہے۔ واللہ اعلم

احمد علی عفی عنہ، مدرس مدرسہ عربیہ میرٹھ

الجواب صحیح: محمد ادریس (کاندھلوی) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی/محمد شفیع، مدرس مدرسہ عبدالربؒ دہلی/کریم بخش عفی عنہ، مدرس مدرسہ عبدالرب/حبیب المرسلین عفی عنہ دہلی/محمد عبداللطیف سیفی عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی/محمد عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی/سلطان محمود غفرلہ، مدرس مدرسہ فتحپوری/بندہ احمد سعید غفرلہ واعظ دہلوی/محمد میاں عفی عنہ، مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی/محمد کرامت اللہ عفا اللہ عنہ دہلی/محمد عبدالرحیم، مہتمم مدرسہ رحیمیہ دہلی

بعد حمد وصلوۃ کے معلوم ہو کہ وقت سخت مصیبت کے قنوت کا پڑھنا ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے پایا گیا ہے،(۳) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محاربۂ مسیلمہ کذاب میں دعائے قنوت پڑھی ہے، اسی طرح حضرت عمر فاروق،(۴) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ثابت ہوا، چناں چہ ماہرین اخبار پر مخفی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ (کفایت المفتی: ۳/۴۴۴-۴۴۹)

---

(۱) عن أنس بن مالک سئل هل قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة الصبح؟ قال: نعم، فقيل له: قبل الركوع أوبعده؟ قال: بعد الركوع. (سنن النسائي، باب القنوت في صلاة الصبح: ۱/۱۲۱، انيس)

(۲) عن أنس بن مالک أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قنت شهراً ثم تركه. (سنن أبي داؤد، باب القنوت في الصلاة: ۱/۲۰٤، انيس)

(۳) عن أنس بن مالک هل سئل ... (سنن النسائي، باب القنوت في صلاة الصبح: ۱/۱۲۱، انيس)

(۴) عن أبي رافع قال: صليت خلف عمربن الخطاب صلاة الصبح، فقرأ الأحزاب، فسمعت قنوته وأنا في آخر الصفوف. (شرح معاني الآثار، باب القنوت في صلاة الفجر: ۱/۱۷۷، انيس)

☆ **قنوت نازلہ پر اشکال اور اس کا جواب:**

سوال: محبت نامہ بجواب عریضہ حقیر آیا۔

مولانا! اپنی تحریر میں آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ جیسا کہ میرے لیے علامہ عینی وصاحب بحر و مراقی الفلاح کی عبارت دلیل ہے، الخ۔ عینی شرح ہدایہ میرے پاس موجود نہیں ہے، ورنہ اس کو بھی غور سے مطالعہ کرکے عرض کرتا، صاحب بحر نے اس مسئلے کو شرح النقایہ سے لیا ہے اور شارح نقایہ اور صاحب مراقی الفلاح نے غایہ سے نقل کیا ہے اور دونوں نے نقل میں لفظ صلوٰۃ الجہر لکھا ہے اور صاحب اشباہ نے جو غایہ سے نقل کیا ہے، اس میں لفظ صلاۃ الفجر لکھا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غایہ کے بعض نسخ میں صلوٰۃ الفجر ہے ==

فرض نماز میں دفع وبا کے لیے دعا:

سوال: مرض وبا کے دنوں میں فرائض کی جماعت، یا خاص مغرب اور فجر کی جماعت میں اخیر رکعت میں رکوع

== اور بعض دیگر میں صلوٰۃ الجہر ہے اور علامہ ابوسعود نے ملا مسکین کے حاشیے میں شرح النقایہ سے جو عبارت نقل کی ہے، اس میں لفظ صلوٰۃ الفجر ہے۔ان کی عبارت بعینہ یہ ہے:

وفی شرح النقاية عن الغاية وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام فی صلاة الفجر،آه.(باب الوتر والنوافل: ۲۵۲/۱،ط:سعيد)

جس سے یہ معلوم ہوا کہ شرح النقایہ کے بعض نسخ میں صلوٰۃ الجہر ہے اور بعض دیگر میں صلاۃ الفجر ہے، ان دونوں میں سے ایک ہی صحیح ہوسکتا ہے؛ مگر کوئی بھی صلوٰۃ الجہر والے نسخہ کی صحت کی تصریح نہیں کرتا، نہ اشارہ اس کی صحت کو بیان کرتا ہے، بخلاف صلاۃ الفجر والے نسخہ کے کہ اس کو علامہ شامی نے صحیح مانا ہے اور اس کی تائید میں علامہ حلبی کی عبارت شرح منیہ سے نقل کی، پس حقیقت میں تخصیص بالفجر پر غایہ کے ایک نسخہ صلوٰۃ الفجر والے سے استدلال ہے اور علامہ حلبی کی عبارت اس نسخہ کی صحت کی مؤید ہے، اسی وجہ سے بعد اس کے تصریح کر دی کہ!

وهو صريح فی أن قنوت النازلة عندنا مختص لصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية أو السرية،آه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مطلب فی القنوت للنازلة: ۱۱/۲،ط:سعيد)

اور اسی طور سے علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں پہلے بحر اور مراقی الفلاح کی عبارت نقل کر کے یہ لکھا:

والذی فی أبی السعود عن الشرح المذكور إن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام فی صلاة الفجر،آه.(باب الوتر والنوافل: ۲۸۳/۱،ط:دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان)

جس سے مقصود بیان مخالفت منقول عنہا تھا، پھر ان دونسخوں میں سے صلوٰۃ الفجر والے نسخہ کی صحت و ترجیح کے لیے عبارت امام طحاوی سے اسی کو متبادر لکھ کر دونوں نسخوں کی موافقت کے لیے یہ تحریر کر دیا کہ!

والذی يظهر لی أن قوله فی البحر وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهر تحريف من النساخ وصوابه الفجر،آه.(باب الوتر والنوافل: ۲۸۳/۱،ط:دار المعرفة بيروت لبنان)

اس سے صاف واضح ہوگیا کہ احتمال تحریف صرف موافقت نسخ کے لیے ہے، نہ یہ کہ احتمال تحریف تخصیص بالفجر پر دلیل؛ بلکہ تحریف محتمل نہیں ہے؛ کیوں کہ علامہ شامی نے بحر کے حاشیے میں بعد نقل عبارت حلبی یہ نص فرمایا کہ!

ومقتضى هٰذا أن القنوت لنازلة خاص بالفجر.

اس کے بعد یہ لکھا کہ!

ويخالفه ماذكره المؤلف معزيا إلى الغاية من قوله فی صلاة الجهر ولعله محرف عن الفجر وقد وجدته بهٰذا اللفظ فی حواشی مسكين وكذا فی الأشباه وكذا فی شرح الشيخ إسمٰعيل لكنه عزاه إلٰى غاية البيان،إلخ.(باب الوتر والنوافل: ۴۷/۲،ط:دار المعرفة بيروت لبنان)

اور طحطاوی نے تخصیص بالفجر پر بطور دلیل کے علامہ حلبی کی عبارت کو نقل کر کے یہ فرمایا کہ!

فهٰذا صريح فی تخصيص القنوت للنوازل بالفجر،آه.(حاشية الطحطاوی على الدر المختار،باب الوتر والنوافل: ۲۸۳/۱،ط:بيروت) ==

کے بعد امام چند دعائیں رفع وبا کے لیے پڑھتا ہے اور جملہ مقتدی بآواز بلند آمین کہتے ہیں۔ ایسا عمل کرنا فرض جماعت میں شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

== اورآنجناب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ صلوات جہر یہ میں قنوت نازلہ کا جواز علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں اور سید طحطاوی نے مراقی الفلاح میں نقل فرمایا ہے، الخ۔ مولانا! طحطاوی میں مجھے نہیں ملا؛ بلکہ علامہ طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں جو عبارت شرح النقایہ کی نقل کی ہے، اس میں صلوٰۃ الفجر لکھا ہے اور مراقی الفلاح کے قول وهو مذهبنا وعليه الجمهور پر یہ تصریح فرمائی ہے:

أي القنوت للحادثة وإن خصصناه بالفجر لفعله صلى الله عليه وسلم وعممه الجمهور في كل الصلوات،آه. (باب الوتر، ص: ۲۲۷، ط: مصر)

جس سے صاف معلوم ہوا کہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر میں مخصوص ہے۔

خلاصہ یہ کہ علامہ طحطاویؒ اور شامیؒ نے تائید، یا اثبات میں علامہ حلبی کی عبارت کو تحریر فرمایا اور لفظ ''كأنهم، إلخ'' کو صرف احتمال کے طور پر حمل نہیں کیا؛ بلکہ خود علامہ حلبیؒ نے شرح منیہ صغیری میں یہ تحریر فرمایا ہے:

ويجوز عندنا إن وقعت فتنة أو بلية أن يقنت في الفجر ،قاله الطحاوي.

پس عبارت بحر ومراقی الفلاح جو غایہ سے نقل کر کے صلوٰۃ جہریہ کے قائل ہوئے ہیں، بسبب اختلاف نسخ کے مفید تعمیم صلوٰۃ جہریہ کی نہیں ہوئی؛ تاکہ دلیل ہو سکے، گو وہ عبارت قبل ترجیح کے مفید تخصیص بالفجر کو بھی نہیں اور تخصیص بالفجر کے لیے امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول بلا کسی معارض ومخالف کے دلیل ہے، جیسا کہ اس کو صغیری میں کہا: قاله الطحاوي اور کبیری میں اس کی وجہ سے احتمال نسخ کو ذکر کیا، علاوہ ازیں آں جناب بھی تخصیص صلوات جہریہ کے بہ سبب روایات احناف کے قائل ہیں، پس مسلم شریف کی حدیث کا جس میں لفظ ''انه قنت في صلاة الظهر'' ہے، احناف کی طرف سے کیا جواب ارشاد فرمائیں گے؟ پس ''كانهم، الخ'' کا احتمال ہونا تخصیص بالفجر کے لیے مضر نہیں ہے، جیسا کہ آنجناب کے نزدیک تخصیص بصلوٰۃ الجہر کے لیے مضر نہیں۔ علاوہ ازیں مسلم ہے کہ علامہ حلبی نے اس کو بطور احتمالی کے بیان کیا ہے؛ مگر علامہ نوح آفندی نے جزماً وقطعاً بیان کیا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے حواشی بحر میں ''تحت قوله: ولهما أنه منسوخ'' کے لکھا ہے:

قال العلامة نوح آفندي: هذا على اطلاقه مسلم في غير النوازل وأما عند النوازل في القنوت في الفجر فينبغي أن يتابعه عند الكل؛ لأن القنوت فيها عند النوازل ليس بمنسوخ علىٰ ما هو التحقيق كما مر وأما في القنوت في غير الفجر عند النوازل كما هو مذهب الشافعي فلايتابعه عند الكل فإن القنوت في غير الفجر منسوخ عندنا اتفاقا، آه. (منحة الخالق، باب الوتر والنوافل: ۴۸/۲، ط: دار المعرفة للطباعه والنشر بيروت) والسلام

(مشتاق احمد عفا عنہ الصمد بقلم خود، مورخہ ۲۳/ رجب ۱۳۴۰ھ، مدرسہ دار العلوم مسجد رنگیان کانپور)

الجواب

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ نامۂ سامی کئی روز ہوئے کہ موصول ہوا تھا، بندہ مدرسے کے طلبہ کے امتحان میں مشغول تھا؛ اس لیے جواب نہ لکھ سکا۔ صاحب بحر نے شرح نقایہ سے اور مراقی الفلاح میں غایہ سے صلوٰۃ الجہر نقل کیا ہے، علامہ شامی نے حواشی بحر میں شرح شیخ اسمٰعیل کے حوالے سے بنایہ شرح ہدایہ للعینی سے نقل کیا ہے:

إذا وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية وقال الطحاوي: لايقنت عندنا في صلاة الفجر في غير بلية أما إذا وقعت فلابأس به،آه. (منحة الخالق، باب الوتر والنوافل: ۴۸/۲، ط: دار المعرفة للطباعه والنشر، بيروت) ==

الجواب

شامی میں ہے کہ کسی حادثہ کے وقت صبح کی نماز میں رکوع سے اٹھ کر امام کو دعاء قنوت پڑھنا درست ہے، سوائے صبح کے اور نمازوں میں حنفیہ کا مذہب نہیں ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور یہ بھی شامی میں ہے:

"ولاشک أن الطاعون من أشد النوازل". (۱)

اس لیے طاعون کے وقت بھی دعاء قنوت صبح کی نماز میں رکوع کے بعد پڑھنا درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۳/۴)

قنوت نازلہ برائے جنگ طرابلس:

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ موجودہ جنگ طرابلس کے متعلق جو مسلمان اور نصاریٰ میں قائم ہے، اگر مسلمانوں کی نصرت اور نصاری کی ہزیمت کے لیے ہندوستان، یا برما میں دعائے قنوت پڑھی جاوے تو حنفی مذہب میں مکروہ ہے، یا نہیں؟ اگر مقتدیوں کی ناواقفیت کی وجہ سے امام قنوت کو کسی قدر جہر سے ہاتھ اٹھا کر پڑھے اور حنفی مقتدی خفیہ آمین کہیں تو یہ حنفی مذہب میں مکروہ ہے، یا نہیں؟ کیا نازلہ جنگ وغیرہ میں جو دعاء قنوت پڑھی جاتی، اس کے لیے شرط ہے کہ خاص خلیفہ، یا سلطان پڑھے، یا جہاں جنگ قائم ہو، وہیں پڑھی جاوے اور دور دور مقامات میں دیگر ائمہ نہ پڑھیں۔ حاشیہ شامی، البحرالرائق، کبیری وفتح القدیر ملاحظہ فرما کے اس کا جواب تحریر فرمایا جائے۔ فقط

== اورظاہر ہے کہ بنایہ کی عبارت میں لفظ "فی الصلاة الجهرية" میں "صلاة الفجر" سے تحریف ہونے کا احتمال نہایت بعید ہے ؛اسی لیے علامہ شامی نے اس کے بعد فرمایا:

ولعل فی المسئلة قولین فليراجع. (منحة الخالق،باب الوتر والنوافل: ۴۸/۲، ط،دار المعرفة للطباعه والنشر بيروت)

سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں "قنت الامام فی صلاة الجهر" پر لکھا ہے:

الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقاية معزيا للغاية إذا نزل بالمسلمين نازلة قنت فی صلاة الفجر، آه. (باب الوتر، ص: ۲۲۶، ط: مصر)

حالانکہ بحر کے موجودہ مطبوعہ نسخہ میں لفظ "صلاة الجهر" ہے، نہ کہ "صلاة الفجر"، پس میرا خیال اب تک یہی ہے کہ حنفیہ کے یہاں صلوٰۃ الجہر کی روایت بھی ہے اور صلوٰۃ الفجر کی بھی اور صلوٰۃ الجہر کی روایت چوں کہ موجبہ بالا احادیث ہے؛ اس لیئے اس پر عمل کرنے میں حنفیت کی رو سے بھی مضائقہ نہیں۔ رہا یہ کہ سری نمازوں کے لیے بھی قنوت کی روایتیں حدیث کی موجود ہیں تو میں حنفیت کے لحاظ سے ان پر عمل کی رائے نہیں رکھتا، اگر چہ قطعا اس کو بھی منسوخ نہیں سمجھتا؛ کیوں کہ نسخ کی کوئی دلیل نہیں اور علامہ نوح آفندی، یا مثل ان کے دیگر متاخرین کی تصریح بالنسخ کو اس اختلاف نقل کی صورت میں ناکافی سمجھتا ہوں، تاوقتیکہ یہ متقدمین سے تصریح نقل نہ فرمائیں، امام طحاوی کی عبارت بھی تخصیص بالفجر میں صریح نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۴۹/۳-۴۵۲)

(۱) رد المحتار، باب الوتر، مطلب فی القنوت للنازلة: ۶۲۸/۱، ظفير

الجواب

قنوت نازلہ عندالحنفیہ جائز ہے، مکروہ نہیں ہے، (۱) اور شامی میں ہے کہ امام اگر جہراً قنوت پڑھے تو مقتدی آمین کہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی امام کا اتباع کرے، باقی امام اگر حنفی ہے تو اپنے قاعدہ کے موافق مخفی پڑھے؛ لیکن اگر امام نے بسبب مقتدیوں کی ناواقفیت کے جہر کیا اور مقتدیوں نے آمین کہی تو کراہت نہیں ہے۔ خلیفہ، یا سلطان کا قنوت پڑھنا نازلہ کے وقت شرط نہیں ہے۔ (هٰذا كله فى الدر المختار والشامى: ۶۲۸/۱) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۳/۴-۱۹۴)

جنگ اٹلی کے موقع سے قنوت نازلہ:

سوال: فی الحال نصاریٰ واٹلی اور مسلمانوں میں جو جنگ ہورہی ہے، اس موقعہ پر قنوت نازلہ کا پانچوں نمازوں میں بعد رکوع رکعت اخیرہ عندالاحناف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

کلام فقہاء عظام رحمہم اللہ اس بارے میں مختلف ہے۔

”ولايقنت لغيره إلا لنازلة فيقنت الإمام فى الجهرية وقيل فى الكل“.

شامی میں ہے:

”وأما القنوت فى الصلوات كلها للنوازل فلم يقل به أحد إلا الشافعى، وفيه تحت قوله فى الكل، إلخ، قد علمت أن هٰذا لم يقل به إلا الشافعى وعزا فى البحر إلىٰ جمهور أهل الحديث فكان ينبغى عزوه إليهم لئلايوهم أنه قول المذهب، وفيه أيضاً: إذا وقعت نازلة قنت الإمام فى الصلوٰة الجهرية، لكن فى الأشباه عن الغاية: قنت فى صلاة الفجر، ويؤيده ما فى شرح المنية“. (ردالمحتار: ۶۲۸/۱)

پس معلوم ہوا کہ عندالحنفیہ صرف صلوٰۃ فجر میں نازلہ کے وقت قنوت پڑھے، لاغیر۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۴/۴)

---

(۱) عن أبى هريرة قال: والله لأقربن بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فكان أبوهريرة يقنت فى الركعة الآخرة من صلاة الظهر وصلاة العشاء الآخرة وصلاة الصبح فيدعو للمؤمنين ويلعن الكافرين. (أبوداؤد، باب القنوت فى الصلوات: ۲۰۳/۱، انیس)

(۲) دیکھئے: رد المحتار، باب الوتر، مطلب فى القنوت للنازلة: ۶۲۸/۱، ظفیر

(۳) وقد صرح به الشامى حيث قال: وهو صريح فى أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية، إلخ.

قنوت نازلہ بعد رکوع پڑھے، قبل رکوع نہ پڑھے۔

قال فى الشامى: وأنه يقنت بعد الركوع لاقبله بدليل أن ما استدل به الشافعى علىٰ قنوت الفجر، وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علمائنا على القنوت للنازلة، إلخ. (ردالمحتار، باب الوتر: ۶۲۸/۱) ==

قنوت نازلہ کا طریقہ اور دعائے قنوت:

سوال: آج کل جو روح فرسا مصائب مسلمانوں پر آرہے ہیں، ان کے دفعیہ کے لیے نماز میں قنوت نازلہ پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا طریقہ اور دعائے قنوت بھی تحریر فرمادیں؟

(المستفتی: محمد عبد الرؤف جگن پوری متعلم مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی، ۲۴ر جمادی الاخری ۱۳۳۸ء)

الجواب

اس وقت کہ دنیا کی واحد اسلامی سلطنت کو جڑ سے اکھیڑ دینے اور صدیوں کی قائم شدہ اسلامی حکومت کو سرزمین یورپ سے مٹادینے کی تجویزیں ہورہی ہیں، یورپ کی خودغرض اور متعصب مسیحی حکومتیں جلالت مآب خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم کو مستقر خلافت (قسطنطنیہ) سے نکال دینے اور خلافت اسلامیہ کا اقتدار مٹادینے کی کوششیں کررہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن مسیحی پادری اور بشپ مذہبی تعصب سے دیوانے ہوکر عیسائی آبادی کو خلیفۃ المسلمین کے خلاف بھڑکا رہے ہیں، انصاف اور انسانیت اور آزادی اور سچائی کا خون کرنے پر آمادہ ہیں تو ظاہر ہے کہ اسلامی سلطنت اور خلافت اسلامیہ کی وقعت اور اسلام اور اہل اسلام کی عزت کا خدا تعالی ہی محافظ ہے، یہ وقت مسلمانوں کے لیے شدید ترین مصیبت کا وقت ہے، ہر شخص جس کے سینے میں منصف دل ہے اور دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، خون کے آنسو روتا ہے، عورتیں اور بچے تک بے قرار ہیں، نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں میں ایک تلاطم برپا ہے؛ اس لیے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس موقع کی نزاکت اور اہمیت کو پورے طور سے سمجھیں اور آپس کے بغض اور کینوں، حسد اور مناقشوں، غیبتوں اور عیب جوئیوں کو قطعاً ترک کردیں، باہمی اختلافات کو بھول جائیں اور اپنے فرض کو محسوس کریں، خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے اور اسلام کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور حقیقی شہنشاہ رب العالمین احکم الحاکمین کی مقدس بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کریں اور سچے دل سے روکر گڑگڑا کر مقامات مقدسہ اور جزیرۃ العرب کے غیر مسلموں سے پاک رہنے اور خلافت اسلامیہ کے اقتدار اور اسلامی سلطنت کی عزت قائم رہنے کی دعا مانگیں، جہری نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قومے میں قنوت نازلہ پڑھیں، (۱) امام زور سے قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے جائیں، ہاتھ باندھے رکھیں، قنوت نازلہ کے الفاظ یہ ہیں:

== عن أنس بن مالک سئل هل قنت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى صلوٰة الصبح قال نعم فقيل له قبل الركوع أو بعده قال بعد الركوع. (سنن النسائى، باب القنوت فى صلاة الصبح: ۱۲۱/۱، انيس)

(۱) إذا وقعت نازلة قنت الإمام فى الصلاة الجهرية... والذى يظهر لى أن المقتدى يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع، لا قبله. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فى قنوت النازلة: ۱۱/۲، ط: سعيد)

''اللّٰهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنافيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضى ولايقضٰى عليك وأنه لايذل من واليت ولايعزمن عاديت تباركت ربنا وتعاليت ونستغفرك ونتوب إليك وصلى الله على النبى الكريم،اللّٰهم اغفرلنا وللمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات وألف بين قلوبهم وأصلح ذات بينهم وانصرنا علٰى عدوك وعدوهم، اللّٰهم العن الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ويقاتلون أوليائك، اللّٰهم خالف بين كلمتهم وزلزل أقدامهم وأنزل بهم باسك الذى لاترده عن القوم المجرمين''.(الحلبى الكبير،صلاة الوتر،ص:۴۱۷-۴۱۸،ط،سهيل اكادمى لاهور)

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی،۲۴؍جمادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ۔(کفایت المفتی:۴۴۱/۳-۴۴۳)

جواب دیگر:

حوادث اور مصائب کے پیش آنے پر حنفیہ نے بھی فرائض میں قنوت پڑھنے کو مسنون کہا ہے،(۱) اور اس مصیبت سے بڑھ کر مسلمانوں پر اور کیا آفت ہوگی، جو آج کل جنگ بلقان سے پیش آرہی ہے۔تمام مسلمان خدائے پاک کی جناب میں گریہ وزاری کریں اور فجر کی نماز میں اخیر رکعت کے رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھیں،(۲) اور اپنے اسلامی بھائیوں کی عزت ووقار کے ساتھ اس مصیبت سے نجات پانے کی دعا مانگیں اور جہاں تک ممکن ہو مجروحین ویتامیٰ اور بیواؤں کی امداد واعانت کے لیے چندہ بھیجیں۔طریقۂ قنوت کا یہ ہے کہ امام دوسری رکعت کے رکوع کے بعد قومے میں یہ دعا پڑھے:

''اللّٰهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنافيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضى ولايقضٰى عليك وأنه لايذل من واليت ولايعزمن عاديت تباركت ربنا وتعاليت ونستغفرك ونتوب إليك وصلى الله على النبى الكريم،اللّٰهم اغفرلنا وللمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات وألف بين قلوبهم وأصلح ذات بينهم وانصرنا علٰى عدوك وعدوهم، اللّٰهم العن الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ويقاتلون أوليائك، اللّٰهم خالف بين كلمتهم وزلزل أقدامهم وأنزل بهم باسك الذى لاترده عن القوم المجرمين''.(الحلبى الكبير،صلاة الوتر،ص:۴۱۷-۴۱۸)

---

(۱) قال الشامى:''والنازلة الشديدة من شدائد الدهر ولا شك أن الطاعون من أشد النوازل.(رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب فى قنوت النازلة:۱۱/۲،ط:سعيد)

(۲) عن أنس بن مالك قنت رسول اللّٰه صلى الله وسلم شهراً بعد الركوع فى صلاة الصبح يدعو رعل وذكوان.(الصحيح لمسلم،باب استحباب القنوت فى جميع الصلوات:۲۳۷/۱،انيس)

اگر مقتدیوں کو یاد ہو تو بہتر ہے کہ امام اور مقتدی سب آہستہ آہستہ پڑھیں اور مقتدی نہ پڑھ سکیں تو بہتر ہے کہ امام زور سے یہ دعا پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں، امام اور مقتدی دونوں ہاتھ باندھے رہیں۔(۱)

کتبہ: محمد کفایت اللہ عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح: ضمیر الدین احمد/الجواب صواب: بندہ محمد قاسم عفی عنہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی/الجواب صحیح: بندہ ضیاء الحق عفی عنہ/الجواب صحیح: انظار حسین عفی عنہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (مہر)/یقال لہ ابراھیم (مہر)/ابومحمد عبدالحق (مہر)/محمد سیف الرحمٰن/الجواب صحیح: محمد عبدالرشید، مہتمم مدرسہ نعمانیہ دہلی (مہر)/ابوالحسن سید محمد تلطف حسین/الجواب صحیح: محمد کرامت اللہ عفی عنہ (مہر)/عبدالجبار عمرپوری (مہر)/سید محمد عبدالسلام عفی عنہ (کفایت المفتی: ۴۴۳/۳)

قنوت نازلہ تمام نمازوں میں اور دعا ہاتھ اٹھا کر:

سوال: ایک مولوی صاحب اہل حدیث نماز پنجگانہ فرائض کی رکعت اخیرہ میں بعد رکوع ہاتھ اٹھا کر امام دعا پڑھتا ہے اور مقتدی بھی ہاتھ اٹھا کر بطریق دعا آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ دعا اس طریق سے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسا بھی ثابت ہے، لہٰذا اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور حنفیہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے،(۲) اگرچہ زیادہ تر روایات صبح کی نماز میں ہیں۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۹/۴)

---

(۱) لما رواه الإمام أبو حنيفة عن ابن مسعود رضى الله عنه؛لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقنت فى الفجرقط إلا شهر واحدًا لم ير قبل ذلك،ولا بعده،وإنما قنت شهرًا يدعوا علٰى قوم من العرب،ثم تركه.(شرح معانى الآثار،باب القنوت فى صلاة الفجر: ١٧٥/١،انيس)(البحر الرائق،باب الوتر: ٤٧/٣،ط:دارالمعرفة،بيروت لبنان)

(إنما لايقنت عندنا فى صلاة الفجرمن غيربلية فإن وقعت فتنه أوبلية لابأس به،فعله رسول الله صلى الله عليه و سلم إلخ أن المقتدى يتابع إمامه الا إذا جهرفيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع،لا قبله إلخ.(رد المحتار،باب الوتر و النوافل،مطلب فى قنوت النازلة: ١١/٢،ط:سعيد)

(۲) "ولا يقنت لغيره إلا لنازلة فيقنت الإمام فى الجهرية".(الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،باب الوتر والنوافل: ٦٢٨/١،ظفير)

(۳) وهوصريح فى أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجردون غيرها من الصلوات الجهرية أو السرية.(ردالمحتار،باب الوتر والنوافل: ٦٢٨/١،ظفير)

عن أبى هريرة قال : لما رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه من الركعة الثانية من صلاة الصبح قال: اللهم انج الوليد بن بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن أبى ربيعة والمستضعفين بمكة اللهم اشدد وطأتک على مضر واجعلها عليهم سنين كسنى يوسف.(سنن النسائى،باب القنوت فى صلاة الصبح: ١٢١/١،رقم الحديث:١٠٧٣/ وسنن أبى داؤد،باب القنوت فى الصلوات: ٢٠٤/١،رقم الحديث:١٤٤٢،انيس

کیا قنوت نازلہ نمازِ فجر میں درست ہے:

سوال: عندالاحناف نمازِ فجر میں کس وقت میں ہاتھ اٹھا کر ''دعائے قنوت''، یا ''اللّٰھم انصرمن نصر دین محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم''، یا اور کوئی دعا پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی حنفی جس کو فقہ کا علم نہ ہو، یا ہو، وہ امام شافعی، یا امام احمد، یا امام مالک رحمہم اللہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے تو وہ حنفی پختہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

حنفیوں کے نزدیک بوقت نزول حادثہ کے صرف صبح کی نماز میں بعد رکوع کے دوسری رکعت میں بلا ہاتھ اٹھائے دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے،(۱) اور باقی نمازوں میں جائز نہیں، اور بلا نزول حادثہ کے کسی نماز میں کسی وقت جائز نہیں۔

شامی میں ہے:

''قال الحافظ أبو جعفر الطحاوی: إنما لایقنت عندنا فی صلاۃ الفجر من غیر بلیة فإن وقعت فتنة أو بلیة فلابأس به، فعله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم''.(۲)

اور اس کے بعد شامی میں ہے:

''إن قنوت النازلة عندنا مختصٌ بصلاۃ الفجر دون غیرها من الصلوات الجهریة أو السریة''.(۳)

اور پھر اسی میں ہے:

''وإنه یقنت بعد الرکوع لا قبله''.(۴)

ائمہ اربعہ اپنے اپنے مذہب میں سب حق پر ہیں اور ان کا اختلاف از قبیلہ ''اختلاف أمتی رحمة'' ہے، اس واسطے کسی مقلد کو جائز نہیں کہ کسی امام کو بنظر حقارت دیکھے؛ بلکہ مقلد کو چاہیے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کو صواب محتمل خطا سمجھے اور دوسرے امام کے مذہب کو غلط محتمل صواب سمجھے۔

درمختار میں ہے:

فیها لو إذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا قلنا وجوباً: ''مذهبنا صواب یحتمل الخطاء ومذهب مخالفنا خطاء یحتمل الصواب''.(۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۹/۴-۱۹۰)

---

(۱) عن أبی هریرۃ قال: لما رفع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رأسه من الرکعة الثانیة من صلاۃ الصبح قال: اللّٰهم انج الولید بن الولید وسلمة بن هشام وعیاش بن أبی ربیعة والمستضعفین بمکة اللهم اشدد وطأتک علی مضر واجعلها علیهم سنین کسنی یوسف. (سنن النسائی، باب القنوت فی صلاۃ الصبح: ۱۲۱/۱، رقم الحدیث: ۱۰۷۳/وسنن أبی داؤد، باب القنوت فی الصلوات: ۲۰۴/۱، رقم الحدیث: ۱۴۴۲، انیس)

(۲،۳،۴) رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۲۸/۱، ظفیر

(۵) مقدمة الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار: ۴۵/۱، ظفیر

نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھنے کا حکم:

سوال: موجودہ زمانہ میں نمازِ فجر میں دعاء قنوت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جائز ہے۔(۱) واللہ اعلم؛ بلکہ ایک قول پر مستحب ہے۔ فافہم

۳/رمضان ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۴)

فجر میں دعاء قنوت:

سوال: ہمارے شہر کی تقریباً تمام مساجد میں فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں ایک طویل دعا بآواز بلند پڑھی جارہی ہے، جس کو تمام مقتدی حضرات خاموش کھڑے سنتے ہیں، پھر باقی نماز مکمل کی جاتی ہے۔ کیا اس طرح دعاء قنوت پڑھنے کی اجازت ہے اور ایسی صورت میں ہماری فرض نماز ادا ہو جائے گی؟ (شیخ یوسف علی، جگتیال)

الجواب ــــــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز فجر میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنا ثابت نہیں، یہی حنفیہ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے؛(۲) لیکن مسلمان جب کسی بڑی ابتلاء سے دوچار ہوں تو ایسے موقعوں پر چند دنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فجر میں خصوصی طور پر دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہے،(۳) اس کو قنوت نازلہ کہتے ہیں۔ پس اس کا معمول نہ بنایا جائے، البتہ مسلمانوں کے غیر معمولی طور پر مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۳۵-۳۳۶)

عند الاحناف قنوت نازلہ رکوع کے بعد ہے اور صرف نماز فجر میں:

سوال: قنوت نازلہ قبل رکوع پڑھنی چاہیے، یا بعد رکوع؟ اور کن کن نمازوں میں اور ہاتھ باندھ کر، یا کھول کر، یا

---

(۱) أن أنس بن مالک سئل هل قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی صلاة الصبح. (سنن النسائی، باب القنوت فی صلاة الصبح: ۱/۱۲۱، انیس)

(۲) (ولایقنت لغیره) إلا لنازلة فیقنت الإمام في الجهرية. (الدر المختار علیٰ رد المحتار: ۲/۴۴۸)

(۳) چناں چہ جب قبائل رعل، ذکوان، عُصیہ اور بنی لحیان والوں نے ستر قراء انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں ایک مہینہ تک ان کے خلاف قنوت نازلہ کا اہتمام فرمایا:

"أن نبي اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قنت شهرًا في صلاة الصبح يدعوا علیٰ أحياء من أحياء العرب علیٰ رعل و ذكوان وعصية وبنی لحيان" (دیکھئے: صحيح البخاري، رقم الحديث: ۴۰۹۰، باب غزوة الرجيع ورعل و ذكوان وبئر معونة، كتاب المغازي)

اٹھا کر؟ اور احناف کے یہاں قنوت وتر قبل رکوع پڑھی جاتی ہے، کیا قنوت نازلہ کا حکم اس سے علاحدہ ہے؟ کس دلیل سے؟ اور احناف کے یہاں جو قاعدہ ہے کہ ہر ذکر طویل مسنونہ اس میں ہاتھ باندھنا، اس کا کیا ماخذ ہے؟ جو ہاتھ باندھنا تکبیر تحریمہ کے بعد ثابت ہے، وہ رکوع سے جاتے وقت ختم ہوجاتا ہے، اب بعد رکوع کھڑا ہونا جدید ہے، اس میں ارسال اور اعتماد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، یا آثارِ صحابہ سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اور امام ابو یوسفؒ کا یہ فعل کہ وہ قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھتے تھے اور صاحب فتح القدیر نے جو ایک روایت بسند ابی ہریرہؓ بیان کی ہے:

”كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا رفع رأسه من الركوع من صلاة الصبح في الركعة الثانية يرفع يديه فيدعو بهذا الدعاء ”اللّٰهم اهدني فيمن هديت، الخ“.

کیا اس حدیث کی وجہ سے ابو یوسفؒ کے فعل کو قوت ہے، یا نہیں؟ اور احناف کا مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب

قنوت نازلہ بعد الرکوع ہے اور حنفیہ نے صرف نماز صبح میں اس کو اختیار کیا ہے، (۱) اگرچہ بعض فقہا نے جملہ صلوٰۃ جہریہ میں بھی جائز رکھا ہے، (۲) اور کتب فقہ وحدیث سے واضح ہے کہ قنوت صبح جس کو حنفیہ نے نوازل میں غیر منسوخ مانا ہے وہ بعد الرکوع تھا، (۳) اور اس وقت ارسال اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (۴)

---

(۱) عبيد الحسن قال: سمعت ابن معقل يقول: صليت خلف علي رضي الله عنه الصبح، فقنت، قال أبو جعفر: فقد يجوز أن يكون علىٰ كان يرىٰ القنوت في صلاة الفجر في سائر الدهر. (شرح معاني الآثار، باب القنوت في صلاة الفجر: ۱/۱۷۸، انيس)

(۲) قال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لايقنت عندنا في صلوٰة الفجر من غير بلية فإن وقعت فتنة أو بلية فلابأس به فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم وأما القنوت في الصلوات كلها للنوازل فلم يقل به إلا الشافعي وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختصٌ بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية، وفي شرح النقاية معزياً إلى الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة: ۱/۶۲۸)

وهو قول الثوري وأحمد وقال جمهور أهل الحديث: القنوت عند النوازل مشروع في الصلوات كلها، إلخ. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴، ظفير)

(۳) سئل أنس، أقنت النبي صلى الله عليه وسلم في صلاة الفجر؟ قال: نعم، فقيل له، أو فقلت له: قبل الركوع أو بعده؟ قال: بعد الركوع يسيراً. (شرح معاني الآثار، باب القنوت في صلوٰة الفجر: ۱/۱۷۴/ وصحيح البخاري، باب القنوت قبل الركوع أو بعده، أبواب الوتر: ۱/۱۳۶، انيس)

(۴) وهل القنوت هنا قبل الركوع أم بعده لم أره والذي يظهر لي أن المقتدي يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله بدليل أن ما استدل به الشافعي علىٰ قنوت الفجر، وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علمائنا على القنوت للنازلة، ثم رأيت الشرنبلالي في مراقي الفلاح صرح بأنه بعده واستظهر الحموي أنه قبله والأظهر ما قلناه، والله أعلم. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة: ۱/۶۲۸، ظفير)

کیوں کہ رفع کا جواب صاحب فتح القدیر نے یہ دیا ہے امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا کہ ہر دعا میں رفع ہونا یہ کلی نہیں ہے؛ بلکہ مخصوص ہے اس دعا کے ساتھ جو خارج عن الصلوٰۃ ہو۔ ﴿ولکل وجهة هو مولّیها﴾

پس زیادہ بحث کی اس میں ضرورت نہیں ہے، ہر ایک قول کی کچھ وجہ نکل سکتی ہے اور نقل روایات کی فرصت نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۱۹۰/۴-۱۹۲)

کس امام کے یہاں قنوت نازلہ فجر میں ہے:

سوال: آج کل فجر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا کس امام کا مذہب ہے؟

الجواب

ایسے حوادث کے وقت دعاء قنوت صبح کی نماز میں حنفیہ نے بھی جائز لکھی ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۱۹۵/۴)

قنوت نازلہ تمام جہری نمازوں میں ہے، یا صرف فجر میں:

سوال: حنفیہ کے صحیح مذہب اور ارجح اقوال کے اعتبار سے قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہیے، یا تمام جہری نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور دوسری جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو اس سے جبراً باقی نمازوں میں پڑھوایا جاوے گا، یا نہ؟ قنوت نازلہ علاوہ فجر کے دیگر نمازوں میں منسوخ ہے، یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ کس وقت تک پڑھا ہے، جب تک وہ کام پورا ہوا، یا پہلے ہی ترک کر دیا؟

الجواب

راجح عند الحنفیہ یہ ہے کہ قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں ہے۔ (۲) تمام جہری نمازوں میں اگر چہ بعض کتب سے

---

(۱) سئل أنس، أقنت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی صلاۃ الفجر؟ قال: نعم، فقیل له، أو فقلت له: قبل الرکوع أو بعدہ؟ قال: بعد الرکوع یسیراً. (شرح معانی الآثار، باب القنوت فی صلوٰۃ الفجر: ۱۷٤/۱ وصحیح البخاری، باب القنوت قبل الرکوع أو بعدہ، أبواب الوتر: ۱۳٦/۱، انیس)

"ولا یقنت لغیرہ إلا لنازلة فیقنت الإمام فی الجهریة وقیل فی الکل". (الدر المختار)

وهو صریح فی أن قنوت النازلة عندنا مختصٌ بصلاۃ الفجر دون غیرها من الصلوات الجهریة والسریة. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ٦٢٨/۱، ظفیر)

لما رواہ الإمام أبو حنیفة عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یقنت فی الفجر قط إلا شهرًا واحدًا لم یر قبل ذلک ولا بعدہ وإنما قنت شهرًا یدعو علٰی قوم من العرب ثم ترکه. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ٤٤/۲، ظفیر)

(۲) عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قنت بعد الرکوع فی صلاۃ الفجر یدعو علٰی نبی عصیة. (الصحیح لمسلم، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات: ۲۳۷/۱، انیس) ==

اس کی بھی اجازت معلوم ہوتی ہے۔(۱) بہرحال اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں دعاء قنوت نازلہ پڑھے اور دیگر جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو اس پر جبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمام جہری نمازوں میں پڑھے، کیوں کہ یہ عندالحنفیہ مختلف فیہ ہے۔ پس احوط اور معمول اکابر کا صرف نمازِ فجر میں ہے۔

کما فی الشامی بعد نقل کلام الإمام الطحاوی: وهو صریح فی أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلٰوة الفجر دون غیرها من الصلوات الجهریة أو السریة، إلخ. (۲)

اوراس کی کچھ تحدید منقول نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ نے جوقنوت بوقت نوازل پڑھا، وہ کس وقت تک پڑھا۔ ظاہر یہ ہے کہ رفع نازلہ تک پڑھا ہوگا، جو کہ وجہ اس کی مشروعیت کی ہے، چناں چہ فقہا نے بھی اس کی کچھ تحدید نہ کی اور یہ فرمایا: **"ولا یقنت لغیره إلا لنازلة"**. (الدرالمختار)

ظاہراً لفظ **"إلا لنازلة"** سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت تک وہ نازلہ موجود ہو دعاء مذکور مشروع ہے اور حدیث انسؓ میں ہے: **"أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قنت شهرًا ثم ترکه"**. (رواه أبوداؤد والنسائی)(۳)

ایک ماہ کے بعد ترک فرمانا یہ آپ کا، یا اس وجہ سے ہو کہ مقصد پورا ہوگیا اور دعا مقبول ہوگئی اور آثار بددعا ظاہر ہونے لگے، یا آپ کو حکم ہوگیا کہ اب ترک کردیجئے، اب ضرورت نہیں رہی۔ بہرحال اب مشروعیت اس کی تا بقاء نازلہ عندالفقہاء مسلم ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۶/۴-۱۹۷)

قنوت نازلہ جمعہ میں درست ہے، یا نہیں:

سوال: وت نازلہ کا جمعہ میں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

بعض روایات کے موافق جن میں تمام جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنے کو جائز لکھا ہے، جمعہ کی نماز میں بھی درست ہے۔ (۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۵/۴)

== عن أبی هریرة قال: لما رفع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم رأسه من الرکعة الثانیة من صلاة الصبح قال: اللّٰهم... (سنن النسائی، باب القنوت فی صلاة الصبح: ۱۲۱/۱، انیس)

(۱) عن البراء قال: قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی صل aـة الفجر والمغرب. (الصحیح لمسلم، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات: ۲۳۷/۱، انیس)

(۲) رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فی القنوت للنازلة: ٦٢٨/١، ظفیر

(۳) مشکٰوة، باب القنوت، الفصل الثانی، ص: ١١٤، ظفیر (سنن النسائی، باب اللعن فی القنوت: ۱۲۲/۱، انیس)

(۴) فیقنت الإمام فی الجهریة. (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ٦٢٨/١، ظفیر)

قنوت نازلہ مغرب وعشا میں درست ہے، یا نہیں:

سوال: سنا ہے کہ دیوبند میں کوئی فتویٰ چھپا ہے، جس میں عشا کی اخیر رکعت میں دعا پڑھنا لکھا ہے۔

الجواب

یہاں سے جو فتویٰ چھپا ہے، اس میں صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کو لکھا ہے اور بعض نے عشا اور مغرب میں بھی جائز لکھا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۹۲/۴)

قنوت نازلہ ہمیشہ پڑھنا:

سوال: ایک مسجد میں امام صبح کی نماز میں مداومت کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھتا ہے اور حنفی ہونے کے باوجود ہاتھ چھوڑ کر پڑھتا ہے۔ کیا قنوت ہمیشہ پڑھنا جائز ہے؟ کیا حنفی امام کا ہاتھ چھوڑ کر پڑھنا جائز ہے؟ کیا بعض مقتدیوں کا ہاتھ چھوڑ کر پڑھنا جائز ہے؟ (المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

قنوت نازلہ کسی سخت مصیبت عامہ کے وقت پڑھی جاتی ہے، اگر امام کے نزدیک کوئی ایسی مصیبت عامہ باقی ہے تو وہ قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے،(۲) اور ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے؛ تاہم اس سے جھگڑا کرنا اچھا نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۴۳۹/۳)

کیا قنوت نازلہ اب نہیں پڑھ سکتے:

سوال: قنوت نازلہ جو حادثات کے مواقع پر پڑھی جاتی ہے اور آج کل بھی اکثر مساجد میں پڑھی جارہی ہے، زید کہتا ہے کہ قنوت نازلہ اب نہیں پڑھنی چاہیے؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھی، پھر اللہ پاک نے ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾(۳) آیت نازل فرما کر منع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنی چھوڑ دی۔ ثبوت میں حضرت ابو مالک اشجعی کی حدیث پیش کرتا ہے:

---

(۱) "ولا يقنت لغيره إلا لنازلة فيقنت الإمام فى الجهرية وقيل فى الكل". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۲۸/۱، ظفير)

(۲) عن ابن سيرين قال: حدثنى بعض من صلىٰ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة الصبح فلما قال سمع الله لمن حمده فى الركعة الثانية قام هنيهة. (سنن النسائى، باب القنوت فى صلاة الصبح: ۱۲۱/۱، انيس)

قال أبو جعفر الطحاوى: "إنما لا يقنت عندنا فى صلاة الفجر من غير بلية فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فى قنوت النازلة: ۱۱/۲، ط: سعيد)

(۳) سورة آل عمران: ۱۲۸، انيس

عن أبی مالک الأشجعی قال: قلت لأبی: یاأبت قد صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وأبی بکروعمروعثمان وعلی ھھنا بالکوفة نحواً من خمس سنین کانوا یقنتون؟ قال: أی بنی محدث. (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجة)

اس کے علاوہ بڑے بڑے حادثات ہوئے، حضرت حسنین رضی اللہ تعالی عنہما کا، حضرت عثمان ذوالنورین کا اور بھی شہید ہوئے، کسی نے قنوت نازلہ نہیں پڑھی۔

(المستفتی: ۲۷۶۹، مولوی نورالحسن دہلی۔ ۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ، مطابق یکم جولائی ۱۹۴۳ء)

الجواب

قنوت نازلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور خلفائے راشدینؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پڑھی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ قنوت نازلہ ممنوع یا منسوخ نہیں ہوئی، آیۂ کریمہ ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡأَمۡرِ شَیۡءٌ﴾ کے نزول سے قنوت نازلہ کی ممانعت نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ میں بعض کفار کے نام لے کر بددعا کی تھی، اس کی ممانعت ہوئی تھی کہ مخصوص طور پر کسی کا نام لے کر بددعا نہ کی جائے۔ بخاری شریف میں یہ روایت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"أنه سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا رفع رأسه من الرکوع فی الرکعة الآخرة من الفجر یقول: اللّٰھم العن فلانًا وفلانًا وفلانًا بعد ما یقول سمع اللّٰہ لمن حمده ربنا لک الحمد فأنزل اللّٰہ: ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡأَمۡرِ شَیۡءٌ﴾ (إلی قوله) ﴿فَإِنَّھُمۡ ظَالِمُونَ﴾ (۲)

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو **سمع اللّٰہ لمن حمده ربنا لک الحمد** کے بعد کہتے: یا اللہ فلاں اور فلاں شخص کو لعنت کر تو یہ آیت اتری۔)

بخاری کی دوسری روایت میں ان لوگوں کے نام بھی مذکور ہیں، جن کے لیے بددعا فرماتے تھے کہ وہ صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام تھے، (۳) اور اخیر میں یہ تینوں ایمان لے آئے تھے، شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو کسی کا نام لے کر بددعا کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا نام لے کر

---

(۱) مشکوٰة، باب القنوت، الفصل الثانی، ص: ۱۱٤، ط: سعید

(۲) باب قوله: ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡأَمۡرِ شَیۡءٌ﴾: ٦٥٥/٢، ط: قدیمی کتب خانه کراچی (الآیة الکریمة کاملاً: ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡأَمۡرِ شَیۡءٌ أَوۡ یَتُوبَ عَلَیۡھِمۡ أَوۡ یُعَذِّبَھُمۡ فَإِنَّھُمۡ ظَالِمُونَ﴾ (سورة آل عمران: ۱۲۸، انیس)

(۳) عن حنظلة بن أبی سفیان سمعت سالم بن عبد اللّٰہ یقول: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدعوا علی صفوان بن أمیة وسھل بن عمر والحارث بن ھشام. (الحدیث) (صحیح البخاری، غزوة أحد، باب قوله ﴿لیس لک من الأمر شیء﴾: ٦٥٥/٢، ط: سعید)

قنوت میں بددعا نہیں کی۔کسی کافر قوم کے لیے، یا عموم کافروں کے لیے بددعا کرنی منع نہیں ہے۔ایسی بددعا تو قرآن مجید میں موجود ہے:﴿أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ (۱)اور حضرت ابو مالک اشجعی کی روایت قنوت نازلہ کے متعلق نہیں ہے، وہ تو نماز فجر میں دوامی قنوت کے متعلق ہے، وہ بے شک جمہور کے نزدیک بدعت ہے۔قنوت نازلہ جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ہے، اس کو بدعت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت تو بخاری کی روایتوں میں ہے، جس میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اوپر بیان کی جا چکی ہے اور خلفائے راشدین کے متعلق فتح القدیر میں حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے:

''وقد روی عن صديق رضی اللّٰہ عنه أنه قنت عند محاربة الصحابة مسيلمة وعند محاربة أهل الكتاب و كذالک قنت عمرو كذا علٰى فى محاربة معاوية ومعاوية فى محاربته''.(۲)

اور کنز العمال میں ہے:

عن أبى رافع أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وأبا بكر وعمروعثمان وعليا قنتوا بعد الركوع.(۳)

یہ قنوت نازلہ کا بیان ہے اور خلفائے راشدین نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت نازلہ پڑھی تو ثابت ہوا کہ قنوت نازلہ منسوخ نہیں ہے۔نیل الاوطار میں قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنے کا جواز خلفائے راشدین اربعہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے، لہذا یہ جواز صحیح اور ثابت اور قابل عمل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/ ۴۳۹-۴۴۱)

قنوت نازلہ کیا صرف خلیفۃ المسلمین پڑھ سکتا ہے:

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ قنوت نازلہ ائمہ مساجد کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ امام سے مراد خلیفۃ المسلمین ہے، جیسا کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہوتا ہے اور اسی قول کی روایات فقہیہ ''قنت الامام'' سے تائید بھی ہوتی ہے؛ کیوں کہ امام کا لفظ مشترک ہے، جس میں تصریح مع حوالہ عمل غیر خلیفہ کی ضرورت ہے۔

(المستفتی:۲۷۷۵، غلام محمد امام مسجد قادر پوراں ضلع ملتان، ۶/ شوال ۱۳۶۲ھ)

(۱) ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَى رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾(سورة الهود:۱۸،انیس)

(۲) فتح القدير،باب صلاة الوتر:۱/ ۴۴۳،ط:مصر

(۳) كنز العمال،القنوت:۸/ ۸۳،ط:مكتبة التراث الإسلامی،حلب

الجواب

"قنت الإمام" میں امام سے مراد خلیفۃ الاسلام امیر المومنین نہیں ہے؛ بلکہ امام جماعت مراد ہے۔اس کی دلیل یہ ہے، جوشامی میں مذکور ہے:

"وظاهر تقييد هم بالإمام أنه لايقنت المنفرد وهل المقتدى مثله أم لا". (۱)

یعنی فقہ کی روایات میں قنوت کو امام کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ منفرد قنوت نازلہ نہ پڑھے اور آیا مقتدی بھی اسی کی طرح؛ یعنی منفرد کے مثل ہے، یا نہیں؟ دیکھئے لفظ امام کو منفرد اور مقتدی کو مقابل سمجھا ہے، نہ کہ خلیفۃ المسلمین کے معنی میں، ورنہ یوں کہتے کہ خلیفۃ المسلمین کے علاوہ کوئی نہ پڑھے اور پھر مقتدی کے لیے قنوت پڑھنے کو ترجیح دی ہے، جب کہ امام سراًپڑھے اور امام جہر سے پڑھے تو مقتدی آمین کہتا رہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۲۱)

قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھے، یا نہیں:

سوال: درقنوت مذکورہ امام ومقتدی دست ارسال بکنند یا بندند، چنانچہ دروتر۔۔۔بندند وآمین بجہر گویند یا خفیہ؟ (۲)

الجواب

امام وجماعت بظاہر دریں موقعہ ارسال کنند چراکہ ایں قنوت بعد الرکوع است۔

كما صرح به في الشامي: "والذي يظهر لي أن المقتدى يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله" إلخ. (۳)

وظاہر است کہ قومہ محل ارسال است نہ محل قبض یدین وقیاس بروتر نخواہد شد کہ دراں قنوت قبل الرکوع است کہ آں محل قرأت ومحل قبض یدین است وآمین خواہ بجہر بگویند، یا باخفاء۔

والثاني أولىٰ؛ لأنه دعاء والإخفاء بالدعاء أولىٰ. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۱۹۰)

---

(۱) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في قنوت النازلة: ۲/۱۱، ط: سعيد

(۲) قنوت نازلہ میں امام ومقتدی سب ہاتھ باندھیں رہیں، یا چھوڑ دیں؟ جیسا کہ وتر میں باندھتے ہیں اور آمین زور سے کہیں، یا آہستہ؟ انیس

(۳) رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة: ۱/۶۲۸، ظفير

(۴) ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (سورة الأعراف: ۵۵، انيس)

ترجمہ: امام اور پوری جماعت ظاہر ہے، اس موقع پر ہاتھ چھوڑ دیں گے؛ کیوں کہ یہ قنوت رکوع کے بعد ہے، جیسا کہ شامی میں تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ قومہ ہاتھ چھوڑنے کا محل ہے، نہ کہ ہاتھ پکڑنے کا اور وتر پر قیاس نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہاں قنوت رکوع سے پہلے ہے کہ وہ قرأت اور ہاتھ پکڑنے کا محل ہے اور آمین زور سے کہیں، یا آہستہ؟ اختیار ہے، البتہ آہستہ کہنا بہتر ہے؛ کیوں کہ وہ دعا ہے اور دعا آہستہ کرنا بہتر ہے۔انیس

قنوت نازلہ پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں:

سوال: دارالعلوم دیوبند سے جو دعائے قنوت مطبوعہ اس زمانہ میں پڑھنے کے واسطے شائع ہوئی ہے، اس کی ترکیب میں دو امر قابل دریافت ہیں:

اول یہ کہ دعا پڑھنے کے وقت ہاتھ لٹکائے رکھیں، یا اٹھاویں؟ جیسا کہ دعا کے واسطے اٹھائے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مقتدی آمین بالجہر کہیں، یا بہ اخفا؟

الجواب

صبح کی نماز میں بعد رکوع کے جو کہ اس زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے، اس میں ہم لوگوں کا معمول یہ ہے کہ ہاتھ لٹکائے رہتے ہیں؛ کیوں کہ اس موقعہ پر ہاتھ کا باندھنا نہیں آیا ہے اور اٹھانا بھی حنفیہ کے قواعد سے چسپاں نہیں ہے؛ اس لیے یہی احوط اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھیں اور مقتدی آمین بہ اخفاء کہیں۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۲/۴)

دعاء قنوت اور رفع یدین:

سوال: شارح حموی اشباہ کے قول ”**وقنت الإمام فی صلوٰۃ الفجر**“ کے تحت لکھتے ہیں: ”مناسب ہے کہ یہ قنوت رکعت ثانیہ میں رکوع سے پہلے ہو اور اس کے لیے تکبیر کہی جائے“۔ (انتہیٰ کلامہ) اب اس جگہ تکبیر رفع یدین کے ساتھ ہوگی، یا بغیر رفع یدین؟

الجواب

تکبیر قنوت میں رفع یدین فقہا سنت کہتے ہیں، جیسا کہ تنویرالابصار میں ہے:

”**ولایسن رفع یدیہ إلافی تکبیرۃ افتتاح وقنوت وعید**“ الخ.(۲)

لیکن کسی مصیبت کے پیش آجانے کی صورت میں جو قنوت نازلہ صبح کے وقت پڑھی جاتی ہے، اگرچہ بعض فقہا نے اس کی تکبیر کو جائز قرار دیا؛ مگر اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس قنوت نازلہ کی تکبیر کے وقت بھی رفع یدین ہوا ہو؛ بلکہ اکثر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد تسمیع وتحمید سے فارغ ہو کر قنوت پڑھتے تھے اور ان کی تکبیر کا ذکر نہیں آیا۔

---

(۱) إن المقتدی یتابع إمامه إلاإذاجهر فیؤمّن. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل: ۶۲۸/۱، ظفیر)

(۲) تنویرالأبصار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاۃ: ۵۰۶/۱-۵۰۷، دارالفکر بیروت، انیس

امام بخاریؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا أراد أن یدعو علیٰ أحد وأو یدعو لأحد قنت بعد الرکوع فربما إذا قال،الخ".(۱)

ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا:

"قال:قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شھراً متتابعاً فی الظھروالعصروالمغرب والعشاء وصلاۃ الصبح إذا قال سمع اللّٰہ لمن حمدہ فی الرکعۃ الأخیرۃ یدعوا علیٰ أحیاء من بنی سلیم، إلخ".(۲)

دوسری روایتوں میں بھی یہی مضمون ہے۔(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۲۰-۲۲۱)

قنوت نازلہ میں رفع یدین وغیرہ کے احکام:

سوال: یہاں سے کانپور ایک سوال کے جواب میں قنوت نازلہ میں ارسال یدین پر عمل کرنے کو لکھا گیا تھا، وہاں سے ایک عالم کا ایک طویل خط وضع یدین کی ترجیح کے اثبات میں آیا، جس کا خلاصہ خود جواب سے معلوم ہوسکتا ہے، جو یہاں سے لکھا گیا اور جو درج ذیل ہے؟

الجواب

مولانا السلام علیکم

مسئلہ مجتہد فیہ ہے، دلائل سے دونوں طرف گنجائش ہے اور ممکن ہے کہ ترجیح قواعد سے وضع کو ہو، **کما ھو مقتضیٰ مذہب الشیخین**؛ لیکن عارض التباس وتشویش عوام کی وجہ سے ارسال کو ترجیح دی جاسکتی ہے، **کما ھو مقتصی مذھب محمد** اور ثنا صلوٰۃ جنازہ وقنوت وتر میں یہ عارض نہیں ہے؛ اس لیے وہاں راجح پر عمل کیا گیا اور اس عارض کی قوت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مجمع عظیم میں سجدہ سہو کو باوجود اس کے وجوب کے ترک کر دیا جاتا ہے اور وضع تو درجہ میں سجود سہو سے بہت ادنیٰ ہے، **فھو أحق بالترک** اور التباس کا ارتفاع قنوت سے اس لیے نہیں ہوسکتا کہ سہو پر محمول کیا جاسکتا ہے اور اگر سہو ہو گیا تو اسی طرح اس کے بعد سجدہ میں چلے جانے سے بھی اس کا ارتفاع نہیں ہوسکتا،

(۱) عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ عَلَى أَحَدٍ أَوْ يَدْعُوَ لِأَحَدٍ، قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَرُبَّمَا قَالَ: إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الحَمْدُ اللَّهُمَّ أَنْجِ الوَلِيدَ بْنَ الوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِی رَبِيعَةَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلَى مُضَرَ، وَاجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِی يُوسُفَ، يَجْهَرُ بِذَلِکَ، وَكَانَ يَقُولُ فِی بَعْضِ صَلاَتِهِ فِی صَلاَةِ الفَجْرِ: اللَّهُمَّ العَنْ فُلاَنًا وَفُلاَنًا، لِأَحْيَاءٍ مِنَ العَرَبِ، حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿لَيْسَ لَکَ مِنَ الأَمْرِ شَیْءٌ﴾(آل عمران:۱۲۸)الآيَةَ.(صحیح البخاری،باب قولہ:لیس لک من الأمر شیء،رقم الحدیث:۴۵۶۰،انیس)

(۲) سنن أبی داؤد،باب القنوت فی الصلوات،رقم الحدیث:۱۴۴۳،انیس

اس سے پہلے التباس ہو چکا، پھر سجدہ میں جانے سے تشویش بڑھے گی کہ رکوع کیوں نہیں کیا، ورنہ ایسا ارتفاع تو سجدۂ سہو کے بعد تشہد میں بیٹھنے سے پھر بعد میں مکرر سلام پھیرنے سے بھی مرتفع ہوسکتا تھا؛ مگر فقہا نے اس کا اعتبار نہیں کیا؛ اس لیے کہ عوام غلبۂ جہل سے ان قرائن سے کیا استدلال کر سکتے ہیں اور اپنی نماز کو تباہ کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

باقی دوسری جانب میں بھی مجھ کو تنگی نہیں۔

۲۴ ر رمضان ۱۳۵۶ھ (النور، ۷ شعبان ۱۳۵۷ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۵۸)

قنوت نازلہ میں کون سی دعا:

سوال: قنوت نازلہ میں کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟

الجواب

قنوت نازلہ کے لیے الفاظ مخصوص نہیں تھے، حسب نازلہ اور حسب حضور قلب الفاظ استعمال کئے جائیں، میں نے مندرجہ ذیل الفاظ اس زمانہ میں اختیار کئے ہیں۔

"اللّٰهم اهدنا فیمن هدیت، وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت، وبارک لنا فیما أعطیت، وقنا شرما قضیت، فإنک تقضی ولایقضی علیک، وأنه لایذل من وّالیت ولایعزمن عادیت، تبارکت ربنا وتعالیت، نستغفرک ونتوب الیک، اللّهم اعل کلمة الاسلام والمسلین". (۳ر بار)

"وانجز وعد وکا ن حقاً علینا نصر المؤمنین، اللّهم أخذل والمشرکین، أعداء نا أعداء کأعداء الدّین، اللّهم زلزلهم، اللّهم شتت شملهم، اللّهم فرق جمعهم، اللّهم أهلک أموالهم اللّهم حدهم، اللّهم اهزم جندهم، اللّهم ألق الرعب والفشل والاختلاف بینهم، اللّهم إنا نجعلک فی نحورهم ونعوذبک من شرورهم". (۳ر بار)

"اللّهم خذهم أخذ عزیز مقتدر". (۳ر بار)

"اللّهم لاتعاملنا بمانحن أهله وعاملنا بما أنت أهله أنت أهل التقوٰی وأهل المغفرة وأهل العفو والکرم والجود والاحسان وصلی اللّٰه علٰی أحب خلقه الیه سیدّنا ومولانا محمد واٰله وصحبه وبارک وسلم".

"ولیس فی القنوت دعاء مؤقت". (عالمگیری: ۱/۱۱)

وفی البدائع: وأما دعاء القنوت فلیس فی القنوت دعاء مؤقت کذا ذکر الکرخی فی کتاب الصلوٰة؛ لأنه روی عن الصحابة أدعیة مختلفة فی حال القنوت، إلخ. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۳)

(مکتوبات: ۴/۳۸۲-۳۸۳) (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص: ۴۶-۴۷)

حکم قنوتِ نازلہ بزبانِ عربی:

سوال: ما قولكم يرحمكم الله فى القنوت النوازل كيف هو هل قبل الركوع أم بعده وهل يرفع يديه ويكبرله أم لا وهل يضع فيه يديه أم يرسلهما وهل يخافت به أم يجهر؟

الجواب

قال الطحطاوى فى حاشيته علىٰ مراقى الفلاح،ص: ۱۵۰،تحت قول الماتن"ويسن وضع الرجل يده اليمنى على اليسرىٰ"مانصه:

"ولابد فى ذلك القيام أن يكون فيه ذكر مسنون ومالا فلا ،كما فى السراج وغيره وقال محمد: لايضع حتىٰ يشرع فى القراءة فهوعندهما (۱) سنة قيام فيه ذكرمشروع وعنده سنة للقراءة فيرسل عنده حالة الثناء والقنوت وفى صلاة الجنازة وعندهما يعتمد فى الكل وأجمعوا علىٰ أنه يرسل فى القومة بين الركوع والسجود و بين تكبيرات العيدين بعدم الذكر والرواية فى هٰذه المواضع فإن قيل فى القومة من الركوع ذكرمشروع وهوالتسبيح والتمحيد فينبغى أن يضع فيها علىٰ قولهما أجيب بأن المراد قيام له قرار وهٰذا لا قرار له،آه، وهل يضع فيها فى صلاة التسبيح لكون القيام له قرارفيه ذكرمشروع براجع،آه.(۲)

قال الشامى: ومقتضاه أن يعتمد بيديه (فى القومة)فى النافلة ولم أرمن صرح به تأمل لكنه مقتضى اطلاق الأصلين المارين ومقتضاه أن يعتمد فى صلاة التسبيح أيضاً،آه.(۱/۵۰۹)

قلت: وقد مرتصريح الطحطاوى بالاعتماد فى القنوت عندالشيخين فينبغى أن يعتمد بيديه فى قنوت النازله سواء كان قبل الركوع أوبعده وأما أنه قبل الركوع أوبعده،فقال الطحطاوى فى حاشية مراقى الفلاح: وأما القنوت فى الصلوات كلها عند النوازل فلم يقل به إلا الشافعى وليس مذهبنا،قال الحموى: وينبغى أن يكون القنوت قبل الركوع فى الركعة الأخيرة ويكبرله، آه.(ص:۲۲۰)قلت: أراد الحموى قنوت النازلة لذكره ذلك تحت قول الأشباه:"إذا نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام فى صلاة الفجر"آه.(ص:۳۹۹)

وقال الشامى: وهل القنوت هنا قبل الركوع أم بعده لم أره والذى يظهرلى أن المقتدى يتابع إمامه إلا إذاجهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع لاقبله بدليل أن ما يستدل به الشافعى علىٰ قنوت

(۱) أى الشيخين.منه

(۲) حاشية الطحطاوى على المراقى،فصل فى بيان سننها،ص:۲۵۸،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

الفجر وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علمائنا على القنوت للنازلة ثم رأيت الشر بنلالى في مراقى الفلاح صرح بأنه بعده واستظهر الحموى أنه قبله والأظهر ماقلناه والله أعلم،اه.(۱/۲۰۷)

قلت:ولٰكن الاٰثار تشهد لما قاله الحموى أيضاً:فعن طارق بن شهاب قال:"صليت خلف عمر صلاة الصبح فلما فرغ من القراءة في الكعة الثانية كبر،ثم قنت،ثم كبر،فركع".(رواه الطحاوى وإسناده صحيح)وعن أبى عبدالرحمٰن عن على"أنه كان يقنت في صلاة الصبح قبل الركوع".(رواه الطحاوى أيضا وسنده حسن)وعن أبى رجاء عن ابن عباس قال"صليت معه الفجر فقنت قبل الركعة".(رواه الطحاوى أيضا وإسناده صحيح،كذافي آثارالسنن:۲/۱۹)

فلا وجه لرد قول الحموى فكان الشافعى لم ير قبل الركوع محلا للقنوت فلم يقل به في الفجر ولا في الوتر ورأه الحنفية محلا له فقالوابه في الوتر فكذافي قنوت النازلة ولكن الأفضل هنا بعد الركوع؛لأنه هو الثابت مرفوعاً،وأما أنه يرفع له أم لا فالدليل الذى استدل به الحنفية للرفع في قنوت الوتر لايعم غيره بل يختص به وهوأثرإبراهيم النخعى عندالطحاوى بسند صحيح قال: ترفع الأيدى في سبع مواطن في افتتاح الصلاة وفي التكبير للقنوت في الوتروعن الأسود عن عبدالله كان يقرأفي أخر ركعة من الوترقل هو الله ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة. رواه البخارى في جزء رفع اليدين وإسناده صحيح،آه.(آثارالسنن:۲/۱۷-۱۸)

ولم أرمن صرح بالرفع في قنوت النوازل وفي رحمة الأمة والسنة أن يقنت في الصبح،رواه الشافعى عن الخلفاء الراشدين الأربعة وهو قول مالک وقال أبوحنيفة: لايسن في الصبح قنوت وكان مالک لايرفع يديه في القنوت واستحبه الشافعى ومحله عند الشافعى بعد الركوع وقال مالک:قبل الركوع،آه.(ص:۱۹)

قلت:وفي المدونة: قال مالک في القنوت في الصبح كل ذلک واسع قبل الركوع وبعد الركوع،قال مالک والذى آخذ في خاصة نفسى قبل الركوع،آه.(۱/۱۰۰)

قلت:وقد صرّح علمائنا بأن يؤخذ بقول مالک فيما لانص فيه في المذهب لكون مذهبه أقرب المذاهب إلينا،كمافي ردالمحتار ولم أظفر بموضعه الاٰن،فينبغى أن لاترفع الأيدى في قنوت النوازل، نعم إذا قنت قبل الركوع فلا يدع التكبير له لقول الحموى:ويكبر له ولثبوته في الآثار وإذا قنت بعد الركوع فلم نرالتصريح بالتكبير له في قول فقيه فأما أن يقاس على القنوت قبل الركوع وأما أن يترک على الأصل ولكن الترک هوالذى ينبغى لكون القياس فيهما مع الفارق فإن التكبيرللقنوت قبل الركوع لعله للفصل عن القراءة والانتقال من حال إلىٰ حال ولا

كـذلک بعد الركوع فإن التسميع هنا ک كاف للفصل والله تعالىٰ أعلم. وأما الجهر والاخفاء فلـم يتعـرض فـقهائنا بالبحث عنهما فی قنوت النوازل أيضا واختلفوا فی قنوت الوتر فقال فی الدر: وقنت فيه مخافتا على الأصح ولو أماما لحديث خير الدعاء الخفى،اه.

قا ل الشامى: وفصل بعضهم بين أن يعلمه القوم فالأفضل للإمام الاخفاء وإلا فالجهر،اه.

وفی المنية: من اختار الجهر اختاره دون جهر القراءة،آه.(٦٩٨/١)

وقـد تـقـدم قـول الشامى فی قنوت النوازل: والذى يظهر لى أن المقتدى يتابع إمامه (أى يقرأ القنوت إذا قنت) إلا إذا جهر فيؤمن،آه.

وفى المدونة لمالک قلت لابن القاسم فهل يجهر بالدعاء فی القنوت إمامًا كان أوغير إمام؟ قال: لايجهر،قلت: هو قول مالک،قال: هو رأى،آه.(١٠٠/١)

وفـى الوجيز للغزالى الشافعى: ثم الجهر بالقنوت مشروع على الظاهر والمأموم يؤمن فإن لم يسمع صوته قنت علىٰ أحد الوجهين،آه.(٢٦/١)

قلت: ولكن العوام لايعلمون قنوت النوازل فالأفضل الجهر به كماهو مقتضى تفصيل بعضهم وهو تفصيل حسن. والله تعالىٰ أعلم

۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۲۰۶-۲۰۹)

ظالم کے لیے بددعا کرنا:

سوال: ایک شخص بے نمازی ہے، نماز پڑھنے والوں کو برا کہتا ہے، شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، علمائے کرام کی توہین کرتا ہے، وہ معزز آدمی کو ناحق مقدمات کے چکر میں پھنسانے کی رات دن کوشش کرتا رہتا ہے، لہٰذا ایسے آدمی کے واسطے بددعا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________ حامداً و مصلياً

اگر اپنی بددعا میں اتنی قوت کا یقین ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے حق میں دعائے خیر کا ذریعہ اس کی اصلاح کا یقین کیوں نہیں، اس سے اس کو بھی نفع ہوگا اور سب کو بھی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۸/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۲۱۷)

---

(۱) عن أبى هريرة: قدم الطفيل بن عمرو على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال يا رسول الله: إن دوسًا قـد عـصـت وأبـت،فادع الله عليها،فظن الناس أنه يدعو عليهم،فقال: "اللّٰهم اهد دوسًا وأت بهم". (صحيح البخارى، كتاب الدعوات، باب الدعاء للمشركين: ٩٤٦/٢،قديمى)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے لیے بدعا کی:

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں، یا قبل، یا بعد نبوت کسی مشرک و کفار کا نام لے کر بددعا کی تھی اور کس موقعہ پر کی تھی؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیًا

متعدد مرتبہ کچھ آدمیوں کے لیے کی ہے، عتیبہ بن ابی لہب کے لیے کی ہے، (۱) قنوت نازلہ میں محض قبائل کے نام لے کر بدعا کی ہے، (۲) صفوان بن عمیہ، سہیل بن عمرو، حارث بن ہشام پر بھی بدعا کی ہے، **کما فی البخاری.** (۳) پھر آیت ﴿**لیس لک من أمر شیء**﴾ إلخ (۴) نازل ہوئی۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/۲/۶۱/۱۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۵-۲۰)

---

(۱) إلا أن عتيبة المصغر كان قد أراد الخروج إلى الشام مع أبيه فقال: لآتين محمدا عليه الصلاة والسلام وأوذينه فأتاه فقال: يا محمد إني كافر بالنجم إذا هوى وبالذى دنا فتدلى، ثم تفل تجاه رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يصبه عليه الصلاة والسلام شيء وطلق ابنته أم كلثوم فأغضبه عليه الصلاة والسلام بما قال وفعل فقال صلى الله عليه وسلم: اللّٰهم سلط عليه كلبا من كلابك. وكان أبو طالب حاضرا فكره ذلك وقال له: ما أغناك يا ابن أخى عن هذه الدعوة فرجع إلى أبيه ثم خرجوا إلى الشام فنزلوا منزلا فأشرف عليهم راهب من دير وقال لهم: إن هذه أرض مسبعة فقال أبو لهب: أغيثونى يا معشر قريش فى هذه الليلة فإنى أخاف على ابنى دعوة محمد صلّى الله عليه وسلم فجمعوا جمالهم وأناخوها حولهم خوفا من الأسد، فجاء أسد يتشمم وجوههم حتى أتى عتيبة فقتله. (تفسير روح المعاني: سورة التوبة (جزء: ٣٠): ٢٦٢/١٥. دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۲) قال ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما: دعا النبى صلى الله عليه وسلم فى الصلاة: "أللّٰهم العن فلاناً وفلاناً" حتى أنزل الله ﴿ليس لك من الأمر شيء﴾ (صحيح البخارى، كتاب الدعوات، باب الدعاء على المشركين: ٥٨٧/٢، قديمى)

(۳) عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ عَلَى أَحَدٍ أَوْ يَدْعُوَ لِأَحَدٍ، قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَرُبَّمَا قَالَ: إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ اللَّهُمَّ أَنْجِ الوَلِيدَ بْنَ الوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِى رَبِيعَةَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، وَاجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ، يَجْهَرُ بِذَلِكَ، وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلاَتِهِ فِي صَلاَةِ الفَجْرِ: اللَّهُمَّ العَنْ فُلاَنًا وَفُلاَنًا، لِأَحْيَاءٍ مِنَ العَرَبِ، حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (آل عمران: ١٢٨) الآيَةَ. (صحيح البخارى، باب قوله: ليس لك من الأمر شيء، رقم الحديث: ٤٥٦٠، انيس)

(۴) "عن حنظلة بن أبى سفيان سمعت سالم بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه يقول: كان رسول الله صل الله عليه وسلم يدعو علىٰ سفيان بن أمية وسهل بن عمرو والحارث بن هشام، فنزلت: ﴿ليس لك من الأمر شئ – إلىٰ قوله – فإنهم ظالمون﴾. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب ليس لك من الأمر شئ: ٥٨٢/٢، قديمى)

قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہرو اخفا وارسال کے احکام:

سوال: ایام نازلہ میں دعاء قنوت کا پڑھنا نماز فجر میں بعد الرکوع عند الحنفیہ عام فتاویٰ فقہ مثل درمختار وفتح القدیر وشامی (۱) وغیرہا میں ثابت ہے، لیکن ہاتھوں کا اٹھانا بطور دعا کے ثابت ہے، یا نہیں؟ اور حدیث ابی ہریرہ کی جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے:

عن أبی هريرة قال: كان النبی صلی الله عليه وسلم: إذا رفع رأسه الثانية من صلاة الصبح فی الركعة الثانية يرفع يديه فيدعو. (۲)

آیا یہ ہاتھوں کا اٹھانا کانوں تک ہے واسطے تکبیر قنوت کے، یا ہاتھوں کا پھیلانا واسطے دعا کے اور نیز ہاتھوں کو بعدہ سینہ، یا منہ پر پھیرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

حدیث دونوں کو محتمل ہے اور حنفیہ میں سے صرف ابو یوسفؒ کے نزدیک قنوت پڑھنے کی حالت میں رفع یدین مشروع ہے، جمہور اس کے قائل نہیں۔ (كما فی ردالمحتار)

۲۶ / ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اول، ص: ۳۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۸۹-۷۹۰)

سوال مثل بالا:

سوال: طاعون کے زمانہ میں حنفیہ کے نزدیک قنوت ہے۔ باقی جہر سے پڑھے، یا آہستہ، ہاتھ اٹھاوے، یا نہیں؟ قبل رکوع کے، یا بعد رکوع کے اولیٰ ہے؟

الجواب

جہرو اخفا میں اختیار ہے اور رکوع کے بعد ہے، **علی الأرجح**، {كذا فی ردالمحتار} (۲) اور رفع یدین نہیں، **لعدم الرواية.**

(تتمہ اولیٰ، ص: ۳۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۹۰)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۱۱، باب الوتر والنوافل، مطلب فی القنوت النازلة

(۲) عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَيَدْعُو بِهٰذَا الدُّعَاءِ: اللّٰهُمَّ اهْدِنِی فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِی فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِی فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِی فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِّی شَرَّ مَا قَضَيْتَ إِنَّكَ تَقْضِی وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ. (مرقاة المفاتيح، باب القنوت: ۳/۹۶۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) (قَوْلُهُ عَلَى الْأَصَحِّ) كَذَا فِی الْمُحِيطِ وَفِی الْهِدَايَةِ أَنَّهُ الْمُخْتَارُ، وَمُقَابِلُهُ مَا فِی الذَّخِيرَةِ وَاسْتَحْسَنُوا ==

دعاء قنوت میں ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے؛ کیوں:

سوال: میرے موضع کے ایک شخص نے حضور سے چند مسائل دریافت کئے تھے اور حضور نے اس کا جواب بھی تحریر فرمایا تھا، خادم نے جواب دیکھا تھا، ایک امر اس میں اور بھی دریافت طلب ہے جو فہم ناقص میں نہیں آیا، جو درج ذیل ہے:

سوال (۱) نماز فجر کے قنوت میں ہاتھ اٹھانا چاہیے، یا نہیں؟ حضور کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اٹھانا آیا نہیں۔

(۲) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ہاتھ اٹھانا جائز ہے؛ اس لیے کہ حدیث میں مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا آیا ہے۔

شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب حدیث شریف میں مطلق ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو سوال (۱) کے جواب میں عدم جواز اور سوال (۲) کے جواب میں جواز کی صورت بنائی گئی ہے تو دونوں میں تطبیق کیوں کر ہوگی؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نماز میں رفعِ یدین محتاج دلیلِ مستقل ہے، خارج نماز کے لیے اطلاق کافی دلیل ہے۔ دیکھئے آخر صلوٰۃ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے، بالاجماع اس میں رفع یدین مشروع نہیں۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۹۰)

قنوت نازلہ سے متعلق چند مسائل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حنفیوں کے صحیح مذہب کے اعتبار اور راجح قول کے لحاظ سے قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہیے، یا تمام جہری نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور دوسری جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو کیا باعتبار صحیح وراجح مذہب حنفی کے اس پر جبر کر کے تمام جہریہ نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟ قنوت نازلہ علاوہ فجر کی نماز کے اور نمازوں میں حنفیوں کے یہاں منسوخ ہے، یا نہیں؟ طحطاوی بر در مختار اور تحریر مختار وغیرہ کتابوں میں جو حنفی مذہب کی کتابیں ہیں، یہ لکھا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں قنوت نازلہ حنفیوں کے مذہب میں ہے اور کسی نماز میں نہیں۔ (۱) یہ قول صحیح ہے، یا نہیں؟

== الْجَهْرَ فِي بِلَادِ الْعَجَمِ لِلْإِمَامِ لِيَتَعَلَّمُوا، وَفَصَلَ بَعْضُهُمْ بَيْنَ أَنْ يَعْلَمَهُ الْقَوْمُ فَالْأَفْضَلُ لِلْإِمَامِ الْإِخْفَاءُ وَإِلَّا فَالْجَهْرُ، آه. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۷، دارالفکر بیروت، انیس)

(۱) (قَوْلُهُ فَيَقْنُتُ الإِمَامُ فِي الْجَهْرِيَّةِ) يُوَافِقُهُ مَا فِي الْبَحْرِ والشُّرُنبُلالِيَّة عَنْ شَرْحِ النِّقَابَةِ عَنْ الْغَايَةِ: وَإِنْ نَزَلَ بِالْمُسْلِمِينَ نَازِلَةٌ قَنَتَ الْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْجَهْرِ. وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدَ، اھ، وَكَذَا مَا فِي شَرْحِ الشَّيْخِ إِسْمَاعِيلَ عَنْ الْبُنَانِيَّةِ: إِذَا وَقَعَتْ نَازِلَةٌ قَنَتَ الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ الْجَهْرِيَّةِ، لَكِنْ فِي الْأَشْبَاهِ عَنْ الْغَايَةِ: قَنَتَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، ==

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قنوت نازلہ پڑھی ہے، کیا اس وقت تک آپ پڑھتے رہے جب تک وہ کام پورا نہیں ہوا، جس کے واسطے شروع کی تھی، یا اس سے پہلے ترک کردی؟ حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے جواب تحریر فرمانا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مراجعت کتب مذہب سے اصل مذہب حنفیہ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف صلوٰۃ فجر کے ساتھ مخصوص ہے، دوسری نمازوں میں مطلقاً، یا صرف جہریات میں پڑھنے کا قول ضعیف ہے اور اصل مذہب کے خلاف ہے، (۱) اور اس قنوت کے پڑھنے کا منتہا کہیں روایت حدیثیہ، یا فقہیہ میں نظر سے نہیں گزرا، (اور میرے پاس سامان تتبع کا کم ہے)؛ لیکن اصول درایت سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ منتہا اس کا حصول مقصود، یا قنوت من حصول المقصود ہے۔ واللہ اعلم

۲۰ رشعبان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۹۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۹۰-۶۹۱)

☆ ☆ ☆

== وَيُؤَيِّدُهُ مَا فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ حَيْثُ قَالَ بَعْدَ كَلَامٍ: فَتَكُونُ شَرْعِيَّتُهُ: أَيْ شَرْعِيَّةُ الْقُنُوتِ فِي النَّوَازِلِ مُسْتَمِرَّةً، وَهُوَ مَحْمَلُ قُنُوتِ مَنْ قَنَتَ مِنَ الصَّحَابَةِ بَعْدَ وَفَاتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَهُوَ مَذْهَبُنَا وَعَلَيْهِ الْجُمْهُورُ وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو جَعْفَرٍ الطَّحَاوِيُّ: إِنَّمَا لَا يَقْنُتُ عِنْدَنَا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ غَيْرِ بَلِيَّةٍ، فَإِنْ وَقَعَتْ فِتْنَةٌ أَوْ بَلِيَّةٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ، فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَّا الْقُنُوتُ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِلنَّوَازِلِ فَلَمْ يَقُلْ بِهِ إِلَّا الشَّافِعِيُّ، وَكَأَنَّهُمْ حَمَلُوا مَا رُوِيَ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ قَنَتَ فِي الظُّهْرِ وَالْعِشَاءِ، كَمَا فِي مُسْلِمٍ، وَأَنَّهُ قَنَتَ فِي الْمَغْرِبِ أَيْضًا كَمَا فِي الْبُخَارِيِّ عَلَى النَّسْخِ لِعَدَمِ وُرُودِ الْمُوَاظَبَةِ وَالتَّكْرَارِ الْوَارِدَيْنِ فِي الْفَجْرِ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، آه، وَهُوَ صَرِيحٌ فِي أَنَّ قُنُوتَ النَّازِلَةِ عِنْدَنَا مُخْتَصٌّ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ دُونَ غَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ الْجَهْرِيَّةِ أَوِ السِّرِّيَّةِ. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۱۱/۲، دارالفکر بیروت، انیس)

(۱) دیکھئے حوالہ بالا: ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۱۱/۲، دارالفکر بیروت، انیس

قضا نمازوں کی ادائیگی کے مسائل

نماز چھوڑنا اور اس سے روکنا کیسا ہے:

سوال: نماز چھوڑنا اور نماز سے روکنا کیسا ہے؟ اور اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ترک نماز کبیرہ گناہ ہے، پس حکم کرنا کسی کو ترک صلوٰۃ کا اور منع کرنا یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔(۱) چھوڑنے والا نماز کا اور منع کرنے والا نماز سے دونوں کو توبہ کرنی چاہیے اور نمازوں کو قضا کرنا چاہیے۔ نکاح اس کا نہیں ٹوٹا؛ مگر توبہ کرے اور اپنے فعل پر نادم ہو اور نماز شروع کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۱/۴) ☆

(۱) ومن الكبائر السحر وكتمان الشهادة من غير عذر والإفطار في رمضان من غير عذر وقطع الرحم وترك الصلاة متعمدًا ومنع الزكاة ونسيان القرآن وسب الصحابة رضي الله عنه والخيانة في الكيل والوزن وأخذ الرشوة وضرب المسلم بغير حق،الخ. (الجوهرة النيرة،الشهادة على مراتب: ۲۳۱/۲،المطبعة الخيرية القاهرة مصر،انيس)

☆ **مسئلہ**: جس کی کوئی نماز چھوٹ گئی ہو تو جب یاد آئے تو فوراً اس کی قضا پڑھے، بلا عذر کے قضا پڑھنے میں دیر لگانا گناہ ہے، سو جس کی کوئی نماز قضا ہوگئی اور اس نے اس کی قضا فوراً نہ پڑھی، دوسرے وقت پر، یا دوسرے دن پر ٹال دی، فلاں دن پڑھ لوں گا اور اس دن سے پہلے ہی اچانک مر گیا تو دوہرا گناہ ہوا، ایک نماز کے قضا ہوجانے اور دوسرے فوراً قضا نہ پڑھنے کا۔

مسئلہ: اگر کسی کی کئی نمازیں قضا ہوگئیں تو جہاں تک ہوسکے، سب کی قضا پڑھ لے، ہو سکے تو ایک ہی وقت سب کی قضا پڑھ لے اور اگر بہت سی نمازیں کئی مہینے، یا کئی برس کی قضا ہو تو ان کی قضا میں بھی جہاں تک ہو سکے، جلدی کرے۔ ایک ایک وقت میں دو دو چار چار نمازیں قضا پڑھ لیا کرے اور اگر کوئی مجبوری اور ناچاری ہو تو خیر ایک وقت میں ایک ہی نماز کی قضا سہی، یہ بہت کم درجہ کی بات ہے۔

مسئلہ: قضا پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، جس وقت فرصت ملے، وضو کر کے پڑھ لے، البتہ اتنا خیال رکھے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔

مسئلہ: جس کی ایک ہی نماز قضا ہوئی، اس سے پہلے اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، یا اس سے پہلے نمازیں قضا تو ہوئیں؛ لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے، فقط اسی ایک نماز کی قضا پڑھنا باقی ہے تو اس کی قضا پڑھ لے، تب کوئی ادا نماز پڑھے، اگر بغیر قضا نماز پڑھے ہوئے ادا نماز پڑھی تو ادا درست نہیں ہوئی، قضا پڑھ کے پھر ادا پڑھے، ہاں اگر قضا پڑھنا یاد نہیں رہا، بالکل بھول گیا تو ادا درست ہوگئی، اب جب یاد آئے تو فقط قضا پڑھ لے، ادا کو نہ دہرائے۔

مسئلہ: اگر وقت بہت تنگ ہے کہ اگر پہلے قضا پڑھے گا تو ادا نماز کا وقت باقی نہ رہے گا تو پہلے ادا پڑھ لے، پھر قضا پڑھے۔

مسئلہ: اگر دو، یا تین، یا چار، یا پانچ نمازیں قضا ہوگئیں اور سوائے ان نمازوں کے اس کے ذمہ کسی اور نماز کی قضا باقی نہیں ہے؛ یعنی عمر بھر میں جب سے جوان ہوا ہے، کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، یا قضا تو ہوگئی؛ لیکن سب کی قضاء پڑھ چکا ہے تو جب تک ان پانچوں کی قضا نہ پڑھ لے، تب تک ادا نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور جب ان پانچوں کی قضا پڑھے تو اس طرح پڑھے کہ جو نماز سب سے اول چھوٹی ہے، ==

جان بوجھ کر نماز قضا کرنا گناہ کبیرہ ہے:

سوال: میں ایک ٹیچر ہوں اور میں جس اسکول میں پڑھاتی ہوں، وہاں وضو اور نماز کی جگہ کا انتظام نہیں؛ اس لیے ظہر کی نماز چلی جاتی ہے، کیا میں ظہر کی نماز عصر کی نماز کے ساتھ پڑھ سکتی ہوں؟ اور قضا صرف فرضوں کی ہوگی، یا سنتوں کی بھی؟ قضا کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟

== پہلے اس کی قضا پڑھے، اس کے بعد والی، پھر اس کے بعد والی، اسی ترتیب سے پانچوں کی قضا پڑھے، اگر ترتیب کے خلاف پڑھی تو درست نہیں ہوئی، پھر سے پڑھنا پڑے گی۔

مسئلہ: اگر کسی کی چھ نمازیں قضا ہوگئیں تو اب بے ان کی قضا پڑھے ہوئے بھی ادا نماز پڑھنا جائز ہے اور جب ان چھ نمازوں کی قضا پڑھے تو جو نماز سب سے اول قضاء ہوئی ہے پہلے اس کی قضا پڑھنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ جو چاہے پہلے پڑھے اور جو چاہے پیچھے پڑھے، سب جائز ہے اور اب ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی کے ذمہ چھ نمازیں، یا بہت سی نمازیں قضا تھیں، اس وجہ سے ترتیب سے پڑھنی اس پر واجب نہیں تھی؛ لیکن اس نے ایک ایک دو دو کر کے سب کی قضا پڑھ لی، اب کسی نماز کی قضا پڑھنا باقی نہیں رہا تو اب پھر جب ایک نماز، یا پانچ نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب سے قضا پڑھنا پڑیں گی اور بے ان پانچوں کی قضا پڑھے، ادا پڑھنا درست نہیں، البتہ اب پھر چھ نمازیں چھوٹ جائیں تو پھر ترتیب معاف ہو جائے گی اور بغیر ان چھ نمازوں کی قضا پڑھے بھی ادا پڑھنا درست ہوگی۔

مسئلہ: اگر وتر کی نماز قضا ہوگئی اور سوائے وتر کے کوئی اور نماز اس کے ذمہ قضا نہیں تو پھر بغیر وتر کی قضا پڑھے ہوئے فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے، اگر وتر کا قضا ہونا، یاد ہو، پھر بھی پہلے قضا نہ پڑھے؛ بلکہ فجر کی نماز پڑھ لے تو اب قضا پڑھ کے فجر کی نماز پھر پڑھنا پڑے گی۔

مسئلہ: فقط عشا کی نماز پڑھ کے سو رہا، پھر تہجد کے وقت اٹھا اور وضو کر کے تہجد اور وتر کی نماز پڑھی، پھر صبح کو یاد آیا کہ عشا کی نماز بھولے سے بے وضو پڑھ لی تھی تو اب فقط عشا کی قضا پڑھے، وتر کی قضا نہ پڑھے۔

مسئلہ: قضا فقط فرض نمازوں اور وتر کی پڑھی جاتی ہے، سنتوں کی قضا نہیں ہے، البتہ اگر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو اگر دوپہر سے پہلے پہلے پڑھے تو سنت اور فرض دونوں کی قضا پڑھے اور اگر دوپہر کے بعد قضا پڑھے تو فقط دو رکعت فرض کی قضا پڑھے۔

مسئلہ: اگر فجر کا وقت تنگ ہوگیا؛ اس لیے فقط دو رکعت فرض پڑھ لیے، سنت چھوڑ دی تو بہتر یہ ہے کہ سورج اونچا ہونے کے بعد سنت کی قضا پڑھ لے؛ لیکن دوپہر سے پہلے ہی پڑھ لے۔

مسئلہ: کسی بے نمازی نے توبہ کی تو جتنی نمازیں عمر بھر میں قضا ہوئیں ہیں، اس کی قضا پڑھنا واجب ہے، توبہ سے نمازیں معاف نہیں ہوتیں، البتہ نہ پڑھنے سے جو گناہ ہوا تھا، وہ توبہ سے معاف ہوگیا، اب ان کی قضا نہ پڑھے گا تو پھر گنہ گار ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی کی کچھ نمازیں قضا ہوگئی ہوں اور ان کی قضا پڑھنے کی ابھی نوبت نہیں آتی تو مرتے وقت نمازوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کر جانا واجب ہے، نہیں تو گناہ گار ہوگا اور نماز کے فدیہ کا بیان روزہ کے فدیہ کے ساتھ آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

مسئلہ: اگر چند لوگوں کی نماز کسی وقت کی قضا ہوگئی تو ان کو چاہیے کہ اس نماز کو جماعت سے ادا کریں، اگر بلند آواز کی نماز ہو تو بلند آواز کی قرأت کی جائے اور آہستہ آواز کی ہو تو آہستہ آواز سے۔

مسئلہ: اگر کوئی نابالغ لڑکا عشا کی نماز پڑھ کے سوئے اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے، جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہوگیا ہے تو بقول راجح اس کو چاہیے کہ عشا کی نماز کا پھر سے اعادہ کرے اور اگر قبل طلوع بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے تو بالاتفاق عشا کی نماز قضا پڑھے۔ (دین کی باتیں)

الجواب

جب آپ اسکول میں استانی ہیں تو وضو اور نماز کا انتظام ذرا سے اہتمام سے کیا جا سکتا ہے، آپ آسانی سے وہاں لوٹا اور مصلی رکھوا سکتی ہیں، محض اس عذر کی وجہ سے ظہر کی نماز قضا کر دینے کا معمول بنا لینا گناہ کبیرہ ہے۔(۱) بہر حال اگر ظہر کی نماز قضا ہو جائے تو اس کو نماز عصر سے پہلے پڑھ لینا چاہیے۔(۲) قضا صرف فرض رکعتوں کی ہوتی ہے، سنتوں کی نہیں۔(۳) قضا نماز کی نیت بھی عام نمازوں کی طرح کی جاتی ہے، مثلاً: یہ نیت کر لیا کریں کہ آج کی ظہر کی قضا ادا کرتی ہوں۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۶۱۷-۶۱۸)

قضا نمازوں کا حساب بلوغت سے ہے اور نماز میں سستی کی مناسب سزا:

سوال: نماز کب فرض ہوتی ہے؟ یعنی میں ایک بیس سال کی لڑکی ہوں اور اپنی زندگی کی تمام قضا نمازیں ادا کرنا چاہتی ہوں؛ مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ میں کتنے عرصے کی نمازیں ادا کروں؟ یعنی جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ ”سات سال سے اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو اور دس سال کی عمر میں مار کر پڑھاؤ“ تو کیا دس سال کی عمر میں نماز فرض ہوگئی؟ یا پھر میں جب سے جوان ہوئی تو نماز روزے اور پردے کے احکامات مجھ پر عائد ہوئے، تب سے نماز فرض ہوئی؟ اس طرح سے مجھ پر پانچ سال کی نمازیں قضا ہیں اور پہلے فرمان کی تعمیل کے آئینے میں دیکھا جائے تو دس سال کی، اگر آپ وضاحت فرما دیں تو بہت شکر گزار ہوں گی۔ دوسری بات یہ کہ ان قضا نمازوں کو کیسے ادا کیا جائے؟ دراصل مولانا صاحب! جس زمانے میں نماز کی پابندی نہیں کرتی تھی، اس زمانے میں بھی رمضان المبارک اور امتحانوں کے دنوں

---

(۱)　إذ التأخير بلا عذر كبيرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة أو الحج وفي الرد تحت (قوله بل بالتوبة)أي بعد القضاء أما بدونه فالتأخير باق فلم تصح التوبة منه؛لأن من شروطها الاقلاع عن المعصية كما لا يخفٰى(قوله أو الحج)بناءً علٰى أن المبرور منه يكفر الكبائر.(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ٦٢/٢،دار الفكربيروت،انيس)

(۲)　ومنها تقدم قضاء الفائتة التي يتذكرها إذا كانت الفوائت قليلة.(بدائع الصنائع: ١٣١/١)

(۳)　والسنن إذا فاتت عن وقتها لم يقضها الا ركعتي الفجر اذا فاتتا مع الفرض يقضيهما بعد طلوع المشس اليى وقت الزوال. (الفتاوىٰ الهندية: ١١٢/١، الباب التاسع في النوافل)

(۴)　إذا كثرت الفوائت نوى أول ظهرعليه أوآخره وكذا الصوم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ٧٦/٢،طبع: ايچ ايم سعيد)

(وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة) يقضيها لتزاحم الفروض والأوقات كقوله أصلي ظهر الإثنين ثامن عشرجمادى الثانية سنة أربع وخمسين وألف وهذا فيه كلفة (فإذا اراد تسهيل الأمرعليه نوىٰ أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله فإذا نواه كذلك فيما يصليه يصير أولا فيصح بمثل ذلک وهٰكذا (أو) ان شاء نوىٰ (آخره).(مراقي الفلاح علٰى هامش الطحطاوى،ص: ٢٤٢،باب قضاء الفوائت، طبع:ميرمحمد كتب خانه)

میں نماز ادا کرتی رہی ہوں اور اب صحیح یاد نہیں کہ کتنی نمازیں ادا ہیں اور کتنی قضا؟ اس لیے تعداد نماز کے بارے میں کیا طریقہ ہوگا؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد دو نفل پڑھ لیے جائیں تو قضا نماز کا قرض اتر جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں قضا نمازوں کے فرض ادا کئے جائیں؛ کیوں کہ رمضان المبارک میں تو ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہوتی ہے، اس طرح سے تمہاری قضا نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ کیا یہ صحیح طریقہ ہے؟ براہ کرم میرے سوالوں کے جواب دے کر مجھے کشمکش کی حالت سے نکالیں، میں زندگی بھر آپ کی ممنون رہوں گی، میں پابندی سے نماز ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، کیا آپ بتائیں گے کہ میں نماز کا شوق اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے کیا کروں؟ نماز قضا ہونے کی صورت میں، میں نے اپنے آپ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا ہے؛ یعنی فاقہ کرنے کی سزا، یا پھر اپنے جسم کے کسی حصے کو زخمی کرنے کی سزا، کیا یہ درست ہے؟ امید ہے کہ آپ مجھے مطمئن کرنے کی کوشش فرمائیں گے اور دعا فرمائیں گے کہ خدا آپ کی اس بدنصیب اور نالائق بیٹی کو نماز کی لگن دے۔ (آمین)

الجواب

اگر چہ بچوں کو نماز پڑھانے کا حکم ہے؛ مگر نماز فرض اس وقت ہوتی ہے، جب آدمی جوان (بالغ) ہو جائے، آپ اندازہ کرلیں کہ اس وقت سے کتنی نمازیں آپ کے ذمہ ہوں گی؟ پھر جتنے سال کا اندازہ ہو، اتنے سال ہر نماز کے ساتھ ایک نماز قضا بھی پڑھ لیا کریں اور اگر زیادہ پڑھ لیں تو اور بھی اچھا ہے۔ (۱) باقی یہ غلط ہے کہ نفل پڑھنے سے قضا نماز کا فرض اتر جاتا ہے، یا یہ کہ رمضان المبارک میں قضا پڑھنے سے ستر قضا نمازیں اتر جاتی ہیں۔ (۲) نماز کی پابندی کے لئے کوئی مناسب سزا مقرر کی جاسکتی ہے، جس سے نفس کو تنبیہ ہو، مثلا: ایک وقت کا فاقہ، یا کچھ صدقہ، یا ایک نماز قضا ہونے پر دس نفل پڑھنا؛ مگر جسم کو زخمی کرنے کی سزا نامناسب ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۱۸/۳-۶۱۹)

---

(۱)　كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضاء ها سواءٌ ترك عمداً أو سهواً أوبسبب نوم وسواء كانت الفوائت كثيرة أو قليلة ...(وبعد أسطر) ... صبى صلى العشاء ثم نام و احتلم وانتبه قبل طلوع الفجر يقضى العشاء بخلاف الصبية اذا بلغت بالحيض قبل طلوع الفجر لا يلزمها قضاء ها.(الفتاویٰ الهندية: ۱۲۱/۱،الباب الحادى عشرفى قضاء الفوائت/وأيضا الدرالمختارمع رد المحتار: ۷٦/۲)

وفى حاشية الطحطاوى:من لايدرى كمية الفوائت يعمل بأكبررأية فإن لم يكن له رأى يقض حتٰى يتيقن أنه لم يبق عليه شئ س.(حاشية طحطاوى تحت المراقى،ص:٤٤٧،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲)　اعلم انهم قد أحدثوا فى آخرجمعة شهررمضان أموراً مما لا أصل لها،والتزموا أموراً لا أصل للزومها... فمنها: القضاء العمرى،حدث ذلك فى بلاد خراسان وأطرافها،وبعض بلاد اليمن وأكنافها،ولهم فى ذلك طرق مختلفة ومسالك منشتة،فمنهم من يصلى فى آخرجمعة رمضان خمس صلوات قضاءً بأذان وإقامة مع الجماعة، ويجهرون فى الجهرية، ويسرون فى السرية ،وينوون لها بقولهم:نويت أن أصلى أربع ركعات مفروضة قضاء لما فات من الصلوات فى تمام العمر مما مضى،ويعتقدون أنها كفارة لجميع الصلوات الفائتة فما مضٰى.(مجموعه رسائل اللكنوى، رسالة ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۳٤۹/۲،طبع إدارة القرآن كراچی/ أيضاً: کفایت المفتی:۳۸۴/۳، کتاب الصلوٰۃ، قضائے عمری کی حیثیت)

وقت کے اندر نابالغ کا بالغ ہونا اور بہشتی گوہر کی ایک عبارت:

سوال: بہشتی گوہر حصہ یازدہم، مطبوعہ کتب خانہ اختری متصل مدرسہ مظاہر علوم کے صفحہ:۷۰ پر نماز قضا ہو جانے کے مسائل کے تحت مسئلہ:۲ کی عبارت غالباً نظر ثانی سے رہ گئی۔ مطبوعہ عبارت یہ ہے:

''اگر کوئی لڑکا نابالغ عشا کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوع فجر بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے، جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہو گیا ہے تو بقول راجح اس کو چاہیے کہ عشا کی نماز کا اعادہ کرے اور اگر قبل طلوع فجر بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے تو بالاتفاق عشا کی نماز قضا پڑھے''۔(۱)

قدیم وجدید متعدد نسخے دیکھے، سب میں یہی عبارت طبع ہوئی ہے، جس کی تصحیح نہ ہو سکی۔ شامی صفحہ:۵۰۹، مصری کو دیکھا، اس کے اعتبار سے اس مسئلہ کی عبارت یہ ہونی چاہیے:

''اگر کوئی نابالغ لڑکا عشا کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے، جس سے معلوم ہو کہ احتلام ہو گیا ہے تو بالاتفاق عشا کی نماز قضاء پڑھے اور اگر قبل طلوع فجر بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے تو بقول راجح عشا کی نماز کا پھر اعادہ کرے''۔

چوں کہ عبارت کی یہ غلطی برسوں سے چلی آ رہی ہے، اس کی تصحیح دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جس طرح مناسب ہو، ہو جانی ضروری ہے۔

صبی احتلم بعد صلاة العشاء واستيقظ بعد الفجر، لزمه قضاء ها. (الدر المختار)

وفي الرد تحت (قوله: لأنها وقعت نافلة) ولما احتلم في وقتها صارت فرضاً عليه؛ لأن النوم لا يمنع الخطاب فيلزمه قضاؤها في المختار ولذا ولواستيقظ قبل الفجر، لزمه اعادتها إجماعا. (۲)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

نماز بالغ ہونے پر فرض ہوتی ہے، اس سے پہلے ادا کی ہوئی (نماز) فرض متصور نہ ہوگی، جس نابالغ نے عشا کی نماز پڑھی، پھر سو گیا اور اس کو احتلام ہو جس سے وہ بالغ شمار کیا گیا اور اس پر نماز فرض قرار دی گئی، اس کے متعلق فقہا نے لکھا ہے کہ اگر وہ طلوع فجر سے پہلے اس نوم سے بیدار ہو تو اس پر بالاجماع عشا کی نماز دوبارہ پڑھنا لازم ہے؛ اس لیے کہ وہ وقت عشا ختم ہونے سے پہلے بالغ اور مکلّف ہو گیا اور اس کی عشا کی پڑھی ہوئی نماز ''فرض'' نہیں تھی۔ اگر طلوع فجر کے بعد بیدار ہوا تو اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس کو طلوع فجر کے بعد میں احتلام ہوا ہو تو اس کے ذمہ عشا

---

(۱) بہشتی زیور، حصہ یازدھم، نماز قضاء ہو جائے کے مسائل، ص:۸۶۷، دارالاشاعت، کراچی

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۸۶/۲، سعید

کی نماز کا اعادہ لازم ہوگا، یہ دوسرا قول مختار ہے۔

”صبی احتلم بعد صلاۃ العشاء و استیقظ بعد الفجر،لزمه قضاء ها “.(الدر المختار)

”(قوله:لزمه قضاء ها)؛لأنها وقعت نافلة.ولما احتلم فی وقتها صارت فرضاًعلیه؛لأن النوم لایمنع الخطاب“.فیلزمه قضاء ها فی المختار،ولذا لو استیقظ قبل الفجر،لزمه اعادتها إجماعاً“.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بہشتی گوہر کی عبارت مسئولہ صحیح ہے۔اس پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں، چہ جائیکہ تصحیح کی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۴/۸/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۴/۸/۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۷۴/۷-۳۷۶)

نماز قضا کرنے کے گناہ پر اشکال اور اس کا جواب:

سوال: آپ کا کالم ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ مورخہ ۱۵/مئی بروز جمعہ میرے سامنے ہے،اس میں چند مسائل ایسے مرقوم ہیں، جو میرے خیال میں آپ نے کسی اور سے لکھوا کر اخبار کو بھجوادیئے ہیں اور یہ کسی مبتدی کا جواب ہے،آپ کبھی ایسا جواب جو کہ مبہم اور غیر واضح اور مشکوک ہو،اخبار میں شائع نہیں کرا سکتے، ملاحظہ فرمایئے ایک سوال نماز فجر سے متعلق کیا گیا اور جواب یوں دیا گیا:

”نماز کا قضا کرنا خصوصا نماز فجر کا قضا کرنا بہت ہی بڑا وبال ہے،اور جتنے کبیرہ گناہ ہیں،ان میں نماز قضا کرنے سے بڑا کوئی گناہ نہیں“۔

خط کشیدہ جملہ یہ ثابت کرتا ہے کہ زنا،شرک،سود،شراب خوری یہ سب ہلکے گناہ ہیں؛یعنی ان گناہوں پر جو حد جاری کی جاتی ہے، وہ قضا نماز کی بہ نسبت کم ہے،حالاں کہ مندرجہ محولہ شخص تارک نماز استمراری نہیں؛ بلکہ اضطراری طور پر فجر کی قضا کا مرتکب ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

آنجناب کے گرامی نامے سے خوب خوب محظوظ ہوا،جن دو جوابوں پر آنجناب نے تنقید فرمائی ہے، وہ کسی اور کے قلم سے نہیں، ایسے غیر ذمہ دارانہ جواب اسی ظلوم وجہول کے ہوسکتے ہیں۔

کھٹکا تو مجھے بھی تھا کہ کوئی اس پر تنقید ضرور کرے گا؛لیکن کسی نے کی نہیں، یہ شرف آنجناب کو حاصل ہوا، اب دو وضاحتیں سن لیجئے۔

(۱) الدر المختارمع رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب قضاء الفوائت:۸٦/۲، سعید

(اول)　یہ کہ میری گفتگو اضطراری طور پر نماز قضا ہوجانے کے بارے میں نہیں؛ بلکہ بااختیار خود نماز قضا کرنے کے بارے میں ہے۔سوتے کی آنکھ نہ کھلنا تو غیر اختیاری چیز ہے؛لیکن بارہ ایک بجے تک ٹی وی پر ڈرامے دیکھتے رہنا، پھر دو بجے کے قریب سونا اور نماز کے لیے اٹھنے کا کوئی اہتمام نہ کرنا،جس کے نتیجے میں اکثر و بیشتر نماز فجر قضا ہوجاتی ہے، یہ غیر اختیاری چیز نہیں، نہ اضطراری ہے؛ بلکہ یہ استمراری اور اختیاری ہے۔

(دوم)　یہ کہ جان بوجھ کر نماز قضا کردینا ایسا سنگین گناہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اس پر کفر وشرک اور نفاق کا حکم کیا گیا ہے اور بعض اکابر نے تارک صلوٰۃ پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، یہاں شیخ ابن حجر مکیؒ کی کتاب ''الزواجر عن اقتراف الکبائر'' سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں:

''اہل علم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے حضرات میں سے تارک صلوٰۃ کے کفر میں اختلاف کیا ہے، اور بہت سی احادیث پہلے گزر چکی ہیں،جن میں تارک صلوٰۃ کے کافر،مشرک اور خارج از ملت ہونے کے تصریح کی گئی ہے اور یہ کہ اس سے اللہ کا اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہے اور یہ کہ اس کے عمل اکارت ہوجاتے ہیں اور یہ کہ اس کا دین نہیں اور یہ کہ اس کا ایمان نہیں، (وہ بے دین اور بے ایمان ہے) اور اس نوعیت کی بہت سی تغلیظات گزرچکی ہیں۔صحابہؓ وتابعینؒ اور بعد کے حضراتؒ کی ایک کثیر جماعت نے ان احادیث کے ظاہر کو لیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص ایک نماز کو جان بوجھ کر ترک کردے، یہاں تک کہ اس کا پورا وقت نکل جائے، وہ کافر ہوگا کہ اس کا خون بہانا حلال ہوگا۔ان حضرات میں: حضرت عمر،عبدالرحمٰن بن عوف،معاذ بن جبل،ابوہریرۃ،ابن مسعود،ابن عباس، جابر بن عبدللہ،ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ میں احمد بن حنبل،اسحاق بن راہویہ،عبداللہ بن مبارک،حکم بن عیینہ،ایوب سختیانی،ابوداؤد طیالسیؒ،ابوبکر بن ابی شیبہ،زہیر بن حرب رحمہم اللہ اور دیگر اکابر شامل ہیں۔پس یہ تمام ائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے''۔(۱)

کبیرہ گناہ تو بہت ہیں؛ مگر کسی گناہ پر ایسی وعیدیں پے درپے وارد نہیں ہوئیں،جتنی کہ نماز کو جان بوجھ کر قضا کردینے پر

---

(۱)　ومنها إختلاف العلماء من الصحابة ومن بعدهم في كفر تارك الصلاة،وقد مر في الأحاديث الكثيرة السابقة التصريح بكفره وشركه وخروجه من الملة وبأنه تبرأ منه ذمة اللّٰه ورسوله وبأنه يحبط عمله وبأنه لا دين له وبأنه لا إيمان له وبنحو ذلك من التغليظات وأخذ بظاهرها جماعة كثيرة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم فقالوا: من ترك الصلاة معتمداً حتٰى خرج جميع وقتها كان كافرا مراق الدم منهم:عمر،وعبد الرحمن بن عوف،ومعاذبن جبل،وأبوهريرة وابن مسعود ، وابن عباس وجابربن عبد اللّٰه،وأبوالدرداء،ومن غير الصحابة:أحمد بن حنبل،وإسحاق بن راهوية،وعبد اللّٰه بن المبارك،والنخعي،و الحكم بن عيينة،وأيوب السختياني،وأبو داؤد الطيالسي،وأبوبكر بن أبى شيبة،وزهيربن حرب،وغيرهم.(الزواجر عن اقتراف الكائر السابعة والسبعون:تعمد تأخير الصلاة،الخ: ۳۵٦/۱،انیس)

اور کسی گناہ پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا گیا؛ مگر تارک صلوٰۃ پر بہت سے اکابر نے کفر کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ اگر ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر میرے اس فقرے کو ملاحظہ فرمائیں کہ ''جتنے گناہ کبیرہ ہیں، ان میں نماز قضا کرنے سے بڑا کوئی گناہ نہیں'' تو چاہے آپ اس سے اتفاق نہ کریں؛ لیکن اس کا وزن ضرور محسوس کریں گے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۴۲۔۶۴۳)

قضا نماز کا انکار اور اس کا جواب:

سوال: ہمارے ایک دوست جو بحمد اللہ پنج وقتہ نماز کے عادی ہیں اور نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، نماز کی قضا کے قائل نہیں ہیں، ان کے استدلال حسب ذیل ہیں:

دلیل نمبر (۱) ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾(۱) اس آیت سے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نماز وقت مقررہ پر فرض ہے، جس طرح ایک جہاز کا ملازم اگر وقت پر نہ بیٹھ جائے تو جہاز اس کا انتظار نہیں کرے گا اور ملازم کے پاس اپنی نوکری بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ منیجر صاحب کے حضور معافی مانگ لے۔ بالکل اسی طرح نماز چھوٹ جانے کی صورت میں انسان کے پاس صرف یہی چارہ ہے کہ وہ خدا کے حضور گڑ گڑائے، روئے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا سچا پکا عہد کرے اور پوری کوشش کرے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔

دلیل نمبر (۲) عورتوں پر ان کے مخصوص ایام میں نماز معاف ہوتی ہے؛ مگر روزے کی قضا کرنی پڑتی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ روزے کی قضا ہے؛ مگر نماز کی قضا نہیں، ورنہ اس کی بھی قضا پاکی کے بعد کرنی پڑتی۔

ہم نے ان سے کہا کہ ''جس طرح قرض کو وقت مقررہ پر لوٹانا فرض ہے، وقت گزر جانے کے بعد وہ قرض معاف نہیں ہو جائے گا؛ بلکہ قرض دینے والے کو نہ صرف قرض لوٹانا پڑے گا؛ بلکہ اس سے معافی بھی مانگنی پڑے گی'' مگر ان کا استدلال یہ ہے کہ کیوں کہ قرض حقوق العباد میں ہے؛ اس لیے وقت مقرر کے بعد بھی لوٹانا ضروری ہے، اگر حقوق اللہ کا قرض ہوتا تو معاف ہو جاتا ''بشرط استغفار'' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ اللہ کی عبادت کرے؛ لیکن جب وہ مرتد ہو کر اللہ کا دشمن بن جاتا ہے، وہ وقت جو صرف اللہ کی عبادت کے لیے تھا، اللہ کی دشمنی میں صرف کرتا ہے، حقوق اللہ کی خلاف ورزی کرتا ہے، اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما کر اپنا حق معاف کر دیتے ہیں اور اس کے اسلام کو پھر سے قبول فرما لیتے ہیں، ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾(۲) امید ہے کہ قرآن وحدیث اور ائمہ کرام کے فتاویٰ سے استدلال فرمائیں گے؟

---

(۱) سورۃ النساء:۱۰۳، انیس

(۲) سورۃ النساء:۱۳۷، انیس

الجواب

ائمہ فقہا کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز قضا کردے تو اس پر لازم ہے کہ قضا کرنے کے گناہ سے توبہ کر کے نماز قضا کرے۔(۱) اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے ظہر کے وقت سو روپے ادا کرنے لازم تھے، اس نے اس وقت ادا نہیں کئے تو روپے تو اس کے ذمے بدستور واجب الادا رہے اور وقت پر ادا نہ کرنا الگ جرم ہوا۔(۲) اگر یہ صاحب نماز کی قضا کو نہیں مانتے تو ان سے بحث نہ کی جائے کہ بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ اعلم (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۶۱۳-۶۱۴)

نماز قضا کرنے کا ثبوت:

سوال: ارکان اسلام، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی ہر مسلمان مرد اور عورت پر قرآن وسنت کی رو سے فرض ہے، قضا روزے کے متعلق قرآن حکیم میں واضح حکم ہے کہ اگر کوئی مسلمان رمضان کے مہینے میں سفر میں، یا بیمار ہونے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں جب عذر باقی نہ رہے تو روزے رکھ کر پورے کرے۔ آپ سے دریافت کرنا ہے کہ کیا قرآن کریم میں نماز کی قضا اور ادائیگی کے بارے میں ایسے ہی واضح احکام موجود ہیں؟ براہ مہربانی آیات کے حوالے سے نشاندہی فرمائیں؟

الجواب

نماز کی قضا کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص نماز سے سو یارہ جائے، یا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔(۳) قصداً نماز ترک کرنے کی اسلام میں گنجائش ہی نہیں؛ اس لیے جس نے قصداً نماز چھوڑ دی ہو، اس کی قضا کا بھی قرآن کریم اور حدیث شریف میں صریح حکم نہیں، البتہ فقہائے امت نے قضا کے احکامات بیان فرمائے ہیں،(۴) اور بعض اس کے بھی قائل ہیں کہ چوں کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا

(۱) إذ التأخير بلاعذر كبيرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة.(الدرالمختار)

وفي الرد: أي بعد القضاء أما بدونه فالتأخير باق فلم تصح التوبة منه لأن من شروطها الإقلاع عن المعصية،الخ.(الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۶۲،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوات)

(۲) عن أنس بن مالک عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:من نسي صلاة فليصل إذا ذكر لا كفارة لها إلا ذلک.(صحيح البخاري، كتاب الصلاة،باب من نسي صلاة فليصل إذا ذكر: ۱/۸٤،قديمي، انيس)

(۳) ولنا قول النبي صلى الله عليه وسلم:"من نام عن صلاة أونسيها فليصلها إذا ذكرها".(بدائع الصنائع: ۱/۱۳۱)

في الصحيحين من قوله صلى الله عليه وسلم:"من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلک"الخ.(فتح القدير مع الهداية،باب قضاء الفوائت: ۱/۳٤۷)

(۴) (باب قضاء الفوائت):لم يقل المتروكات ظناً بالمؤمنين خيرا؛لأن ظاهر حال المسلم أن لا تترک الصلاة وإنما تفوته من غير قصد لعذر.(حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح،باب قضاء الفوائت،ص: ٤٤۰،دار الكتب العلمية،انيس)

مسلمان ہی نہیں رہتا؛ اس لیے اس کے ذمہ نمازوں کی قضا نہیں۔ ان کے قول کے مطابق وہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۱۳/۳)

کیا قضا نماز پڑھنا گناہ ہے:

سوال: میری لڑکی نے محض اس وجہ سے کہ کسی نے اس سے کہا کہ روزانہ قضا نماز پڑھنے سے تو گناہ ہوتا ہے، نماز پڑھنی چھوڑ دی، اب آپ بتائے کہ کیا کریں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

آپ کی لڑکی کو کسی نے غلط بتایا، نماز کو قضا کر دینا گناہ ہے، پڑھنا گناہ نہیں؛(۲) بلکہ فرض ہے۔(۳) عجیب بات ہے کہ اس نے گناہ کو تو چھوڑا نہیں اور فرض کو چھوڑ کر گناہ پر گناہ کا اضافہ کر لیا۔ (توبہ استغفر اللہ) اب اس کو چاہیے کہ نماز چھوڑنے کے گناہ سے توبہ کرے اور جتنے دن کی نمازیں اس نے چھوڑی ہیں، ان کو قضا کر لے۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۱۵/۳)

فجر کی نماز قضا کرنے والے کے لئے توجہ طلب تین باتیں:

سوال: ہم رات کو دو بجے تک گپ شپ لگاتے ہیں اور پھر اس کے بعد سو جاتے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ ہم غلط کرتے ہیں اور پھر صبح فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، میں خود فجر کی نماز ظہر کے بعد پڑھتا ہوں اور صرف دو رکعت فرض پڑھتا ہوں، آیا میں جو نماز پڑھتا ہوں، وہ ٹھیک ہے کہ نہیں؟ اور اگر نہیں تو کیا ہم گناہگار ہوئے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

آپ کے اس طرز عمل پر تین باتیں آپ کی توجہ کے لائق ہیں:

---

(۱) وأفاد بذكره الترتيب فى الفوائت و الوقتية لزوم القضاء وهو ماعليه الجمهور وقال الإمام أحمد: إذا تركها عمداً بغير عذر لايلزمه قضاء ها لكونه صار مرتدا والمرتد لا يؤمربقضاء ما تركه إذا تاب (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، ص: ۲۳۹، باب قضاء الفوائت، طبع: مير محمد كتب خانه)

(۲) والتأخيربلا عذر كبيرة لاتنزول بالقضاء بل بالتوبة أوالحج لقضاء مزيل لإثم الترك لا لإثم التأخير. (حاشية الطحطاوى، باب قضاء الفرائض: ٤٤٠، دار الكتب العلمية بيروت/الدرالمختار: ٦٢/٢، باب قضاء الفوائت)

(۳) وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض. (الدر المختار)

وفى الرد (قوله والسنة): يوهم العموم كالفرض والواجب وليس كذلك. (الدرالمختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ٦٦/٢، دار الفكر بيروت، انيس)

(۴) والتأخيربلا عذر كبيرة لا يزول بالقضاء بل بالتوبة أوالحج فالقضاء مزيل لإثم الترك لا لإثم التأخير. (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ٤٤٠، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(اول) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کے بعد گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے،(۱) البتہ تین صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ آدمی مہمان کی دلداری کے لیے اس سے بات چیت کرے۔ دوسرے میاں بیوی آپس میں گفتگو کریں۔ تیسرے یہ کہ کچھ لوگ سفر میں ہوں اور وہ رات کاٹنے کے لئے گفتگو کریں۔(۲) ان تین صورتوں کے علاوہ عشا کے بعد گفتگو مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ مسلمان کے دن بھر کے اعمال کا خاتمہ نیک عمل پر ہونا چاہیے اور وہ عشا کی نماز ہے؛ اس لیے آپ حضرات کو رات گئے تک گپ شپ کا معمول چھوڑ دینا چاہیے، چوں کہ آپ کی یہ گپ شپ نماز فجر کے قضا ہونے کا سبب ہے اور حرام کا ذریعہ حرام ہوتا ہے؛ اس لیے آپ کا یہ فعل حرام ہے۔

(دوم) آپ فجر کی نماز قضا کر دیتے ہیں اور یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے، دنیا کا کوئی گناہ زنا، چوری، ڈاکہ وغیرہ فرض نماز قضا کرنے کے برابر نہیں، اس سے توبہ کرنی چاہیے،(۳) خصوصا فجر کی نماز کی تو اور بھی تاکید ہے،(۴) اور اس کو قضا کر دینا اپنے اوپر بہت ہی بڑا ظلم ہے۔

(سوم) پھر اگر خدانخواستہ فجر کی نماز قضا ہی ہو جائے تو ظہر تک اس کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ بیدار ہونے کے بعد اسے پہلی فرصت میں ادا کرنا چاہیے۔(۵) فجر کی نماز اگر قضا ہو جائے تو زوال سے پہلے سنتوں سمیت قضا کی جاتی ہے اور زوال کے بعد صرف فرض پڑھے جاتے ہیں۔(۶) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۳۹/۳-۶۴۰)

---

(۱) قوله: وكان يكره النوم والحديث بعدها ... والسمر بعدها قديؤدى إلى النوم عن الصبح أو عن وقتها المختار، الخ. (فتح البارى شرح صحيح البخارى، كتاب مواقيت الصلاة، باب ما يكره من السمر بعد العشاء: ۷۳/۲)

(۲) (باب السمر مع الأهل والضيف) ... فيلتحق بالسمر الجائز، الخ. (فتح البارى شرح صحيح البخارى، كتاب مواقيت الصلاة: ۷٦/۲، قبيل كتاب الأذان)

(۳) وروى أيضا: أن إمرة من بنى إسرائيل جاء ت إلىٰ موسى صلى الله علىٰ نبينا وعليه وعلىٰ سائر النبيين فقالت: يا نبى الله! أذنبت ذنبا عظيما وقد تبت إلى الله تعالىٰ، فادع الله لى أن يغفر ذنبى ويتوب على، فقال لها موسىٰ: وما ذنبک؟ قالت يا نبى الله! زنيت وولدت ولدًا وقتله، فقال لها موسىٰ علىٰ نبينا وعليه الصلاة والسلام: أخرجى يا فاجرة! لا تنزل نار من السماء فتحرقنا بشؤمک، فخرجت من عنده منكسرة القلب، فنزل جبريل عليه السلام وقال: ياموسىٰ! الرب تعالىٰ يقول لک: لم رددت التائبة؟ يا موسىٰ! أما وجدت شرًا منها؟ قال موسىٰ: ياجبريل! ومن شر منها؟ قال: من ترک الصلاة عامدًا متعمدًا. (الزواجر عن اقتراف الكبائر: ۱۳۷/۱، الكبيرة السابعة والسبعون)

(۴) عن جندب القسرى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلىٰ صلاة الصبح فهو فى ذمة الله فلا يطلبنكم الله من ذمته بشئ فإنه من يطلبه من ذمته بشئ يدركه ثم يكبه على وجهه فى نار جهنم. رواه مسلم. (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، قبيل باب الرخصة فى التخلف من الجماعة لعذرٍ: ۲۳۳/۱، قديمى، انيس)

(۵) وإذا أخر الصلاة الفائتة عن وقت التذكر مع القدرة على القضاء هل يكره فالمذكور فى الأصل أنه يكره، لأن وقت التذكر إنما هو وقت الفائتة وتأخير الصلاة عن وقتها مكروه بلاخلاف كذا فى المحيط (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱۲٤/۱)

(٦) إذا فاتتا مع الفرض يقضيهما بعد طلوع الشمس إلى وقت الزوال ثم يسقط، الخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل: ۱۱۲/۱)

نماز فجر کی قضا:

سوال: فجر کی نماز کی قضا کا کیا وقت ہے؟ کیا ظہر میں فجر کی قضا ملا کر پڑھی جائے؟ (سبحان محی الدین، ورنگل)

الجواب

اگر آنکھ اس وقت کھلے جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو وقت مکروہ شروع ہو جانے کی وجہ سے کچھ تاخیر سے فجر کی قضا کر لینی چاہیے؛ تاکہ مکروہ وقت گذر جائے اور سورج اچھی طرح نکل آئے۔ ایک بار سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین کو اس کی نوبت آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر تاخیر سے سورج اچھی طرح نکلنے کے بعد فجر کی قضا فرمائی۔(۱) اگر ظہر تک بھی فجر کی قضا نہیں کر پایا تو ظہر سے پہلے ضرور قضا کر لینی چاہیے؛ تاکہ غفلت نہ ہو، البتہ جو شخص صاحب ترتیب ہو؛ یعنی اس پر چھ نمازوں سے کم نمازیں باقی ہوں تو ایسے شخص کے لیے ظہر سے پہلے فجر کی قضا کر لینی واجب ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۲۵-۴۲۶)

ظہر کی نماز عصر کے ساتھ ادا کرنے کی عادت بنانا:

سوال: میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک وکیل ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ میری نمازیں مکمل اور وقت پر ادا ہو جائیں؛ لیکن تقریباً روز ایسا ہوتا ہے کہ جب میں کورٹ سے آفس آتی ہوں تو ظہر کا وقت ہوتا ہے، اس وقت زیادہ تر آفس میں کلائنٹ، یا میرے ساتھی وکیل بیٹھے ہوتے ہیں، جب کوئی نہیں ہوتا، تب تو میں نماز پڑھ لیتی ہوں؛ مگر اکثر کوئی نہ کوئی لازمی ہوتا ہے اور ان کے سامنے مجھے نماز پڑھنا مناسب نہیں لگتا؛ کیوں کہ عورتوں کے لیے حکم ہے کہ نماز کوشش کریں کہ تنہائی میں پڑھیں، لہذا میں تقریباً روزانہ ہی گھر آ کر عصر کے ساتھ چار رکعت فرض پڑھ لیتی ہوں؛ یعنی چار رکعت فرض ظہر کے اور چار رکعت فرض عصر کے، اب آپ مجھے بتائیے کہ میری روزانہ جو ظہر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، اس کا کس قدر گناہ ہوگا؟

الجواب

فرض نماز قضا کرنا گناہ کبیرہ ہے،(۲) اور یہ میں نہیں بتا سکتا کہ اس کا وبال کتنا ہوگا؟ ہاں! اتنا جانتا ہوں کہ دنیا کا

(۱) عن أبی قتادة قال: سرنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلة، فقال بعض القوم: لوعرست بنا یارسول اللہ، أخاف أن تناموا عن الصلاة، قال بلال: أنا أوقظکم فاضطجعوا وأسند بلال ظهره إلٰی راحلته فغلبته عیناه فنام فاستیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد طلع حاجب الشمس، فقال: یا بلال! أین ماقلت؟ قال: ما ألقیت علٰی نومة مثلها قط. قال اللّٰه قبض أرواحکم حین شاؤ ردها علیکم حین شاء، یابلال ثم فأذن بالناس بالصلاة فتوضأ فلما فلما ارتفعت الشمس وابیاضت قام فصلی. (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت: ۸۳/۱، رقم الحدیث: ۵۹۵، انیس) / نیز دیکھئے: الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۶۸۲، باب قضاء الفائتة واستحباب تعجیل قضاء ها)

(۲) إذ التأخیر بلا عذر کبیرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة. (الدر المختار) ==

کوئی جرم نماز قضا کرنے سے بڑھ کر نہیں اور میں تو عورتوں کی وکالت کو بھی جائز نہیں سمجھتا، اس میں ہزار ہا خرابیاں اور مفاسد ہیں؛ مگر یہ باتیں اس زمانے کے لوگوں کو سمجھانا مشکل ہے، جب تک ملک الموت پیغام لے کر نہیں آتا، اس وقت تک نظر چوں کہ دنیا پر ہے؛ اس لیے یہ باتیں بعید معلوم ہوتی ہیں اور لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں؛ لیکن جب موت کا فرشتہ روح قبض کرے گا اور قبر کی کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے گا، تو یہ باتیں بغیر سمجھانے کے خود بخود سمجھ میں آنے لگیں گی۔ افسوس ہے کہ دنیا کی دلچسپیوں اور غیر اقوام کی تقلید نے مسلمانوں کا ایمان اتنا کمزور کر دیا ہے کہ ان کو دین کی باتیں سمجھانا بھی مشکل ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۱۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں کب قضا ہوئیں:

سوال: کس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل چار نمازیں قضا ہو گئیں اور ان نمازوں کی قضا ہونے کی وجہ کیا تھی؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

الجواب

یہ واقعہ غزوۂ خندق کا ہے، روایتوں میں فوت ہونے والی نمازوں کی مختلف تعداد منقول ہے؛(۱) کیوں کہ کئی دنوں تک مسلمانوں کا محاصرہ جاری تھا؛ اس لیے تعداد کا یہ فرق الگ الگ دنوں کا ہو سکتا ہے، یہ نمازیں اس لیے قضا ہوئیں کہ محاصرہ کرنے والے مشرکین کی طرف سے شدید تیر اندازی کا سلسلہ جاری تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ کی اس کیفیت اور مرض وفات میں مسلسل غشی کی وجہ سے بعض نمازیں قضا ہوئیں، باقی سخت سے سخت حالات میں بھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قضا نہیں ہونے دی۔ اس سے نماز کے اہتمام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۲۱)

قضا اور ادا نماز میں فرق:

سوال: قضا اور ادا میں کچھ فرق ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنا؟ مثلاً کسی نے چار وقت کی قضا نماز پانچویں وقت ادا کی، یا کسی نے آٹھ وقت کی قضا نمازیں نویں وقت ادا کی؟

== وفی الرد:(قوله:بل بالتوبة) أی بعد القضاء أما بدونه فالتأخیر باق فلم تصح التوبة منه؛لأن من شروطها الإقلاع عن المعصية كما لا يخفٰى.(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۲/۶۲،قديمی)

(۱) عن عبيدة بن عبد الله بن مسعود قال: قال عبد الله:إن المشركين شغلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق حتٰى ذهب من الليل ما شاء فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلٰى الظهر ثم أقام فصلى العصر ثم أقام فصلى المغرب ثم أقام فصلى العشاء.(جامع الترمذی،باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ: ۱/۴۳، ط:قديمی،رقم الحديث: ۱۷۹،انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جس نماز کو وقت پر پڑھا جائے تو ادا ہے اور جسے بعد وقت کے پڑھا جائے تو وہ قضا ہے۔(۱) صاحب ترتیب کو ترتیب لازم ہے، جب قضا نماز ذمہ میں لازم ہو اور وقت میں گنجائش بھی ہو تو وقتیہ نماز پڑھنا درست نہیں۔ ہاں! اگر کم از کم چھ قضا نمازیں ذمہ میں ہوں تو پھر ترتیب لازم نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱/۸/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۶/۷-۳۶۷)

نماز فائتہ کا سبب:

سوال: نماز فائتہ میں سبب جمیع وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے؛ اس لیے کہ واجب علی صفات الکمال ثابت ہو۔ میرے غبی ہونے کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ سبب کیا چیز ہے؟ اس کے جمیع وقت کی طرف مضاف ہونے کے کیا معنی ہیں؟ ادا میں وجوب علی صفت الکمال نہ ہونا چاہیے اور فائتہ میں ہونا چاہیے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

وقت میں ادا کرنے سے بوجہ تعذر کے جمیع وقت کو سبب نہیں کہہ سکتے؛ بلکہ جزء مقدم متصل بالاداء کو سبب کہا جاتا ہے اور جب وقت گزر گیا اور نماز فوت ہوگئی تو اب تمام وقت کو سبب کہنے میں کچھ دشواری نہ رہی اور وقت سبب ظاہری نماز کا ہے؛ کیوں کہ جب وقت آتا ہے حکم نماز پڑھنے کا ہوتا ہے، یہی معنی سببیت کے ہیں، مثلاً جب ظہر کا وقت آتا ہے، حکم ہوتا ہے۔ صلوا صلاة الظهر و قس عليه. (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۳۲۸/۴)

نماز کی قضا ضروری ہے، یا توبہ سے معافی ہوسکتی ہے:

سوال: زید نے بڑی عمر میں نماز روزہ شروع کیا تو کیا نماز روزہ قضا کرے یا خالی توبہ سے معافی ہو جاتی ہے؟
(المستفتی: ۶۵۸، مجیدی دواخانہ بمبئی، ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

جتنی نمازیں وروزے قضا ہوئے ہیں تخمینہ کرکے ان کی قضا کرے۔ صرف توبہ کافی نہیں ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۸۲/۳)

---

(۱) "والقضاء فعل الواجب بعد وقته". (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۵/۲، سعيد)
"والقضاء له تعريفان: أحدهما على المذهب الصحيح من أن القضاء يجب بمايجب به الاداء، هو فعل الواجب بعد وقته ... فيقال: هو فعل العبادة بعد وقتها". (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۱۳۹/۲، رشيدية)

(۲) قال: "(ويسقط) الترتيب (بضيق الوقت والنسيان و صيرورتها ستاً) :أى بصيرورة الفوائت ستا، وبكل واحد من هذه الثلاثة يسقط الترتيب ... بخلاف ماإذا كان فى الوقت سعة، وقدم الوقتية حيث لا يجوز؛ ==

قضا نمازوں کے لیے ایک موضوع دعا:

سوال: کیا مندرجہ ذیل دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور کیا اس کے پڑھنے سے قضا نمازیں خواہ کتنی زیادہ ہوں، معاف ہو جاتی ہیں؟

دعا یہ ہے:

"بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، يا اللّٰه، يارحمن اللّٰهم ياعظيم، من كل عظيم ياكريم، من كل كريم اللّٰهم يا أجل من كل جليل، اللّٰهم ياأعزمن كل عزيز، ياقديم من كل قديم، اللّٰهم ياموجود من كل موجود! خلصنا من النار يامجير يامجير يامجير وصلى اللّٰه على خير خلقه محمد وآله أجمعين برحمتک ياأرحم الراحمين".

یہ دعا آثار سعید، باب ذکر میں مذکور ہے۔ یہ کتاب معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

یہ بات کہ "اس دعا کے پڑھنے سے قضا نمازیں معاف ہو جاتی ہیں" قطعاً اس کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کہنا جھوٹ ہے، حرام ہے، سخت وبال کا باعث ہے؛ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح سند کے ساتھ کتب حدیث میں موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي هريرة عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تسموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي ومن رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتمثل في صورتي ومن كذب علّي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار". (۱)

شراح بخاری اور مسلم نے اس کی اسناد کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (۲)

== لأنه أداء ها قبل وقتها". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۸٦/۱، مكتبة امدادية ملتان)

(۳) في حكم الواجب بالأمر، وهو نوعان: أداء، وهو تسليم عن الواجب بسببه الٰى مستحقه وقضاء وهو اسقاط الواجب بمثل من عنده. (حسامي، فصل في حكم الواجب، ص: ۳۷)

التأخيربلاعذر كبيرة لا تزال بالقضاء بل بالتوبة. (الدر المختار)

وفي الرد: (قوله بل التوبة) أي بعد القضاء، اما بدونه فالتاخيرباق فلم تصح التوبه منه لان من شروطها الاقلاع عن المعصية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوات: ٦٢/۲، ط: سعيد)

حاشية صفحه هذا:

(۱) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ۲۱/۱، قديمي

(۲) واعلم أن الجمهور علٰى أن الكذب على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عمدًا من أشد الكبائر، وذهب أبو محمد الجويني من كبار الفقهاء إلى أنه كفر ... قال العيني: من ذكر حديثا موضوعاً بدون ذكر وضعه او غلط في الإعراب، ==

شارح مشکوۃ نے اس کو معنی متواتر لکھا ہے۔(۱)

جو شخص حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کرے، جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ موضوعات کبیر میں کئی صفحات میں اس کے حوالہ نقل کئے ہیں۔(۲)

پس سوال میں لکھی ہوئی دعا کے پڑھنے سے قضا نمازوں کی معافی کا اعتقاد رکھنا اور یہ سمجھنا کہ بس یہ دعا ہی کافی ہے، ہرگز درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۶/۷-۳۸۷)

قضا نماز محض توبہ سے معاف ہوگی:

سوال: کیا قضا نماز توبہ سے معاف ہوجاتی ہے؟

الجواب

توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے، زائل ہو جائے گا؛ مگر فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگا، جب کہ ماوجب کو ادا کر دیا جائے گا؛ اس لیے قضا ضروری ہے۔(۳)

(مکتوبات: ۱۴۱/۱۴) (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۵۱)

== فهو أيضا تحت هذا الوعيد. قال الحافظ في الفتح: إن هذا الحديث ثابت عن ثلاثين من أصحاب النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و سلم قلت: وهو عندي عن خمسين منهم والحاصل أنه حديث متواتر قطعاً". (فيض الباري علىٰ صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى اللّٰه عليه و سلم: ۲۰۱/۱، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"ولأجل كثرة طرقه أطلق عليه جماعة انه متواتر". (فتح الباري، شرح صحيح البخاري: ۲۷۱/۱، قديمي)

قال النووي: "أما من الحديث فهو حديث عظيم في نهايته من الصحة، وقيل: إنه متواتر". (شرح الكامل للنووي على مسلم، باب تغليظ الكذب علىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ۸/۱، قديمي)

(۱) (من كذب علّي) من المتواتر، وليس في الأحاديث ما في مرتبته من المتواتر، فإن ناقليه من الصحابة جم غفير قيل اثنان وستون من الصحابة فيهم العشرة المبشرة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الاول: ٤٤٨/١، الرشيدية)

(۲) الموضوعات الكبرىٰ للملاعلي القاري، ما أخرجه الشيخان والحاكم عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: "من كذب علّي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" ص: ۱۲-۲۹، قديمي)

(۳) قال في الدرالمختار: اذ التأخير بلا عذر كبيرة لاتزول بالقضاء بل بالتوبة أو الحج، الخ. (الدر المختار)

وفي الشامي: (قوله بل بالتوبة) أي بعد القضاء أما بدونه فالتأخير باق فلم تصح التوبة منه؛ لأن من شروطها الاقلاع عن المعصية. (الدر المختار مع رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ٦٢/٢، دارالفكر بيروت، انيس)

قضا نماز اور روزے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے:

سوال: کیا صوم وصلوٰۃ فائتہ توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں، یا نہ؟

الجواب

صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے؛ بلکہ قضا ان کی لازم ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۶۳/۴)

صرف توبہ سے قضا نمازیں معاف نہیں ہوتیں؛ بلکہ قضا ضروری ہے:

سوال: میری عمر اس وقت پچاس سال کی ہے، ڈھائی سال ہوئے میں نے حج فرض ادا کیا تھا، حج کرنے سے پہلے میں نماز کا پابند نہ تھا، اس وقت سے توبہ کر کے نماز ادا کر رہا ہوں تو کیا توبہ کرنے سے میری پچھلی نمازیں معاف ہوگئیں، یا نہیں؟

الجواب

جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں، ان کی قضا فرض ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک روز کی نماز کو بالترتیب قضا کرتے رہیں اور نیت اس طرح کریں کہ وہ پہلی نماز فجر کی ادا کرتا ہوں، جس کا وقت میں نے پایا اور اس کو ادا نہ کیا۔ اسی طرح ظہر کی عصر کی مغرب کی، الخ، اور حساب کر کے بلوغ سے توبہ کے وقت تک جتنے سال بے نمازی میں گذر چکے ہیں، ان کی نمازوں کو قضا کریں۔ اس کی دلیل یہ ہے:

قال اللّٰہ تعالٰی فی کتابہ مرۃ بعد أخرٰی: ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾(۲)

﴿أقیموا﴾ کا صیغہ امر کا صیغہ ہے اور امر مقتضی وجوب ہے، لہٰذا نماز فرض ہوگئی اور جو چیز امر سے فرض ہوجاتی ہے، اس سے سبکدوش ہونے کے دو ہی طریقے ہیں: تسلیم عین واجب، یا اپنی طرف سے مثل واجب کے تسلیم سے، اپنے ذمہ سے اصل واجب کو ساقط کرنے سے۔

کما قالوا فی حکم الواجب بالأمر: وھو نوعان أداء وھو تسلیم عین الواجب بسببہ إلٰی مستحقہ وقضاء وھو إسقاط الواجب بمثل من عندہ.(۳)

توبہ سے، یا حج سے معاصی معاف ہوتے ہیں، فرائض معاف نہیں ہوتے، جیسے اگر کسی نے حج کیا، یا توبہ کرلی تو

---

(۱) (وقضاء الفرض والواجب والسنۃ فرض وواجب وسنۃ) لف نشر مرتب وجمیع أوقات العمر وقت للقضاء الا الثلاثۃ المنھیۃ کما مر.(رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت: ۶۶/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) سورۃ البقرۃ: ۱۳، ظفیر

(۳) حسامی، بحث فی الأمر: ۳۴، ظفیر

قرض داروں کا قرض ایسا ہی اس کے ذمہ واجب ہے، جیسے کہ پہلے تھا۔ اسی طرح حقوق اللہ سے بھی جو قرض ہے، وہ بھی ادا کرنے سے ہی ادا ہوگا؛ بلکہ یہاں تک علما نے لکھا ہے کہ توبہ سے نمازوں کی تاخیر کی معصیت معاف ہوگی اور فوراً ادا کرنا لازم ہوتا ہے، حتی کہ اگر پھر قضا کرنے میں تاخیر کی تو از سرنو گنہگار رہوگا:

قال فی الشامية: قال الترمذی: هو مخصوص بالمعاصی المتعلقة بحق الله تعالیٰ لا العباد ولا يسقط الحق نفسه بل من عليه صلاة يسقط عنه إثم تأخيرها لا نفسها فلو أخرها بعده تجدد إثم آخر، آه، فی البحر: فليس معنى التكفير كما يتوهمه كثير من الناس أن الدين يسقط عنه و كذا قضاء الصلاة والصوم والزكاة إذ لم يقل أحد بذلك، آه. (۲۷۶/۲)(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۳۶/۴-۳۳۷)

توبہ کے بعد بھی قضا ضروری ہے:

سوال: راقم الحروف (مرتب مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحیؒ) نے حضرت امام العصرؒ سے قضاء عمری کے متعلق یہ شبہ پیش کیا تھا کی جب توبہ کر کے کوئی نماز کا پابند ہوگیا اور اب قضا نہیں ہوئی تو پھر توبہ نے ماقبل کو بھی ذمہ سے ساقط کر دیا، اب پھر قضاء عمری کی کیا ضرورت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں: ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بنا پر ہوتا ہے۔ دوسری چیز اشتغال ذمہ جو کہ وجوب نماز اور وقت کی بنا پر ہوا تھا۔ توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے، زائل ہو جائے گا؛ مگر امر ثانی؛ یعنی فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگی، جب کہ ماوجب کو ادا کر دیا جائے؛ اس لیے قضا ضروری ہے، دنیاوی دیون ناس پر خیال فرمایئے۔

(مکتوبات: ۴۱۴/۱) (فتاوی شیخ الاسلام، ص: ۲۶)

بعد بلوغ کی قضا نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے:

سوال: قضاء عمری کی صوم وصلوٰۃ فرض ہے، یا نہ؟ ایک شخص نے تیس سال سے نماز روزہ کی پابندی کی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

بعد بلوغ کے جس قدر نمازیں اور روزے اس کے فوت ہوئے، ان کی قضا کرے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۶۱/۴)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فی تكبير حج الكبائر: ۶۲۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) (وقضاء الفرض والواجب و السنة فرض وواجب وسنة لف نشر مرتب وجميع أوقات العمر وقت للقضاء إلا الثلاثة المنهية كما مر. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۶/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

قضا نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے:

سوال: زید نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور جب سے بالغ ہوا ہے، اس کے بعد اب اس کی عمر تقریباً چالیس پینتالیس سال ہے، اس دوران فرائض، واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی رہی، اس طرح کچھ حقوق العباد بھی اس کے ذمے ہیں۔ اب زید تلافی کرنا چاہتا ہے، کیا صورت ہے؟

الجواب

حقوق العباد کی کوتاہی کی تلافی تو صرف اس طرح ہوسکتی ہے کہ جن جن لوگوں کے حقوق تلف کئے ہیں، ان کے مالی حقوق، یا تو ان کو ادا کرے، یا ان سے معاف کروائے اور غیر مالی حقوق بھی معاف کروائے اور نماز روزوں کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے نماز روزے رہ گئے ہیں، ان کا ٹھیک ٹھیک حساب کرے اور اگر ٹھیک ٹھیک حساب ممکن نہ ہو تو محتاط اندازہ لگائے اور اس کی قضا شروع کردے اور ساتھ ہی یہ وصیت کردے کہ اگر میں ان کی قضا نہ کرسکوں تو ان کا فدیہ میرے ترکے سے ادا کیا جائے، پھر اگر زندگی میں ادائیگی مکمل ہوجائے تو یہ وصیت کاٹ دے۔(۱) زکوۃ کا بھی اسی طرح حساب لگا کر اس کی ادائیگی کردے۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۳/۱۰/۱۳۹۷ھ۔ (فتویٰ نمبر: ۲۸/۱۰۲۸، ج) (فتاویٰ عثمانی: ۵۳۳/۱)

ایک دن رات اگر بیہوش رہے تو نمازوں کی قضا واجب نہیں:

سوال: زید اگر اچھا خاصا کسی وجہ سے ایک دن رات سے زیادہ بیہوش ہوجاوے تو نماز پڑھنا واجب ہے، یا نہیں؟ اور اس بیہوشی کی حالت میں کوئی کام خلاف شریعت ہوجاوے تو زید کو ایسی حالت میں گناہ ہوا، یا نہیں؟

الجواب

اگر ایک دن رات سے زیادہ بیہوش رہے تو ان نمازوں کی قضا واجب نہ ہوگی اور بیہوشی کی حالت میں اگر کوئی کام خلاف شرع ہوجاوے گناہ بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

۲۶/رجب (امداد الاحکام: ۲۷۹/۲-۲۸۰)

قضا نماز کی کون سی نیت صحیح ہے:

سوال: پہلے میں نیت قضا نماز کی اس طرح کرتی تھی کہ ''نیت ۴/رکعت فرض عشا کی نماز قضا'' اب یہ کرتی ہوں

(۱) وفي الدر المختار: ۲۹۱/۱: (ويمنع صلاة) مطلقا ولو سجدة شكر (وصوماً) وجماعاً (وتقضيه لزومادونها للحرج).
وفي الشامية: (قوله: صلاة) ... تسقط للحرج ... و(قوله: وتقضيه) اى الصوم على التراخي في الأصح. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الحيض: ۲۹۰/۱-۲۹۱، دار الفكر بيروت، انيس)

کہ: ”میرے ذمے جو عشا کی نمازیں ہیں، ان میں سے پہلی نماز ادا کرتی ہوں“۔ مجھے پہلے بھی یہ نیت معلوم تھی؛ مگر کچھ سمجھ نہ آنے کی وجہ سے پہلی ہی نیت کرتی رہی۔ کیا دونوں نیت درست ہیں، یا نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

دوسری نیت صحیح ہے، پہلی صحیح نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۱۶/۳)

قضا بہ نیت ادا:

سوال: کسی شخص نے ظہر کی نماز بہت دیر سے پڑھی؛ لیکن اس کا خیال تھا کہ ابھی ظہر کا وقت (بحساب مثلین) باقی ہے؛ اس لیے قضا کی نیت نہیں کی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اوقات کی جنتری دیکھی تو معلوم ہوا کہ جنتری کے حساب سے ایک منٹ قبل ظہر کا وقت ختم ہو چکا تھا؛ یعنی جنتری میں چار بج کر گیارہ منٹ پر ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے، اس شخص نے ۴/بج کر ۱۲/منٹ پر نیت باندھی تھی تو آیا اس کی نماز ہوگئی، یا پھر قضا کی نیت سے اعادہ ضروری ہے۔ (عمید احمد بوہرہ)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

نماز ہوگئی، اعادہ ضروری نہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۷/۷)

کئی قضا نمازوں کی جگہ صلوۃ التسبیح پڑھنا:

سوال: اگر کسی شخص پر کئی قضا نمازیں ہوں تو کیا وہ صلوٰۃ التسبیح پڑھ کر ان سب کو ادا کر سکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

صلوۃ التسبیح نفل نماز ہے اور نفل نماز فرض کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ (۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۳۵/۳)

---

(۱) إذا كثرت الفوائت نوىٰ أول ظهر عليه أو آخره، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: باب قضاء الفوائت: ۷٦/۲، طبع: ايچ ايم سعيد)

(وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة) يقضيها لتزاحم الفروض والأوقات كقوله أصلي ظهر الإثنين ثامن عشر جمادى الثانية سنة أربع وخمسين و ألف وهٰذا فيه كلفة (فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوىٰ أول ظهر عليه) أدرك وقته ولم يصله فإذا نواه كذلك فيما يصليه يصير أولا فيصح بمثل ذلك. (مراقي الفلاح علىٰ هامش الطحطاوي: ۲٤۲، باب قضاء الفوائت، مير محمد كتب خانه)

(۲) لصحة القضاء بنية الأداء كعكسه هو المختار. (الدر المختار)

”لو نوى الأداء على ظن بقاء الوقت، فتبين خروجه، أجزأه، وكذا عكسه“. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤۲۲/۱، سعيد)

(۳) كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضائها ... سواءً كانت الفوائت كثيرة أو قليلة. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱۲۱/۱، وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۱۳۹)

قضا نمازوں کے ہوتے ہوئے تہجد، اوابین وغیرہ پڑھنا:

سوال: میرے ذمے بہت سی قضا نمازیں ہیں، میں ان کو نفل نمازوں کی جگہ ادا کر رہا ہوں، پوچھنا یہ ہے کہ کیا میں قضا نمازوں کو پورا کئے بغیر نماز اوابین اور تہجد پڑھ سکتا ہوں؟

الجواب

آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ تہجد اور اوابین کے نوافل کی جگہ قضا نمازیں پوری کریں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۳۵)

اگر قضا نمازیں ذمہ ہوں تو کیا تہجد نہیں پڑھ سکتے:

سوال: مجھے کسی سے یہ معلوم ہوا کہ تہجد اس وقت تک نہیں پڑھ سکتے، جب تک کہ قضائے عمری ادا نہیں ہوئی ہو۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

غالباً ان صاحب کا مطلب یہ ہوگا کہ نوافل کے بجائے قضا شدہ نمازیں ادا کی جائیں، ورنہ تہجد پڑھنا جائز ہے۔(۲)
(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۳۴)

قضا شدہ فرائض اگر ذمہ ہوں تو کیا سنت ونوافل اس کے لیے درست ہیں:

سوال: جس کے ذمہ دو تین سال کی فرض نمازیں قضا ہوں، اس کے لیے سنن ونوافل جائز ہے، یا نہیں؟ اگر سنن ونوافل پڑھے تو ثواب ملے گا، یا نہیں؟

الجواب

سنن ونوافل پڑھنا اس کو درست ہے اور ثواب ملے گا؛ کیوں کہ کوئی عمل صالح کسی عمل کرنے والے کا ضائع نہیں ہوتا۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۳۹)

---

(۱) والاشتغال بالفوائت أولی و أهم من النوافل.(الفتاویٰ الهندیة،الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵)

(۲) وفی الحجة: والاشتغال بالفوائت اولیٰ وأهم من النوافل إلا السنن المعرفة،الخ.(الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۲۵)
الاشتغال بقضاء الفوائت أولٰی وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة.(رد المحتار،باب قضاء الفوائت: ۲/۷٤،طبع:سعید)

(۳) (وسنّ)مؤكدًا (أربع قبل الظهرو)أربع قبل (الجمعة و)أربع (بعدها بتسلیمة) ... شرعت البعدیة لجبر النقصان و القبلیة لقطع طمع الشیطان ویستحب أربع قبل العصر وقبل العشاء،الخ.(الدرالمختار)
(قوله: سن مؤكدًا)أی استناناً مؤكدًا ... ولهٰذا كانت السنة المؤكدة قریبة من الواجب فی لحوق الإثم كما فی البحرویستوجب تاركها التضلیل واللوم كما فی التحریر.(الدرالمختار مع رد المحتار،باب الوتروالنوافل: ۱/٦٣٠،ظفیر)

کیا خانۂ کعبہ میں قضا نماز کا ثواب سو کے برابر ہوگا:

سوال: کہا جاتا ہے خانۂ کعبہ میں پڑھی ہوئی ایک رکعت کا ثواب سو رکعتوں کے برابر ملے گا تو کیا اگر قضا نمازیں خانۂ کعبہ میں پڑھی جائیں تو ایک رکعت سو رکعت کے برابر ہو جائے گی؟

الجواب ــ

ثواب سو نمازوں کا ہوگا؛ مگر نماز ایک ہی ہوگی؛ اس لیے ایک قضا نماز سو قضا نمازوں کے قائم مقام نہیں ہوگی۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۳۵)

بیت المقدس، یا رمضان میں ایک قضا نماز ایک ہی شمار ہوگی:

سوال: حدیث میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں فرض نماز کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ملتا ہے اور پھر جمعۃ الوداع کی تو فضلیت اور بھی زیادہ ہے تو کیا وہ شخص جس کی بہت سی نمازیں قضا ہو چکی ہوں، وہ رمضان المبارک کے دن ایک نماز قضا کرے تو یہ صرف ایک ہی قضا نماز سمجھی جائے گی، یا ستر کے برابر؟ اور ان کے قائم مقام ہوگی؟ ایک مولانا کا کہنا ہے کہ جس کی بہت سی نمازیں قضا ہوئی ہوں اور وہ بیت المقدس میں جا کر ایک نماز پڑھ لے تو اس کی تمام نمازیں ادا ہو گئیں؛ کیوں کہ مقصد تو نماز سے ثواب حاصل ہے اور وہ یہاں حاصل ہو جاتا ہے تو یہی بات رمضان المبارک اور جمعۃ الوداع کے دن بھی ہے؟

الجواب ــ

یہ صحیح ہے کہ رمضان المبارک میں نیک اعمال کا ثواب ستر گنا ملتا ہے؛ لیکن اس سے یہ قیاس کر لینا کہ رمضان میں قضا کی ہوئی ایک نماز سے قضا شدہ ستر نمازیں ادا ہو جائیں گی، بالکل غلط ہے۔ ایک مالک اعلان کر دے کہ جو لوگ فلاں دن کام پر آئیں گے، ان کو ستر گنا اجرت دی جائے گی تو اس کے یہ معنی کبھی نہیں سمجھے جائیں گے کہ ایک دن کام کرنے کے بعد اب ستر دن کی چھٹی ہوگی، یا یہ کہ یہ ایک دن ستر دنوں کے کام کے قائم مقام تصور کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنے والا احمق ہوگا۔ الغرض کسی عمل پر زائد مزدوری ملنا اور بات ہے اور اس عمل کا کئی دن کے عمل کے قائم مقام ہو جانا دوسری بات ہے۔ رمضان المبارک میں ادا کئے گئے نیک اعمال پر ستر گنا اجر و ثواب ملتا ہے؛ مگر یہ نہیں کہ اس مبارک مہینے میں ایک فرض ادا کرنے سے ستر فرض نمٹ جائیں گے اور جس مولوی صاحب نے بیت المقدس میں ایک نماز پڑھنے کو بہت سی قضا شدہ نمازوں کے قائم مقام بنایا، اس نے بھی بہت غلط بات کہی، مسجد حرام مسجد نبوی اور بیت المقدس

---

(۱) والقضاء فرض في الفرض وواجب في الواجب. (الفتاویٰ الهندية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۱)

میں نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے؛ مگر نہیں کہ ایک نماز بہت سی نمازوں کے قائم مقام ہو جائے۔ بیت المقدس میں نماز کا مشورہ مولوی صاحب نے شاید اس لیے دیا کہ وہ آج کل یہودیوں کے قبضے میں ہے اور وہاں پہنچنا ممکن نہیں، ورنہ بیت المقدس سے حرم نبوی اور حرم نبوی سے کعبہ میں نماز پڑھنا افضل ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۳۳/۳-۶۳۴)

حرمین میں نوافل ادا کرنے سے قضا نمازیں پوری نہیں ہوتیں:

سوال: ایک گناہگار اور تارک صلوٰۃ شخص توبہ کر لیتا ہے اور قضا نمازیں پڑھنی شروع کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو حج بیت اللہ کی سعادت عطا فرماتے ہیں، وہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں کثرت سے نوافل ادا کرتا ہے اور فرض نمازیں بھی ادا کرتا ہے، حرمین شریفین میں ایک ایک رکعت کا ہزاروں اور لاکھوں گنا ثواب ہے، کیا اس کی قضا نمازیں ادا ہو گئیں؟ یا اس کو قضا نمازیں جاری رکھنی چاہئیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اس حاجی صاحب کو فرض نمازیں بہر حال قضا کرنا ہوں گی، حرم مکہ میں جو نماز پڑھی جائے، اس پر لاکھ درجے کا ثواب ملتا ہے؛ مگر وہ ایک ہی نماز ہوگی، یہ نہیں کہ وہ نماز لاکھ نمازوں کے قائم مقام سمجھی جائے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۳۳/۳)

قضاء فوائت:

سوال: ایک شخص کی تین چار سال کی نمازیں اس طرح قضا ہوئیں کہ کسی روز عصر کی نہ پڑھی اور کسی روز ظہر کی نہ پڑھی تو ادائیگی کیا ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

ظن غالب کے موافق ان نمازوں کو قضا کرے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۴۶/۴)

---

(۱) فعلم أن كلا من صلاة الرغائب: ليلة أول جمعة من رجب وصلاة البراءة ليلة النصف من شعبان وصلاة القدر ليلة لسابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة ... ولاينبغي أن يتكلف لالتزام مالم يكن في الصدر الأول كل هٰذا التكلف لإقامة أمر مكروه ... قال أبو محمد عزالدين بن عبد السلام المقدسي: لم يكن ببيت المقدس قط صلاة الرغائب في رجب و لاصلاة نصف شعبان، فحدث في سنة ثمان وأربعين وأربع مائة أن قدم علينا رجل من نابلس يعرف بأبن الحي وكان حسن التلاوة، فقام فصلّٰى في المسجد الأقصى ليلة النصف من شعبان، فأحرم خلفه رجل ثم انضاف ثالث ورابع فما ختم إلا وهو جماعة كثيرة، ثم جاء في العام القابل فصلّٰى معه خلق كثير وانتشرت في المسجد الأقصٰى وبيوت الناس و منازلهم ثم استقرت إلى يومنا هذا، الخ. (الحلبي الكبير، ص: ۴۳۳-۴۳۴، تتمات من النوافل)

(۲) خیر الفتاویٰ: ۶۰۴/۲، ما یتعلق بقضاء الفوائت

قضاء الفوائت:

سوال: ایک شخص کی پانچ یا چھ نمازیں برابر قضا ہوگئیں، اب اگر وہ وقتیہ نماز پڑھے تو ہوسکتی ہے، یا نہ؟

الجواب

چھ نمازیں اگر قضا ہوگئی ہیں تو وہ وقتیہ نماز ہوجاوے گی اور اگر اس سے کم ہیں تو جب تک اس فوائت کو قضا نہ کرے گا، وقتیہ نماز نہ ہوگی؛ یعنی فساد موقوف کے ساتھ۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۴۷/۴-۳۴۸)

نماز روزے کی قضا:

سوال: نماز روزے قضا ہوئے، یہ معلوم نہیں کہ کتنی مدت کے قضا ہوئے تو ادا کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب

اندازہ کرلے، جس قدر مدت کی نماز روزوں کا اندازہ ہو، ان کی قضا کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۴۸/۴)

قضا شدہ نمازوں کی قضا:

سوال: زید کے ذمہ تقریباً ۱۲، ۱۳ ر سال کے نماز روزہ قضا ہیں، جو اس نے دانستہ ادا نہیں کئے۔ اب وہ نماز روزہ مافات کو ادا کرنا چاہتا ہے تو کس صورت سے ادا کرے؟

الجواب

نماز روزہ کی قضا کرے، اندازاً جتنے برسوں کی نماز بعد بلوغ کے اور روزے قضا ہوگئے ہوں، اس کو ادا کرے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۲۹/۴)

قضا فوراً ادا کرے:

سوال: ایک شخص کو سوتے سوتے دن نکل آیا، اس نے اٹھتے ہی فوراً قضا نماز پڑھ لی، چناں چہ دوسرے روز بھی سوتے ہوئے دن نکل آیا؛ مگر اس روز اس نے صبح کی نماز ظہر کے ساتھ پڑھی۔ سونے میں نماز کو تاخیر، یا قضا ہوجاوے تو فوراً ہی پڑھنی چاہیے، یا دیر کرکے؟

---

(۱) (ولو فاتته صلوات رتبها في القضاء كما وجبت في الأصل) ... (إلا أن يزيد الفوائت علىٰ ستة صلوات)؛ لأن الفوائت قد كثرت فتسقط الترتيب فيما بين الفوائت، الخ. (الهداية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۳٤/۱، ثاقب بک دپو دیوبند، ظفیر)

الجواب

جس وقت آنکھ کھلے، اگر وہ وقت نماز کی کراہت کا نہیں ہے تو فوراً اسی وقت نماز قضا پڑھنی چاہیے، دوسرے دن جو قضا میں تاخیر کی کہ ظہر کے وقت پڑھی، یہ اچھا نہیں کیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۸/۴)

جس وقت کی قضا ہو، اسے اسی وقت ادا کرنا ضروری نہیں ہے:

سوال: جس وقت کی نماز قضا ہے، اس کو اسی وقت میں پڑھے، یا مثلاً ظہر کو عشا میں اور عشا کو ظہر میں پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہر طرح جائز ہے، جس وقت جو نماز قضا چاہے، ادا کرسکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۴/۴-۳۴۵)

گزشتہ قضا نمازیں پہلے پڑھیں، یا حالیہ قضا نمازیں:

سوال: بہت سالوں کی نمازیں قضا ہوں تو کیا ان کو ادا کرنے سے پہلے ہم ایک دو وقت کی حالیہ نماز قضا ادا نہیں کر سکتے؟ میرا مطلب ہے کہ آج کل مجھ سے ظہر، یا عصر کی کسی وقت کی نماز چھوٹ جاتی ہے تو میں اگلی نماز پڑھنے سے پہلے پچھلی نماز کی قضا کرلوں، یا پہلے پچھلے سالوں کی قضا نمازیں ادا کروں؟ ویسے میں نے قضا نمازیں پڑھنی شروع کی ہیں، میں ۱۹۶۱ء میں پیدا ہوئی اور میں نے ۱۹۷۱ء کے شروع دن کی نمازوں سے قضا شروع کی ہے تو محترم! اس ضمن میں یہ بتادیں کہ قضا نماز کی نیت کرتے وقت مہینے اور تاریخ کا حوالہ دینے کے لیے چاند کا مہینہ اور تاریخ ادا کریں، یا عیسوی مہینے کے دنوں سے بھی قضا ادا ہوجائے گی؟ کیوں کہ نیت تو خدا جانتا ہے، میں عیسوی سال کے مہینے اور تاریخ کے ساتھ فلاں وقت کی قضا نماز کی نیت کرتی ہوں، آپ بتادیں میرا یہ عمل درست ہے؟ کیوں کہ چاند کی تاریخیں تو یاد نہیں، اس کے علاوہ جو خاص ایام کی نمازیں چھوٹتی ہیں، وہ بھی ادا کرنی چاہئیں، یا وہ نمازیں معاف ہیں؟

الجواب

جب سے آپ نے نماز کی پابندی شروع کی ہے، نئی قضا شدہ نمازوں کو تو ساتھ کے ساتھ پڑھ لیا کیجئے، ان کو پرانی قضا شدہ نمازوں میں شامل نہ کیا کیجئے، بہت سی قضا نمازیں جمع ہوجائیں تو ظاہر ہے کہ ہر نماز کے دن کا یاد رکھنا مشکل ہے؛ اس لیے ہر نماز میں بس یہ نیت کرلیا کیجئے کہ اس وقت (مثلاً ظہر کی) کی جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں، ان میں

---

(۱) من فاتته صلاة قضاها إذا ذكرها وقدمها علٰى فرض الوقت. (الهداية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۳٤/۱، ثاقب بک دبو، دیوبند، انیس)

سے پہلی نماز ادا کرتی ہوں۔(۱) ''خاص ایام'' (ایام حیض) میں نماز فرض نہیں ہوتی، اگر آپ کو ناغے کے دنوں کی صحیح تعداد معلوم ہو تو ان دنوں کی نمازیں قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۲۲/۳-۶۲۳)

عمر کے نامعلوم حصے میں نمازیں قضا ہونے کا شبہ ہو تو کیا کرے:

سوال: جس شخص کو علم نہیں کہ میں نے عمر کے کس حصے میں نماز باقاعدہ پڑھنی شروع کی تھی، عمر کا اندازہ نہیں تھا، ویسے اپنی یادداشت میں اس نے کوئی نماز نہیں چھوڑی، اگر کوئی نماز قضا ہو گئی تو دوسری نماز کے ساتھ ادا کرلیا۔ اب اسے تشویش ہے کہ شاید میری کچھ نمازیں بلوغت کے بعد رہ گئی ہیں، یا نہیں؟ تو اب اس کو اپنی تسلی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب

احتیاطاً کچھ عرصہ نمازیں قضا پڑھتا رہے، یہاں تک کہ اسے اطمینان ہو جائے کہ اب کوئی نماز اس کے ذمہ نہیں ہوگی؛(۲) لیکن اس کو چاہیے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورت ملائے،(۳) اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان نمازوں کو

---

(۱) وقالوا: فيمن ترك صلوات كثيرة مجانة ثم ندم علىٰ ماصنع واشتغل بأداء الصلوات فى مواقيتها قبل أن يقضى شيئاً من الفوائت فترك صلاة ثم صلىٰ أخرىٰ و هوذاكرلهٰذه الفائتة الحديثة أنه لايجوزو يعجل الفوائت الكثيرة القديمة كأنها لم تكن ويجب عليه مراعاة الترتيب،الخ.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل فى بيان شرائط الأركان: ۱۳۷/۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲) وفى العتابية عن أبى نصررحمه الله فيمن يقضى صلوات عمره من غيرأنه فاته شئ يريد الإحتياط فان كان لأجل النقصان والكراهة فحسن.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الحادى عشرفى قضاء الفوائت: ۱۲٤/۱)

ومن قضىٰ صلاة عمره مع أنه لم يفته شئ منها إحستياطا قيل يكره وقيل لايكره؛لأن كثيراً من السلف قد فعل ذلك لكن لا يقضى فى وقت تكره فيه النافلة،والأفضل أن يقرأ فى الأخيرتين السورة مع الفاتحة؛لأنها نوافل من وجه فلأن يقرأ الفاتحة والسورة فى أربع الفرض علىٰ احتماله أولىٰ من أن يدع الواجب فى النفل ويقنت فى الوترويقعد قدرالتشهد فى ثالثته ثم يصلى ركعة رابعة فإن كان وتراً فقد أداه وإن لم يكن فقد صلى التطوع أربعاً ولا يضره القعود وكذا يصلى المغرب أربعاً بثلاث قعدات.(حاشية الطحطاوى تحت المراقى،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،ص:٤٤٧،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

(۳) يقرأ فى الركعات كلها الفاتحة مع السورة.(الفتاوىٰ الهندية،الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱۲٤/۱)

ومن قضىٰ صلاة عمره مع انه لم يفته شئ منها إحتياطا قيل يكره وقيل لا يكره لأن كثيرا من السلف قد فعل ذلك لكن لا يقضى فى وقت تكره فيه النافلة،والأفضل أن يقرأ فى الأخيرتين السورة مع الفاتحة لأنها نوافل من وجه فلأن يقرأ الفاتحة والسورة فى أربع الفرض علىٰ إحتماله أولىٰ من أن يدع الواجب فى النفل ويقنت فى الوترويقعد قدرالتشهد فى ثالثته ثم يصلى ركعة رابعة فإن كان وترا فقد أداه وإن لم يكن فقد صلى التطوع أربعاً ولايضره القعود وكذا يصلى المغرب أربعاً بثلاث قعدات.(حاشية الطحطاوى تحت المراقى،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،ص:٤٤٧،دار الفكر بيروت،انيس))

فجر وعصر کے بعد نہ پڑھے۔(۱) نیز مغرب اور وتر کی نماز کی تیسری رکعت پر قعدہ کرکے ایک رکعت اور ملا لیا کرے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۲۱)

قضاء نمازیں یاد نہ ہوں:

سوال: میری کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، وہ یاد نہیں۔اب میں ان نمازوں کی قضا کرنا چاہتی ہوں تو کس طرح کرسکتی ہوں؟ (عائشہ فردوس،گلبرگہ)

الجواب

اس کے لیے آپ کو خود اپنا ذہن ٹٹولنا ہوگا اور اندازہ لگانا پڑے گا۔نماز بالغ ہونے کے بعد فرض ہوئی ہے،عورتوں کے لیے یہ خصوصی رعایت ہے کہ حیض ونفاس کے ایام کی نمازیں ان سے معاف ہیں؛اس لیے آپ پہلے اندازہ کریں کہ کتنوں دنوں سے آپ پر نماز فرض ہے اور مہینوں میں کتنے دنوں آپ کو نماز کی ضرورت نہیں ہوتی؟ پھر غور کیجئے کہ ان پانچوں نمازوں میں کون سی نماز آپ سے زیادہ فوت ہوتی رہتی ہے اور کس نماز میں آپ زیادہ پابندی کا اہتمام کرتی رہتی ہیں؟ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر اندازہ لگایئے اور جتنی نمازیں زیادہ آپ کے خیال میں قضا ہوئی ہوں،ان کو ادا کرنا شروع کردیجئے۔اگر یہ اہتمام کرلیں کہ جو نماز ادا کریں،اسی نماز کی باقی ماندہ نمازوں میں سے ایک نماز بھی ادا کرتی جائیں تو آسانی ہوگی۔نیت کا طریقہ یہ ہوگا کہ مثلاً یوں کہیں کہ میں فوت شدہ پہلی فجر ادا کرتی ہوں،یا آخری فجر ادا کرتی ہوں۔آپ کے خیال کے مطابق جب قضا ادا ہوجائے تو آئندہ کوشش کریں کہ کوئی نماز قضا ہونے نہ پائے،اس کے باوجود اگر کچھ نمازیں باقی رہ گئی تو اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے امید ہے کہ اللہ اسے معاف کردیں گے۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۲۷)

(۱) والصحيح أنه يجوز إلا بعد صلاة الفجر والعصر وقد ففل ذلك كثير من السلف لشبهة الفساد، كذا في المضمرات. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ١٢٤/١)

ومن قضى صلاة عمره مع أنه لم يفته شئ منها إحتياطا، قيل: يكره، وقيل: لا يكره، لأن كثيرا من السلف قد فعل ذلك لكن لا يقضى فى وقت تكره فيه النافلة، والأفضل أن يقرأ فى الأخيرتين السورة مع الفاتحة لأنها نوافل من وجه فلأن يقرأ الفاتحة والسورة فى أربع الفرض علىٰ احتماله أولىٰ من أن يدع الواجب فى النفل ويقنت فى الوتر ويقعد قدرالتشهد فى ثالثته ثم يصلى ركعة رابعة فإن كان وترا فقد أداه وإن لم يكن فقد صلى التطوع أربعاً ولايضره القعود وكذا يصلى المغرب أربعاً بثلاث قعدات. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ٤٤٧، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) وإن لم يستيقن أنه هل بقى عليه وترأولم يبق فإنه يصلى ثلاث ركعات ويقنت ثم يقعد قدر التشهد ثم يصلى ركعة أخرىٰ ... الخ (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ١٢٥/١)

ومن قضى صلاة عمره مع أنه لم يفته شئ منها إحتياطاً ...الخ. (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص: ٢٤٣)

کئی نمازیں چھوٹ جائیں اور دن یاد نہ ہو:

سوال (الف) کسی شخص کی کئی نمازیں چھوٹ گئیں، اب یاد نہیں ہے کہ کس دن کی فجر، ظہر، یا کوئی اور نماز چھوٹی ہے، ایسی صورت میں وہ کس طرح چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرے؟

(ب) کیا وتر اور سنت فجر کی بھی قضا کی جائے گی؟ (محمد نصیر عالم سبیلی، جالے)

الجواب

(الف) اگر یہ یاد نہ ہو کہ اس کی کون سی نمازیں اور کس کس دن کی فوت ہوئی ہیں تو اپنے حالات کے تحت تحری اور اندازہ کرے کہ اس کی کون سی نماز چھوٹی ہوگی، پھر اس طرح نیت کرے کہ میں اپنی چھوٹی ہوئی پہلی ظہر، یا آخری ظہر ادا کرتا ہوں۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے کہ اس کے لیے خلاصی کی یہی صورت ہے۔

وكذا في قضاء الصلاة لا يجوز ما لم يعين ويومها، بأن عين ظهر يوم كذا مثلاً ولو نوىٰ أول ظهر عليه آخر ظهر عليه جاز؛ لأن الصلاة عليه تعينت بتعيينه، وكذا الوقت يعين لكونه أولاً وآخراً فإن نوىٰ أول صلاة عليه وصلىٰ مما يليه يصيراً أولاً أيضاً فيدخل في نيته أول ظهر عليه ثانياً وكذلك ثالثاً الىٰ ما لا ينتهي وكذا الآخر. (۱)

وهٰذا هو المخلص لمن لم يعرف الأوقات الفائتة. (۲)

(ب) واجب نماز کی بھی قضا واجب ہوتی ہے، سنت کی اصلاً قضا نہیں ہے۔ ہاں فجر کی فرض نماز کے ساتھ فجر کی سنت بھی قضا کی جاسکتی ہے، نہ کہ تنہا سنت کی۔ ویسے بعض فقہا نے لکھا ہے کہ سنت کی بھی قضا کی جاسکتی ہے، البتہ فرض کی قضا فرض ہوگی، واجب کی واجب اور سنت کی سنت۔ (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۲۳-۴۲۴)

احتلام یاد نہیں تو نماز کب سے لوٹائیں:

سوال: امام مسجد کو احتلام ہوتا ہے، صبح کو احتلام یاد نہیں اور نہ کسی قسم کا اثر معلوم ہوا، دو تین روز کے بعد اتفاقاً پائجامہ پر نشان منی کا دکھلائی دیا۔ اب سوچتا ہے کہ یہ کب سے ہے تو فکر کے بعد معلوم ہوا کہ غالباً دوسری تیسری رات کا واقعہ ہے اور اس اثنا میں وہ امام جتنی نمازیں پڑھاتا رہا اور گاہے گاہے دوسرا شخص بھی نمازیں پڑھاتا رہا۔

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الخنثىٰ في مسائل شتىٰ: ۹/۳۴۷-۳۴۸، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) الأشباه والنظائر، ص: ۶۰

والسنن إذا فاتت عن وقتها لم يقضها الا ركعتي الفجر اذا فاتتا مع الفرض يقضيهما بعد طلوع الشمس الىٰ وقت الزوال. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۲۲)

(۳) حاشية مولانا أحمد علي سهارنپوري على الجامع للترمذي: ۱/۹۹

اب سوال یہ ہے کہ دو تین روز میں جن لوگوں نے اس جنبی امام کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں، وہ مقررہ خاص متعین نمازی نہیں ہیں؛ بلکہ کوئی کسی جگہ کا اور کوئی کسی جگہ کا...... نا معلوم الاسم، نا معلوم المکان ہیں اور مقررہ متعین نمازی تو چند ہیں۔ اب ان نمازوں کا اعادہ کس طرح کیا جائے اور وہ لوگ جو نا معلوم الاسم ہیں، ان کی نمازیں ہو گئیں، یا نہیں؟ وہ نمازیں امام کو یاد نہیں کہ میں نے جنابت کی حالت میں کتنی پڑھائی ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

محض احتمال اور شک سے تو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا جاتا؛ بلکہ شک کی صورت میں یہ حکم ہے کہ جس وقت کپڑے پر منی کو دیکھا ہے، اس سے قبل جو سویا تھا، اس وقت سے جنابت کا حکم ہوگا اور بیدار ہو کر جس قدر نمازیں پڑھی ہیں، ان کا اعادہ واجب ہے؛ لیکن اگر قرائن سے غلبہ ظن حاصل ہو گیا کہ مثلاً تیسری شب میں احتلام ہوا تھا تو پھر جب ہی سے حکم اعادہ کیا جاوے، جب سے غلبۂ ظن حاصل ہو، (۱) اور جہاں تک اپنے امکان میں ہو تحقیق کر کے نمازیوں کو اطلاع کر دے، خواہ زبانی خواہ تحریری، خود، یا کسی اور کے ذریعہ، اس کے بعد بھی اگر کوئی بغیر اطلاع رہ گیا، لاعلمی کی وجہ سے تو ان شاء اللہ معافی کی توقع ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۲-۳/۱۷)

بطورِ شک جو قضا نمازیں پڑھی جائیں، وہ کیا ہوں گی:

سوال: اگر نماز چاشت، یا تہجد کے وقت نماز قضاء عمری پڑھے اور وہ شخص بطورِ شک کے قضا پڑھتا ہے، حالاں کہ اس کے ذمہ یقیناً کوئی نماز فرض نہیں تو یہ نماز چاشت، یا تہجد ہوگی، یا نفل ہوگی؟ اور اگر نمازِ مغرب قضا کی تو تین رکعت نفل ہونے سے تو کوئی خرابی نہ ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

کچھ اختلاف نہیں اور قضا مغرب میں اس احتمال سے کچھ کراہت نہ ہوگی۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۰،۳۴۹/۴)

(۱) (قوله:أعاد من آخر احتلام ،الخ) ... وفي بعض النسخ: من آخر نوم،و هو المراد بالاحتلام؛لأن النوم سببه.(ردالمحتار، كتاب الطهارة،فصل في البئر،مطلب مهم في تعريف الاستحسان: ۲۲۱-۲۱۹/۱،سعيد)

(۲) (وإذا ظهر حدث امامه) ... (بطلب،فيلزم اعادتها) ... (كما يلزم الامام اخبار القوم إذا أمهم و هو محدث أو جنب)أوفاقد شرط أو ركن ... (بالقد الممكن)بلسانه أو(بكتاب اورسول على الأصح)لو معينين،وإلا لايلزمه،بحر عن المعراج.(الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب الامامة: ۵۹۲/۱،سعيد)

(۳) في العتابية عن أبي نصر رحمه الله فيمن يقضي صلوات عمره من غير أن فاته شئ يريد الاحتياط فإن==

کسی نے قضا فجر پڑھی، حالاں کہ اس کے ذمہ قضا نہ تھی تو کیا حکم ہے:

سوال: بعد عشا چار رکعت نماز سنت ہیں: دو مؤکدہ و دو غیر مؤکدہ۔ پس اگر کسی شخص نے دو مؤکدہ پڑھیں اور دو فجر کے فرض کی قضا اور اس کے ذمہ فجر کی قضا واقع میں نہ ہو تو وہ چاروں سنت ہوں گی؟ اگر ایسا ہے تو فرمایئے ان کا ایک سلام کے ساتھ تو پڑھنا ضروری نہیں ہے؟

الجواب

ایک سلام کی شرط اس میں نہیں ہے؛ بلکہ دو رکعت سنت مؤکدہ علاحدہ پڑھنی چاہیے اور دو رکعت غیر مؤکدہ علاحدہ پڑھنی چاہیے۔ پس بصورت نہ ہونے قضا کے اس کے ذمہ پر یہ دو رکعت نفل ہو جاویں گی اور چار رکعت بعد عشا ہو جاویں گی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۵۰)

چند قضائیں ایک وقت میں ادا کرنا درست ہیں، یا نہیں:

سوال (۱) چند نمازیں قضا ایک وقت میں پڑھ لینی جائز ہیں، یا نہیں؟

(۲) قضا نمازوں میں سے وتر اور عشا ایک ہی وقت میں پڑھنے ضروری ہیں، یا ایک وقت عشا اور ایک وقت وتر پڑھے؟

الجواب

(۱) جائز ہیں۔(۲) (ایک وقت میں کئی وقتوں کی قضا نمازیں ادا کرنی درست ہیں۔ظفیر)

(۲) علاحدہ علاحدہ بھی قضا کرسکتا ہے، ایک وقت میں قضا کرنا ضروری نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۴۳)

== کان لأجل النقصان والکراهة فحسن وإن لم یکن لذلک لایفعل والصحیح أنه یجوز إلا بعد صلاة العصر والفجر وقد فعل ذلک کثیر من السلف لشبهة الفساد، کذا فی المضمرات. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱/۱۲٤، دار الفکر بیروت، انیس)

(۱) ولو صلیٰ رکعتین وهو یظن أن اللیل باقٍ فإذا تبین أن الفجر قد کان طلع ... قال المتأخرون یجزیه عن رکعتی الفجر. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل: ۱/۱۱۲، انیس)

(۲) لأنه علیه السلام أخرها یوم الخندق. (عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: قال عبد اللّٰه: إن المشرکین شغلوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن أربع صلوات یوم الخندق حتیٰ ذهب من اللیل فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلیٰ الظهر ثم أقام فصلیٰ العصر، ثم أقام فصلیٰ المغرب ثم أقام فصلیٰ العشاء. (جامع الترمذی، باب ماجاء فی الرجل تفوته بأیتهن یبدأ: ۱/٤۳، قدیمی، انیس)

وذلک أن المشرکین شغلوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن أربع صلوات یوم الخند ق حتیٰ ذهب من اللیل ما شاء اللّٰه تعالیٰ فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلی الظهر ثم أقام فصلی العصر ثم أقام فصلی المغرب ثم أقام فصلی العشاء (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۱/٦۷٦، ظفیر)

قضا شدہ کئی نمازیں ایک ساتھ پڑھنا:

سوال: کوئی آدمی اگر پانچ وقت کا نمازی ہو اور اگر جس آدمی سے کبھی کسی مصروفیت کے تحت نماز چھوٹ جاتی ہے، پھر وہ چاہے کہ میں عشا میں سب نماز ایک ساتھ پڑھ لوں تو وہ شخص ایک ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مصروفیت کے تحت نماز کا قضا کر دینا بڑا ہی سخت گناہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے، ایک مسلمان کے لیے نماز سے زیادہ اہم مصروفیت کون سی ہو سکتی ہے،؟ جس کی وجہ سے وہ نماز کو چھوڑ دیتا ہے۔ بہر حال قضا شدہ نمازوں کو جب بھی موقع ملے ادا کر لینا چاہیے، بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ قضا شدہ کئی نمازیں ایک ساتھ بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۶۳۵-۶۳۶)

ایک وقت میں جتنی قضا چاہے، ادا کر سکتا ہے:

سوال: اگر کسی شخص کی چار یوم کی نماز قضا ہو جائے تو ایک وقت میں ادا کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

چار دن کی فوت شدہ نمازیں ایک دن میں قضا کر سکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/ ۳۴۱)

نمازِ قصر کی قضا قصر ہی ہوگی:

سوال: نماز قصر کی قضا قصر ادا کرنی چاہیے، یا پوری؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

نمازِ قصر کی قضا قصر ہی پڑھنی چاہیے۔(۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/ ۳۲۹)

ملازمت کی وجہ سے دن کی ساری نمازیں اکٹھے ادا کرنا:

سوال: ہمارے بعض دوست سارا دن ملازمت وغیرہ میں مصروف رہنے کی بنا پر رات کو گھر آ کر تمام نمازیں؛

---

(۱) ثم ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له إلا ثلاثة وقت طلوع الشمس ووقت الزوال ووقت الغروب فإنه لا تجوز الصلاة فی هٰذه الأوقات. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۸۶)

(۲) (والقضاء يحكی) أی يشابه (الأداء سفرًا وحضرًا)؛ لأنه بعد ما تقرر لايتغير. (الدر المختار)

(قوله: سفرًا وحضرًا): أی فلو فاتته صلاة السفر وقضاها فی الحضر يقضيها مقصورةً كما لو أدّاها. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلٰوة المسافر: ۱/ ۷۴۵، ظفير)

یعنی ظہر، عصر، مغرب وعشا کو اکٹھے جمع کر کے پڑھتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ ان دوستوں کی کیا نماز جائز ہوگی، یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو ان کے لیے نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اگر ایسے حضرات کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو ضرور ذکر کیجیے گا؟

الجواب

نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات پر ادا کرنا چاہیے، نمازوں کو قضا کرنا بڑا وبال ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۱۶/۳)

عشا کے قضا شدہ فرض ایک نماز کے ساتھ اور دوسری نماز کے ساتھ پڑھنا:

سوال: بیماری، یا کمزوری کی صورت میں اگر عشا کی قضا نماز کے فرض کسی بھی ادا نماز کے ساتھ پڑھی جائیں اور وتر بعد میں کسی بھی دوسری ادا نماز کے ساتھ پڑھے جائیں تو کیا نماز ہو جائے گی؟

الجواب

اللہ نہ کرے کہ آدمی کو ایسی معذوری، یا بیماری ہو کہ اسے نماز قضا کرنی پڑے۔ نماز ہر حال میں خواہ آدمی کیسا ہی معذور ہو، اپنے وقت پر ادا کرنی چاہئے، اور جو نماز قضا ہو جائے، اس کا کوئی وقت نہیں ہوتا، جب بھی موقع ملے، اسے ادا کر لیا جائے۔ (۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۴۵/۳-۶۴۶)

جس کی نمازیں قضا ہوں، وہ قضا ادا کرے، یا تہجد، کون بہتر ہے:

سوال: جس شخص کی نمازیں زیادہ قضا ہوئی ہوں، اس کو تہجد کے وقت، یا دیگر اوقات مناسبہ میں نماز تہجد، یا نوافل پڑھنی بہتر ہیں، یا قضائے عمری؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة". (۳)

---

(۱) ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوقاً﴾(سورة النساء: ۱۰۳)

والتأخير بلا عذر كبيرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة أو الحج فالقضاء مزيل لإثم الترك لا لإثم التأخير. (حاشية الطحطاوى تحت مراقى الفلاح، باب قضاء الفوائت: ص: ٤٤٠، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له الا ثلٰثة وقت طلوع الشمس ووقت الزوال ووقت الغروب فانه لا تجوز الصلاة فى هٰذه الأوقات. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱۲۱/۱، انيس)

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ٦٨٠/١، ظفير

یعنی فرض کا قضا کرنا فرض اور واجب کا قضا کرنا واجب اور سنت کا سنت ہے۔

حاصل یہ کہ قضاء عمری واقعی کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی اور تاخیر اچھی نہیں ہے، جہاں تک ہو سکے اور جب وقت ملے فرائض اور وتر کی قضا نماز ادا کی جاوے تو بہتر ہے۔(۱)

لیکن صلوٰۃ تہجد جس کی قرآن شریف اور احادیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے، چناں چہ صحیح مسلم میں ہے:

"أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل" .(۲)

یعنی صلوٰۃ فرائض کے بعد نماز تہجد کی افضل ہے۔ پس اس فضیلت کا اقتضا تو یہی ہے کہ اس کو ہرگز نہ چھوڑا جائے اور یہ فضیلت بغیر نوافل قضا نمازوں کے اس وقت پڑھنے سے حاصل نہیں۔

قال في الدرالمختار: "إن التهجد لايحصل إلا بالتطوع فلو نام بعد صلاة العشاء ثم قام فصلىٰ فوائت لايسمى تهجدًا". (۳)

یعنی تہجد نام ہے بعد صلاۃ عشاء آخر رات میں اٹھ کر نوافل پڑھنے کا۔ پس اگر کوئی شخص اس وقت بجائے نفل اپنی دن کی نماز قضا کو پڑھے تو اس کا نام تہجد نہ ہوگا۔ یعنی وہ ثواب جو نماز تہجد کا ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ پس ایسی صورت میں اگر زیادہ نہ ہو سکے تو کم از کم دو رکعت پڑھ لیا کریں اور یہ صلوٰۃ تہجد کا کمتر درجہ ہے۔

قال في رد المحتار: "وأقل التهجد ركعتان وأوسطه أربع وأكثره ثمان". (۴) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۱/۴-۳۰۲)

حیض کی ایک مخصوص صورت کی بنا پر نمازوں کی قضا کا مسئلہ:

سوال: ایک عورت کو حیض کا خون ڈھائی دن مسلسل آتا ہے، اس کے بعد معمولی سا آنے لگتا ہے، تین دن کے بعد بالکل بند ہو جاتا ہے، پھر چوتھے دن بالکل خون نظر نہیں آتا، پانچویں دن دوپہر کو تھوڑا سا آ کر بند ہو جاتا ہے۔ عورت نماز روزہ کس طرح ادا کرے؟

---

(۱) "وجميع أوقات العمروقت للقضاء إلاّ الثلثة المنهية". (الدر المختار)
"وهي الطلوع والاستواء والغروب". (الدر المختار مع رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۸۰/۱، ظفير)

(۲) مشکوٰۃ میں مسند احمد سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے:
"أفضل الصلا ة بعد المفروضة صلاة في جوف الليل". (رواه أحمد) (عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أفضل الصلاة بعد المفروضة صلاة في جوف الليل. (مشكوٰة، كتاب الصلاة، باب التحريض في قيام الليل، ص: ۱۱۰، قديمي) اور ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ کے لیے دیکھئے: رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۶۰/۲، ظفير)

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل: ۶۴۱/۲، ظفير

(۴) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل: ۲۵/۱، دارالفكر بيروت، انيس

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ پانچوں دن حیض شمار ہوں گے، ان کی نمازیں معاف ہیں اور روزوں کی قضا فرض ہے اور اگر اس کی ہمیشہ عادت ایسی ہی ہے، تب تو وقت موقوف میں اسے نہ نماز پڑھنی چاہیے، نہ روزہ رکھنا چاہیے اور اگر ہمیشہ عادت ایسی نہیں، پہلی بار ایسا ہوا ہے تو چوں کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ پاکی کے بعد پھر خون آئے گا؛ اس لیے اگر وہ غسل کر کے روزہ رکھے گی تو گناہ نہ ہوگا، البتہ یہ روزے معتبر نہ ہوں گے، ان کی قضا لازم ہوگی۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۶/۱۰/۷ ۱۳۹ھ۔ (فتویٰ نمبر: ۲۸/۱۰۶۱، ج) (فتاویٰ عثمانی: ۵۲۱/۱)

بس میں سفر کی وجہ سے مجبوراً قضا شدہ نمازوں کا کیا کریں:

سوال: مسئلہ بس میں نماز کی ادائیگی کا ہے، اکثر چکوال سے لاہور بذریعہ بس سفر کا اتفاق ہوتا ہے، یہ سفر تقریبا سات گھنٹے کا ہے؛ اس لیے دو تین نمازوں کے اوقات اس میں گزرتے ہیں، نماز کے لیے بس روکنے کا اہتمام بھی نہیں ہوتا اور کہیں تھوڑی دیر کے لیے بس رکے بھی تو اسٹاپ پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہوتی کہ نماز پڑھی جا سکے۔ مرد حضرات تو کہیں بھی مصلی بچھا کر نماز ادا کر سکتے ہیں؛ لیکن خاتون ہونے کی حیثیت سے میرے لیے یہ ممکن نہیں اور بس میں بھی ظاہر ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے بھی جگہ نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں مجھے نماز قضا ہونے پر بہت پریشانی ہوتی ہے، اگرچہ سفر ختم ہونے پر قضا نمازیں ادا کر لیتی ہوں، براہ کرم اطمینان قلب کے لیے اس مسئلے کا حل تجویز فرمائیں؟

الجواب

سفر میں نماز کی صورت تو یہی ہو سکتی ہے کہ بس والوں سے پہلے طے کر لیا جائے کہ وہ اہتمام سے نمازیں پڑھا دیں، اگر ان لوگوں کو مجبور کیا جائے تو اکثر وہ مان بھی جاتے ہیں۔ بہر حال ان پر زور دیا جائے، اب اگر وہ نمازیں پڑھا دیں تو ٹھیک، ورنہ قضا کئے بغیر چارہ نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۴۹/۳-۶۵۰)

کیا سفر کی مجبوری کی وجہ سے روزانہ نماز قضا کی جا سکتی ہے:

سوال: میں اسٹیل مل (جو کہ پپری میں واقع ہے) میں ملازمت کرتا ہوں، مجھے اسٹیل مل لے جانے اور واپس گھر پہنچانے کے لیے مل کی طرف سے گاڑی کا انتظام موجود ہے، اسٹیل مل کے کام کے اوقات کچھ اس طرح سے ہیں کہ چھٹی کے بعد اگر میں گاڑی کے ذریعہ سیدھا گھر آتا ہوں تو کبھی عصر کی، کبھی مغرب کی اور کبھی عصر اور مغرب دونوں کی نمازوں کا وقت نکل جاتا ہے، مجبوراً مجھے راستے میں اتر کر نماز پڑھنی پڑتی ہے، کیا میرے لیے شرعاً جائز ہے کہ میں ان نمازوں کی قضا روزانہ عشا کی نماز کے ساتھ پڑھ لیا کروں؟

(۱) ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتبا موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز کا قضا کرنا جائز نہیں،(۱) آپ حضرات کو انتظامیہ سے درخواست کرنی چاہیے کہ آپ کے سفر میں نماز کا انتظام ہو؛ کیوں کہ یہ مسئلہ تمام ملازمین کا ہے، ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ آپ مثل اول ختم ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھ کر بس پر سوار ہوا کریں اور مغرب کی نماز آخری وقت میں گھر آ کر پڑھ لیا کریں، مغرب کا وقت عشا کا وقت داخل ہونے تک رہتا ہے، عشا کا وقت داخل ہونے سے پہلے مغرب پڑھ لی جائے تو قضا نہیں ہوگی۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۲۵)

شکار کی وجہ سے نماز قضا کرنا:

سوال: شکار میں اکثر نماز قضا کرنا اور تنگ وقت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

حرام ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۲/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۸۷)

---

(۱) والتأخير بلاعذر كبيرة لاتزول بالقضاء بل بالتوبة أو الحج فالقضاء مزيل لإثم الترك لالإثم التأخير. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، باب قضاء الفوائت، ص: ٤٤٠، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) فعندهما إذا صارظل كل شئ مثله خرج وقت الظهرودخل وقت العصروهورواية محمد عن أبى حنيفة، وإن لم يذكره فى الكتاب نصا فى خروج وقت الظهر. (المبسوط، باب مواقيت الصلاة: ٢٩٠/١، طبع: المكتبة الغفارية كوئٹه)

...وقول الطحاوى وبقولهما نأخذ يدل على أنه المذهب. (حاشية الطحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، بحث أوقات الصلٰوة، ص: ١٧٦، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(و) أول وقت (المغرب منه) أى من غروب الشمس (إلٰى) قبيل غروب الشفق (الأحمرعلى المفتى به) وهو رواية عن الإمام وعليها الفتوىٰ. (مراقى الفلاح علٰى هامش الطحطاوى، كتاب الصلاة فى بحث أوقات الصلاة، ص: ١٧٧، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(ولايجمع بين فرضين فى وقت) ... (بعذر) كسفرومطروحمل المروى فى الجمع على تأخيرالأولىٰ إلى قبيل آخروقتها وعند فراغة دخل وقت الثانية فصلاها فيه، الخ. (مراقى الفلاح علٰى هامش الطحطاوى، كتاب الصلاة، فى بحث أوقات الصلاة، ص: ١٧٩، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۳) قال القاسم بن محمد: كل ماألهى عن ذكرالله، وعن الصلاة، فهو من الميسر". (تفسير ابن كثير: ٩١/٢، مكتبة سهيل اكادمى لاهور/ وكذا فى فتح القدير، مسائل متفرقة: ٦٥/١٠، بيروت)

عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالٰى عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم، وقال مرة سفيان: ولا أعلمه إلاعن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "من سكن البادية جفا، ومن اتبع الصيد غفل، ومن أتى السلطان افتتن". (سنن أبى داؤد، كتاب الضحايا، باب فى اتباع الصيد: ٣٩/٢، سعيد)

تھکاوٹ، یا نیند کے غلبے کی وجہ سے نماز قضا کرنا:

سوال: کوئی شخص تھکاوٹ، یا نیند کے غلبے سے نماز قضا کر کے پڑھتا ہے، کیا یہ دونوں چیزیں عذر میں شامل ہوں گی، یا بندہ گناہگار ہوگا؟

الجواب

اگر کبھی اتفاقاً آنکھ لگ گئی، سو یارہ گیا اور آنکھ نہیں کھلی، تب تو گنہگار نہیں اور اگر سستی اور تساہل کی وجہ سے نماز قضا کر دیتا ہے، یا نماز کے وقت سوتے رہنے کا معمول بنالیتا ہے تو گناہگار ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۲۶/۳)

مہمانوں کے احترام میں نماز قضا کرنا:

سوال: میں ایک استاد ہوں، الحمد للہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں، یوں تو ہمارے کالج میں کچھ اساتذہ ایسے بھی ہیں، جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور بعض سرے سے پڑھتے ہی نہیں؛ لیکن جو پابندی سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں، ان میں سے ایک پروفیسر کے پاس چند طالبات تشریف لائیں تو وہ ان کے احترام میں اس قدر محو رہے کہ مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، ہم نماز کے لیے اٹھنے لگے تو ہم نے اپنے ساتھی سے کہا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے، چلیے نماز پڑھ آئیں تو انہوں نے فرمایا کہ مہمانوں کے احترام میں نماز قضا کی جا سکتی ہے اور واقعی ہمارے اس ساتھی نے طالبات کے احترام میں نماز قضا کر دی، جب کہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے آج تک باجماعت نماز قضا نہیں کی، کیا مہمانوں کے احترام میں نماز قضا کرنا صحیح ہے؟

الجواب

نماز کو عین میدان جنگ میں بھی جب دونوں افواج بالمقابل کھڑی ہوں، قضا کرنا صحیح نہیں، ورنہ ''نماز خوف'' کا حکم نازل نہ ہوتا، مہمانوں کے احترام میں نماز قضا کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۲۵/۳-۶۲۶)

---

(۱) والتأخير بلاعذر كبيرة.(حاشية الطحطاوى على المراقى،باب قضاء الفوائت: ٤٤٠،دار الكتب العلمية،انيس)
من نام عن صلاة أونسيها فليصلها إذا ذكرها.(بدائع الصنائع: ١/١٣١/وكذا فى الفتح: ١/٣٤٧)

(۲) لاخلاف أن صلاة الخوف كانت مشروعة فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم أمابعده فعلىٰ قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ بقيت مشروعة هوالصحيح، هٰكذا فى الزاد،الخ.(الفتاوىٰ الهندية: ١/١٥٤،الباب العشرون فى صلاة الخوف،كتاب الصلاة)

تفصیل کے لیے دیکھئے: أبوداؤد (عن أبى عياش الزرقى قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعسفان وعلى المشركين خالد بن الوليد فصلينا الظهر فقال المشركون لقد أصبنا غرةً لقد أصبنا غفلةً لو كنا حملنا عليهم وهم فى الصلاة فنزلت آية القصر بين الظهر والعصر،فلماحضرت العصر قام رسول الله صلى الله عليه وسلم ==

گیس کی بیماری کی وجہ سے نماز چھوڑنے والا کس طرح نماز قضا کرے:

سوال: ایک شخص اپنی زندگی میں نماز شروع کرنے کے بعد دانستہ طور پر، یا مجبورا مثلاً گیس وغیرہ خارج ہونے کی وجہ سے بہت سی نمازیں قضا کر لیتا ہے، بعض نمازیں جن کا اسے حساب نہیں؛ یعنی بالکل ترک نہیں کرتا، دن میں دو تین نمازیں پڑھ لیتا ہے، اسے کس طرح قضا نماز پڑھنی چاہیے؟

الجواب

یہ تو وہی شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کی کتنی نمازیں رہ گئی ہوں گی؟ ان کا حساب کر کے قضا کرنا شروع کردے اور جب اتنی نمازیں پوری ہوجائیں تو قضا پڑھنا بند کردے اور ہر نماز کی قضا کرتے وقت یہ نیت کرلیا کرے کہ اس وقت کی (مثلاً: فجر کی) جتنی نمازیں میرے ذمے ہیں، ان میں سے سب سے پہلی نماز ادا کرتا ہوں۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۶۲۰)

ناپاک پانی سے ادا کی گئی نمازوں کی قضا:

سوال: کنوئیں میں سے کوئی جانور پھولا پھٹا نکلے تو سارا پانی نکالا جاوے اور تین دن تین رات کی نمازوں کا اعادہ کیا جائے تو ان نمازوں کا اعادہ کرتے وقت نیت کس طرح کی جاوے، آیا قضا کے لفظ کے ساتھ، یا خود اعادہ کا لفظ نیت کرنے میں کہے؟ (المستفتی: مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور)

الجواب

تین دن کی نمازوں کے اعادہ کا حکم مفتیٰ بہ نہیں ہے، جس وقت مردہ جانور نکلے اسی وقت سے کنواں ناپاک قرار دیا

== مستقبل القبلة والمشركون أمامه فصف خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم صفٌ وصف بعد ذلك الصف صف آخر فركع رسول الله صلى الله عليه وسلم وركعوا جميعاً ثم سجد وسجد الصف الثانى الذى يلزمه وقام الآخرون يحرسونهم فلما صلى هؤلاء السجدتين وقاموا سجد الآخرون الذين كانوا خلفهم ثم تأخر الصف الذى يليه الٰى مقام الآخرين وتقدم الصف الأخير الٰى مقام الصف الأول ثم ركع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وركعوا جميعاً ثم سجد وسجد الصف الذى يليه وقام الآخرون يحرسونهم فلما جلس رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والصف الذى يليه سجد الآخرون ثم جلسوا فسلم عليهم جميعاً فصلاها بعسفان وصلاها يوم بنى سُليم. (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب صلاة الخوف: ۱/۱۸۱، مكتبة حقانية ملتان، انيس)

(۱) إذا كثرت الفوائت نوىٰ أول ظهر عليه أو آخره...الخ. (رد المحتار: ۲/۷٦)

وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة) يقضيها ... (فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه. (مراقى الفلاح علٰى هامش الطحطاوى، باب قضاء الفوائت، ص: ٤٤٦، دار الكتب العمية بيروت، انيس)

من لا يدرى كمية الفوائت يعمل بأكبر رأيه فإن لم يكن له رأى يقض حتٰى يتيقن أنه لم يبق عليه شئ. (حاشية طحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ٤٤٧، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

جائے گا،(۱) اوراعادہ کی نیت میں لفظ اعادہ کہنا لازم نہیں ہے، قضا کی نیت کافی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی جلد:۳۸۶/۳)

قصر پڑھتا رہا، مگر معلوم ہوا کہ وہ مسافر نہ تھا تو کیا کرے:

سوال: کسی شخص نے عرصہ دو، یا تین ماہ کا ہوا، اس خیال سے کہ وہ مسافر ہے، نماز قصر پڑھی، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ دراصل مسافر نہ تھا تو کیا اب اسے ان نمازوں کی قضا کرنی ضروری ہے، اگر ہے تو کس طریقہ سے؟

الجواب

اُن نمازوں کو قضا کرنا ضروری ہے اور طریقہ قضا کا معروف ہے، مثلاً: جتنے دنوں کی نماز قصر پڑھی، ان کو شمار کر کے وہ سب نمازیں مع وتر کے قضا کریں،(۲) اور سنتوں کی قضا نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۳۳/۴)

کون سی نمازیں قضا کرنی ہوں گی:

سوال: جس شخص نے کئی سال نمازیں نہ پڑھی ہوں، وہ کون کون سی نمازیں قضا کرے گا؟

الجواب

قضا صرف فرائض ووتر کی ہوگی، سنن مؤکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں، جن کی قضا نہیں،(۳) إلاّ أن یشاء الإنسان بنفسه.

(مکتوبات:۲۹۱/۱) (فتاوی شیخ الاسلام،ص:۵۰)

---

(۱) ویحكم بنجاستها) مغلظة (من وقت الوقوع ان علم،والا فمذ يوم وليلة ان لم ينتفخ ولم يتفسخ) وهٰذا(في حق الوضوء) ... (مذ ثلاثة أيام) بلياليها (ان انتفخ ونفسخ) استحسانا .وقالا:من وقت العلم فلا يلزمهم شيءٌ قبله، قيل: وبه يفتىٰ.(الدر المختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الطهارة،فصل في البئر: ۲۱۹/۱،ط:سعيد)

(۲) صرف ان رباعی نمازوں کی قضا واجب ہے، جو قصر پڑھی گئی ہیں، فجر مغرب اور وتر کی قضا واجب نہیں ہے۔

ضمیمہ: اس سوال کے جواب میں وتر کی قضا کا جو حکم دیا گیا ہے، اس میں تسامح ہے۔

عالمگیری میں ہے:" ولا يقدم الوتر على العشاء لوجوب الترتيب،لا لأن الوقت لم يدخل حتى لوصلى الوتر قبل العشاء ناسياً أوصلاهما فظهرفساد العشاء دون الوتر فإنه يصح الوتر،ويعيد العشاء وحدها عند أبي حنيفة لأن الترتيب يسقط بمثل هذا العذر .(الفتاوىٰ الهندية،الباب الأول في المواقيت،الفصل الأول في أوقات الصلاة: ۵۱/۱)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ جب قصر پڑھنے کی وجہ سے عشا کا فساد بعد میں ظاہر ہوا تو صرف عشا کی قضا واجب ہوگی، وتر کی قضا واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم (ضمیمہ،ص:۱۰) (امین)

(۳) أما بيان أن السنة اذا فاتت عن وقتها بل تقضى ام لا فنقول وباللّٰه التوفيق لاخلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوى ركعتي الفجر أنها اذا فاتت عن وقتها لا تقضى سواء فاتت وحدها أومع الفريضة.(بدائع الصنائع،فصل وأما بيان أن السنة اذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟: ۲۸۷/۱،دار الكتب العلمية بيروت)

مثانے کے آپریشن کی وجہ سے نمازیں قضا کردیں تو کیا صرف فرض اور وتر پڑھیں:

سوال: میرے مثانے کا آپریشن ہوا ہے، اسپتال میں تمام دن پیشاب آتا رہتا ہے، نماز نہیں پڑھ سکتا، گھر آ کر قضا نمازیں پوری آٹھ یوم کی پڑھی تھیں، کسی نے کہا: صرف فرض اور وتروں کی قضا ہے، کیا مجھے فرض اور وتروں کی بھی قضا ادا کرنی چاہیے، یا مکمل نمازیں پڑھنی ہوں گی؟

الجواب

صرف فرض اور وتر کی قضا ہے،(۱) چاہیے یہ تھا کہ آپ اسی حالت میں نماز پڑھتے رہتے؛ کیوں کہ آپ معذور تھے۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۴۵)

وتر اور فجر کی سنت کی قضا:

سوال: اگر فجر اور عشا کی نماز قضا ہوجائے تو کیا فجر کی سنتیں اور عشا کی وتر کی بھی قضا کی جائے گی؟
(مقصود یمانی، اکبر باغ)

الجواب

(الف) وتر کی نماز تو واجب ہے؛ اس لیے جس طرح فرض کی قضا واجب ہے، وتر کی قضا بھی واجب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ چاہے وتر سہواً چھوٹ گئی ہو، یا قصداً اور قریبی زمانہ میں چھوٹی ہو، یا زیادہ عرصہ گذر چکا ہو، بہر صورت قضا واجب ہوگی۔

"یجب القضاء بترکه ناسیًا أو عامدًا، وإن طالت المدة". (۲)

(ب) سنت اور نفل کی یوں تو قضا نہیں، قضا تو فرائض وواجبات کی ہے، چناں چہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"أن الأداء یشمل الواجب والمندوب والقضاء یختص بالواجب". (۳)

لیکن فجر سے پہلے کی دوگانہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد یہ دو رکعتیں ادا کرلے، چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) وقد قالوا: إنما تقضی الصلوات الخمس والوتر، الخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة: ۲/۸۶، باب قضاء الفوائت)

(۲) الفتاوٰی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثامن فی صلوٰة الوتر: ۱/۱۱۱

(۳) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۳، دار الفکر بیروت

''جس نے فجر کی دو رکعت (سنت) ادا نہیں کی، اسے چاہیے کہ طلوع آفتاب کے بعد ان رکعتوں کو پڑھ لے''۔(۱)
مشہور محقق اور حنفی عالم مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی لکھا ہے کہ ان رکعتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لینا چاہیے؛(۲) اس لیے سنت فجر کی قضا کر لینا بہتر ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۲۴-۴۲۵) ☆

گرفرض دوبارہ پڑھے جائیں تو بعد کی سنتیں بھی دوبارہ پڑھی جائیں:

سوال: اگر امام سے جماعت کے دوران غلطی ہو جائے، اس غلطی کا احساس اس وقت ہو، جب فرض نماز کے بعد کی سنتیں اور نفلیں بھی پڑھی جا چکی ہیں تو دوبارہ فرض پڑھانے کے، بعد کی سنتیں بھی دوبارہ پڑھنا پڑیں گے، یا نہیں؟

الجواب

بعد کی سنتیں فرض کے تابع ہیں، اگر سنتیں پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ فرض نماز صحیح نہیں ہوئی تو فرض کے ساتھ سنتیں بھی دوبارہ پڑھی جائیں،(۳) البتہ وتر دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۲۶)

---

(۱) عن أبی هريره رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من لم يصل ركعتی الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذی، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس: ۹۶/۱، قديمی، رقم الحديث: ۴۲۳)

(۲) معارف السنن:۴/۱۰۰-۹۹

☆ فرض کے ساتھ سنتوں کی قضا:

سوال: نماز اگر قضا ہو جائے تو کیا فرض وواجب کی طرح سنتوں کی بھی قضا کی جائے؟

الجواب

قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوگی، سنن موکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں، جس کی قضا نہیں؛ إلاّ أن يشاء الإنسان بنفسه۔(نوٹ: تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنن مؤکدہ تنہا رہ گئی ہیں تو ان کی قضا نہیں ہے اور اگر مع فرائض ترک ہوئی ہیں تو صرف سنت فجر کی زوال سے پہلے فرائض کے ساتھ قضا کی جائے، بقیہ کسی صورت میں قضا نہیں ہے۔

لاخلاف فی سائر السنن غير سنة الفجر أنها لا تقضى بعد الوقت ان فاتت وحدها واختلف فيما اذا فات مع الفرض فالأصح أنها لا تقضى أيضاً، الخ. (الحلبی الكبيری، فصل فی النوافل، ص:۳۹۸، انيس)

وفی الدر المختار: ولا يقضيها (ای سنة الفجر) الاّ بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال، جميل الرحمٰن)
(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب إدراک الفريضة: ۵۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس) (فتاوی شیخ الاسلام، ص:۵۰)

(۳) فلا تجوز قبل العشاء؛ لأنها تبع للعشاء فلا تجوز قبلها كسنة العشاء، الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل وأما قدرها فعشرون ركعة: ۲۸۸/۱)

(۴) من صلى العشاء علٰى غير وضوء وهو لا يعلم ثم توضأ فأوتر ثم تذكر أعاد صلوٰة العشاء بالإتفاق ولا يعيد الوتر، الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۲۷۲/۱، فصل وأما بيان وقته، طبع ايچ ايم سعيد)

کن سنتوں کی قضا کی جاتی ہے:

سوال: میرے بڑے بھائی ظہر ومغرب وغیرہ کی سنتوں کی قضا پڑھتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ آیا سنتوں کی قضا ہوتی ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو وہ کون سی نماز کی سنتیں ہیں، جس کی بڑی اہمیت آئی ہے، حدیث وغیرہ میں؟

الجواب

قضا صرف فرضوں اور وتروں کی ہوتی ہے،(۱) سنتوں کی قضا نہیں ہوتی،(۲) البتہ اگر فجر کی نماز قضا ہو جائے اور اس کو دو پہر سے پہلے پہلے پڑھ لے تو فرض کے ساتھ سنت کی بھی قضا کی جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۴۶)

اگر صرف عشا کے قضا شدہ فرض ادا کئے تو وتروں کا کیا کریں:

سوال: کچھ عرصہ پہلے میں نے آپ کے صفحے میں پڑھا تھا کہ قضا صرف فرض کی کی جاتی ہے تو اسی لیے میں نے عشا کی نماز میں بھی صرف فرض کی قضا پڑھی؛ لیکن کچھ روز پہلے آپ نے لکھا کہ وتر کی قضا بھی کی جاتی ہے تو اب تک میں نے جو عشا کی نمازیں قضا کی ہیں، ان کو دہراؤں، یا صرف وتر کی قضا ادا کروں؟

الجواب

وتر کی قضا بھی ضروری ہے، جن نمازوں کے وتر آپ نے نہیں پڑھے، ان کے وتروں کو پڑھ لیجئے، پوری نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۴۸-۲۴۹)

وتر اور نفل تہجد کے وقت کے لیے چھوڑ دیئے اور پھر نہ پڑھے تو:

سوال: اگر عشا کے تین وتر نماز تہجد کے لیے رکھے جائیں اور آنکھ کھلنے کے باوجود نیند کی وجہ سے نہ پڑھے تو پھر کیا بعد میں تین وتر ہی قضا کئے جائیں، یا پوری نماز؟

الجواب

تین وتر واجب ہے اور اگر کچھ نفل بھی ساتھ پڑھ لے تو اچھا ہے۔ (۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۴۶)

(۱) وقد قالوا إنما تقضی الصلوات الخمس والوتر. (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۱/۱۴۱، دار الکتب العلمیة، انیس)

(۲) والسنن إذا فاتت عن وقتها لم یقضها إلا رکعتی الفجر إذا فاتتا مع الفرض یقضیهما بعد طلوع الشمس إلیٰ وقت الزوال ثم یسقط (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۱۲، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل)

(۳) أن الوتر واجب عند أبی حنیفة ... لما کان واجباً عند أبی حنیفة أصلا بنفسهٖ فی حق الوقت لا تبعا للعشاء، الخ. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل وأما بیان وقته: ۱/۲۷۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

والقضاء فرض فی الفرض وواجب فی الواجب وسنة فی السنة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الحادی عشر: ۱/۱۲۱)

(۴) وقد قالوا إنما تقضی الصلوات الخمس و الوتر. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۸۶)

کیا وتر واجب کی قضا کے لیے سجدۂ سہو کافی ہے:

سوال: وتر واجب کی قضا کی صورت میں صرف سجدۂ سہو کرنا ہوگا، یا تین رکعتیں پوری ادا کرنی ہوں گی؟

الجواب

پوری تین رکعتیں قضا کی جائیں گی۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۶۴۸)

عیدین، وتر اور جمعہ کی قضا:

سوال: عشا کی وتریں اگر رہ جائیں، یا قضا ہو جائیں تو بعد میں قضا پڑھی جاسکتی ہیں، یا نہیں؟ اگر قضا نہیں پڑھی جاسکتی ہیں تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ اگر جمعہ کی نماز نکل جائے تو اس کی بھی قضا ادا کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ میری کوئی تین چار مرتبہ جمعہ کی نماز نکل گئی تو میں نے بعد میں ان کی قضا پڑھی اور عید کی نماز بھی قضا ادا کی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ ویسے عید کی نماز تو کبھی نہیں نکلی؛ لیکن شاید بہت سے لوگ نہیں پڑھتے ہیں تو وہ لوگ عیدین کی نمازیں قضا پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب

وتر رہ جائیں تو اس کی قضا ہے۔(۲) جمعہ کی قضا نہیں؛(۳) اس لیے اگر جمعہ کی نماز نہ ملے تو اس کی جگہ ظہر کی نماز پڑھی جائے،(۴) اور عیدین کی نماز کی قضا نہیں، نہ اس کا کوئی بدل ہے۔(۵) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۶۴۵)

---

(۱) وعن الحسن البصری أنه قال: أجمع المسلمون علی أن الوترحق واجب و کذا حکی الطحطاوی فیه اجماع السلف ومثلهما لا یکذب ولأنه إذا فات عن وقته یقضی عندهما ...وذا من أمارات الوجوب والفرضیة ولأنها مقدرة بالثلاث(بدائع الصنائع،فصل وأما الصلاة الواجبة فنوعان: صلاة الوتروصلاة العیدین: ۱/۲۷۱)

(۲) الوتر واجب عند أبی حنیفة ... ولما کان واجبا عند أبی حنیفة کان أصلاً بنفسه فی حق الوقت لا تبعا للعشاء، الخ.(بدائع الصنائع،کتاب الصلاة: ۱/۲۷۲،فصل فی بیان وقته)

(۳) وقضاء الجمعة فی غیر وقتها لایجوز.(البحرالرائق،کتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۶،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۴) (وحرم لمن لا عذرله صلاة الظهرقبلها) أما بعدها فلا یکره.(الدر المختار)

وفی ردالمحتار:قوله فلا یکره بل هوفرض علیه لفوات الجمعة.(الدرالمختار مع رد المحتار،کتاب الصلاة، باب الجمعة:۲/۱۵۵)

(۵) وأما بیان وقت أدائها ... فإن ترکها فی الیوم الأول فی عید الفطر بغیر عذرحتیٰ زالت الشمس سقطت أصلاً سواء ترکها لعذر أولغیر عذر وأما فی عید الأضحی فإن ترکها فی الیوم الأول لعذرأولغیرعذرصلیٰ فی الیوم الثانی فإن لم یفعل ففی الیوم الثالث،الخ.(بدائع الصنائع : ۱/۲۷۶،فصل فی بیان وقت أدائها)

فوائت ادا کرنا ضروری ہیں؛ مگر نوافل چھوڑنے کی ضرورت نہیں:

سوال: اگر کسی شخص کی دس سال کی نماز چھوٹ گئی، اب اس نے توبہ کر لی ہے اور پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے اور فرائض وسنن کے علاوہ وتر، تہجد بھی ادا کرتا ہے، کیا اسی طرح سنن اور وتر وتہجد پڑھتا رہے، یا ان کو چھوڑ کر اس وقت کی گزشتہ دس سال کی فوت شدہ نمازوں کے پڑھنے میں صرف کرنا چاہیے؟

الجواب

جو کچھ کرتا ہے، یہ بھی کرتا رہے اور فارغ وقت میں فوائت کی قضا کرے، مثلاً: روزانہ چند نمازوں کی قضا کا اہتمام کرے اور اگر وقت نہ ہو تو پھر سنن اور تہجد سے مقدم فوائت کا قضا کرنا ہے۔ اس وقت کو بھی اس میں صرف کرے؛(۱) لیکن وتر کو ترک نہ کرے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۳۹/۴)

قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے سنن مؤکدہ نہ چھوڑے:

سوال: ایک شخص کی اکثر نمازیں قضا ہو گئیں، اب اگر وہ ادا کرنا چاہے تو سنتوں میں فرض فوت شدہ کی نیت کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

فوت شدہ نمازوں کو علاحدہ بہ نیت قضا ادا کرے، سنن مؤکدہ میں نیت نہ کرے،(۲) البتہ اگر نوافل کو چھوڑ کر فوت شدہ نمازوں کو قضا کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔(۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۴۱/۴)

فوائت کثیرہ کی ادائیگی کے لیے تراویح چھوڑنا درست نہیں:

سوال: فی زمانہ بسوئے انحطاط ایسے لوگوں کی تعداد بکثرت ملتی ہے، جن کے ذمہ نمازہائے فریضہ فائتہ کی تعداد

---

(۱) أی کل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فیه یلزمه قضاؤها، سواء ترک عمدًا أو سهوًا أو بسبب نوم وسواء کانت الفوائت کثیرة أو قلیلة. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۲۱/۱، ظفیر)

(۲) وسن مؤکدًا أربع قبل الظهر، الخ. (الدر المختار)

وفی الرد: (مؤکدًا) أی استنانا مؤکدًا بمعنی أنه طلب طلباً مؤکدًا زیادة علیٰ بقیة النوافل و لهذا کانت السنة المؤکدة قریبة من الواجب فی لحوق الإثم، کما فی البحر، و یستوجب تارکها التضلیل واللوم. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مطلب فی السنن والنوافل: ۶۳۰/۱، ظفیر)

(۳) أما المستحب والمندوب، فینبغی أن لایکره ترکه أصلاً. (ردالمحتار، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی بیان السنة والمستحب، الخ: ۶۱۱/۱، ظفیر)

بہت زیادہ واجب الادا ہے اوران کے ادا کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو کیا بماہِ رمضان بجائے تراویح کے فائتہ نمازوں کو بمعہ جماعت پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے۔تراویح کو جداگانہ اسی اہتمام ونظم سے بجماعت تراویح ادا کرنا چاہیے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تعریف فرمائی ہے اور خود بھی عمل فرما کر اسوۂ حسنہ جاری فرمادیا۔پس اس طریق وفعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وطریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی کیفیت اور اسی نیت کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے اور شریعت غراء میں اس قسم کے تغیرات کو خیال میں نہ لانا چاہیے کہ یہ نہایت قبیح امر ہے اور مصادم سنت ہے اور احداث فی الدین ہے، جس کے بارے میں وعید ''من أحدث فی أمرنا هٰذا مالیس منه فهورد ''(۱) کافی ہے۔(أعاذنا اللّٰه تعالٰی من مثل هذه الوساوس الشیطانیة والهواجس النفسانیة) جس کے ذمہ قضا فرائض ہے، وہ خود اس کا ذمہ دار ہے اور اگر اس کو خوف خدا تعالیٰ ہے اور شریعت غراء کا تابع ہے تو وہ خود فوائت کو وقتاً فوقتاً ادا کرے گا۔باقی یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے فوائت کی رعایت کی وجہ سے تراویح جیسی سنت مؤکدہ اور شعار رمضان المبارک کو متغیر کردیا جاوے اور گویا ایک امر مشروع کو جس کو احادیث کثیرہ میں مستقل طور سے نہایت اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے اور اس کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، متروک ومبدل کردیا جاوے۔اس قسم کا خیال بھی اہل اسلام سے مستبعد معلوم ہوتا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۷/۴)

بہت دنوں کی نمازیں قضا ہیں، اگر سنت کی جگہ فرض کی قضا کرے تو یہ کیسا ہے:

سوال: ایک شخص کی بہت برسوں کی نمازیں قضا ہیں، اب اگر وہ بجائے سنن کے قضا نمازیں ادا کرے تو کیا حکم ہے، قضا نماز افضل ہے، یا سنن وقتیہ؟

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد.(صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علٰی صلح جور، الخ: ۳۷۱/۱، قدیمی/سنن أبی داؤد، باب فی لزوم السنة، رقم الحدیث: ۴۶۰۸، انیس)

(۲) عن عبد الرحمٰن بن عوف قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اللّٰه تبارک وتعالٰی فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامه فمن صامه وقامه ایمانا و احتسابا خرج من ذنوبه کیوم ولدته أمه. أخرجه النسائی بسند صحیح.(اعلاء السنن، باب التراویح: ۶۶/۷-۶۷، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، پاکستان، انیس)

(التراویح سنة) مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین (للرجال والنساء) جمیعاً.(الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۶۵۹/۱، ظفیر)

الجواب

وقتیہ سنن مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہیے اور فوائت کو اوقات فارغہ میں ادا کرنا چاہیے اور یہ ظاہر ہے کہ ادائے فوائت اہم ہے؛ لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سنن مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو یہ بہتر ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم:۴/۳۴۴،۳۴۵)

نوافل کے بجائے قضا پڑھنے کی اہمیت:

سوال: نوافل پڑھنا بہتر ہے، یا قضا نمازیں؟

الجواب

فی ردالمحتار عن المضمرات: الاشتغال بقضاء الفوائت أولٰی وأهم من النوافل الا سنن المفروضة وصلاة الضحٰی وصلاة التسبیح والصلاة التی رویت فیها الأخبار، آه، أی کتحیة المسجد والأربع قبل العصر والست بعد المغرب. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قضا نمازیں پڑھنا نفل سے بہتر ہیں بجز سنن مؤکدہ اوران نوافل کے، جن کا ذکر اوپر کی عبارت میں ہے۔ فقط

۱۴/محرم ۱۳۳۵ھ (امداد:۱/۸۳) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۶۶)

نوافل وسنن مؤکدہ کی جگہ قضا نماز پڑھنا:

سوال: آپ نے مورخہ ۱۷/فروری کے کالم میں ایک صاحب کے مسئلے کے جواب میں کہا تھا کہ نماز میں نوافل اور غیر مؤکدہ سنتیں اگر نہ پڑھی جائیں تو کوئی گناہ نہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان نوافل اور سنتوں کی بجائے اتنی ہی رکعتیں قضائے عمری کی نیت سے پڑھی جاسکتی ہیں، یانہیں؟ مثلا: نماز عصر میں چار رکعت غیر مؤکدہ سنتیں ہیں تو ۴/رکعت سنتوں کی بجائے ۴/رکعت نماز فرض قضائے عمری کی نیت سے پڑھی جاسکتی ہیں؟ اور ایسا کرنے سے کیا چار رکعت غیر مؤکدہ سنتوں کا ثواب بھی ملے گا؟

الجواب

غیر مؤکدہ سنتوں کی جگہ قضا نمازیں پڑھ سکتے ہیں، ثواب زیادہ ملے گا۔ (۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۶۴۹)

(۱) **رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی بطلان الوصیة بالختمات والتهالیل: ۱/۷۴، دار الفکر بیروت، انیس**

(۲) **والاشتغال بالفوائت اولیٰ وأهم من النوافل، الخ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، قبیل الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲۵)**

نوافل کے بجائے فرائض کی قضا:

سوال: بعد نماز ظہر دو رکعت سنت ادا کرنے کے بعد کیا ہم نفل چھوڑ کر فجر، یا کسی فرض کی قضا کر سکتے ہیں؟

(م، م، معظم، مشیر آباد)

الجواب ______________

سنت مؤکدہ کے ادا کرنے کا تو اہتمام کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ رسول اللہ نے ان کو بہ اہتمام ادا فرمایا ہے، البتہ سنن مؤکدہ کے علاوہ جو غیر مؤکدہ سنن اور نوافل ہیں، ان کے مقابلہ فوت شدہ فرائض کو ادا کر لینا زیادہ بہتر ہے؛ کیوں کہ فرائض نوافل پر مقدم ہیں۔(۱) گو بعض فقہا نے چاشت کی نماز، صلوٰۃ التسبیح، تحیۃ المسجد، صلوٰۃ الاوابین اور عصر سے پہلے چار رکعت کو بھی سنن مؤکدہ ہی کے حکم میں رکھا ہے؛(۲) لیکن ظاہر ہے کہ ان کی اہمیت بہ مقابلہ فرائض اور ان سے متعلق سنن راتبہ کے کم ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۲۰)

ظہر، مغرب، عشا کے نوافل کی جگہ قضا نمازیں پڑھنا:

سوال: میں اکثر یہ کرتا ہوں کہ ظہر، مغرب اور عشا کی نفل نماز کے بجائے پچھلی قضا نمازیں پڑھتا ہوں، کیا میرا یہ عمل درست ہے؟

الجواب ______________

نوافل کے بجائے قضا نمازوں کی ادائیگی کا عمل درست اور بہتر ہے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۴۷)

قضا نمازیں پنج وقتہ نمازوں سے قبل و بعد پڑھنا:

سوال: میری بہت سی نمازیں فرض اور وتر قضا ہو گئی ہیں (تعداد معلوم نہیں)، میں روزانہ پانچوں وقت کی نمازوں

---

(۱) الاشتغال بالفوائت أولٰی وأهم من النوافل إلا السنن المعروفة.(الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۵)

(۲) (ويستحب أربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسليمة) ... وهل تحسب المؤكدة من المستحب ويؤدى الكل بتسليمة واحدة؟ اختار الكمال نعم.

وفي الرد: (قوله يستحب أربع قبل العصر) لم يعجل للعصر سنة راتبة.(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۴، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) وفي الحجة والإشتغال بالفوائت اولیٰ وأهم من النوافل إلا السنن المعروفة، الخ.(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، انيس)

سے قبل اور بعد میں بھی اپنی قضا نمازیں ادا کررہا ہوں، مثلا: عصر کی اذان کے بعد مسجد میں جا کر پہلے ۴/رکعت نماز فرض عصر قضا پڑھتا ہوں، بعد میں امام کے ساتھ نماز عصر ادا کرتا ہوں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ رہنمائی فرمائیے۔

الجواب

درست ہے؛ مگر لوگوں کو پتا نہیں چلنا چاہیے کہ قضا نمازیں پڑھ رہا ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۲۹/۳)

ظہر کی نماز کی سنتوں میں قضا نماز کی نیت کرنا:

سوال: آپ نماز کی عمر قضا کے بارے میں تحریر فرمادیں؛ کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ جب ہم ظہر کی چار سنتیں پڑھیں تو اس کے ساتھ ہی عمر قضا فرض کہہ کر نیت باندھ لیں، اس طرح سنتیں بھی ادا ہوجائیں گی اور عمر قضا بھی ادا ہوجائے گی، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب

ظہر کی سنتوں میں قضا نماز کی نیت کرلینا صحیح نہیں، مؤکدہ سنتیں الگ ادا کرنا چاہئیں اور قضا نماز الگ پڑھنی چاہیے، البتہ غیر مؤکدہ سنتوں اور نفلوں کی جگہ قضا نماز پڑھنی چاہیے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۴۴/۳)

جاگنے کی راتوں میں نوافل کے بجائے قضا نمازیں پڑھنا:

سوال: کیا بہت سی قضا نمازیں جلد ادائیگی کے لحاظ سے جاگنے کی راتوں میں نفل کے بدلے پڑھی جاسکتی ہیں؟ اور کیا یہ قضا نمازیں بجائے نوافل کے جمعہ کے دروان خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں ادا کی جاسکتی ہیں؟

الجواب

قضا نماز جس وقت بھی پڑھی جائے، ادا ہوجائے گی۔(۳) جس شخص کے ذمہ قضا نمازیں ہوں اس کو نوافل کے بجائے قضا نمازیں پڑھنی چاہئیں، خواہ جاگنے والی راتوں میں پڑھے، یا مسجد نبوی میں یا حرم مکہ میں۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۳۱/۳)

---

(۱) وفی الدر: وینبغی أن لایطلع غیرہ علیٰ قضاءہ؛لأن التاخیر معصیة فلا یظهرها.

وفی الرد:(قوله وینبغی)تقدم فی باب الأذان أنه یکرہ قضاء الفائتة فی المسجد وعلله الشارح بما هنا من أن التأخیر معصیة فلایظهرها.(الدر المختارعلیٰ هامش،باب قضاء الفوائت: ۷۷/۱،دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) والاشتغال بالفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلا السنن المعروفة وصلاة الضحیٰ وصلاة التسبیح والصلوات التی رویت فی الأخبارفیها سورمعدودة وأذکارمعهودة فتلک بنیة النفل وغیرهابنیة القضاء (الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۶۵/۱، انیس)

(۳) ثم لیس للقضاء وقت معین بل جمیع أوقات العمر وقت له،الخ.(الفتاویٰ الهندیة: ۱۲۱/۱)

(۴) وفی الحجة:والإشتغال بالفوائت أولیٰ وأهم من النوافل.(الهندیة:۱۲۵/۱ /ردالمحتار: ۷۴/۲،باب قضاء الفوائت)

نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھنی چاہیے:

سوال: ایک انسان خاصی عمر میں نماز شروع کرے اور اشراق وتہجد وغیرہ پڑھے تو کیا اس کو ثواب ملے گا، یا نہیں؟ جب کہ قضائے عمری بھی پڑھ رہا ہو۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ایسا شخص نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری ہی پڑھا کرے؛ کیوں کہ اگر موت آ گئی اور فرض نمازیں ذمہ رہیں تو پکڑ ہوگی، اگر نفلیں نہ پڑھیں تو ان پر پکڑ نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۶/ ۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۳۸۴-۳۸۵)

☆ ☆ ☆

(۱) "الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷٤، سعيد)

وقد قالوا: إنما تقضى الصلوات الخمس والوتر. (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ١/ ١٤١، دار الكتب العلمية، انيس)

قضا نماز ادا کرنے کا طریقہ

قضا نمازیں کیسے ادا کی جائیں؟

سوال: میرے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی خود بخود پک گئی تھی اور زخم شدید ہوگیا تھا، قریب ایک ماہ علاج شفا خانہ میں کرایا گیا۔ شفا خانہ میں بعد لگانے مرہم کے ایک پارچہ کی پٹی دونوں وقت باندھی جاتی تھی، جس کو صبح و شام خاکروب شفا خانہ ایک گندہ پانی میں جو خاص اس کام کے واسطے مہیا تھا، سب مریضوں کی پٹیوں کو دھو کر اور صاف وستھرا کر کے کمپاؤنڈر کو دے دیا کرتا تھا۔ پس وہی پٹیاں دوسرے روز کام میں مریضوں کی لائی جاتی تھیں، چناں چہ میں انہی کی پٹی بندھی ہوئی سے نمازیں پڑھتا رہا۔ اس صورت میں اس پارچہ بندھی پٹی سے جو نمازیں پڑھی گئیں، صحیح ہوئیں، یا نہیں؟ اور فرض میرے ذمہ سے ساقط ہو گئے، یا نہیں؟ دوسرے بعض اوقات بوجہ غلبۂ تکلیف ان گنت نمازیں فوت ہو گئیں اور یہ یاد نہیں کہ کون سے وقت کی قضا ہوئی ہیں؟ پھر کس وقت کی مقرر کر کے نیت نماز کروں اور فرض قضا ادا کروں؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

آپ کی جس قدر نمازیں گئی ہیں، ان کو قضا کر لینا چاہیے اور جو نمازیں اس زمانہ میں اُس ناپاک کپڑے سے پڑھی گئی ہوں، اُن کی بھی قضا آوے گی۔ اول ظہر جو میرے ذمہ ہیں، یا آخر ظہر جو میرے ذمہ ہیں، یا اس طرح کی نیت کر لینی چاہئے۔ فقط والسلام (تالیفات رشیدیہ، ص:۲۹۰)

قضا نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ:

سوال: فدوی تابعدار حضور کی دس سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک بعض اوقات کی اکثر نمازیں فوت ہوگئی ہیں مگر یہ یاد نہیں کہ کون وقت کی پھر کیسے قضاء نمازوں کی نیت کی جاوے۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قضا نمازوں کو اپنی رائے اور خیال سے متعین کر لینا چاہیے کہ میرے ذمہ اس قدر نمازیں مثلاً فجر کی ہیں اور اس قدر ظہر کی ہیں۔ اس کے بعد اول ہر ظہر، یا آخر ہر ظہر کی نیت سے ہمیشہ جس قدر ادا ہو سکیں، ادا کر لیا کریں۔ (تالیفات رشیدیہ ۲۹۱)

قضا نماز کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہے:

سوال: فائتہ (قضا) نماز کو ہر نماز کیساتھ ادا کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اگر ہر نماز کے ساتھ ادا نہ کرے اور بے ترتیب ادا کرے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۹۴۴، محمد مقصود احمد خاں (تانبوے) ۲۹/صفر ۱۳۵۵ھ، ۲۱/مئی ۱۹۳۶ھ)

الجواب

فائتہ (قضا ہوئی) نمازوں کو ہر نمازوں کو ہر نماز کے ساتھ ساتھ ادا کرنا لازم نہیں؛ مگر جس قدر جلدی ادا کر سکے کر لے، ایک وقت میں متعدد نمازیں قضا پڑھ سکتا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۸۲/۳)

قضا نمازوں کی ادائیگی کا صحیح طریقہ کیا ہے:

سوال: جو شخص قضاء عمری بالترتیب پڑھتا ہے، اسے مغرب اور وتر کی نماز کی قضا میں چار رکعتیں تین قعدوں کے ساتھ کس حالت میں پڑھنا چاہیے اور تین رکعتوں میں کیوں نہ ادا کرنا چاہیے؟

برہان الفتاویٰ میں ہے:

"یصلیها أربعاً بثلاث قعدات لکراهة تنفل ثلاث رکعات، فی القنیة: یصلی المغرب والوتر أربعاً بثلاث قعدات".

اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

صحیح مذہب یہ ہے کہ جس کہ ذمہ نمازیں قضا ہیں، وہ ان کا اندازہ کر کے ان نمازوں کو قضا کرے اور مغرب کی تین رکعت حسب قاعدہ پڑھے اور وتر بھی تین رکعت قاعدہ کے موافق پڑھے اور یہ صورت جو برہان الفتاویٰ سے نقل کی گئی

---

(۱) عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال: قال عبد اللّٰہ ان المشرکین شغلوا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن أربع صلوات یوم الخندق حتٰی ذهب من اللیل ما شاء اللّٰہ فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلٰی الظهر ثم أقام فصلی العصر، ثم أقام فصلی المغرب ثم أقام فصلی العشاء. (جامع الترمذی، باب ماجاء فی الرجل تفوته بأیتهن یبدأ: ۴۳/۱، قدیمی، انیس)

لأنه علیه السلام أخرها یوم الخندق ثم الأداء فعل الواجب فی وقته وما التحریمة.

وفی الرد: ذلک أن المشرکین شغلوا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن أربع صلاة یوم الخندق حتٰی ذهب من اللیل ما شاء اللّٰہ فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلی الظهر ثم أقام فصلی العصر ثم أقام فصلی المغرب ثم أقام فصلی العشاء الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۶۲/۲، ط: سعید)

ہے، قواعد کے موافق صحیح نہیں ہے۔ باقی مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ تین قعدے اسی طرح کرے کہ دو رکعت کے بعد قعدہ کرے، پھر تیسری رکعت کے بعد بھی قعدہ کرے؛ تا کہ قعدۂ اخیرہ نہ رہ جاوے اور بوجہ شبہ نفل کے ایک رکعت چوتھی ملا کر قعدہ کرے، اس طرح تین قعدے ہو جاویں گے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، جب کہ واقعی اس کے ذمہ مغرب کی نماز فائتہ اور وتر فائتہ باقی ہیں تو تین رکعت دو قعدے کے ساتھ پڑھے۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۵/۴)

قضا نمازوں میں ''عصر'' اور ''کوثر'' کی تلاوت:

سوال: اگر کسی کو دو تین سال کی نمازیں قضاء کرنی پڑے تو کیا سورۂ عصر اور سورۂ کوثر کے ذریعہ نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ اتنی نمازوں کی قضا دشوار ہے؟ (س، ج، سنتوش نگر)

الجواب

قرآن مجید کی مقدار کے اعتبار سے قضا اور ادا کا حکم ایک ہی ہے؛ یعنی ادا میں قرآن کی جتنی مقدار کا پڑھنا مستحب ہے، قضا میں بھی اتنی مقدار کی تلاوت مستحب ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اگر وقت پر نماز ادا کی جائے تو سورہ عصر اور سورۂ کوثر کے ذریعہ نماز ادا ہو جائے گی تو قضا نماز بھی اس طرح ادا ہو جائیں گی۔ قضا کی کثرت کی وجہ سے اگر اندیشہ ہو کہ طویل قرأت کرنے کی صورت میں قضا کا ادا کرنا دشوار ہوگا اور مختصر قرأت میں قضا کی تکمیل ہو جائے گی تو ان مختصر سورتوں کے ذریعہ قضا کر لینی چاہیے؛ کیوں کہ قضا واجب ہے اور قرأت کی مقدار کی رعایت مستحب اور کسی مستحب کا چھوڑ دینا واجب کے چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۲۲/۲-۴۲۳)

قضا نماز کے لیے اذان وتکبیر ہے، یا نہیں:

سوال: زید قضا نمازوں کو مسجد میں آہستہ اذان وتکبیر کہہ کر اس نیت سے ادا کرتا ہے، مثلاً چار رکعت فرض ظہر پڑھتا ہوں، اس صورت میں اذان وتکبیر کہنے کا کیا حکم ہے اور وتر کے لیے اذان وتکبیر کہی جاوے، یا نہیں؟

(۱) جس عبارت کا سائل نے مطلب پوچھا ہے وہ توہّم اور شبہ والی صورت کا حل ہے، مثلاً کسی کو مغرب اور وتر کے قضا یا فاسد ہونے کا یقین نہیں ہے؛ بلکہ محض شبہ ہے، ایسی حالت میں چاہیے تو یہی کہ وہ دوبارہ نہ پڑھے۔ ''ولا تعاد عند توهم الفساد للنهي'' اور نہ اس کی قضا کی ضرورت ہے؛ لیکن اگر کوئی شبہ کی بنیاد پر اس طرح قضا کرے کہ اگر قضا ہوئی ہے تو وہ ادا ہوگی، ورنہ وہ نفل ہو جائے گی تو اس صورت میں وتر اور مغرب کی ادائیگی کی شکل یہ ہوگی کہ چار رکعت تین قعدوں کے ساتھ پڑھے گا؛ کیوں کہ نفل تین رکعت نہیں ہے، دوسرا قعدہ اس لیے کیا کہ یہ مغرب و وتر کے لیے آخری قعدہ ہے اور چوتھی رکعت ملالی اور تیسرا قعدہ اس وجہ سے کیا کہ اگر نفل میں شمار ہو تو درست ہو جائے۔

لا تعاد عند توهم الفساد للنهي وما نقل أن الإمام قضى صلاة عمره فإن صح نقول كان يصلي المغرب والوتر أربعاً بثلاث قعدات. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، قبيل مطلب في الصلاة على الدابة: ٦٥٣/١، ظفير)

الجواب

جو نماز تنہا مسجد میں قضا کرے تو اس کے لیے اذان واقامت مشروع نہیں ہے،(۱) اور نیت مذکورہ سے قضا نماز ہوجاتی ہے اور وتر کے لیے بھی اذان واقامت نہیں ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۴۴/۴)

تنہا نماز قضا کرنے والا اذان واقامت نہ کہے:

سوال (۱) اگر صبح کی نماز قضا ہوگئی اور ظہر کے وقت قضا کرنے کا موقع ملا تو اذان کہہ کر نماز پڑھنی چاہیے، یا بلا اذان؟

قضا کے لیے اذان کہی جائے گی، یا نہیں اور ہر نماز کے لیے الگ ہوگی، یا ایک کافی ہے:

(۲)　اگر نماز پنجوقتی قضا ہوگئی تو کل اوقات میں اذان کہنے کی ضرورت ہے، یا ایک ہی وقت؟

الجواب

(۱)　تنہا شخص کی اگر نماز فوت ہوگئی تو وہ بلا اذان واقامت کے اس کو قضا کرے۔(۳)

(۲)　اگر قضا میں جماعت ہو تو پہلی نماز کے لیے اذان اور اقامت کہی جاوے، باقی نمازوں کے لیے اختیار ہے؛ کہے، یا نہ اور اقامت سب کے لیے کہی جاوے۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۳۵۹/۴-۳۶۰)

فجر، مغرب اور عشا کی قضا میں قرأت جہری کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال:　فجر اور مغرب اور عشا کی قضا میں جہراً قرأت پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر ان ہی اوقات میں قضا کرے تو جہراً پڑھ سکتا ہے، اگر دن کو قضا کرے تو نہیں کرسکتا۔(۵) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۴۵/۴)

---

(۱)　(و) يسن أن (يؤذن ويقيم لفائتة) رافعًا صوته لو بجماعة (أى فى غير المسجد) أو صحراء لا ببيته منفردًا ... (ولا فيما يقضى من الفوائت فى مسجد)؛ لأن فيه تشويشًا وتغليطًا (ويكره قضاء ها فيه)؛ لأن التاخير معصية فلا يظهرها. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۰/۱-۳۹۱، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲)　(و) ... (هو سنة) ... (مؤكدة) ... (للفرائض) ... (فى وقتها و لو قضاء) ... (لا) ... (لغيرها) كعيد. أى وتر وجنازة، الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۵٦/۱، ظفير)

(۳-۴)　(و) يسن أن (يؤذن ويقيم) لفائتة) رافعًا صوته لو بجماعة أو صحراء لا ببيته منفردًا. (الدر المختار)
(لو بجماعة) أى فى غير المسجد بقرينة ما يذكره قريبًا من أنه لا يؤذن فيه للفائتة. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳٦۲/۱، ظفير)

(۵)　(ويجهر الإمام)... (فى الفجر وأولى العشائين أداءً وقضاءً الخ) ... (ويخير المنفرد فى الجهر) ...==

جہری نماز کی قضا کیسے کرے:

سوال: اگر عشا اور فجر کی نماز قضا ہو جائے اور اسے ظہر کے وقت ادا کرے تو قرأت جہری ہوگی، یا سری؟ اس طرح ظہر وعصر کی قضا مغرب کے بعد کی جائے تو اس میں قرأت کس طرح ہوگی، سری، یا جہری؟

(نادر المسدوسی، مغلپورہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

جن نمازوں میں سری قرأت ہے، قضا میں بھی وہ نمازیں سری ہی ادا کی جائیں گی، جو نمازیں جہری ہیں، اگر جہری اوقات میں ادا کی جائیں تو بالاتفاق ان کی قضا میں اختیار ہے۔ زور سے بھی قرأت کرسکتا ہے اور آہستہ بھی اور اگر دن کے اوقات میں جہری کی قضا کی جائے تو فقہا کے درمیان اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک ایسی صورت میں سری قرأت واجب ہے، جہری قرأت جائز نہیں اور بہت سے فقہا کے نزدیک اس صورت میں بھی اختیار ہے، جس طرح چاہے قرأت کرے، چناں چہ درمختار میں ہے:

(ويخافت) المنفرد (حتمًا) أوى جوباً (إن قضى) الجهرية في وقت المخافتة ...لكن تعقبه غير واحد ورجحوا تخييره". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴۲۶/۲-۴۲۷)

قضا نماز کی جماعت:

سوال: ایک مسجد میں نماز صبح کی چند آدمیوں نے باجماعت پڑھ لی۔ چند آدمی باقی رہ گئے انہوں نے قضا نماز باجماعت پڑھی، نماز اُن کی صحیح ہوئی، یا نہیں ہوئی اور جماعت قضا کی درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جماعت قضا کی بھی درست ہے؛ (۲) مگر اس طرح چند آدمی نماز کو قضا کرکے جماعت سے ادا کریں، سخت بے حیائی وبے شرمی ہے۔ لازم ہے کہ اس معصیت کو پردہ کریں تو اس طرح کے فعل سے گناہگار ہوئے خدا تعالیٰ معاف فرماوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ ۲۹۱)

== (إن أدى) ... (ويخافت) المنفرد (حتماً) ... (إن قضى) الجهرية في وقت المخافتة كأن صلى العشاء بعد طلوع الشم. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۵۲۳/۱، دار الفكر بيروت)

معلوم ہوا کہ حکم مذکور منفرد کے لیے لکھا گیا ہے۔ ظفیر

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۵۳۳/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) عن أبي هريرة قال: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ... وأمر بلالا فأقام الصلاة، فصلى بهم الصبح، فلما قضى الصلاة قال: من نسي الصلاة فليصلها إذا ذكرها، فإن الله تعالى قال أقم الصلاة لذكري. (صحيح لمسلم، باب قضاء الصلاة الفائتة واستعاب تعجيل قضاء ها: ۲۳۸/۱، قديمي، انيس)

قضا نماز با جماعت پڑھنا کیسا ہے:

سوال: قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

مسنون ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۴۶/۴)

قضا نماز کی جماعت ہو سکتی ہے:

سوال: قضا نماز کی جماعت ہو سکتی ہے؟

الجواب

اگر چند افراد کی ایک ہی وقت کی نماز قضا ہوگئی ہو تو ان کو جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ لیلۃ التعریس کا واقعہ مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا نے آخر شب میں پڑاؤ کیا تھا، فجر کی نماز کے لیے جگانا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھا؛ لیکن تھکن کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے ان کی آنکھ لگ گئی اور سورج طلوع ہونے کے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، رفقا کو اٹھایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم فرمایا اور آگے جا کر اذان و اقامت کے ساتھ جماعت کرائی۔ نماز کے قضا ہونے کا یہ واقعہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اختیاری طور پر پیش آیا، اس سے امت کو قضا نماز کے بہت سے مسائل معلوم ہوئے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۲۹/۳-۶۳۰)

---

(۱) جاء في حديث ليلة التعريس: "وأمر بلالا فأقام الصلاة فصلى بهم الصبح فلما قضى الصلاة قال من نسى الصلاة فليصليها إذا ذكرها". (رواه مسلم) (مشكوة، ص: ٦٧، ظفير)

(۲) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قفل من غزوة خيبر سار ليلة حتىٰ اذا أدركه الكرى عرس وقال لبلال أكلنا الليل، فصلى بلال ما قدر له ونام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه فلما تقارب الفجر استند بلال إلىٰ راحلته موجه الفجر فغلبت بلالاً عيناه وهو مستند إلىٰ راحلته فلم يستيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا بلال ولا أحد من أصحابه حتىٰ ضربتهم الشمس فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم أولهم إستيقاظا ففزع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أى بلال! فقال بلال: أخذ بنفسى الذى أخذ بأبى أنت وأمى يارسول الله بنفسك، قال: اقتادوا فاقتادوا رواحلهم شيئاً ثم توضأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمر بلالا فأقام الصلاة، فصلىٰ بهم الصبح، فلما قضى الصلاة قال: من نسى الصلاة فليصلها إذا ذكرها، فإن الله تعالىٰ قال أقم الصلاة لذكرى. (الصحيح لمسلم، قبيل كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب قضاء الصلاة الفائتة واستعاب تعجيل قضاءها: ٢٣٨/١، قديمى، انيس)

قضا نماز جماعت سے ہوسکتی ہے، یانہیں:

سوال: اگر چند شخصوں کی کوئی نماز قضا ہوجائے تو جماعت سے پڑھ سکتے ہیں، یانہیں؟

الجواب

قضا میں بھی جماعت ہوسکتی ہے اور یہ قضا نماز جہریہ کی ہے تو جہر کرنا ضروری ہے اور سریہ کی ہے تو قرأت سرأ پڑھنا لازم ہے، مثلاً عشا کی نماز اگر دن کو قضا پڑھے، تب بھی امام کو جہر کرنا چاہیے۔

کما فی الھندیة: اذا ترک صلاة اللیل ناسیاً فقضاھا فی النھار وأم فیھا وخافت کان علیه السھو وان أم لیلاً فی صلاة النھار یخافت ولایجھر فان جھر ساھیاً کان علیه السھو، کذا فی فتاوی قاضی خان فی سجود السھو. (۱)

اگر قصداً اس کے خلاف کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور سہواً کیا تو سجدہ سہو رواجب ہے۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۳۰ رشعبان ۱۳۴۵ھ۔ (امدادالاحکام: ۲/)

کیا قضا نماز مسجد میں درست نہیں ہے:

سوال: عالمے می فرماید کہ بمسجد صلوٰۃ قضاء گزار دن حرام است، ودلیلش این کہ قضاء صلوٰۃ معصیت است واظہار معصیت حرام وبمسجد اظہار میشود بخانہ گزاردن باید۔ (۲)

الجواب

درمختار میں قضاء فوائت کو مسجد میں مکروہ لکھا ہے؛ یعنی مکروہ تحریمی اور دلیل یہی ہے کہ نماز کو وقت سے مؤخر کرنا معصیت ہے؛ اس لیے اس کو ظاہر نہ کرے اور علامہ شامی نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ غرض یہی ہے کہ اظہار نہ کرے؛ بلکہ ایسی طرح قضا کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو، اگر مسجد میں بھی قضا کرنے سے کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ نفلیں پڑھ رہا ہے، یا فرض تو مسجد میں بھی درست ہے۔ غرض ایسی طرح قضا کرے کہ حتی الوسع کسی پر اظہار نہ ہو، عبارت شامی یہ ہے:

وظاھرہ أن الممنوع ھو القضاء مع الاطلاع علیه سواء کان فی المسجد أوغیرہ. (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۹/۴)

---

(۱) الفتاویٰ الھندیة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة: ۷۱/۱، انیس

(۲) خلاصۂ سوال: ایک عالم فرماتے ہیں کہ مسجد میں قضا نماز پڑھنا حرام ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نما کی قضا گناہ ہے اور گناہ کو ظاہر کرنا حرام اور مسجد میں اس کا اظہار ہوتا ہے، لہذا گھر پر قضا پڑھنی چاہیے۔ انیس

(۳) ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب اذا أسلم المرتد ھل تعود حسنه أم لا؟: ۷۷/۲، دار الفکر، ظفیر

قضا نماز کعبہ شریف میں کس طرح پڑھیں:

سوال: قضا نماز کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے سامنے نہ پڑھی جائے، یہاں تو حرم پاک میں چوبیس گھنٹے آدمی موجود ہوتے ہیں تو کہاں پڑھیں؟

الجواب

جہاں نماز پڑھی ہو، وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ جا کر پڑھ لیں، دیکھنے والوں کو معلوم بھی نہیں ہوگا کہ آپ ادا پڑھ رہے ہیں، یا قضا۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۳۳/۳)

☆ ☆ ☆

(۱) وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع عليه سواء كان في المسجد أوغيره. (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب اذا أسلم المرتد هل تعود حسنه أم لا؟: ۷۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

قضاءعمری کا طریقہ

قضاءعمری کی شرعی حیثیت:

سوال: قضاءعمری نمازوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ انہیں ادا کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں، ان کا ادا کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ اگر زندگی میں ادا نہ کیں تو مرنے کے بعد اس کی سزا بھگتنی پڑے گی؛ اس لیے آسان صورت یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز بھی پڑھ لی جائے، آہستہ آہستہ ساری نمازیں ادا ہوجائیں گی اور ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اگر فرصت ہو تو ایک دن میں کئی نمازیں پڑھ لی جائیں؛ لیکن جتنی نمازیں پڑھی جائیں، ان کا حساب رکھا جائے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۱۴/۳، ۶۱۵)

قضاءعمری ثابت ہے، یا نہیں اور اس کا کیا طریقہ ہے:

سوال: نماز قضاءعمری کی کیا ترکیب ہے۔ حدیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ نماز قضاءعمری جیسا کہ مشہور ہے، حدیث سے ثابت نہیں، جس کے ذمہ واقعی نمازیں قضا ہوں، وہ صاحب کرکے ان کو پورا کرے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم: ۳۵۰/۴-۳۵۱)

---

(۱) عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: قال عبد اللّٰه ان المشركين شغلوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق حتٰى ذهب من الليل ما شاء اللّٰه، فأمر بلالاً، فأذن، ثم أقام، فصلى الظهر، ثم أقام، فصلى العصر، ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام، فصلى العشاء.(سنن الترمذی، باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلاة بأيتهن يبدأ: ٤٣/١، قديمی، انيس)

كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضاء ها ... سواء كانت الفوائت كثيرة أو قليلة.(الهندية: ١٢١/١)

لأنه عليه السلام أخرها يوم الخندق، ثم الأداء فعل الواجب في وقته وبالتحريمة.

وفی الرد: ذلک أن المشركين شغلوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن أربع صلاة يوم الخندق حتٰى ذهب من الليل ما شاء اللّٰه فأمر بلالا فأذن ثم أقام فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام فصلى العشاء.(الدرالمختار مع رد المحتار: ٦٢/٢، باب قضاء الفوائت/الجامع للترمذی: ٤٣/١)

(۲) كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضاؤها.(الفتاویٰ الهندية، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ١٢١/١)

قضاء عمری کا حکم اور فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ:

سوال متعلقہ قضائے عمری۔

الجواب

قضائے عمری جو عام طور پر پڑھی جاتی ہے، یہ بیکار ہے، قضا شدہ نمازوں کا تخمینہ کرلیا جائے اور اس کے موافق ادا کی جائیں، ہر قضا نماز کی نیت اس طرح کرے کہ میرے ذمہ جتنی فجر، یا ظہر کی نمازیں ہیں، ان میں سے پہلی، یا پچھلی نماز ادا کرتا ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۸۳-۳۸۴)

قضاء عمری:

سوال: قضاء عمری احتیاطاً پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

قضاء عمری علی تو ہم الفساد پڑھنا امام صاحب سے ثابت نہیں اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ پس جب اصل ہی ثابت نہیں تو اس پر دیگر تفریعات صحیح نہ ہوں گی اور ایسے موقعہ پر کمال ونقصان سے بحث فضول ہے۔(۱) **ثبت العرش ثم نقش**. فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۴۸-۳۴۹)

قضاء عمری کی ادائیگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز قضاء عمری پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرائض پنج گانہ سے پہلے پڑھے، یا بعد میں؟ اور اس قدر پابندی کرنا کہ خواہ جماعت ہوتی رہے، جب تک قضاء عمری نہ پڑھ لے، جماعت میں شامل نہ ہو، کیسا ہے؟

الجواب

جس قدر نمازیں قضا ہوئی ہیں، ان کو جس طرح چاہے، ادا کرے؛ کیوں کہ وہ صاحب ترتیب نہیں ہے، خواہ وقتیہ سے پہلے پڑھا کرے، یا بعد میں، یا ایک وقت میں پانچوں نمازیں مع الوتر روزانہ پڑھتا رہے، جماعت کو نہ چھوڑے؛ بلکہ جماعت سے قبل پڑھ لیا کرے، یا بعد میں پڑھا کرے۔ فقط (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۴۹)

---

(۱) فی العتابية عن أبی نصر فيمن يقضی صلوات عمره من غير أن فاته شیء يريد الاحتياط فإن كان لأجل النقصان والكرهة فحسن وإن لم يكن لذلک لايفعل. (الفتاویٰ الهندية،الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱/ ۱۲۴،انيس)

(۲) ولايعود) لزوم الترتيب (بعد سقوطه بكثرتها)أی الفوائت (يعود الفوائت إلی القلة) بسبب(القضاء)==

قضاء عمری کا طریقہ:

سوال: جو نمازیں اب تک کسی وجہ سے قضا ہوگئی ہے اور ان کی تعداد معلوم نہیں ہے، ان کی قضا کیسے کی جائے؟

الجواب

ایام بلوغ کے بعد سے جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں اور جو نمازیں فاسد پڑھی گئی ہیں، ان کا اندازہ کیجئے اور زائد سے زائد مقدار اعتبار کرکے ان کو پڑھیئے، مثلاً آپ کا اندازہ ہے کہ ایسی نمازیں کم ازکم دو برس کی پنج وقتہ مجموعی طور پر ہوسکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ تین برس کی تو تین برس کی نمازیں قضا کیجئے؛ تاکہ بالیقین، یا بغلبۂ ظن ذمّہ فارغ ہوجائے، اگر ہر روز پانچ فرائض مع وتر پڑھ لیا کریں تو ایک سال میں ایک سال کی نماز کی قضا ہوجائے گی، روزانہ پانچ وقتوں کی قضا کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا بھی پڑھ لی جایا کرے، خواہ فرض سے پہلے، یا بعد کو، یا یہ کہ ایک وقت میں پانچوں، یا کم وبیش پڑھا کریں۔ نیت کی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ قضا واجب ہونے والی ظہروں میں کی آخری ظہر کو پڑھتا ہوں، اسی طرح عصر میں کہا جائے کہ جتنی عصری نمازیں مجھ پر بطور قضا واجب ہیں، ان کی آخری عصر پڑھتا ہوں اور اسی طرح مغرب، عشا، وتر اور فجر میں کہا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بجائے آخری کے پہلی کہا جائے؛ یعنی یہ کہا جائے کہ جتنی ظہر کی نمازیں مجھ پر قضا واجب ہیں، ان میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں اور اسی طرح ہر نماز میں کیا جائے، (درمختار: ۷۶/۲)(۱) اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس تقصیر کی معافی طلب کی جایا کرے، قضا نمازوں میں سنتوں اور نوافل کی قضا نہ ہوگی، (بدائع الصنائع: ۲۸۷/۱)(۲) صرف فرض اور وتر کی ہوگی۔

(مکتوبات: ۲۱/۴-۲۲) (فتاوی شیخ الاسلام ص ۴۹-۵۰)

قضاء عمری کا طریقہ:

سوال: قضائے عمری نماز کب اور کس طرح پڑھی جائے؟

== لبعضها على المعتمد لأن الساقط لايعود (وكذا لايعود) الترتيب (بعد سقوطه بباقي المسقطات) السابقة من النسيان والضيق. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۰/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۱) كثرت الفوائت نوى أول ظهرعليه أوآخره. (الدر المختار)

وفي الرد: فان أراد التسهيل الأمر، يقول أول فجرمثلاً فانه اذا صلاه يصير ما يليه أولاً أو يقول آخر فجر فان ما قبله يصير آخراً. (الدرالمختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷٦/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) وقد قالوا إنما تقضى الصلوات الخمس والوتر. (البحرالرائق، باب قضاء الفوائت: ۱٤۱/۱، دار الكتب العلمية، انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

قضاء عمری کے نام سے جو نماز مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخر میں ایک نماز با جماعت، یا علاحدہ علاحدہ قضائے عمری کے نام سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نماز عمر بھر کی قضا نمازوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے، یہ تو بدعت اور بے اصل ہے، شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ (۱)

ہاں! اگر کسی کی کچھ نمازیں جاتی رہی ہوں تو ان کو پڑھ سکتا ہے۔ اگر ان کا شمار معلوم ہو تو اس کے موافق اور صحیح تعداد یاد نہ ہو، اندازہ سے ان کا شمار متعین کرلے اور پھر ان کو ایک دفعہ، یا آہستہ آہستہ ادا کرتا رہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ زمانۂ بلوغ کے اندر چھوٹی ہوئی نمازوں کا پورا کرنا فرض ہے، ہر نماز کو قضا کرتے وقت مثلاً اگر فجر کی نماز پڑھنا ہے تو اس طرح نیت کرے کہ فجر کی جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں، ان میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں، اسی طرح روز فجر کی قضا کرتے وقت یہی نیت کرے، یہاں تک کہ سب نمازیں پوری ہو جائیں۔ (کفایت المفتی: ۹/۳۷۹-۳۸۱)

قضاء عمری کی نیت:

سوال: قضاء عمری میں نماز کی نیت کس طرح کی جائے، جب کہ دن، تاریخ، مہینہ اور سال معلوم نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر کی جو سب سے پہلی نماز باقی ہے، وہ پڑھتا ہوں، یا اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر کی جو سب سے آخر کی نماز باقی ہے، وہ پڑھتا ہوں، یہی حال دوسری نمازوں کا ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۸۴)

عمر بھر کی نماز کس طرح ادا کریں:

سوال: زید اپنی عمر بھر کی نمازیں جو قضا ہو چکی ہیں، ادا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کون سا طریق اختیار کرے، وہ بیچ میں کچھ نمازیں پڑھتا بھی رہا ہے؟

(المستفتی: ۱۶۲۳، ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳/ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ، ۲۲/ جولائی ۱۹۳۷ء)

---

(۱) وما نقل أن الامام قضى صلاة عمره .. أنه لم يصح ذلك عن الامام ... فالوجه حينئذٍ كراهة القضاء، لتوهم الفساد. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۳۷، ط: سعيد)

قالي في الدر الختار: "كثرت الفوائت نوى أول ظهر عليه أو آخره" الخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتابب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۶، ط: سعيد)

(۲) (قوله: كثرت الفوائت، الخ) ... فإن أراد تسهيل الأمر يقول: أول فجر مثلا، فإنه إذا صلاه يصير مايليه أولاً، أو يقول: آخر فجر، فإن ماقبله يصير آخرًا، ولا يضره عكس الترتيب لسقوطه بكثرت الفوائت" (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۶، سعيد)

الجواب

جس قدر نمازیں یک دم، یا تدریجاً پڑھ سکتا ہو، پڑھتا رہے، ہر نماز کے ساتھ اول، یا آخر وہی نماز قضا پڑھ لیا کرے، یہ بھی جائز ہے؛ مگر یہ صورت جب ہے کہ قضا یقینی ہو، ورنہ عصر و فجر کے بعد اور فجر طلوع ہونے کے بعد نہیں پڑھ سکے گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۸۳/۳)

بہت سی قضا شدہ نمازوں والا کیسے ادا کرے:

سوال: اگر کسی شخص کی بے انتہا نمازیں فوت ہوئی ہیں، جس کی تعداد اس کو معلوم نہیں۔ اب اگر وہ شخص صلوٰۃ فائتہ کو ادا کرنا چاہتا ہے، ایسی حالت میں اگر وہ تحری کرے؛ یعنی اپنے خیال سے ایک تعداد معین کرے تو کیا یہ ترتیب کے ساتھ ادا کرے گا، یا ترتیب کی ضرورت نہ ہوگی؟ اگر ایک ہی وقت میں ایک دن کی پانچوں فائتہ نمازیں پڑھ لی تو جائز ہوگا، یا نہیں؟ یعنی نماز وقتی صبح کی پڑھنے کے بعد اب نماز خمسہ فوت شدہ ہیں، اسی وقت ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ صورت جائز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

تحری کر کے جس قدر سنین وشہور وایام کی نمازیں فوت شدہ تحری میں آویں، ان کو قضا کرنا شروع کر دے اور بوقت قضا دل میں نیت اور خیال کرے، یا زبان سے بھی کہہ دے کہ سب سے پہلے ظہر، یا عصر وغیرہ قضا کرتا ہوں۔ اسی طرح پھر دوسرے وقت نیت کرے؛ کیوں کہ پہلی نماز قضا ہو جانے کے بعد جو اس کے بعد ہے، وہ پہلی فائتہ ہو جاوے گی اور جو صورت سوال میں لکھی ہے کہ ایک دن کی تمام نمازیں فوت شدہ ایک وقت میں پڑھ لیا کرے، یہ درست ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۳۲/۴)

قضا کی تعداد یاد نہ ہو تو تخمینہ کر کے ادا کرے:

سوال: تین چار سال تک بوجہ بیماری کے ایک شخص کی نمازیں قضا ہوتی رہیں۔ لیکن تعداد محفوظ نہ رہی۔ بعد بیماری کے نمازیں قضا کیں۔ لیکن ان کی تعداد بھی محفوظ نہ رہی۔ اب کتنی نمازیں لوٹانی چاہئیں؟

الجواب

ایسی صورت میں اندازہ اور تخمینہ کر کے نمازیں قضا کی جاویں۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۶۱/۴)

---

(۱) قضاء یقینی نہ ہونے کی صورت میں یہ نفل ہوگی اور نفل ان اوقات میں پڑھنا مکروہ ہے۔

ویکره أن یتنفل بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس وبعد العصر حتیٰ تغرب،الخ. (الهداية، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة: ٦٨/١، دار الفكر بيروت، انيس)

اگر کئی برس کی نماز قضا ہو اور ادا کرنے کا موقع نہ ہو تو کیا کرے:

سوال: اگر دو تین برس کی نماز قضا ہو اور اب موقع ادا کرنے کا نہ ملتا ہو تو اس سے چھٹکارا پانے کی کون سی شکل ہے؟

الجواب

سہل صورت اس کی یہ ہے کہ ہر ایک نماز کے ساتھ وہی نماز قضا کرے، جس قدر برسوں کی نماز فوت ہوئی ہو، اتنے برسوں تک ہر ایک نماز کے ساتھ وہی نماز جو قضا ہوئی ہو، قضا پڑھے، بدون قضا کے کوئی صورت سبکدوشی کی نہیں۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۴۵/۴)

دو برس کی قضا کب ادا کرے:

سوال: جس شخص کے ذمہ دو برس کی نماز قضا ہوں، وہ ان کو کس طرح اور کس ترتیب سے ادا کرے؟

الجواب

جس شخص کے ذمہ دو برس کی نمازیں قضا ہیں، اس پر کچھ ترتیب ادائے فائتہ میں لازم نہیں ہے، جس وقت جس قدر نمازیں ادا کر سکے، کر لیا کرے۔ خواہ ایسا کرے کہ ہر ایک فرض وقتی کے ساتھ وہی نماز قضا کر لیا کرے، مثلاً: ظہر کی نماز کے قبل، یا بعد ایک ظہر کی قضا کر لیا کرے، یا زیادہ کی گنجائش ہو، زیادہ قضا کر لیا کرے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم:۳۵۸/۴-۳۵۹)

پانچ سال کی قضا نماز کس طرح پڑھے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۶/فروری ۱۹۲۷ء)

سوال: ایک شخص کے ذمہ پانچ چھ سالہ نمازیں قضا ہیں، اب وہ اس نیت سے فائتہ نمازیں ادا کر چکا ہے کہ اول فجر وظہر ومغرب وعشا کے فرائض وواجبات سے جو میرے ذمہ ہیں، وہ نمبر وار ادا کرتا ہوں، کیا یہ صورت ٹھیک ہے؟

الجواب

وہ گذشتہ قضا شدہ نمازیں اس طرح ادا کر سکتا ہے کہ جو نماز ادا کرے، اس کی نیت اس طرح کرے کہ یہ نماز جو میں پڑھ رہا ہوں، مثلاً فجر تو فجر کی تمام نمازوں میں سے جو میرے ذمہ ہیں، سب سے پہلی، یا سب سے پچھلی، یا سب سے پچھلی نماز فجر پڑھتا ہوں، اسی طرح ہر نماز کی نیت کرے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی:۳۸۴/۳)

---

(۱) إلا أن يزيد الفوائت علٰى ستة صلوات؛ لأن الفوائت قد كثرت فتسقط الترتيب فيما بين الفوائت بنفسها كما يسقط بينها وبين الوقتية (الهداية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۳۸/۱، ظفير)

(۲) كثرت الفوائت نوىٰ أول ظهر عليه او آخره. (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۷۶/۲، ط: سعيد)

فوت شدہ دس بیس سال کی نمازیں کس طرح ادا کرے:

سوال: ایک شخص پابندی کے ساتھ پنجوقتی نماز ادا کرتا تھا، بعد کو نماز گنڈے دار ادا کرتا رہا؛ یعنی کبھی پڑھی، کبھی نہ پڑھی، اس صورت کی اندازاً تمام نمازیں دس، یا بیس سال کی فوت ہوئیں۔ اب ان کے ادا کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب

جب مدت تک اس نے اہتمام نماز کا ترک کردیا تھا، کبھی پڑھتا تھا، کبھی نہ پڑھتا تھا، اس تمام زمانہ کی نمازوں کو قضا کرنا چاہیے۔ سہل صورت اس کی یہ ہے کہ ہرایک فرض وقتی کے ساتھ وہی نماز قضا کی نیت سے پڑھ لیا کرے، اگر دس برس تک نمازیں ترک کی تھیں تو دس برس تک ہرایک نماز کے ساتھ ایک نماز قضا کرلیا کرے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۴۳/۴-۳۴۴)

پچاس سال کی قضا نمازیں اوراس کی ادائیگی:

سوال: زید کی اکثر نمازیں ابتدائے شباب سے چالیس برس تک قضا ہوئی ہیں اوراب وہ توبہ کے بعد نمازی ہوگیا۔ کیا ان قضا نمازوں کا تدارک توبہ وتضرع سے ہوسکتا ہے، یا ہر نماز کے بعد بطورِ قضاء عمری نماز ادا کرنی چاہیے اور اگراس کی زندگی تلافیٔ مافات نہ کرسکے تو کیا باوجود توبہ یہ بارِ عظیم اس کی گردن پر رہے گا۔ حدیث میں تو **"التائب من الذنب کمن لاذنب له"** آیا ہے۔

الجواب

زید کو گذشتہ تمام نمازوں کی قضا کرنا لازم ہے اور جس طرح آئندہ کی نمازیں اس کے ذمہ فرض ہیں، اسی طرح فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا لازم ہے۔(۲) ان کی قضا جو صورت سہل معلوم ہو، اختیار کرے کہ ہرایک وقت کے فرض کے ساتھ وہی نماز قضا کرلیا کرے، یا دودو، چارچار ایک وقت میں قضا کرلیا کرے اوراگر زندگی میں تلافی مافات نہ ہوسکے تو آخر حالت میں وصیت کرنا ادائے فدیہ کے لیے لازم ہے؛ تاکہ ورثہ بعد میں باقی ماندہ نمازوں کا فدیہ ادا کردیویں اورحدیث. **عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "التائب من الذنب کمن لاذنب له"**(۳) کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کی تاخیر کرنے اوروقت پر ترک کرنے کا جو گناہ ہوا،

(۱) ولوفاتته صلوات رتبها فی القضاء کماوجبت فی الأصل؛لأن النبی علیه السلام شغل عن أربع صلوات یوم الخندق فقضاهن مرتباً.(الهداية، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۳۷/۱)

(۲) وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض و واجب وسنة) لف ونشرمرتب وجمیع أوقات العمروقت للقضاء الا الثلاثة المنهية. (الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۶/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۳) مشکوة، باب التوبة والاستغفار، ص: ۲۰۶، ظفیر

وہ توبہ سے معاف ہوجاوے گا اور نیز واضح ہو کہ جیسے حقوق عباد کی توبہ ہے کہ وہ حقوق ادا کرے اور جس کا جو کچھ حق ہے وہ دیوے، جب توبہ قبول ہوگی، اسی طرح حقوق اللہ مثل نماز وروزہ وزکوٰۃ وغیرہ جو ادا نہیں ہوئی، ان کی توبہ یہ ہے کہ ان کو ادا کرے۔ پس بدون ادا کئے وہ تائب ہی نہ ہوا، جو " **التائب من الذنب كمن لاذنب له**" کے حکم میں داخل ہو۔ **واللہ ولی التوفیق فقط** (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۶۰-۳۶۱)

سالہا سال کی عشا اور وتر نمازوں کی قضا کس طرح کریں:

سوال: اگر گزشتہ کئی سال کی نمازوں کی قضا ادا کرنی ہو تو عشا کے فرضوں کے علاوہ کیا وتر بھی ادا کرنا ضروری ہیں؟ اگر ضروری ہے تو کیا ہم پہلے عشا کے تمام دنوں کے فرض پڑھ لیں، اس کے بعد تمام دنوں کے وتر پڑھ لیں، یا ہر فرض کے ساتھ وتر پڑھیں، یا صرف فرض پڑھنا ہی کافی ہے؟

الجواب

یہاں دو مسئلے سمجھ لینا ضروری ہیں:

(اول) نماز پنج گانہ فرض ہے اور وتر واجب ہے، جس طرح فرض کی قضا ضروری ہے، اسی طرح وتر کی قضا بھی ضروری ہے۔(۱)

(دوم) اگر وتر کی نماز قضا ہو جائے تو اس کو عشا کی نماز کے ساتھ پڑھنا ضروری نہیں؛ بلکہ الگ بھی جب چاہے، پڑھ سکتا ہے؛ کیوں کہ وتر، عشا کے تابع نہیں۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۴۴-۶۴۵)

سنتوں کے بعد قضاءعمری کا پڑھنا:

سوال: فجر وظہر کی سنتوں کے بعد قضاءعمری میں نماز نفل پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور نماز قضا عمری اور فجر کی سنتوں کا اندھیرے میں پڑھنا کہ جہاں سجدہ کی جگہ نہ دکھتی ہو؛ یعنی اول وقت پڑھنا جائز ہے، یا نہیں، یا مکروہ؟

الجواب

سنتوں کے بعد قضا ونفل درست ہے؛ مگر اولیٰ یہ ہے کہ سنت وفرض کے درمیان اور کچھ فاصلہ نہ ہو۔ ایسے ہی بعد کی سنتیں اولیٰ یہ ہے کہ فرضوں کے ساتھ متصل پڑھے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۰۴-۳۰۵)

---

(۱) وقد قالوا إنما تقضى الصلوات الخمس والوتر. (البحر الرائق: ۸۶/۲)

والقضاء فرض في الفرض وواجب في الواجب ...وسنة في السنة. (الفتاویٰ الهندية: ۱۲۱/۱، كتاب الصلاة،الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت)

(۲) الوتر واجب عند أبى حنيفة ... لما كان واجباً عند أبى حنيفة كان أصلاً بنفسه فى حق الوقت لاتبعا للعشاء. (بدائع الصنائع: ۲۷۲/۱،فصل فى بيان وقته)

عصر کے بعد قضاء عمری:

سوال: عصر کی نماز کے بعد قضا عمری کی نمازیں پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھ سکتے ہیں تو کن کن اوقات میں ممنوع ہے؟ (خورشید احمد، گری نگر، بالانگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

عصر اور فجر کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے؛ البتہ طلوع شمس، استواء شمس اور غروب شمس کے وقت پڑھنا ممنوع ہے۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۴۲۷/۲)

دوسری جماعت کے ساتھ قضائے عمری کی نیت سے شریک ہونا:

سوال: کسی وقت کی فرض نماز اکیلے، یا باجماعت ادا کرلیں اور دوسری جگہ جائیں، جہاں اس وقت جماعت کھڑی ہورہی ہوتو کیا ہم قضائے عمری کی نیت کر کے اس میں شامل ہوسکتے ہیں؟ مثلا: عصر ہم نے پڑھ لی، اب کسی جگہ ہم نے عصر کی جماعت ہوتے دیکھی تو ہم عصر کی چار رکعت قضائے عمری کی نیت کر کے اس میں شامل ہوسکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

دوسری نماز میں قضا کی نیت سے شریک ہونا جائز نہیں،(۲) صرف نفل کی نیت سے شریک ہوسکتے ہیں، اور وہ بھی صرف ظہر اور عشاء کی نماز میں، فجر عصر اور مغرب کی نماز پڑھ لی ہو تو نفل کی نیت سے بھی شریک نہیں ہوسکتے۔(۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۲۴/۳)

قضاء عمری باجماعت درست نہیں:

سوال: ایک امام نے قضاء عمری باجماعت پڑھی، کیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له إلا ثلا ثة وقت طلوع الشمس ووقت الزوال ووقت الغروب فإنه لاتجوز الصلاة في هٰذه الأوقات. (البحرالرائق: ۱٤۱/۲)

(۲) قوله وبمفترض فرضاً آخر)سواء تغاير الفرضان اسماً أو صفة كمصلٰى ظهرأمس بمصلى ظهراليوم ...الخ(رد المحتار،مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبى وحده؟ : ۵۷۹/۱ ،باب الامامة)

(۳) فإن كان قد صلاها ثم دخل المسجد فإن كان صلاة لا يكره التطوع بعدها شرع فى صلاة الإمام وإلا لا .(بدائع الصنائع: ۲۸۷/۱)

وأيضا:(ثلا ثة أوقات لا يصح فيها شئ من الفرائض و الواجبات) ... (والأوقات الثلا ثة) المذكورة (يكره فيها النافلة كراهة تحريم) (مراقى الفلاح علٰى هامش الطحطاوى، كتاب الصلاة،فصل فى الأوقات المكروهة، ص:۱۸٦ـ۱۸٦،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

الجواب

ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، امام اعظم اس کو جائز نہیں فرماتے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۶۲/۴)

قضاءعمری کی حقیقت:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۹/اپریل ۱۹۲۸ء)

سوال: بلاد خراسان میں ایک نماز مروج ہے، جس کو قضائے عمری کہتے ہیں۔طریقہ ادا مختلف ہے، بعض پانچ نمازیں باذان و جماعت پڑھتے ہیں اور بعض چار رکعت نماز نفل با جماعت ادا کرتے ہیں اور نفل کی نیت یہ کرتے ہیں:

نویت أن أصلی أربع رکعات تقصیر أو تکفیرًا لما فات منی من جمیع عمری صلاۃ نفل، الخ.

اور جواز کے ثبوت کے واسطے جو عبارت نقل کرتے ہیں، ان کتابوں کا نام فتاوی واجدین نسفی ہے، جس میں لکھا ہے کہ ''ہر کہ ابا کند ازیں نماز ضال و مضل است و از دائرہ اسلام خارج است'' اور حدیث شریف نقل کرتے ہیں کہ ''یہ نماز سات سو نمازوں کا کفارہ؛ بلکہ آبا و اجداد کی نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے''۔

اور ایک حدیث شریف ابوداؤد، ص: ۱۲۵، مطبوعہ قادری، واقعہ دہلی کی نقل کرتے ہیں:

''کل صلاۃ لایتمها صاحبها تتم من تطوعه''.

اور نفل با جماعت جائز ہونے کے لیے حوالہ تفسیر روح البیان سے نقل کرتے ہیں اور یہ بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ نفل با جماعت چوں کہ مکروہ تنزیہی ہے اور ہمارے ملک؛ یعنی عجم میں چوں کہ **''آیة الکرسی، انا اعطینک الکوثر''** کا پڑھنا نہیں جانتے ہیں؛ اس لیے عجم کے واسطے اس میں جماعت اولیٰ ہے اور دوسرا یہ ہے کہ نفل با جماعت احیاناً مکروہ ہے، یہ تو سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے؛ اس لیے جائز ہے۔

الجواب

یہ نماز جس کو قضائے عمری کے نام سے ادا کیا جاتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں رائج ہیں، کہیں پانچ نمازیں اذان و اقامت

---

(۱) قضاءعمری کے نام سے اگر چند مخصوص رکعت خاص ہیئت و ترتیب سے پڑھنا مراد ہے تو اس کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں اور اگر قضا شدہ نماز اس کی تعداد کے مطابق پڑھنا مراد ہے تو پھر تعیین ضروری ہے اور اسے بھی علی الاعلان نہیں پڑھنا چاہیے۔فقہا صراحت کرتے ہیں:

(ویکره قضاء ها فیه)؛لأن التاخیر معصیة فلایظهرها. (الدرالمختار)

وفی الرد: قوله: (لأن التأخیر معصیة) إنما یظهر أیضاً فی الجماعة لا المنفرد ... کما قد مناه عن القهستانی علٰی أنه إذا کان التفویت لأمر عام لایکره ذلک للجماعة أیضاً؛لأن هٰذا التأخیر غیر معصیة، هٰذا ویظهر من التعلیل أن المکروه قضاء ها مع الاطلاع علیها ولو فی غیر المسجد. (الدرالمختارمع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ۳۹۱/۱، دار الفکر بیروت، ظفیر)

کے ساتھ اور کہیں چار رکعت نفل با جماعت ادا کی جاتی ہے، محض بے اصل اور اختراعی ہے، شریعت مقدسہ میں اس کی اصل نہیں، نہ کسی حدیث میں آئی، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول، یا فعل سے ثابت ہے، نہ مجتہدین امت سے منقول، فتاویٰ واجدین نسفی کوئی غیر مشہور اور غیر معتبر کتاب ہے، اس میں اگر واقعی یہ لکھا ہے کہ ''ہر کہ ابا کند ازیں نماز ضال ومضل است واز دائرہ اسلام خارج است''، تو وہ کتاب یقیناً غلط اور خود اس حکم کی مستحق ہے؛ کیوں کہ دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا حکم قطعیات کے انکار پر دیا جاسکتا ہے، اس نماز کا ابھی ثبوت ہی نہیں ہوا، چہ جائیکہ اس کے منکر کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔

کوئی ایسی حدیث کہ یہ نماز سات سو نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے، ہماری نظر میں نہیں ہے، جو صاحب ایسی حدیث بیان کرتے ہیں، وہ اس کی سند اور حوالہ بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ اس حدیث میں اس قضائے عمری کی مختلف صورتوں میں سے کس صورت کا ذکر ہے؟ اور دوسری صورت جو گھڑی گئی ہے، وہ کہاں سے لی گئی ہے؟ ابوداؤد والی روایت سے اس نماز کا کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں۔ وہ تو تمام عبادات میں فرائض کے نقصان کو حضرت حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوافل سے پورا فرمادے گا، نماز ہو، یا روزہ، حج ہو، یا زکوٰۃ اور وہ نوافل سال بھر کے نوافل کو شامل ہیں، کسی خاص تاریخ کے نفلوں میں یہ خاصیت کہ وہ عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ ہوجائے، یہ اس حدیث سے کہاں ثابت ہے؟

نفل با جماعت حنفیہ کے نزدیک سوائے ان چند نمازوں کے جن کی تصریح کردی گئی ہے (مثلاً تراویح ونماز کسوف) مکروہ ہیں، کسی فقہ حنفی کی کتاب میں قضائے عمری کا نہ ذکر کیا گیا، نہ اس کی جماعت کو کراہت کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ مکروہ خواہ تحریمی ہو، یا تنزیہی، بہر حال وہ ممنوع شرعی ہے اور جو چیز شرعاً ممنوع ہے، اس میں ثواب کی امید رکھنی احکام شریعت کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے، جس چیز کو شریعت منع کرتی اور مکروہ بتاتی ہے، اس میں ثواب کیسا؟ اگر ثواب ہوتا تو وہ ممنوع اور مکروہ کیوں ہوتی؟ کیا شریعت ثواب کے کام کو بھی منع کرسکتی ہے؟ نیکی کا کام وہی ہے، جو اصول شرعیہ کے موافق ہو، ورنہ تو تمام بدعات بظاہر نیکی کے کام ہی ہوتے ہیں؛ لیکن چوں کہ شرعاً بے اصل ہوتے ہیں؛ اس لیے وہ ناجائز اور ممنوع قرار دئے جاتے ہیں۔ پس اس مصنوعی قضائے عمری کو ترک کرنا ہی شریعت کے موافق ہے کہ یہ بدعت اور بے اصل اور نا قابل اعتماد اور فساد عقیدہ کو مستلزم ہے، انکار کرنے والے ہی حق پر ہیں اور کوئی نفل نماز فرض کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، نہ چار رکعت نفل سے چار رکعتیں ظہر، یا عصر کی معاف ہوسکتی ہیں، چہ جائیکہ سیکڑوں یا ہزاروں نمازوں کی قضا کے قائم مقام ہوجائے، نیز معاملہ توفیقی ہے، جس کے لیے صاف وصریح آیت، یا حدیث ہونی چاہیے، محض قیاسی طور پر یہ ثابت نہیں ہوسکتا اور حق تو یہ ہے کہ کوئی قیاسی دلیل بھی اس نماز کے لیے نہیں ہے۔(۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۸۴-۳۸۵)

---

(۱) ولا تعاد عند توهم الفساد للنهي. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۳۷/۲، ط: سعيد)

نفل نماز باجماعت قضاء عمری کے لیے:

سوال(۱) کیا قضائے عمری اس خیال سے پڑھنا کہ تمام سال کی نمازیں جوفوت شدہ ہیں،اس کے پڑھنے سے معاف ہوجاتی ہیں،قضائے عمری اس صورت سے پڑھی جاتی ہے: دورکعت نماز نفل باجماعت ۔ یہ نماز شریعت اسلامی میں ثابت ہے، یانہیں؟ فقہ کی کون سی کتاب میں لکھی ہوئی ہےاورحدیث کی کسی کتاب میں ہے، یانہیں؟

(۲) دورکعت نماز نفل صبح ،یعنی دورکعت نماز نفل پڑھنا باجماعت اورلوگوں کواس کی ترغیب دینا اوراس کا اہتمام کرنا کیساہےاور یہ کہنا کہ اس سے حج کا ثواب مل جاتا ہے، کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

یہ نماز شرعاً ثابت نہیں،نوافل کو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے،دورکعت اس طور سے پڑھ کر یہ اعتقاد کرنا کہ اس سے عمر بھر کی فوت شدہ نمازیں معاف ہوجاتی ہیں، بالکل اصول شرع کے خلاف ہے،جوفرض نماز فوت ہوتی ہے،اس کی قضا فرض ہے،جوواجب نماز فوت ہوتی ہے،اس کی قضاواجب ہے،جوسنت نماز فوت ہوتی ہو،اس کی قضا بھی سنت ہے۔

”قضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة، لف ونشر مرتب، وجميع أوقات العمر وقت للقضاء،آه،إلا الثلا ثة المنهية“. (۱)

مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قضائے عمری کے بطلان میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔(۲)

(۲) یہ لغواور باطل ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمود غفرلہ(فتاویٰ محمودیہ:۳۸۲/۷-۳۸۳)

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۶۶/۲ ،سعيد

(۲) رساله ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان،مجموعه رسائل اللكنوى: ۳۴۹/۲، إدارة القرآن كراچى

س:”انسان سے جونمازیں چھوٹ گئی ہوں،ان کی قضااس کے ذمہ لازم ہے،صرف توبہ کرلینے سے وہ معاف نہیں ہوتیں؛البتہ وہ اگرروزانہ پانچ نمازوں کی قضا کرنا شروع کردے اورساتھ ہی یہ وصیت بھی کردے کہ جونمازیں میں اپنی زندگی میں ادانہ کرسکوں،ان کا فدیہ میرے ترکہ سے اداکیاجائے توامید ہے کہ ان شاء اللہ اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ قبول فرماکر اس کی کوتاہی کومعاف فرمادیں گے“۔(فقہی مقالات:۱۵/۴-۲۸،قضاءعمری کی حقیقت،میمن اسلامک پبلشرز)

وأيضا راجع للتفصيل: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۳۰/۴،وکفایت المفتی:۳۸۲/۳،۳۸۴،فتاویٰ حقانیہ:۳۰۱/۳،وغیرہ)

(۳) اس لیے صبح صادق سے لے کرطلوع شمس تک کسی قسم کے نوافل پڑھنا جائزنہیں،دوسری خرابی یہ ہے کہ نفل کی جماعت مکروہ ہے:

”عن حفصة رضى الله تعالىٰ عنها قالت:كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا طلع الفجر لا يصلى إلا ركعتين خفيفتين“. (الصحيح للإمام مسلم،باب استحباب ركعتي الفجر والحث عليهما: ۲۵۰/۱، قديمى)

”عن على رضى الله تعالىٰ عنه قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى اثر كل صلوٰة مكتوبة ركعتين إلا الفجر والعصر“.(سنن ابى داؤد،باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة: ۱۸۸/۱،إمدادية،ملتان)

قضاء عمری کی نماز میں قرأت کا کیا حکم ہے:

سوال: قضائے عمری کی تمام رکعات بھری پڑھے، یا دو خالی اور دو بھری۔

الجواب

دو بھری اور خالی پڑھنی چاہیے، البتہ جس وقت بہت سی نمازیں قضا پوری ہو جاویں اور آئندہ کو محض شبہ رہے کہ قضا نماز ذمہ ہے، یا نہیں؟ اس وقت چاروں بھری پڑھے اور عشا کے ساتھ وتر کی قضا بھی لازم ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۳۸/۴)

کیا قضائے عمری بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں:

سوال: میری عمر ۶۵/ سال ہے، صحت نہیں اور میں فرض نماز میں زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکتی، میں فرض نماز تو کھڑی ہو کر پڑھ لیتی ہوں؛ لیکن سنتوں میں اور نفل میں بیٹھ جاتی ہوں، اگر میں قضائے عمری ادا کروں تو کیا میں بیٹھ کر کر سکتی ہوں؟

الجواب

اگر کھڑے ہونے کی ہمت ہو تو کوشش کی جائے کہ قضا نمازیں کھڑے ہو کر پڑھیں اور اگر ہمت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۵۰)

کیا قضائے عمری میں سورت کے بجائے تین دفعہ "سبحان اللّٰہ" پڑھ لینا کافی ہے:

سوال: میں نے سنا ہے کہ اگر کسی شخص کو عمر بھر کی قضا نمازیں؛ یعنی قضا العمری پڑھنی ہوں تو وہ قیام میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ ملائی جانے والی سورت کی بجائے تین مرتبہ "سبحان اللّٰہ" پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب

غلط ہے، نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ چھوٹی سورۃ ملانا (یا تین چھوٹی آیتیں) واجب ہے، اس کو چھوڑنے سے نماز نہیں ہوگی۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۳۵)

---

(۱) ومنها القيام وهو فرض في صلاة الفرض والوتر (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، في الفصل الأول: ۶۹/۱)

إذا تعذر على المريض القيام صلى قاعدًا يركع ويسجد، إختلفوا في حد المرض الذي يبيح له الصلاة قاعدًا فقيل: أن يكون بحال إذا قام سقط من ضعف أو دوران الرأس والأصح أن يكون بحيث يلحقه بالقيام ضرر وإذا كان قادرا على بعض القيام دون تمامه أمر بأن يقوم مقدار ما يقدر فإذ عجز قعد، الخ. (الجوهرة النيرة: ۷۹/۱، باب صلاة المريض)

(۲) يضم إلى الفاتحة سورة أو ثلاث آيات. (الفتاویٰ الهندية: ۷۴/۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها، انيس)

۲۷؍رمضان اور قضائے عمری:

سوال: سنا ہے کہ ۲۷؍رمضان المبارک کی رات کو ۱۲؍نفل نماز قضائے عمری پڑھی جاتی ہے، آیا یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

شریعت مطہرہ میں قرآن وحدیث سے کوئی ایسا قانون ثابت نہیں کہ ۲۷؍رمضان المبارک، یا اور کسی دن ۱۲؍رکعات، یا ۴؍رکعات پڑھنے سے عمر بھر کی قضا نمازوں کا کفارہ ہو جائے، ایسی سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کیا کریں۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳؍۴۳۴)

رمضان کے اخیر جمعہ میں قضاءعمری کا رواج ثابت نہیں:

سوال: رمضان شریف کے آخر جمعہ میں قضاءعمری برابر میں پڑھی جاتی ہے، وہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

رمضان شریف کے آخر جمعہ میں قضاءعمری بطریق مخصوص پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ شامی میں ہے کہ امام صاحب کی طرف اس کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے اور فخر الاسلام اور قاضی خاں سے اس کی کراہت نقل کی ہے، لہذا اس کو چھوڑنا چاہیے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴؍۳۴۵-۳۴۶)

رمضان شریف کے آخری جمعہ میں قضاءعمری:

سوال: رمضان شریف میں آخری جمعہ کو قضاءعمری بارہ رکعت باجماعت پڑھتے ہیں، یہ نماز کس کے لیے ہے، پنج وقت نمازی کے واسطے، یا کہ ہر ایک کے لیے؟ اور یہ نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۳۷۸، شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب، ۲۷؍ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ، ۱۱؍مارچ ۱۹۳۷ء)

---

(۱) فعلم أن كلا من صلاة الرغائب... وصلاة القدر ليلة لسابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة، الخ. (حلبی كبير، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲-۴۳۳)

اعلم أنهم قد أحدثوا في آخر جمعة شهر رمضان أمورا ممالا أصل لها، والتزموا أمورا لا اصل للزومها... فمنها القضاء العمري، حدث ذلك في بلاد خراسان وأطرفها؛ وبعض بلاد اليمن واكنافها، ولهم في ذلك طرق مختلفة و مسالك متشتة، فمنهم من يصلي في آخر جمعة رمضان خمس صلوات قضاء بأذن وإقامة مع الجماعة، ويجهرون في الجهرية، ويسرون في السرية، وينوون لها بقولهم: نويت ان أصلي أربع ركعات مفروضة قضاء لما فات من الصلوات في تمام العمر مما مضى، ويعتقدون أنها كفارة لجميع الصلوات الفائتة فما مضى. (مجموعة رسائل الكهنوى، رسالة: ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲؍۳۴۹، كفاية المفتى: ۳؍۳۸۴)

(۲) وما نقل أن الإمام قضى صلاة عمره، الخ. (الدر المختار)

وفي الرد تحته: والجواب أولاً أنه لم يصح نقل ذلك عن الإمام. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲؍۳۷-۳۸، ظفير)

الجواب

یہ قضائے عمری کی نماز بے اصل ہے اور جماعت سے پڑھنا ناجائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۸۲-۳۸۳)

جمعۃ الوداع میں قضائے عمری کے لیے چار رکعات نفل پڑھنا صحیح نہیں:

سوال: لوگوں کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت ''قضائے عمری'' کی نیت سے پڑھنی چاہئیں اور اس طرح چار رکعت نماز پڑھنے سے تمام نمازیں معاف ہوجاتی ہیں، کیا یہ خیال درست ہے؟ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیے؟

الجواب

یہ خیال بالکل لغو اور مہمل ہے، جو نمازیں قضا ہو چکی ہیں ان کو ایک ایک کر کے ادا کرنا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''اگر کسی نے رمضان المبارک کا روزہ چھوڑ دیا تو عمر بھر اگر روزے رکھتا رہے، تب بھی اس نقصان کی تلافی نہیں ہوسکتی''۔(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ساری عمر کے نوافل بھی ایک فرض کے قائم مقام نہیں ہوسکتے اور یہاں چار رکعت نفل (قضاءعمری) کے ذریعہ عمر بھر کے فرائض کو ٹرخانے کی کوشش کی جاتی ہے، بہر حال یہ چار رکعت ''قضاءعمری'' کا نذر قطعاً یہ غلط اور خلاف شریعت ہے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۳۲)

رمضان میں جماعت کے ساتھ قضاءعمری:

سوال: ایک شخص رمضان کے آخری جمعہ کو قضاءعمری باالجماعت ہر ایک نماز کو اذان دیتے ہوئے پڑھتا ہے، اگر کوئی نہیں پڑھتا تو اس کو ملامت کرتا ہے اور سخت گنہگار بتلاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) ولا تعاد عند توهم الفساد للنهی وما نقل أن الامام قضٰی صلاة عمره.(الدرالمختارباب الوتر والنوافل:۲/۳۷،سعید)

(۲) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصة ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه.(سنن الترمذی:۱/۹۵،باب ماجاء فی الإفطار متعمدًا)

(۳) اعلم أنهم قد أحدثوا فی آخرجمعة شهررمضان أمورا مما لا أصل لها،و التزموا أمورا لا أصل لها للزومها،فمنها القضاء العمری،حدث ذلک فی بلاد الخراسان وأطرافها وبعض بلاد اليمن وأكنافها،ولهم فی ذلک طرق مختلفة ومسالک متشتة فمنهم من يصلی فی آخرجمعة رمضان خمس صلوات قضاء بأذان وإقامة مع الجماعة ويجهرون فی الجهرية ويسرون فی السرية،وينوون لها بقولهم نويت ان أصلی أربع ركعات مفروضة قضاء لما فات من الصلوات فی تمام العمر مما مضى ، ويعتقدون إنها كفارة لجميع الصلوات الفائتة فيما مضى.(مجموعة رسائل للكهنوی:۲/۳٤۹، طبع إدارة القرآن كراچی/وأيضا كفايت المفتی:۳/۳۸٤،كتاب الصلوٰة، قضائے عمر کی شرعی حیثیت)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

ایسا کرنا جائز نہیں، دلائل شرعیہ کے خلاف ہے، اس کے تارک کو گنہگار کہنا سخت گناہ ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۳/۷)

ایک مخصوص طریقہ سے سوسال کی نمازوں قضا کا حکم:

سوال: ایک رسالہ میں لکھا ہے، جس کی سو ۱۰۰ر سال کی نمازیں قضا ہوگئی ہوں تو پانچ رکعت پڑھے، بعد سورہ فاتحہ کے سورہ اخلاص سات بار پڑھے تو نماز اس کی سوسال کی ادا ہوجائے گی۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بالکل غلط ہے۔

۲۷ر شوال ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۲۸۰/۲)

ایک نماز نفل سے مکمل نمازوں کی قضا و کفارہ:

سوال: زید اپنی تصنیف میں لکھتا ہے کہ نماز کفارہ قضائے عمری اس طرح پڑھے کہ بعد از نماز جمعہ چار رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ کوثر پندرہ بار اور بعد نماز سلام دس دس بار، استغفار و درود پڑھے کفارہ قضا شدہ نمازوں کا ہوجائے گا۔

زید کا یہ کہنا کتب احادیث و دیگر کتب متبرک سے ثابت ہے، یا نہیں؟ شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے، یا نہیں؟ حکم شرعی سے مطلع فرمایا جائے۔ والسلام　　(احقر الناس محمد احسن)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

کفارہ کی شرعاً کوئی اصل نہیں، نہ اس سے قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے، زندگی میں ان نمازوں کا خود پڑھنا فرض ہے، بغیر اس کے بری الذمہ نہ ہوگا۔(۲) اگر نہیں پڑھ سکا تو مرتے وقت وصیت کرنا ضروری ہے، مرنے کے بعد ہر نماز کے عوض ایک صدقہ فطر کی مقدار صدقہ کرنے سے نماز کا صدقہ ادا ہوگا اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵٦/٦/۲٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵٦/٦/۲۸ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۲/۷-۴۰۳)

---

(۱) مجموعہ رسائل اللکنوی، رسالہ "ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان": ۳٤۹/۲، إدارة القرآن کراچی

(۲) قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿وأقیموا الصلاة﴾ (سورة البقرة: ٦۳)

وقال اللّٰہ تعالٰی: ﴿إن الصلاة كانت على المومنين كتاباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳)

(۳) ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة، يعطى لكل صاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، سعيد)　==

قضا نمازیں ادا کرنے کے بارے میں ایک غلط روایت:

سوال: آپ کے کالم میں اکثر قضا نمازوں کے بارے میں پڑھا، قضا نمازوں کے بارے میں پچھلے دنوں ایک حدیث نظر سے گزری، پیش خدمت ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی نمازیں قضا ہوگئی ہوں اور اسے معلوم نہ ہو کہ کتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں؟ تو اسے چاہیے کہ پیر کی رات میں پچاس رکعات نماز پڑھ لے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے اور فارغ ہوکر درود پڑھے، ان رکعات کو اللہ تعالیٰ سب قضا نمازوں کا کفارہ کردے گا، اگرچہ وہ ایک سو برس کی کیوں نہ ہوں''۔ یہ ہے قضا نمازوں کے بارے میں حدیث۔

الجواب

مگر یہ حدیث لائق اعتماد نہیں، محدثین نے اس کو موضوع یعنی من گھڑت کہا ہے، (۱) قضا نمازوں کا کفارہ یہی ہے کہ نماز قضا کرنے سے توبہ کی جائے، اور گزشتہ عمر کی قضا شدہ نمازوں کو ایک ایک کرکے قضا کیا جائے، سنتوں اور نفلوں کی نہیں۔ (۲) قضا صرف فرض اور وتر کی ہے، (۳) سنتوں اور نفلوں کی نہیں۔ (۴) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۳۱/۳-۶۳۲)

قضاءعمری کا مروجہ طریقہ ثابت نہیں، بے اصل ہے:

سوال: ایک اردو کتاب میں تحریر ہے کہ کفارہ قضاءعمری کے لیے نماز بہ ترکیب ذیل ادا کرنی چاہیے: ''ہر رکعت میں آیۃ الکرسی ایک ایک مرتبہ اور سورۂ کوثر گیارہ گیارہ مرتبہ بعد سورہ فاتحہ پڑھے''۔ یہ جائز ہے، یا مکروہ؟ اور اسی طرح پر اور نمازوں کی نسبت بھی کئی کئی سورہ مختلف مقامات کی ہر رکعت میں پڑھنے کے لیے تحریر ہے؟

== إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بأن يعطى كفارة صلاته،يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع،ولصوم يوم نصف صاع،وإنما يعطى من ثلث ماله.(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ١٦٠/٢)

(١) ''من قضٰى صلوٰة من الفرائض فى آخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابرًا لكل صلوة فائتة فى عمره إلٰى سبعين سنة''باطل قطعا؛لأنه مناقص للإجماع علٰى أن شيئاً من العبادات لايقوم مقام فائتة سنوات.(الموضوعات الكبير،ص: ٣٤٢،رقم الحديث: ٥١٩، مكتبة الاسلامى بيروت،انيس)

(٢) من ترك صلاته لزمه قضائها.(الحلبى الكبير،فصل فى قضاء الفوائت،ص: ٥٢٩)

ولانعلم بين المسلمين خلافا فى أن تارك الصلاة يجب عليه قضاؤها.(المغنى والشرح الكبير: ٣٠١/٢)

(٣) وقد قالوا إنما تقضى الصلوات الخمس والوترعلى قول أبى حنيفة ...والقضاء فرض فى الفرض،واجب فى الواجب،سنة فى السنة.(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ٨٦/٢)

(٤) أن السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ فنقول وبالله التوفيق:لاخلاف بين أصحابنا فى سائرالسنن سوى ركعتى الفجرأنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضى سواء فاتت وحدها أومع الفريضة.(بدائع الصنائع،فصل فى بيان السنة: ٢٨٧/١)

الجواب

اس کی کچھ اصل نہیں ہے اوراس ترکیب سے نفل پڑھنے میں قضاء عمری حاصل نہیں ہوتی۔اول تو خود قضاء عمری کی کچھ اصل نہیں ہے؛ بلکہ فقہانے اس کو مکروہ لکھاہے اور ثانیاً اس ہیئت اور کیفیت کے ساتھ پڑھنا قضاء عمری کے لیے ثابت نہیں ہے اور یہ طریق قضا کا خلاف قواعد شرعیہ ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر نمازیں کسی کے ذمہ فائتہ ہوں، بیقین، یا بظن غالب ان کو قضا کرے اور محض توہم کی بنا پر قضاء عمری ثابت نہیں ہے؛ بلکہ مکروہ ہے۔شامی میں درمختار کے اس قول پر ”ومانقل أن الإمام قضی صلاۃ عمرہ“ الخ لکھاہے :**أنہ لم یصح ذلک عن الإمام ... فالوجہ حینئذٍ کراھۃ القضاء لتوھم الفساد،الخ.** (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/ ۳۳۰)

قضاء عمری کا جوطریقہ مروجہ بعض کتابوں میں منقول ہے، ثابت نہیں:

سوال: از کتاب انیس الارواح،ص:۲۴، مجلس نمبر:۱۳ فرمایا کہ امیر المؤمنین علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ جس شخص کی نمازیں اتنی قضا ہوگئی ہوں کہ اس کو یاد نہ ہوں، پس دوشنبہ کی رات کو پچاس رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور ایک دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے تو خدا تعالیٰ اس کی گزشتہ نمازوں کا کفارہ کرتا ہے۔یہ صحیح ہے شرعاً، یا نہیں؟

الجواب

مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ احادیث وفقہ سے یہ ثابت ہے کہ جس قدر نمازیں قضا ہوں،ان سب کی قضا کرنی چاہیے اوراگر قضا نمازیں یاد نہ ہوں کہ کس قدر ہیں تو ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ انداز کرے کہ اس قدر نمازیں میرے ذمہ ہیں،اسی قدر قضا کرے،(۲) اور جو روایت آپ نے کتاب انیس الارواح سے نقل کی ہے،اس کی کچھ اصل اور سند معلوم نہیں ہے اور نہ یہ کہ یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں ہے اور یہ روایت اگر ثابت ہو جائے تو اس پر محمول ہے کہ جس قدر نمازیں فوت شدہ اس کو یاد ہوں،ان کو قضا کرے اور جو نمازیں لاعلمی سے رہ جائیں،ان کے لیے عمل مذکور کرے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/ ۳۴۰-۳۴۱)

قضاء عمری کے ادا کرنے کے سستے نسخوں کی تردید:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعۃ الوداع کے دن قضائے عمری کی نماز پڑھنی چاہیے،وہ اس طرح کہ جمعہ کے وقت دو رکعت قضائے عمری کی نیت سے پڑھی جائے،کہتے ہیں کہ اس سے پورے سال کی نمازیں ادا ہوجاتی ہیں،کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار،باب الوتر والنوافل،قبیل مطلب فی الصلاۃ علی الدابۃ: ۲/ ۳۷-۳۸،دار الفکر،ظفیر

(۲) وقضاء الفرض والواجب والسنۃ فرض وواجب وسنۃ.(الدر المختار،باب قضاء الفوائت: ۱/ ۶۸۰،ظفیر)

الجواب

لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ! سوال میں جو بعض لوگوں کا خیال ذکر کیا گیا ہے، بالکل غلط ہے اور اس میں تین غلطیاں ہیں:

(اول) شریعت میں ''قضائے عمری'' کی کوئی اصطلاح نہیں، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ مسلمان کو نماز قضا ہی نہیں کرنی چاہیے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک فرض جان بوجھ کر قضا کردے، اللہ تعالیٰ کا ذمہ اس سے بری ہے۔(۱)

(دوم) یہ کہ جو شخص غفلت وکوتاہی کی وجہ سے نماز کا تارک رہا، پھر اس نے توبہ کرلی اور عہد کیا کہ وہ کوئی نماز قضا نہیں کرے گا، تب بھی گزشتہ نمازیں اس کے ذمہ باقی رہیں گی اوران کا قضا کرنا اس پر لازم ہوگا، (۲) اوراگر زندگی میں اپنی نمازیں پوری نہیں کرسکا تو مرتے وقت اس کے ذمہ وصیت کرنا ضروری ہوگا کہ اس کے ذمہ اتنی نمازیں قضا ہیں ان کا فدیہ ادا کردیا جائے، یہی حکم زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ دیگر فرائض کا ہے، اس قضائے عمری کے تصور سے شریعت کا یہ سارا نظام ہی باطل ہوجاتا ہے۔(۳)

(سوم) کسی چیز کی فضیلت کے لیے ضروری ہے کہ وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو؛ کیوں کہ بغیر وحیٔ الٰہی کے کسی چیز کی فضیلت اور اس کا ثواب معلوم نہیں ہوسکتا۔ ماہ رجب کی نماز اور روزوں کے بارے میں، اسی طرح جمعۃ الوداع کی نماز اور روزے کے بارے میں جو فضائل بیان کئے جاتے ہیں، یہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً ثابت نہیں؛ (۴) اس لیے ان فضائل کا عقیدہ رکھنا بالکل غلط ہے۔ شریعت کا مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک فرض

(۱) وعن أبي الدرداء رضي اللّٰه عنه قال: أوصاني خليلي أن لا تشرك باللّٰه شيئاً وإن قطعت وحرقت ... ولا تترك صلاة مكتوبة متعمداً فمن تركها متعمدا فقد برئت منه الذمة ولا تشرب الخمر فانها مفتاح كل شر. (مشكوٰة، ص: ٥٩، كتاب الصلاة، الفصل الثالث)

(۲) و التاخير بلاعذر كبيرة لاتزول بالقضاء بل بالتوبة أو الحج فالقضاء مزيل لإثم الترك ... وأفاد بذكره الترتيب فى الفوائت والوقتية لزوم القضاء. (حاشية الطحطاوى، ص: ٢٣٩)

كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضاء ها سواء ترك عمداً أوسهواً أوبسبب نوم وسواءٌ كانت الفوائت كثيرة أوقليلة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة: ١٢١/١، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت)

(۳) (و)لزم (عليه) ... (الوصية بما) .. (قدرعليه) ... (وبقى بذمته) حتىٰ أدركه الموت من صوم فرض وكفارة ظهار ... والوصية بالحج والصدقة المنذورة ... لصوم كل يوم ... (و) كذا يخرج الصلاة كل وقت) من فرض اليوم والليلة (حتىٰ الوتر)؛ لأنه فرض عملى عند الإمام. (مراقى الفلاح علىٰ هامش الطحطاوى، كتاب الصلاة، فصل فى اسقاط الصلوٰة والصوم، ص: ٤٣٧-٤٣٨، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۴) فعلم أن كلا من صلوة الرغائب ليلة أول جمعة من رجب وصلوٰة البرائة ليلة النصف من شعبان والصلوٰة القدر ليلة لسابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة ... وقال الشيخ النووى وهاتان الصلاتان بدعتان مذمومتان منكرتان قبيحتان ... وأما صلوة الليلة القدر فلاذكرلها بين العلماء اصلا وليس فيها حديث صحيح ... فهى أولىٰ بالكراهة منهما. (الحلبى الكبير، ص: ٤٣٣-٤٣٤، تتمات من النوافل)

ترک کردے تو ساری عمر کی نفلی عبادت بھی اس ایک فرض کی تلافی نہیں کرسکتی اور یہاں یہ مہمل بات بتائی جاتی ہے کہ دو رکعت نفل نماز سے ساری عمر کے فرض ادا ہوجاتے ہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۶۳۰-۶۳۱)

قضاء عمری کا مروجہ طریقہ بے اصل ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴/جنوری ۱۹۳۵ء)

سوال: اخیر جمعہ رمضان میں قضائے عمری کے طور پر اوقات خمسہ کی نماز کے بعد نماز جمعہ پڑھنا اور یہ خیال کرنا کہ یہ نماز تمام قضا نمازوں کا کفارہ ہے۔کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب

یہ نماز جس کو قضائے عمری کے نام سے ادا کرکے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک نماز تمام عمر کی قضا شدہ نمازوں کے قائم مقام ہوگئی شرعاً بے اصل ہے اور اصول شرعیہ کے خلاف ہے، لہٰذا واجب الترک ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۸۶)

فجر کی اذان کے بعد قضاء عمری:

سوال: فجر کی اذان اول وقت میں ہوئی، اذان کے بعد قضاء عمری پڑھ سکتے ہیں؟

ھو المصوب

اذان فجر کے بعد قضا نماز پڑھی جاسکتی ہے۔(۳)

تحریر: ناصر علی (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۰۲)

☆ ☆ ☆

---

(۱) خیر الفتاویٰ: ۲/۶۰۹،ما یتعلق بقضاء الفوائت

(۲) قال فی العتابیة:عن أبی نصر فیمن یقضی صلوات عمره من غیر أن فاتة شیء یرید الاحتیاط فان کان لاجل النقصان ،والکراهة فحسن،وان لم یکن لذالک لایفعل (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة،الباب الحادی عشر فی قضاء الفوات: ۱/۱۲٤،ط:ماجدیة)

(۳) تسعة أوقات یکره فیها النوافل وما فی معناها لا الفرائض هکذا فی النهایة والکفایة فیجوز فیها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة کذا فی فتاویٰ قاضیخان.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة،الباب الأول فی المواقیت،وما یتصل بها فی الفصل الثالث فی بیان الأوقات التی لاتجوز فیها الصلاة وتکره فیها: ۱/۵۲،انیس)

قضا نمازوں کی ادائیگی کے اوقات

قضا نماز پڑھنے کے اوقات:

سوال: قضا نماز پڑھنے کا کیا کوئی وقت مقرر ہے؟ اور کن اوقات میں قضا نماز نہیں پڑھنی چاہیے؟

(آفتاب الدین، گلبرگہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

قضا نماز انسان کے ذمہ اللہ تعالی کی نسبت سے ایک دَین ہے اور دَین کو جس قدر جلد ممکن ہو، ادا کرنا چاہیے؛ اس لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی نماز قضا ہو جائے تو پہلی فرصت میں اسے ادا کر لے؛ تاہم اگر ایسا نہ کر سکے، تب بھی قضا اس کے ذمہ باقی رہتی ہے اور عمر بھر بھی اسے ادا کیا جا سکتا ہے۔

"ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له". (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلنے، سورج ڈوبنے اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے؛ (۲) اس لیے ان اوقات میں قضا کی نماز کو پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہئے، باقی دوسرے اوقات میں کسی بھی وقت قضا نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں، فجر کے بعد تا طلوع آفتاب اور نماز عصر کے بعد تا غروب آفتاب نفل نمازوں کی ممانعت ہے، لیکن ان اوقات میں بھی قضاء نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۲۱-۴۲۲)

احتلام کی حالت میں غسل کر کے نماز ادا کرے اور وقت ختم ہونے کے بعد قضا کرے:

سوال: صبح صادق کو اگر احتلام ہو تو نماز صبح قضا کرے، یا بعد طلوع ہونے آفتاب کے بعد فارغ ہونے غسل کے ادا کرے، یا کس طرح نماز ادا کرے؟

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۱

(۲) عن عقبة بن عامر الجهني رضى الله عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلى فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتىٰ تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب". (الصحيح لمسلم، كتاب فضائل القرآن، رقم الحديث: ۸۳۱، باب الأوقات التى نهىٰ عن الصلاة فيها/ نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۳۱۹۲، باب الدفن عند طلوع الشمس وعند غروبها/ الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۱۰۳۰، باب ما جاء في كراهية الصلاة علىٰ الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها)

الجواب

غسل کر کے صبح کی نماز پڑھے، اگر وقت باقی رہے، ادا کرے اور اگر وقت باقی نہ رہے تو بعد بلند ہونے آفتاب کے قضا فرض صبح مع سنت کے کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۳۶۱/۴)

بعد نماز فجر سورج نکلنے سے پہلے قضا کی ادائیگی درست ہے:

سوال: کوئی شخص بعد فجر کے سورج نکلنے سے پہلے اور بعد عصر کے غروب ہونے سے پہلے قضا نماز پڑھتا ہے۔ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۶۲/۴)

فجر کے بعد قضا نماز:

سوال: کیا صبح فجر کی نماز کے فرض پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے کوئی سجدہ جائز ہے کہ نہیں؟ مثلاً: ہم نے فجر کے فرض پڑھ لیے ہیں، اس کے بعد سورج کے طلوع ہونے سے پہلے سجدہ کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نفل نماز جائز نہیں، قضا نماز اور سجدۂ تلاوت جائز ہے؛ مگر قضا نماز لوگوں کے سامنے نہ پڑھی جائے، تنہائی میں پڑھی جائے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۶۱/۳)

نماز فجر، سورج طلوع ہونے کے بعد قضا کی جا سکتی ہے:

سوال: سورج نکلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھے تو کیا نیت کرے؟

(المستفتی: ۴۹۶، محمد انور (ضلع جالندھر) ۲۰/ربیع الاول ۱۳۵۴ھ، مطابق ۳۰/جون ۱۹۳۵ء)

---

(۱) (ولا یقضیها إلا بطریق التبعیة) لقضاء (فرضها قبل الزوال لا بعده فی الأصح) لورود الخبر بقضائها فی الوقت المهمل.
(قوله: لورود الخبر) وهو ما روی أنه صلی اللّٰه علیه وسلم قضاها مع الفرض غداة لیلة التعریس بعد ارتفاع الشمس، کما رواه مسلم. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة: ۵۷/۲-۵۸، دار الفکر بیروت)

(۲) (وکره نفل) ... (بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر) ... و(لا) یکره (قضاء فائتة و) لو وترًا أو سجدة تلاوة وصلاة جنازة. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلوٰة: ۳۴۷/۱، ظفیر)

(۳) تسعة أوقات یکره فیها النوافل وما فی معناها لا الفرائض فیجوز فیها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة سجدة التلاوة ... منها ما بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس، الخ. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الأول فی المواقیت وما یتصل بها، الفصل الثالث فی بیان الأوقات التیء لا تجوز فیها الصلاة وتکره فیها: ۵۲/۱-۵۳، انیس)

الجواب

سورج نکلنے کے بعد فجر کی نماز قضا ہوتی ہے، قضا کی نیت کرے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۱۷)

کیا فجر کی قضا ظہر سے قبل پڑھنی ضروری ہے:

سوال: میری صبح کی نماز کسی مجبوری کی وجہ سے قضا ہوگئی، ظہر کی اذان سے قبل اس فرض نماز کو ادا نہ کر سکا، ظہر کی اذان کے ساتھ مسجد میں پہنچا تو کیا اس قضا نماز کو ظہر کی نماز سے پہلے ادا کر سکتا ہوں، یا پوری نماز ختم ہونے کے بعد ادا کروں؟

الجواب

جس کے ذمہ پانچ سے زیادہ قضا نمازیں نہ ہوں، یہ شخص صاحب ترتیب کہلاتا ہے،(۲) اس کے لیے حکم یہ ہے کہ پہلے قضا نماز پڑھے، اس کے بعد وقتی نماز پڑھے، حتی کہ اگر ظہر کی جماعت ہو رہی ہو اور اس کے ذمہ فجر کی نماز باقی ہو تو پہلے فجر کی نماز پڑھے، خواہ ظہر کی جماعت فوت ہو جائے،(۳) اور اگر صاحب ترتیب نہ ہو تو قضا نماز پہلے بھی پڑھ سکتا ہے، اور بعد میں بھی۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۴۳)

فجر کی نماز ظہر کے ساتھ پڑھنا:

سوال: میں ظہر اور عصر کی نماز تو باجماعت پڑھتا ہوں اور فجر کی نماز قضا ظہر کے وقت پڑھتا ہوں؟

الجواب

(۱) آپ کوشش کریں کہ ہر نماز وقت پر ادا کریں؛ کیوں کہ نماز قضا کر دینا بہت بڑا وبال ہے۔

(۲) اگر نماز قضا ہو جائے تو جتنی جلدی ممکن ہو، اس کو پڑھ لیا جائے، دوسری نماز کا انتظار نہ کیا جائے؛ کیوں کہ جتنی تاخیر ہوتی جائے گی، گناہ بڑھتا جائے گا۔

---

(۱) فی الدر: (ولابد من التعین عند النية) ... (لفرض) ... (ولو) قضاء. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروة الصلاة: ۱/۴۱۸، ط: سعید کمپنی)

(۲) صاحب الترتیب: من لم تکن علیه الفوائت ستاغیر الوتر من غیر ضیق الوقت والنسیان. (قواعد الفقه، ص: ۳۴۵، طبع صدف پبلشرز)

(۳) الترتیب بین الفائتة والوقتیة وبین الفوائت مستحق، کذا فی الکافی، حتیٰ لا یجوز أداء الوقتیة قبل قضاء الفائتة، کذا فی محیط السرخسی. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۲۱، کتاب الصلاة، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)

(۴) وکثرة الفوائت کما تسقط الترتیب فی الأداء تسقط فی القضاء. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱/۱۲۳)

(۳)　اگر فجر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ ظہر کا وقت ہوگیا تو پہلے فجر کی نماز پڑھ کر ظہر بعد میں پڑھنی چاہیے۔(۱)
(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۴۱)

اگر فجر کی نماز قضا ہوجائے تو ظہر سے پہلے کتنی اور ظہر کے بعد کتنی پڑھیں:

سوال:　اگر فجر کی نماز قضا ہوجائے تو زوال سے پہلے ادا کرنے کی صورت میں دوسنت اور دوفرض قضا پڑھتا ہوں اور اگر دیر ہوجائے تو زوال کے بعد ظہر سے پہلے صرف دوفرض قضا کرتا ہوں، کیا ایسا درست ہے؟ یعنی وہ سنت کی قضا بھی (زوال سے پہلے) لازمی ہے، یا نہیں؟ یا اختیار ہے؟

الجواب

اگر نماز قضا ہوجائے تو اس کو اولین فرصت میں ادا کرنے کا حکم ہے۔(۲) یہ خیال کہ ظہر کے وقت پڑھ لیں گے، غلط ہے، فرض کیجئے اگر ظہر سے پہلے آدمی کی وفات ہوجائے تو اس کے ذمے اللہ کا فرض باقی رہا، اس لئے اول فرصت میں نماز قضا ادا کرنی چاہئے اور ساتھ سنتیں بھی ادا کرلینی چاہئیں۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۶۴۶)

ظہر کی قضا عصر سے پہلے کرنی چاہیے، یا نہیں:

سوال:　ظہر کی قضا ہمراہ عصر کی نماز کے؛ یعنی قبل عصر کی نماز کے ادا کرنا چاہیے، یا نہیں؟ یعنی دونوں نماز مغرب سے ذرا پہلے ادا کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ظہر کی نماز فائتہ عصر سے پہلے پڑھنی چاہیے، اس کے بعد عصر پڑھنی چاہیے۔(۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۵۷-۳۵۸)

بعد عصر قضا نماز جائز ہے:

سوال:　نماز عصر کے بعد قضاء عمری، یا قضا روزمرہ کی پڑھ سکتے ہیں اور ایسا ہی صبح کی نماز کے بعد؟

(۱)　وإذا أخر الصلاة الفائتة عن وقت التذكر مع القدرة على القضاء هل يكره فالمذكور في الأصل أنه يكره.(الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۲٤، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت)

(۲)　وإذا أخر الصلوة الفائتة عن وقت التذكر مع القدرة على القضاء هل يكره فالمذكور في الاصل أنه يكره، لأن وقت التذكر إنما هو وقت الفائتة، وتأخير الصلاة عن وقتها مكروه بلا خلاف، كذا في المحيط.(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲٤)

(۳)　والسنن إذا فاتت عن وقتها لم يقضها إلا ركعتي الفجر إذا فاتتا مع الفرض يقضيهما بعد طلوع الشمس إلىٰ وقت الزوال ثم يسقط.(الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۱۲، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل)

(۴)　ورجل صلى العصر وهو ذاكر أنه لم يصل الظهر فهو فاسد إلا أن يكون في آخر الوقت.(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر، باب قضاء الفوائت: ۱/۱۳۹، ظفير)

الجواب

بعد عصر کے اسی طرح بعد نماز فجر قضا نماز جو کسی کے ذمہ واجب الاداء ہو پڑھنا جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

(لا)یکره (قضاء فائتة و)لو وترا،الخ. (۱)

اور یہی حکم قضاء عمری کا بھی ہے، بشرطیکہ اس کا قضا ہونا معلوم ہو اور جو محض وہم، یا احتیاط کی وجہ سے قضا کی جاوے، وہ اس وقت میں نہ پڑھنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۳۱۵/۲)

نماز عصر و فجر کے بعد فوائت کی ادائیگی درست ہے، یا نہیں:

سوال: فوت شدہ نمازوں کی قضا بعد نماز عصر و فجر جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تو اس حدیث " **لاصلاة بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس ولاصلاة بعد العصر حتیٰ تغیب الشمس**" کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

قضاء فائتۃ بعد صلوٰۃ العصر والفجر جائز ہے اور حدیث" **لاصلاة بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس ولاصلاة بعد العصر حتیٰ تغیب الشمس**"(۲) میں نہی نوافل پر محمول ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۹/۴-۳۴۰)

صبح وعصر کی نماز کے بعد قضا پڑھ سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۳۷۵/۱،دارالفکر بیروت،انیس

(۲) عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا صلاة بعد الصبح حتیٰ ترفع الشمس ولا صلاة بعد العصر حتیٰ تغیب الشمس.(صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة،باب لا تتحری الصلاة قبل غروب الشمس: ۸۳/۱،قدیمی،انیس)

(۳) ویکره أن یتنفل بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس وبعد العصر حتیٰ تغرب لما روی أنه علیه السلام نهیٰ عن ذالک ولابأس بأن یصلی فی هٰذین الوقتین الفوائت ویسجد للتلاوة ویصلی علی الجنازة؛لأن الکراهة کانت لحق الفرض لیصیر الوقت کالمشغول به لا لمعنی فی الوقت فلم تظهر فی حق الفرائض وفیما وجب لعینه.(الهدایة،کتاب الصلاة،فصل فی الأوقات التی تکره فیها الصلاة: ۸۱/۱-۸۲،ظفیر)

عن أبی قتادة قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة فإذا نسی أحدکم صلاة أونام عنها فلیصلها إذا ذکرها فإن الله تعالیٰ قال:﴿وأقم الصلاة لذکری﴾.(مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة،باب تعجیل الصلاة: ۶۱/۱،قدیمی،انیس)

الجواب

پڑھ سکتا ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۴۵/۴)

فجر اور عصر کے بعد قضا نماز پڑھنا:

سوال: کیا قضا نماز عصر، فجر کے بعد پڑھی جا سکتی ہے؟

الجواب

عصر اور فجر کے بعد قضا نمازیں پڑھنا جائز ہے، صرف نوافل پڑھنا مکروہ ہے؛(۲) مگر عصر و فجر کے بعد قضا نمازیں لوگوں کے سامنے نہ پڑھی جائیں؛ کیوں کہ نماز کا قضا کرنا معصیت ہے اور معصیت کا اظہار جائز نہیں۔(۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۴۳/۳)

نماز فرض کی قضا عصر و فجر کے بعد:

سوال: ایک شخص کی چھ نمازوں سے زیادہ نمازیں قضا ہوئی ہیں تو اس کو بعد نماز عصر وہ نمازیں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ (المستفتی: نظیرالدین امیرالدین (املیز ہ ضلع مشرقی خاندیس)

الجواب

فرض نماز کی قضا عصر و فجر کے بعد بھی جائز ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۸۳/۳)

عصر اور فجر کے بعد قضا نماز پڑھ سکتے ہیں:

سوال: ظہر کی نماز قضا عصر کے فوراً بعد اور عشا کی قضا نماز فجر کے فوراً بعد ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(المستفتی: مستری حافظ انعام الٰہی محلّہ فراشخانہ، دہلی، ۲۷/۱۱/۱۹۵۰ء)

---

(۱) (وكره نفل) ... (بعد صلاة فجرو) ... (عصر) ... (ولا (يكره قضاء فائتة و)لووترًا أوسجدة تلاوة وصلاة جنازة.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة: ۳٤۸/۱،ظفير)

(۲) وعن التنفل بعد صلاة الفجر و العصرلا عن قضاء فائتة وسجدة تلاوة.(تبيين الحقائق: ۲۳۲/۱،كتاب الصلاة،دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) وفی الدرالمختار:وينبغی أن لا يطلع غيره علی قضاءه،لأن التأخيرمعصية فلا يظهرها.

وفی الرد: قلت والظاهر أن ينبغی هنا للوجوب وأن الكراهة تحريمية؛لأن إظهارالمعصية معصية.(الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الصلاة،باب قبيل باب سجود السهو: ۷۷/۲،دار الفكر بيروت)

(۴) (وكره نفل) ... (بعد صلاة فجرو) ...(صلاة عصر) ...(ولا) يكره(قضاء فائتة) ولووترا.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة: ۳۷۵/۱،ط:سعيد)

الجواب

قضا نماز عصر اور فجر کے بعد ادا کرسکتے ہیں، (۱) جب کہ عصر اور فجر کی نماز سے پہلے نہ ادا کی ہو، ورنہ پہلے ادا کرلینا چاہیے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۹/۴۵۴)

فجر وظہر اور عصر کی قضا مغرب سے پہلے پڑھے، یا بعد میں:

سوال: اگر کسی شخص کی ظہر وعصر قضا ہوگئی تو ان کو مغرب سے پہلے پڑھے، یا بعد میں؟ اور کیا نیت کرے؟

الجواب

یہ سب نمازیں مغرب سے پہلے پڑھے اور اگر اتنی گنجائش نہیں تو بعد مغرب پڑھے۔ غرض سب نمازیں اسی دن قضا کرے، ہر ایک نماز میں اسی کی نیت کرے۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۵۰-۳۵۱)

مغرب کے وقت میں ظہر وعصر کی قضا پہلے کیسے ادا کرے:

سوال: اگر خالی عصر کی، یا ظہر وعصر دونوں نمازیں قضا ہیں۔ عصر مغرب کے وقت ان تینوں نمازوں کو کس طرح ادا کرے، جب کہ مغرب کا وقت نماز کے لیے تھوڑا ہے، اگر قضا ہوئی نمازوں کو مقدم کرتا ہے تو نماز مغرب کا وقت بھی ہاتھ سے جاتا ہے، کس طرح ترتیب جائز ہے اور نیز جب کہ یہ جائز ہے کہ اگر چار، یا پانچ نمازوں کی قضا میں ترتیب نہ دے تو جس وقت میں جو نماز وقت کی پڑھے گا، نفل شمار ہوگی؟

الجواب

مغرب کا وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے رہتا ہے، پس ظہر وعصر کو اول قضا کرکے، پھر مغرب کی نماز بھی وقت میں پڑھ لے اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر وقتیہ نماز کا وقت تنگ ہوجاوے کہ سوائے وقتیہ کے قضا کی گنجائش نہ رہی تو پھر ترتیب ساقط ہوجاتی ہے، اس حالت میں وقتیہ پہلے پڑھے اور قضا بعد میں پڑھے۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۴۲-۳۴۳)

جماعت مغرب کے وقت قضا کی ادائیگی درست ہے:

سوال: مغرب کی جماعت ہورہی ہے اور ایک شخص اپنی پچھلی نماز خواہ ظہر، یا عصر ادا کررہا ہے۔ یہ صحیح ہے، یا غلط؟

(۱) وجميع أوقات العمر وقت للقضاء إلا الثلاثة المنهية. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ٢/٦٦)

(۲) لايجوز أداء الوقتية قبل الفوائت ... ويسقط الترتيب عند ضيق الوقت، الخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ١/١٢١-١٢٢)

(۳) الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداءً وقضاءً لازم) ... (فلم يجز) ... (فجر من تذكر أنه لم يوتر) ... (إلا) ... (إذا ضاق الوقت المستحب) ... أو نسيت الفائتة) ... (أو فاتت ست اعتقادية. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ٢/٦٥-٦٨، دار الفكر بيروت، ظفير)

الجواب ــــــــــــــــــــ

صاحب ترتیب کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ وہ اپنی عصر، یا ظہر وغیرہ کی نماز فوائت کو پہلے مغرب سے ادا کر لیوے، **کما مر تفصیله**. (کذا فی الدرالمختار) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۵۸/۴-۳۵۹)

ظہر اور عصر کی قضا مغرب سے چند منٹ پہلے پڑھنا:

سوال: اگر نماز عصر اور ساتھ ہی ظہر کی قضا مغرب سے کچھ منٹ قبل ادا کر لی جائے تو کیا ادا ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس وقت ظہر کی قضا تو جائز نہیں؛ لیکن اسی دن کی عصر غروب تک پڑھ سکتا ہے، اگرچہ تاخیر کی وجہ سے گناہ ہوگا۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۴۳/۳)

نماز عصر جس کی قضا ہو وہ مغرب کے وقت پہلے ادا پڑھے، یا قضا:

سوال: اگر کسی شخص کی عصر کی نماز قضا ہے اور مغرب کا وقت آ گیا ہے، یہ جماعت میں شامل ہو، یا پہلے عصر ادا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر وہ شخص صاحب ترتیب ہے تو پہلے عصر کی نماز پڑھے، اگرچہ جماعت مغرب فوت ہو جاوے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۶۲/۴)

جس نے عصر کی نماز نہ پڑھی ہو وہ مغرب کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: ہماری عصر کی نماز قضا ہے اور مغرب کی نماز با جماعت ہو رہی ہے، اب میں عصر کی نماز پڑھوں، یا مغرب کی نماز جو با جماعت فرض ہو رہی ہے اس میں مل جاؤں؟ ادھر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اگر عصر کا حق ادا کرتا ہوں تو ادھر مغرب کی فرض نماز جو با جماعت ہو رہی ہے ختم ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر عصر کی نماز قضا ہے اور مغرب کی جماعت ہو رہی ہے تو پہلے عصر کی قضا پڑھی جائے۔ اگر جماعت مل جائے تو جماعت میں شریک ہو جائے اور جب جماعت ختم ہو جائے تو تنہا مغرب کی نماز پڑھے۔ یہ حکم اُس کے لیے ہے جو صاحب ترتیب ہو اور ایسا شخص جس کی چھ، سات وقت کی نماز قضا ہو اور اس نے ادا نہ کیا ہو تو اس پر ترتیب ضروری نہیں

---

(۱) و عند احمرارها إلى أن تغيب إلا عصر يومه ذلک فإنه يجوز أداؤه عند الغروب. (الفتاویٰ الهندية، الباب الأول في المواقيت وما يتصل بها في الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لاتجوز فيها الصلاة وتكره فيها: ۵۲/۱)

(۲) (ومن فاتته صلاة قضاها إذا ذكرها وقدمها علىٰ فرض الوقت) ... (ومن صلى العصر وهو ذاكر أنه لم يصل الظهر فهي فاسدة إلاَّ إذا كان في اٰخر الوقت). (الهداية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۳۹/۱، ظفير)

ہے، وہ عصر کی قضا نماز پڑھے بغیر جماعت میں مغرب کے شریک ہوسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۹۳-۲۹۴)

پہلے عصر کی قضا، یا مغرب:

سوال: عصر کی نما اگر قضا ہو جائے اور مغرب کا وقت شروع ہو گیا تو پہلے عصر کی قضا کر کے مغرب پڑھی جائے، یا مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد عصر کی قضا کرے؟ (ایم اے خان، مہدی پٹنم)

الجواب

ایسا شخص جو صاحب ترتیب ہو؛ یعنی جس کے ذمہ پانچ نمازوں کی قضا نہ ہو، اس کے لیے واجب ہے کہ ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے پہلے عصر ادا کرلے، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھے، خواہ جماعت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو؛ کیوں کہ نمازوں کے درمیان ترتیب کی رعایت واجب ہے۔(**الترتیب بین فروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم**). (۲) لیکن جو صاحب ترتیب نہیں ہو؛ یعنی اس پر پانچ سے زیادہ نمازوں کی قضا واجب ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ پہلے مغرب کی نماز ادا کرے، پھر عصر کی نماز ادا کرے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۲۳)

عشا کی نماز جو قضا ہے، اس کے یاد رہتے ہوئے صبح کی نماز نہیں ہوگی:

سوال: ایک شخص نے عشا کی نماز ترک کردی، اب اس نے صبح کی نماز پڑھی اور عشا کی نماز جو اس کے ذمہ تھی، نہیں پڑھی۔ اس صورت میں اس کی صبح کی نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

صاحبِ ترتیب اگر ایسا کرے تو اس کی صبح کی نماز بھی نہ ہوگی چاہیے کہ پہلے عشا کی نماز پڑھے، پھر صبح کی نماز پڑھے۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۴۲)

عشا کی قضا نماز فجر سے پہلے ادا کرے:

سوال: میں آج کل سفر میں بمقام ناگپور ہوں، یہاں کے لوگ اکثر عشا کی نماز قضا کر دیتے ہیں اور اس کو بعد صبح

(۱) (الترتيب بين الفروض الخمسة و الوترأداء قضاءً لازم) ... (إلا) ... (اذاضاق الوقت المستحب) ... (أونسيت الفائتة)؛لأ نه عذر(أوفاتت ست اعتقادية.(الدر المحتار علىٰ هامش ردالمحتار،باب إدراك الفريضة :٢/٥٢٣-٥٢٧)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار: ٢/٥٢٣/كذا في درر الحكام شرح غرر الحكام،الترتيب بين الفروض الخمسة و الوتر،الخ: ١/١٢٤،دارإحياء الكتب العربية بيروت،انيس)

(۳) الترتيب بين الفروض الخمسة والوترأداءً وقضاءً لازم) ... (فلم يجز) ... (فجرمن تذكرأنه لم يوتر) لوجوبه عنده.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت:٢/٦٥-٦٦،دار الفكر،ظفير)

(۴) البتہ اگر وقت تنگ ہو اور گنجائش نہ ہو تو صرف وقتی نماز پڑھ لے اور قضا بعد میں ادا کرے، كما في الدر المختار: فلايلزم الترتيب إذا ضاق الوقت المستحب. ظفير

صادق کے فجر کی نماز سے پہلے ادا کرتے ہیں، خواہ امام جماعت کرا رہا ہو؛ مگر وہ اول نماز عشا ادا کرلیویں گے، تب نماز فجر پڑھیں گے، اگر کسی نے خیال کیا کہ نماز فجر جاتی رہے گی تو وتر تو ضرور ہی پڑھ لیوے گا، تب نماز فجر پڑھے گا اور عشا بعد طلوع آفتاب کے ادا کرے گا۔ ظہر کی نماز قضا کردیوے گا اور اس کو عصر کے اخیر وقت میں ہمراہ عصر کے پڑھے گا، دراں حالیکہ جماعت ہورہی ہو۔ اس صورت میں کیا مسئلہ ہے؟ عشا کی نماز اگر قضا ہوجائے تو کب تک ادا کردینی چاہیے؟

الجواب

صاحب ترتیب کے لیے کہ جس کے ذمہ چھ نمازیں، یا اس سے زیادہ قضا نہ ہوں، یہ حکم ہے کہ جو نماز فوت ہوجاوے اس کو دوسری نماز سے پہلے ادا کرلیوے اور اگر جماعت دوسری نماز کی ہوتی ہو تو اس میں شریک نہ ہو، اپنی فائتہ نماز پہلے ادا کرے، پھر دوسری وقتیہ نماز ادا کرے۔ مثلاً اگر سوگیا، یا کسی وجہ سے عشا کی نماز فوت ہوگئی اور صبح صادق ہوگئی، یا صبح کی جماعت ہونے لگی تو وہ عشا کی نماز مع وتر کے پڑھے، پھر صبح کی نماز پڑھے، اگرچہ جماعت نہ ملے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۷/۴-۳۵۸)

صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضو، یا قضا نماز عشا پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: صبح صادق شروع ہونے پر تحیۃ الوضو، یا قضا نماز عشا قبل از نماز فجر پڑھ سکتے ہے، یا نہیں؟

الجواب

بوقت فجر تحیۃ الوضو وغیرہ نوافل نہیں پڑھ سکتا،(۲) اور قضا نماز کو ادا کرسکتا ہے، کذا فی الہدایۃ۔(۳)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۷/۴-۳۵۸)

صبح صادق کے بعد نماز:

سوال: صبح صادق شروع ہونے کے بعد سجدۂ تلاوت ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ کوئی نماز طلوع آفتاب تک علاوہ فجر کی نماز کے پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ تلاوت کرسکتا ہے اور صلوٰۃ جنازہ اور فائتہ نماز بھی اس وقت درست ہے، **كذا فى الدر المختار: (لا) يكره ... فائتة) ... (أو سجدة تلاوة وصلاة جنازة)، الخ.** (۴) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۵۷/۴-۳۵۸)

(۱) (من فاتته صلاة قضاها إذا ذكرها وقد مها على فرض الوقت) ... (ومن صلى العصر وهو ذاكر أنه لم يصلى الظهر فهى فاسدة إلا إذ كان فى آخر الوقت). (الهداية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۳۷/۱-۱۳۹)

(۲) ويكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتى الفجر. (الهداية، فصل فى الأوقات المكروهة: ۸۲/۱، ظفير)

(۳) ويكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر حتى تطلع الشمس الخ ولا بأس بأن يصلى فى هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة (الهداية، كتاب الصلاة، فصل فى الأوقات التى تكره فيها الصلاة: ۸۱/۱، ظفير)

(۴) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱۲/۱، ظفير

صاحب ترتیب کے احکام

قضامیں ترتیب کا مطلب کیا ہے:

سوال: یہ جو کہا جاتا ہے کہ صاحب ترتیب کے ذمہ فوائت اور وقتیہ کے مابین ترتیب فرض ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر فوائت کو وقتیہ سے پہلے ادا نہ کرے گا اور قبل قضا فوائت وقتیہ پڑھے گا تو وہ وقتیہ فاسد ہوگی، **بفساد موقوف، کماهو مفصل فی کتب الفقه.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۳۴)

صاحبِ ترتیب کس کو کہتے ہیں:

سوال: صاحبِ ترتیب بابتِ نماز کس کو کہتے ہیں؟

الجواب

صاحب ترتیب اس کو کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ چھ نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں، جو نماز قضا ہوئی بھی ہو، اس کو ادا کرلیا ہو، وہ صاحب ترتیب ہے؛ یعنی اس کو لازم ہے کہ اگر نماز قضا ہو تو اس کو وقتیہ سے پہلے پڑھے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۴۸)

(۱) (ولو فاتته صلوات رتبها فی القضاء کما وجبت فی الأصل) ... (ومن صلی العصر وهو ذاکر أنه لم یصل الظهر فهی فاسدة إلا إذا کان فی آخر الوقت) ... (وإذا فسدت الفرضیة لایبطل أصل الصلوٰة عند أبی حنیفة وأبی یوسف ... ثم العصر یفسد فساداً موقوفاً حتی لو صلی ست صلوات ولم یعد الظهر انقلب الکل جائزًا، الخ. (الهدایة، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱/ ۱۳۷-۱۳۹، ظفیر)

(۲) مسألة الترتیب فی قضاء الفوائت: قال أبوجعفر: ومن ذکر صلاة فائتة وهو فی أخریٰ من الصلوات الخمس بأن کان بینهما أکثر من خمس صلوات مضی فیها، ثم قضٰی التی علیه وان کان أقل من ذلک تطلع ما هو فیه وصلّٰی الفائتة إلا أن یکون فی آخر وقت التی دخل فیها یخاف فوتها فیتمها ثم یقضی الفائتة.

قال أبو بکر أحمد: کان أبوحنیفة یوجب الترتیب فی الفوائت مالم تکن الفوائت ستا، فاذا صارت ستاً سقط الترتیب ... والحجة فی وجوب الترتیب أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لما فائتته أربع صلوات یوم الخندق حتٰی کان یهودی من اللیل قضاهن علی الترتیب. فدل ذلک علٰی وجوب الترتیب فی الفوائت من وجهین، أحداهما: أن فعله ذلک وارد مورد البیان؛ لأن فرض الصلوٰة مجمل فی الکتاب فهما ورد عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم==

صاحب ترتیب کا حکم:

سوال: مغرب کی نماز قضا ہوگئی عشا پڑھ لی تو اب مغرب کی نماز پڑھ کر وتر وسنت پڑھے، یا مغرب کی نماز بعد میں پڑھے اور عشا کی نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب______________

اگر وہ صاحب ترتیب ہے تو اس کی عشا کی نماز نہیں ہوئی، مغرب پڑھ کر عشا کے فرض پھر پڑھے، اس کے بعد سنت و وتر ادا کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۴۶)

ایک دووقت کی نماز قضا ہوجانے سے آدمی صاحب ترتیب رہ جاتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید کی ایک دووقت کی نماز بعداز بلوغ قصد سے، یا بلاقصد، تساہل، یا عذر کی وجہ سے فوت ہوگئی، اس حال میں کیا عندالشرع صاحب ترتیب شمار کیا جائے گا اور جب تک اس کو ادا نہیں کرلے گا، بعد کی نمازیں درست ہوں گی اور اگر بعداز بلوغ وہ بے نمازی تھا اور کچھ مدت مکلفہ گذر جانے کے بعد تائب ہوکر نمازی ہوا، اس حالت میں بھی وہ صاحب ترتیب ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور فوائت نماز کا ترتیب سے ادا کرنا ضروری ہوگا، یا بلاترتیب؟ پھر غیر صاحب ترتیب کی طرح مقدم مؤخر کیف ماشاء ادا ہوجائیں گی۔ مفصل شرح سے شرح صدر فرمایا جائے؟　　(محمد عاشق شہر سہارنپور)

الجواب______________ حامدًا ومصليًا

ترتیب فرائض خمسہ اور وتر میں لازم اور ضروری ہے، ادا میں بھی قضا میں بھی، ایک دووقت کی نماز قضا ہوجانے کی

== من فعل أوصاف الصلاة وأفعالها فهو وارد مورد البيان،وفعل النبى صلى الله عليه وسلم اذا ورد علىٰ وجه البيان فهو على الوجوب الا أن تقوم الدلالة على الترتيب،والجهة الأخرىٰ:ما ورد عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: صلوا كما رأيتمونى أصلى، وقد صلى الفوائت على الترتيب فلزم بمضمون الخبرين ايجاب الترتيب.(شرح مختصر الطحاوى، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۷۰۲/۱-۷۰٤،مشركة دار البشائر الاسلامية بيروت،انيس)

عن عبيدة بن عبد الله بن مسعود قال:قال عبد الله: إن المشركين شغلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق حتىٰ ذهب من الليل ماشاء الله فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر ثم أقام فصلى المغرب ثم أقام فصلى العشاء.(جامع الترمذى، كتاب الصلاة،باب ماجاء فى الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ: ٤٣/١،قديمى،انيس)

ولو فاتته صلوات رتبها فى القضاء كما وجبت فى الأصل (إلىٰ قوله)إلا أن يزيد الفوائت علىٰ ستة صلوات لأن الفوائت قد كثرت فتسقط الترتيب،الخ.(الهداية، باب قضاء الفوائت: ۱۳۷/۱،ظفير)

(۱) ومن صلى العصر وهو ذاكر أنه لم يصل الظهر فهى فاسدة إلا إذا كان فى اٰخر الوقت وهى مسئلة الترتيب.(الهداية، كتاب الصلاة،قضاء الفوائت: ۱۳۹/۱،ظفير)

وجہ سے ترتیب ساقط نہیں ہوجاتی، لہذا جس صاحب ترتیب کے ذمہ ایک نماز فائتہ موجود ہے، اس کو بلا عذر و تنگیٔ وقت ونسیان وقتیہ نماز پڑھنا درست نہیں، جب تک اس فائتہ کو پہلے نہ پڑھ لے، اگر ایسی حالت میں وقتیہ کو پڑھے گا تو وہ وقتیہ موقوف رہے گی، اگر چھ وقتیہ نمازیں پڑھنے سے پہلے فائتہ پڑھی ہے تو وہ نمازیں نفل ہوں گی، فرائض ذمہ سے ساقط نہ ہوں گے۔ اگر چھ کے بعد فائتہ پڑھی ہے تو وہ سب فرض نمازیں صحیح ہوگئیں اور فائتہ بھی صحیح ہوگئیں اور سب فائتہ نمازیں پڑھ کر پھر صاحب ترتیب بن جائے گا۔

(الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم) ...(فلم يجز) ... (فجر من تذكر أنه لم يؤتر) ... (إلا) ... (إذا ضاق الوقت المستحب) ... (أو نسيت الفائتة) ... (وفساد) ... (الصلاة بترك الترتيب موقوف) ... (فإن كثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستا، ظهر صحتها)... (وإلا) ... (لا) تظهر صحتها، بل تصير نفلاً". (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: عبد اللطیف: ۲۰؍ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷؍۳۷۶۔۳۷۷)

صاحب ترتیب پہلے فوت شدہ نمازیں پڑھے گا، گرچہ جماعت ترک ہوجائے:

سوال: اگر صاحب ترتیب مسجد میں آوے اور آگے جماعت ہوتی ہو تو کیا کرے۔ آیا جماعت میں شامل ہوجاوے، یا اس سے پہلے جو اس کی ایک نماز قضا ہے، اس کو پڑھ کر شامل ہو؟

الجواب

صاحب ترتیب اپنی فوت شدہ نماز پہلے پڑھے، اگرچہ جماعت ترک ہوجاوے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴؍۳۳۱)

(۱) **الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۶۵-۷۲، سعيد**

"الترتيب بين الفائتة والوقتية، وبين الفوائت مستحق، كذا في الكافي ... وكذا بين الفروض والوتر، هكذا في شرح الوقاية ... ثم الترتيب يسقط بالنسيان، وبما هو في معنى النسيان كذا في المضمرات ... ويسقط الترتيب عن ضيق الوقت، كذا في محيط السرخسي ... ويسقط الترتيب عند كثرة الفوائت، وهو الصحيح، هكذا في محيط السرخسي، وحد الكثرة أن تصير الفوائت ستاً بخروج وقت الصلاة السادسة ...في الأصل: رجل صلى العصر وهو ذاكر أنه لم يصل الظهر، فهو فاسد إلا أن يكون في آخر الوقت ... ثم عند أبي حنيفة فرضية العصر تفسد فسادًا موقوفاً حتى لو صلى ست صلوات أو أكثر ولم يعد الظهر، عاد العصر جائزًا، لايجب عليه أعادته". (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/ ۱۲۱-۱۲۲، رشيديه)

(۲) **الترتيب بين الفرائض الخمسة والوتر أداءً وقضاءً لازم) ... (فلم يجز) ... (فجر من تذكر أنه لم يوتر) ... (إلا) ... (إذا ضاق الوقت المستحب .الخ(الدر المختار على هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۱/ ۶۷۹، ظفير)**

صاحب ترتیب جمعہ کے پہلے قضا ادا کرے:

سوال: جمعہ کے دن ایک شخص کی نمازِ صبح قضا ہوگئی، وہ جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد پہنچا تو خطبہ ہو رہا تھا اور وہ شخص صاحب ترتیب نہیں ہے، یا صاحب ترتیب ہے تو نمازِ صبح کس وقت ادا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

صاحب ترتیب کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نماز صبح کی قضا کرے؛ کیوں کہ صبح کی نماز ادا کئے بغیر اس کا جمعہ صحیح نہ ہوگا اور جو صاحب ترتیب نہیں اس پر خطبہ کا سننا ضروری ہے، اس کو جمعہ سے فراغت کے بعد نماز صبح ادا کر لینی چاہیے۔ درمختار میں ہے:

(فلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية) فإنها لا تكره ... لضرورة صحيحة الجمعة وإلا لا. (الدر المختار) **(قوله: فإنها لا تكره) بل يجب فعلها (قوله: وإلا لا) أى وإن سقط الترتيب تكره.** (شامی) (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۴۰/۴)

صاحب ترتیب نماز جمعہ پڑھے، یا فوت شدہ پڑھے:

سوال: صاحب ترتیب اگر قضا پڑھے تو جمعہ فوت ہو جائے، اس صورت میں راجح قول کے مطابق پہلے قضا پڑھے، یا جمعہ؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

صاحب ترتیب پہلے قضا پڑھے، پھر اگر جمعہ مل سکے تو بہتر، ورنہ ظہر پڑھے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۲/۴/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۲/۴/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۸/۷)

جس کی نمازیں قضا ہیں، وہ نماز کس ترتیب سے پڑھے:

سوال: ایک شخص کے ذمہ چند نمازیں قضا ہیں اب اس کو فجر کی نماز ادا نہیں ملی؛ بلکہ قضا ہوگئی، اب یہ پہلے فجر کی نماز پڑھے، یا پہلے قضا شدہ نمازیں پڑھے؟

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۸/۲-۱۵۹، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ولو أن مصلى الجمعة تذكر أن عليه الفجر، فان كان بحيث لو قطعها واشتغل بالفجر، تفوته الجمعة ولا يفوته الوقت، فعند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالىٰ يقطع الجمعة ويصلى الفجر، ثم يصلى الظهر، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ يتم الجمعة ولو كان بحيث أنه إذا قضى الفجر أدرك الجمعة مع الإمام، فإنه يشتغل بالفجر إجماعاً، وإن كان بحيث إذا قطع الجمعة واشتغل بالفجر يفوت الوقت، أتم الجمعة إجماعاً، ثم يصلى الفجر بعدها، كذا فى السراج الوهاج". (الفتاوىٰ الهندية، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱۲۲/۱، رشيديه)

الجواب

اگر قضا نمازیں سابق کی چھ، یا اس سے زیادہ ہیں تو ترتیب اس سے ساقط ہوگئی۔ وہ شخص فجر کی نماز فوت شدہ کو قبل ادا کرنے فوائت سابقہ کے پڑھ سکتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۳۱/۴)

فوائت کثیرہ کی ادائیگی کے زمانہ میں اگر کوئی نماز فوت ہو جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: جب کہ قضائے عمری کا سلسلہ ادائیگی شروع ہوا اور اتفاقاً کوئی نماز بعد نماز قضائے عمری قضا ہو جاوے تو کس سلسلہ سے ادا کروں، آیا پہلے وقتی، یا قضا؟

الجواب

اس میں ترتیب ضروری نہیں ہے، اگر وقتی نماز کے وقت میں گنجائش ہے تو ہر دو قضا کی نمازوں کو وقتی سے پہلے بھی پڑھ سکتا ہے اور بعد میں بھی اور دونوں قضا میں؛ یعنی قضاء حال اور قضاء عمری میں جس کو چاہے پہلے پڑھے اور جس کو چاہے پیچھے۔(۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۳۸/۴)

فوائت قدیمہ اور فائتہ جدیدہ میں ترتیب:

سوال: زید اپنی عمر کے بیسویں سال میں آکر توبہ کرتا ہے، اس عرصہ میں وہ کبھی نماز پڑھتا تھا اور کبھی نہیں پڑھتا تھا؛ اس لیے اندازاً نمازوں کا حساب لگالیا اور قضائے عمری پڑھنے لگا، اتفاق سے اس کی کوئی نماز قضا ہوگئی تو اب وہ اس نماز کو جواب قضا ہوئی ہے، پہلے ادا کرے، یا جب ادا کرے، جب اس کی پچھلی نمازیں سب ادا ہو جائیں، اگر وہ نئی قضا نماز پہلے ادا کرے تو یہ ہو جائے گی، یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصليًا

اس نئی قضا نماز کو ابھی پڑھ لے، گذشتہ مدتوں کی نمازوں کا انتظار نہ کرے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱/۱۳۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱/۱۳۶۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۷۹/۷)

---

(۱) الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء قضاء لازم) ... (إلا) ... (إذا ضاق الوقت المستحب) ... (أونسيت الفائتة) ... (أوفاتت ست اعتقادية.(الدر المختار)

وفي الرد:تحت قوله فات ست) يعني لايلزم الترتيب بين الفائتة والوقتية ولابين الفوائت إذاكانت الفوائت ستاً (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت:۱/ ۶۷۹_۶۸۰)

(۲) فلا يلزم الترتيب (إذا ضاق الوقت) ... (أونسيت الفائتة) ... (أوفاتت ست اعتقادية)،الخ.(الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت:۲/۶۶_۶۸،دار الفكر بيروت)

(۳) فالحديثة تسقط الترتيب اتفاقا،وفي القديمة اختلاف المشائخ،وذلک كمن ترک صلوات شهر،==

قضا نمازوں میں اس وقت ترتیب نہیں، جب وہ صاحب ترتیب نہ ہو:

سوال: قضا نمازوں کی ادا اگر ترتیب سے نہ کرے، تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

غیر صاحب ترتیب کو یہ جائز ہے کہ جس طرح چاہے، غیر مرتب ادا کرے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۱/۴-۳۴۲) ☆

ایک سال کی نماز جس کی قضا ہو، اس پر ترتیب لازم نہیں:

سوال: ایک شخص کے ذمہ مثلاً ایک سال کی نمازیں قضا پڑھنی ہیں۔ ان نمازوں کے قضا کرنے میں اس پر ترتیب ضروری ہے یا نہیں یعنی ترتیب وار قضا کرے یا جس طرح چاہے اور جب پورے سال کی قضا پڑھ چکے گا تو صاحب ترتیب ہوگا یا نہیں؟ اور کچھ روز تک قضا نماز پڑھی پھر چھوڑ دی تو پھر مابقی کو پڑھے گا یا اول سے اور درمیان میں چھوڑ دینے سے کچھ خرابی تو نہیں ہے؟

الجواب

قضا کرنے میں اس پر کچھ ترتیب لازم نہیں ہے، جس طرح چاہے، قضا کرلیوے، (۳) اور جس وقت کل فوائت ادا کرلے

== ثم صلى مدة ولم يقض تلك الصلوات حتى لو ترك صلاة ثم صلىٰ أخرىٰ ذاكراً للفائتة الحديثة، لم يجز عند البعض، وقيل: يجوز وعليه الفتوىٰ، كذا في الكافي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱۲۳/۱-۱۲۴، رشيدية)

(۱) فلايلزم الترتيب (إذا ضاق الوقت) ... (أو نسيت الفائتة) ... (أوفاتت ست اعتقادية) ... (بخروج وقت السادسة). (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۶۸۰/۱، ظفير)

☆ **جس کے ذمہ چھ، یا اس سے زائد نمازیں ہوں تو اس پر ترتیب واجب نہیں:**

سوال: اگر کسے را نماز یک ماہ یا زیادہ فوت شود، ترتیب در فوائت ساقط شود یا نہ، یعنی ایں قضاء فوائت در وقت معین نیست، بجز اوقات مکروہہ ہر گاہ خواہد در یک روز یا چند روز از ذمہ خود فوائت را قضا کند بلا رعایت تقدیم و تاخیر در فوائت، چناں چہ نوشتہ ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له، وبعض گویند از فوائت مذکورہ اولا فجر یکماہ پس ظہر پس عصر پس مغرب پس عشاء وگرنہ ادانہ خواہد شد و بعض گویند ہر یکے را از فوائت بوقت ادا کردہ باشد تا دشوار نگردد، حکمش چیست؟

الجواب

صحیح یہی ہے کہ جس کے ذمہ چھ نمازیں، یا اس سے زائد قضا ہوں، اس کو ان کی قضا میں تقدیم وتاخیر وغیرہ کا اختیار حاصل ہے۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ ترتیب سے ادا کرے، باقی یہ ضروری نہیں کہ ہر نماز کے ساتھ ایک ہی نماز پڑھے؛ بلکہ اگر سب ایک ہی وقت، یا ایک ہی دن میں پڑھ سکے تو جتنی جلدی فارغ ہو جائے، وہی اچھا ہے۔

۶/رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲۸۱/۲)

(۳) (ويلزم الترتيب) ... (إلا) ... (إذا ضاق الوقت) ... (أوفاتت ست اعتقادية). (الدر المختار) ==

گا،صاحب ترتیب ہوجاوے گا؛ بلکہ جس وقت قضا کرتے کرتے چھ نمازوں سے کم مثلاً پانچ نمازیں اس کے ذمہ رہ جاویں گی،اسی وقت ترتیب واجب ہوجاوے گی اور جس قدر نمازیں قضا کرلیں،وہ ہوگئیں اور اگر درمیان میں قضا پڑھنا چھوڑ دیا اور شروع کیا تو جس قدر بعد قضا سابق باقی رہیں،انہیں کو قضا کرنا لازم ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۳۲-۳۳۳)

فائتہ یاد ہوتے ہوئے وقتی فرض پڑھنے کے متعلق مفتی بہ قول:

سوال: امام صاحب اور صاحبین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے،فتویٰ کس کے قول پر ہے۔"**لو صلی فرضاً ذاكراً أن عليه فائتة قبله،فسد فرضه فسادًا موقوفاً عند أبي حنيفة،الخ**". (۲) اس مسئلہ میں صاحبین کا قول کیا ہے؟ فقط

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

امام صاحب کا قول استحسان پر مبنی ہے اور صاحبین کا قول قیاس پر، **كما في القنية والبحر والمجمع والأول ارجح من الثاني إلا فيما استثنى،كذا قال ابن عابدين في شرح عقود رسم المفتي**. (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۳۸۷ھ۔الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۳۸۷ھ۔الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند،۲۲/۶/۱۳۸۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۷/۳۷۹-۳۸۱)

== وفي الرد تحت (قوله: أوفائتت ست) يعني لايلزم الترتيب بين الفائتة والوقتية ولابين الفوائت إذاكانت الفوائت ستاً،الخ.(الدرالمختارمع رد المحتار،باب قضاء الفوائت: ۱/ ۶۸۰،ظفير)

(۱) (ولايعود) لزوم الترتيب (بعد سقوطه بكثرتها) أي الفوائت (يعود الفوائت إلى القلة) بسبب (القضاء) لبعضها على المعتمد؛لأن الساقط لايعود (وكذا لايعود) الترتيب (بعد سقوطه بباقي المسقطات) السابقة من النسيان والضيق.(الدرالمختار)

وفي الرد:(قوله بسبب القضاء لبعضها) كما إذا ترك رجل صلاة شهرمثلاً ثم قضاها إلا صلاة ثم صلى الوقتية ذاكرًا لها فإنها صحيحة اهـ.بحر.قيد بقضاء البعض لأنه لو قضى الكل عاد الترتيب عند الكل (قوله على المعتمد) هوأصح الروايتين وصححه أيضاً في الكافي والمحيط والمعراج وغيره وعليه الفتوىٰ وقيل يعود الترتيب و اختاره في الهداية ورده في الكافي والتبيين وأطال فيه البحر.(رد المحتار،باب قضاء الفوائت: ۱/ ۶۸۴،ظفير)

(۲) الحلبي الكبير،كتاب الصلاة،فصل في قضاء الفوائت،ص: ۵۳۰، سهيل اكيڈيمي، لاهور

(۳) ولوفاتت صلاة واحدة،ثم صلىٰ بعدها خمس صلوات ذاكرًا للفائتة،كان الخمس فاسدة فسادًا موقوفاً حتىٰ أنه إذا صلى السادسة قبل الفائتة، انقلبت الخمس جائزة،وإذا قضى الفائتة قبل السادسة،وجب اعادتها،فواحدة تصح خمساً وواحدة تفسد خمسا علىٰ ما قال أبوحنيفة كما في المبسوط وغيره ... إن الفساد في كل من الست عنده ليس بمقتدر فيما أدى،بل هوشئ يفتي به في الوقت،فإذا خرج الوقت تنقلب المؤدات صحيحة،وأما عندهما فساد الخمس باق لم تنقلب جائزة بكل حال.(جامع الرموز،كتاب الصلاة، فصل: قضاء الفوائت: ۱/ ۲۲۷،مطبوعه كرعيه قزان)==

وقت کی تنگی، ابھول جانیکی وجہ سے وقتی نماز قضا سے پہلے پڑھی جاسکتی ہے:

سوال: اگر کسی شخص کی نماز ظہر قضا ہوگئی اور وہ عصر کو مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ اقامت ہورہی ہے، یا وقت بالکل تنگ ہے، یا عصر کا وقت کافی ہے؛ مگر وہ اس کو بھول گیا، جس وقت نماز عصر ادا کر چکا، تب اس کو یاد آیا کہ میری نماز ظہر قضا ہوگئی۔ اس حالت میں قضائے ظہر بعد عصر کے پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ اور ایسے ہی صبح کی سنت کہ جب جماعت ہوتی ہو، اب اس کو سنت پڑھنی چاہیے، یا جماعت میں شریک ہوجاوے، اگر جماعت میں شریک ہوگیا تو ان سنتوں کی قضا کس وقت تک پڑھ سکتا ہے؟

الجواب

اگر بھول گیا یا وقت اتنا تنگ ہوگیا کہ اگر ظہر کی قضا کرتا ہے تو عصر کا وقت نکل جاوے گا تو ایسی حالت میں عصر صحیح ہوگئی، ظہر بعد میں پڑھے، (۱) اور اگر اقامت ہورہی ہے اور ظہر پڑھنے کی صورت میں عصر کی جماعت نہ ملے گی تو

== قوله :(فلو صلّٰى فرضاً ذاكراً فائتة ولو وتراً،فسد فرضه موقوفاً) ... وهٰذا عند أبى حنيفة،وعندهما: الفساد متحتم لايزول، وهو القياس؛لأن سقوط الترتيب حكم،والكثرة علة له،فإنها يثبت الحكم إذا ثبتت العلة فى حق مابعدها، فأما فى حق نفسها فلا،وهٰذا؛لأن العلة ماتحل بالمحل، فيتغيرلحلوله المحل،فلا يجوز أن يكون نفس العلة محلا للعلة للاستحالة ،ولأبى حنيفة أن الحكم مع العلة يقترفان لماعرف فى الأصول،والكثرة صفة هٰذا المجموع،و حكمها سقوط الترتيب،فإذا ثبت صفة الكثرة بوجود الأخيرة استندت الصفة إلى أولها بحكمها فيجوزالكل كمرض الموت لما ثبت له هٰذا الوصف استند إليه بحكمه،ولهٰذا لو أعادها بلا ترتيب،جازت عندهما أيضاً،وهٰذا؛ولأن المانع من الجواز قلتها،وقد زالت فيزول المنع"(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت:۲/ ۱۵٦-۱۵۷،رشيدية)

فلو صلّٰى فرضاً ذاكراً فائتة،فسد فرضه موقوفاً عنده)لايحكم بصحته وفساده،حتّٰى لو صلّٰى بعد ست صلوات أو أكثر ولم يقض الفائتة،انقلب الكل جائزًا عند الامام، (وعندهما) فسد فرضه فسادًا (باتا):أى قطعيا(فلوقضاها):أى الفائتة (قبل أداء ست) من الصلوات(بطلت فرضية ما صلّٰى،وإلا):أى وإن لم يقض الفائتة حتّٰى أدّٰى سادساً(صحت عنده)؛لأن الكثرة صفة لهٰذه الجملة من الصلوات،فإذا ثبت صفة استندت إلٰى أولها بحكمها،وهوسقوط الترتيب،فسقط الترتيب فى آحادها كما سقط فى أعيانها ... (لاعندهما)؛لأن سقوط الترتيب حكم الكثرة،وكل ما هوحكم العلة يتأخرعن علته،فسقوط الترتيب،إنما يكون فيما يقع من الصلوات بعد الكثرة لا فيما قبلها، وهو القياس.(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر،باب قضاء الفوائت: ۱/ ۱٤٤-۱٤٥، دارإحياء التراث العربى)

قال العلامة ابن عابدين:"الرابعة ما فى عامة الكتب من أنه إذا كان فى مسئلة قياس استحسان،ترجح الاستحسان على القياس إلا فى مسائل".(شرح عقود رسم المفتى،ص: ۸۱،ميرمحمد كتب خانة،كراچى)

(۱) (إلا) استثناء من اللزوم فلايلزم الترتيب (إذا ضاق الوقت المستحب)حقيقة إذ ليس من الحكمة تفويت الوقتية لتدارك الفائتة.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب قضاء الفوائت:۲/ ٦٦-٦٧،دار الفكر بيروت،ظفير)

ظہر پہلے پڑھے اور عصر بعد میں، اگر چہ جماعت فوت ہوجائے اور صبح کی جماعت اگر تیار ہے، یا ہورہی ہے تو اگر ایک رکعت ملنے کی اور بقول بعض فقہا تشہد ملنے کی امید ہے تو سنت فجر پہلے پڑھے، پھر شریک جماعت صبح ہوجاوے۔(۱) اور اگر سنت بالکل متروک ہوجاوے اور جماعت میں شریک ہوگیا تو پھر سنت کی قضا نہیں ہے، اگر پڑھے تو بعد ارتفاع آفتاب پڑھے نفل ہوجاوے گی۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۲۸)

اگر وقت میں تمام مرتب قضا کی گنجائش نہ ہو، تو کیا کرے:

سوال: اگر فجر کے وقت اتنی گنجائش نہ ہو کہ صاحب ترتیب پانچ قضا نمازیں علی الترتیب قضا کرسکے تو صرف دو ایک کو وقتیہ پر مقدم کرسکتا ہے، یا سب کو چھوڑ دے؟

الجواب

جس قدر گنجائش ہو ان کو قضا کرے، پھر جب صرف وقتیہ کا وقت رہ جاوے تو وقتیہ کو پڑھے؛ کیوں کہ تنگی وقت سے بھی ترتیب ساقط ہوجاتی ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۳۳-۳۳۴)

جہل سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے، یا نہیں:

سوال: ترتیب کے ساقط کرنے میں جہل کا اعتبار ہے، یا نہیں؟ غایۃ الاوطار:۱/۳۳۴، میں تو اعتبار کیا ہے:"من جهل فريضة الترتيب،يلحق بالناسي،واختاره جماعة من أئمة بخارى.(۴)

---

(۱) (وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل وإلابأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعاً للبحر. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب إدراك الفريضة: ٥٦/٢،دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲) (ولايقضيها إلا بطريق التبعية) لقضاء (فرضها قبل الزوال لا بعده) (الدرالمختار)

وفي الرد (قوله:لا يقضيها) ... وأماإذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح وأما بعد طلوع الشمس فكذالك عندهما،الخ.(الدر المختار مع رد المحتار،باب إدراك الفريضة:٦٧٠/١،ظفير)

(۳) فلايلزم الترتيب (إذا ضاق الوقت المستحب) حقيقة إذ ليس من الحكمة تفويت الوقتية لتدارك الفائتة و لولم يسع الوقت كل الفوائت فالأصح جواز الوقتية.(الدر المختار)

وفي الرد تحت (قوله: لم يسع الوقت كل الفوائت) صورته:عليه العشاء و الوترمثلاً ثم لم يصل الفجرحتىٰ بقي من الوقت ما يسع الوترمثلاً وفرض الصبح فقط ولم يسع الصلوات الثلاث فظاهر كلامهم ترجيح أنه لاتجوز صلاة الصبح مالم يصل الوتر ، وصرح في المجتبىٰ بأن الأصح جوازالوقتية عن البحر،لكن قال الرحمتي: الذى رأيته في المجتبىٰ الأصح أنه لا تجوزالوقتية،آه.قلت:راجعت المجتبىٰ فرأيت فيه مثل ما عزاه إليه في البحروكذا قال القهستاني جازت الوقتية على الصحيح.(الدر المختار مع رد المحتار،باب قضاء الفوائت : ٦٨٠/١،ظفير)

(۴) الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ٧٠/٢،سعيد

لیکن مراقی الفلاح میں بیان کیا ہے کہ جہل کا اعتبار نہیں:

"ولایعتبر الجهل، وعبارة النقاية فی فرض الترتیب: ولو جاهلا به". (۱)

مفتی بہ کون سا قول ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

ظاہر روایت میں تو جہل مسقط ترتیب نہیں ہے؛ لیکن ایک روایت میں امام صاحب سے بواسطۂ حسن بن زیاد اس کے خلاف بھی منقول ہے اور اس کو بہت سے مشائخ نے اختیار بھی فرمایا ہے، **کذا فی البحر الرائق، والطحطاوی علٰی مراقی الفلاح: ۱/۴۴۰، والدر المختار: ۱/۶۸۳۔** (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۸۱-۳۸۲)

پانچ نمازوں سے کم قضا والا جماعت میں شامل ہوگیا اور قضا یاد آگئی تو کیا کرے:

سوال: ایسا شخص جس کی نماز بالعموم قضا نہ ہوتی ہو، کبھی کبھار کوئی نماز فجر قضا ہو جائے اور وہ ظہر سے قبل ادا کرنا بھول جائے اور ظہر کی نماز میں شامل ہو جائے، یا اپنے طور پر ظہر پڑھ لے، دوران نماز یا بعد میں خیال آئے کہ نماز فجر کی قضا رہ گئی تو ایسی صورت میں اس کی نماز ظہر ہو جائے گی یا اس کا اعادہ لازم آئے گا؟ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ صاحب ترتیب نے اگر پہلے قضا ادا نہیں کی تو اس کی دوسری نماز نہیں ہوگی، اگر وہ جماعت میں شامل ہے تو یاد آتے ہی نکل جائے، اگر یہ شخص آخری صف میں ہے تب تو جماعت سے نکلنا آسان ہے؛ لیکن درمیان ہے تو ایسا عمل ممکن نہیں ہے، اس مسئلے کی وضاحت فرمائیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ مسئلہ صاحب ترتیب کا ہے، جس شخص کے ذمے پانچ سے زیادہ قضا نمازیں نہ ہوں، وہ صاحب ترتیب کہلاتا

---

(۱) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۳، قديمی

(۲) فی المجتبٰی: من جهل فرضية الترتيب لايجب عليه كالناسی وهو قول جماعة من ائمة بلخ. (البحر الرائق)

قوله: (وفی المجتبٰی: من جهل) نقله قاضيخان فی شرحه عن الحسن بن زياد وقال: وكثير من المشائخ أخذوا بقوله، ومثله فی التاتارخانية. (البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۴۹، رشيدية)

عند أئمتنا الثلاثة، وعن الحسن عنه انه إذا لم يعلم به لم يجب عليه، وبه أخذ الأكثرون، كما فی التمرتاشی. (حاشية الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۳، قديمی)

وفی المجتبٰی: من جهل فريضة الترتيب، يلحق بالناسی، واختاره جماعة من أئمة بخاری، وعليه يخرج مافی القنية. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۰، سعيد)

ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز کو قضا کرے، پھر وقتی نماز پڑھے، اگر بھول کر وقتی نماز ادا کر لی، بعد میں فوت شدہ نماز یاد آئی تو اس کی وہ نماز صحیح ہوگئی، فوت شدہ نماز کو قضا کر لے اور اگر وقتی نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو فوت شدہ نماز یاد تھی، یا نماز کے دوران یاد آ گئی تو فوت شدہ نماز کو قضا کر کے وقتی نماز کو دوبارہ پڑھے۔(۱) آپ نے جو صورت لکھی ہے کہ فجر کی نماز اس کے ذمے تھی اور وہ ظہر کی جماعت میں شامل ہو گیا اور جماعت سے نکلنا بھی دشوار ہے تو جماعت کے ساتھ نماز پوری کر لے؛ مگر یہ اس کی نفل نماز ہوگئی، فجر کی نماز قضا کرنے کے بعد ظہر کی نماز لوٹا لے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۶۲۳-۶۲۴)

غیر صاحب ترتیب کا وقت معین کر کے قضا نماز پڑھنا:

سوال: غیر صاحب ترتیب کے لیے ترتیب ہونے سے پہلے وقت معین کر کے نماز جائز ہے، یا نہیں؟ مثلاً عمر صاحب ترتیب نہیں، اس وجہ سے دو سال سے نامعلوم کتنی نمازیں قضا کی ہیں، اب ان دو سالوں کی نماز قضا کرنے سے پہلے عمر نے ہی چاہا کہ آج یکم محرم سے جو نماز قضا ہوگئی ہے، اسے ادا کر لو تو یہ ادا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس طرح درست ہے، کذا فی رد المحتار۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۷۷-۳۷۸)

مغرب و وتر کے اعادہ کے وقت چار رکعت پڑھنا:

سوال: بعض کتب میں دیکھا کہ اگر مغرب یا وتر میں سجدۂ سہو واجب ہوا اور ادا کرنا یاد نہ رہا تو اعادہ کے وقت پوری ۴ر رکعت پڑھے۔ پس اس کی کوئی اصل ہے، یا صرف اغلاط سے ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اگر یہ کسی کتاب میں ہے تو اس کا منشا یہ ہوگا کہ ترک واجب سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے اور فرض ادا ہو جاتا ہے،

---

(۱) ولو تذكر صلاة قد نسيها بعد ماأدى وقتية جازت الوقتية، كذا في فتاویٰ قاضيخان. (الهندية: ۱/۱۲۲)
وإذا صلى الظهر وهو ذاكر أنه لم يصل الفجر فسد ظهره، الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱/۱۲۲)

(۲) (قوله: كثرت الفوائت، الخ) لو فاته صلاة الخميس والجمعة والسبت فإذا قضاها، لابد من التعيين؛ لان فجر الخميس مثلاغير فجر الجمعة ...ولايضره عكس الترتيب لسقوطه بكثرة الفوائت وقيل: لايلزمه التعيين أيضاً. (رد المحتار، قبيل باب سجود السهو: ۲/۷۶، سعيد)

اگر سجدۂ سہو کرلیا تو جبر نقصان ہوگیا، ورنہ اعادہ وقت کے اندر لازم ہوتا ہے اور بعد الوقت اعادہ کا وجوب ساقط ہوکر ندب باقی رہ جاتا ہے تو اس پر ایسی نماز مندوب ونفل ومستحب ہوئی اور متنفل بالثلاث غیر مشروع ہے، لہذا ۴؍رکعت بثلاث قعدات پڑھے۔(۱) شامی اور بحر وغیرہ میں اس پر بحث کی ہے کہ ترک واجب سے اعادہ بعد الوقت واجب رہتا ہے، یا محض مندوب ہوتا ہے۔باب قضاء الفوائت، باب سجود السہو، واجبات الصلوات (۲) تینوں جگہ اس کا ذکر ہے اور حکم مقید ہے، اس قید کے ساتھ اعادہ بعد الوقت کرے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۷/۵/۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۸/۷-۳۶۹)

کئی سالوں سے غلط پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ:

سوال: کچھ لوگ کافی دنوں سے نماز پڑھ رہے تھے؛ مگر انہیں غلط یاد تھیں، اب امام صاحب صحیح کرلی ہیں تو سوال یہ ہے کہ پچھلی دس بیس تیس سال کی غلط نمازوں کی قضا ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

ابتدا سے نماز کو صحیح نہ کرنا بہت بڑی کوتاہی ہے؛ تاہم جیسی نماز ان کو آتی تھی، انہوں نے پابندی سے ادا کی، جو کوتاہی اور غلطی ہوئی حق تعالیٰ معاف فرمائے، اب دس، بیس، تیس سال کی نمازوں کو دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۹/۷-۳۷۰)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۳۷/۲،سعید

"إذا كان غالب ظنه فساد ما صلىٰ لورود النهي عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،وما حكي عن أبي حنيفة أنه قضىٰ صلاة عمره، فإن صح النقل فنقول: كان يصلي المغرب والوتر أربع ركعات بثلاث قعدات،انتهىٰ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۱۰۹/۲،رشيد)

(۲) (قوله: أي وجوبا في الوقت الخ) ... فالحاصل ان من ترك واجباً من واجباتها أو ارتكب مكروهاً تحريمياً،لزمه وجوباً أن يعيد في الوقت، فإن خرج، أثم،ولايجب جبر النقصان بعده،فلوفعل فهو أفضل اهـ ... قلت:أي لأنه يشمل وجوبها في الوقت وبعده: أي بناء علىٰ أن الإعادة لاتختص بالوقت.(ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۶۴/۲،سعيد)

قوله:لأنه لإصلاح ما فات): أي ما ترك من الواجبات في محله،كما أن قضاء الفوائت لإصلاح ما فات وقته بفعله بعده.(رد المحتار،باب سجود السهو: ۷۷/۲،سعيد)

الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها: ۴۵۷/۱،سعيد

وقت کے اندر بالغ ہوجانے کے بعد پڑھی ہوئی نماز کی قضا:

سوال: زید صبح صادق سے قبل بالغ ہوا تو اس پر عشا کی نماز پڑھنا ضروری ہوگی، یا نہیں؟ اور اگر عشاء کی نماز پڑھ کر سویا تھا تو عشا کی نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا (احقر محمد شفیع، الہ آباد)

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

زید پر صورت مسئولہ میں عشا کی نماز فرض ہوگی، لہٰذا اگر بلوغ سے پہلے پڑھ چکا ہے تو اس کا اعادہ کرے؛ کیوں کہ بلوغ سے پہلے جو نماز اس نے پڑھی ہے، وہ نفل ہے اور اگر نہیں پڑھی تو بعد بلوغ اس فرض کو ادا کرے، اگر وقت کے بعد بالغ ہوا ہے تو قضا ضروری ہے۔

"**صبی احتلم بعد صلاۃ العشاء و استیقظ بعد الفجر، لزمه قضائها**". (الدر المختار)

قال الشامی (تحت قوله: لأنها وقعت نافلة): ولما احتلم فی وقتها، صارت فرضاً علیه؛ لأن النوم لایمنع الخطاب، فیلزمه قضائها فی المختار، ولذا لو استیقظ قبل الفجر، لزمه اعادتها إجماعا". (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۶/۱/۴/۱۳۵۴ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۷۰)

دارالعلوم کے ایک فتویٰ پر اشکال اور اس کا جواب:

سوال: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ جلد چہارم ص: ۳۰ (۲) میں ہے:

"سوال: ۵۹۷، اگر مغرب کے فرض تہجد کے وقت تین رکعت پڑھی کہ دو نفل ہوگئی اور ایک رکعت اکارت ہوگئی؛ مگر اس میں یہ عرض ہے کہ بعد دوسری رکعت کے جو تیسری کے لیے کھڑا ہوا تو تاخیر سلام پھیرنے میں ہوئی، دیگر جب تیسری رکعت کو کھڑا ہوا تو دوگانہ نفل کا واجب ہوگیا اور پھر تیسری پر سلام پھیر دیا، اس صورت میں کچھ گناہ ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــ حامدًا و مصلیًا

"حالت تو ہم میں تین رکعت نہ پڑھے؛ بلکہ ۴/ پوری کرے ۳/ قعدے سے، جیسا کہ امام صاحب کے قول قضا کی

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب قضاء الفوائت: ۱/۷۶، سعید

"غلام احتلم بعد ما صلی العشاء ولم یستیقظ حتیٰ طلع الفجر، لیس علیه قضاء العشاء، والمختار أن علیه قضاء العشاء، وإذا استیقظ قبل الطلوع، علیه قضاء العشاء بالإجماع، وهی واقعة محمد بن الحسن سألها أبا حنیفة، فأجابه بماذکرنا، فأعاد العشاء". (البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ. باب قضاء الفوائت؛ ۲/۱۵۹، رشیدیه)

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند؛ یعنی عزیز الفتاویٰ مبوب مکمل، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی قضاء الفوائت: ۱/۲۶۶، دارالاشاعت دیوبند

تاویل کی گئی ہے۔ درمختار میں ہے:"وما نقل أن الامام قضٰی صلاة عمرة،فإن صح،نقول: کان یصلی المغرب والوتر أربعاً بثلاث قعدات"انتهی.(۱)

اس سوال میں یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ مغرب کے تین فرض تہجد کے وقت قضا کرنے سے نفل کیوں ہوگئی اور جواب میں اس کو حالت توہم پر محمول کیوں کیا گیا؟ نیز تیسری رکعت شروع کرنے سے وجوب دوگانہ اور تاخیر سلام کا کوئی جواب نہیں دیا،اس کا جواب بھی تحریر فرمادیں اور جواب میں جو درمختار کی عبارت ہے،وہ کون سی اور کس باب اور کس صفحہ پر ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

یہ کتابت کی غلطی ہے،سوال کا مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی شخص توہم کے وقت مغرب کے ۳؍فرض کا اعادہ کرے؛یعنی مغرب کے فرض اس کے ذمہ یقینی نہیں؛ بلکہ محض کسی وہم کی بنا پر پڑھتا ہے کہ شاید پہلے جو وقت پر پڑھ چکا ہے،وہ صحیح نہ ہوا ہو تو ایسی حالت میں دو رکعت نفل ہوگئی؛ کیوں کہ فریضہ پہلے ادا ہو چکا اور ایک رکعت بیکار گئی تو اس کی تدبیر جواب میں بتائی ہے کہ ایسے وقت میں تین نہ پڑھے؛ بلکہ ۴؍ پوری کرے اور تین قعدے کرے اور عبارت منقول باب النوافل میں صلاة علی الدابة سے چند سطر پہلے ہے:

(ولا یصلی بعد صلاة) مفروضة (مثلها) فی القراءة،أوفی الجماعة، أو لا تعاد عند توهم الفساد للنهی، ومانقل أن الإمام قضی صلاة عمره، فإن صح".(۲)

نہی کے تین محمل بیان کئے،ثالث پر امام صاحب کے فعل سے اشکال ہوا تو اس کی توجیہ کی کہ اگر یہ نقل صحیح تسلیم کی جائے تو:

"نقول:إنه کان یصلی المغرب والوتر أربع رکعات بثلاث قعدات" آه.(۳)

"(قوله:ولا یصلی،الخ) هٰذا اللفظ رواه ابن أبی شیبة ...قال فخرالاسلام: لوحمل علٰی تکرار الجماعة فی مسجد له أهل أوعلٰی قضاء الصلٰوه عند توهم الفساد لکان صحیحاً...(وقوله): وما نقل،الخ)جواب عن سوال وارد علی الوجه الثالث،فإن هٰذا المنقول ینافی حمل النهی علیه إذ یبعد أن یکون ماصلاه الامام أولا مشتملاً علٰی خلل محقق من مکروه أوترک

(۱) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:۳۷/۲،سعید

إذا کان غالب ظنه فساد ماصلی لورود النهی عنه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم،وما حکی عن أبی حنیفة أنه قضی صلاة عمره،فإن صح النقل فنقول:کان یصلی المغرب والوتر أربع رکعات بثلاث قعدات،انتهٰی.(البحر الرائق، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۱۰۹/۲،رشید)

(۲-۳) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۳۷/۲،دار الفکر بیروت،انیس

واجب،بل الظاهر أنه أعاد ما صلاه لمجرد الاحتياط وتوهم الفساد،فينافى حمل النهى فى مذهبه علىٰ وجه الثالث.(۱/۶۵۳)(۱)

تاخیر واجب اگر سہواً ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، عمداً میں سہو نہیں، اگر یہ صلوٰۃ معادۃ نفل مانی جائے تو اس میں ایک قعدہ کی زیادتی ہوئی اور اگر فرض مانی جائے تو ایک رکعت کی زیادتی ہوئی،اس کا مدار اول نماز کی صحت اور عدم صحت پر ہے۔

''فعلىٰ احتمال صحة ماكان صلاة أولا تقع هذه الصلاة نفلاً وزيادة القعدة علىٰ رأس الثالثة لاتبطلها،وعلى احتمال فساده تقع هذه فرضا مقضيا زيادة ركعة عليها لا تبطها،آه''.(۲)

جس نفل کو قصداً بہ نیت نفل شروع کرے،اس کا اتمام لازم ہوتا ہے۔صورت مسئولہ اس میں داخل نہیں۔

''ولوسها عن القعود الأخير،عاد مالم يقيد بالسجدة ،وإن قيد تحول فرضه نفلا بفرعه، وضم سادسة ولو فى العصر والفجر إن شاء لاختصاص الكراهة والإتمام بالقصد،آه''.(الدرالمختار)

''(قوله: لاختصاص الكراهة،الخ)جواب عما قد يقال:إن تنفل بعد العصروالفجر مكروه،وفى غيرهما وإن لم يكره،لكن يجب إتمامه بعد الشروع فيه،فكيف قلت:ولوبعد العصروالفجر؟ قلت إنه فجرإن شاء ضم،وإلا فلا؟والجواب أنه لم يشرع فى هٰذا النفل قصداً،وما ذكرته من الكراهة ووجوب الإتمام خاص بالتنفل قصداً،آه''.

قال فى الدر:''ولا عهدة لوقطع''وقال الشامى رحمه الله تعالىٰ:''أى لايلزم القضاء لولم من و سلم؛لأنه لم يشرع به مقصوداً كمامر،آه''.(ردالمحتار:۱/۷۰۰،باب سجود السهو)(۳)

باب النوافل میں ''لزم نفل شرع فيه قصدا'' (۴) کے تحت میں شروع کو مقید کیا ہے، مطلقاً ہر شروع سے لزوم کا حکم نہیں کیا گیا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۶/۷-۳۷۴)

---

(۱) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل قبيل مطلب فى الصلاة على الدابة: ۳۸/۲،سعيد

(۲) الدرالمختارمع رد المحتار،باب الوتر والنوافل قبيل مطلب فى الصلاة على الدابة: ۳۸/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۳) رد المحتار على الدرالمختار،باب سجود السهو: ۸۵/۲-۸۷،سعيد

(۴) الدرالمختار،باب الوتروالنوافل: ۲۹/۲،سعيد

(ويلزم إتمام نفل شرع فيه قصداً) حت لو نقضه يجب قضاء ه (ولو) شرع (عند الطلوع والغروب) والإستواء،كما ذكره فى أكثر المتون، وهو ظاهر الرواية عن الإمام ...(لا إن شرع ظانا أنه) أى الشروع (واجب عليه)كما إذا شرع فى الظهر مثلا يظن أنه لم يصل فتذكر أنه صلاها فإنه لا يلزمه الإتمام ولا القضاء عند الفساد.(مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الوتر والنوافل: ۱۳۲/۱،دارإحياء التراث العربى بيروت،انيس)

توبہ کے بعد بھی قضا ضروری ہے:

سوال: راقم الحروف(۱) نے حضرت امام العصرؒ سے قضاءِ عمری کے متعلق یہ شبہ پیش کیا تھا کہ جب توبہ کر کے کوئی نماز کا پابند ہوگیا اور اب قضا نہیں ہوئی تو پھر توبہ نے ماقبل کو بھی ذمہ سے ساقط کر دیا، اب پھر قضاءِ عمری کی کیا ضرورت ہے؟

الجواب

نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں:

ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بنا پر ہوتا ہے۔

دوسری چیز اشتغال ذمہ جو کہ وجوب نماز اور وقت کی بنا پر ہوا تھا۔

توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے، زائل ہو جائے گا؛ مگر امر ثانی؛ یعنی فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگی، جب کہ ماوجب کو ادا کر دیا جائے؛ اس لیے قضا ضروری ہے، دنیاوی دیونِ ناس پر خیال فرمایئے۔(۲)

(مکتوبات: ۴۱۴/۱) (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص:۲۶)

☆ ☆ ☆

(۱) مرتب مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحیؒ

(۲) وما وجب على الإنسان لا يسقط إلا بأدائه. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الفصل الرابع في بيان مواقيت الإحرام: ۴۳۵/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

قضا نمازوں کا فدیہ وکفارہ

قضا نماز اور اس کا فدیہ اور حیلہ:

سوال: اگر کوئی شخص بے فکری کی وجہ سے، یا دوسری اغراض کی وجہ سے اپنی نماز قضا کرتا ہو، یا تو بے فکر ہے؛ کیوں کہ دل کا مالک خدا ہے کہ اس نے کیوں قضا کیا تو بظاہر اس کو کیا کہا جائے گا؟ اور اگر وہ اپنی طاقت کے موافق تو اس کو ادا کرتا ہے؛ مگر پھر بھی عمر بھر کے اندر پانچ سو، ہزار وقت کی باقی رہ جائے تو اس کا فدیہ کیا ہوگا؟ اور فدیہ کے اندر کوئی ترکیب؛ یعنی حیلہ بھی ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور یہ فدیہ غریب اور امیر دونوں کے واسطے ایک ہے، یا الگ؟ ایسے ہی حیلہ کا حکم دونوں قسم کے آدمیوں کے واسطے ایک ہوگا، یا الگ؟ اس تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ عالمگیری میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی کی کچھ نماز ذمہ میں رہ جائے اور اس کو ادا نہ کرسکے تو چاہے امیر ہو، یا غریب کہ اتنا فدیہ اگر دیا جائے تو یا تو کل مال ختم ہوجائے گا تو وہ اس کو ادا کردے گا۔

تیسرا طبقہ یہ ہے کہ وقت محدود ہو تو وہ اس کو آسانی کے ساتھ ادا کردے گا تو کیا ان تینوں صورتوں کے اندر عالمگیری کا حیلہ کارگر ہوگا کہ صرف ایک قرآن شریف پانچ روپیہ کا خرید کر کوئی غریب کو یہ کہتا ہے کہ میری میت کے ذمہ جواتنی نماز ہے کہ اس کا فدیہ ادا نہیں کرسکتا، ایسے ہی اس قرآن شریف کا اتنا ہدیہ کہ دینے والا بھی اس کو ادا نہیں کرسکتا، اس نے ان تمام نمازوں کے عوض بھی یہ قرآن شریف تم کو ان تمام فدیہ کے عوض میں دینا چاہتا ہوں، کیا تم اس کو قبول کرتے ہو؟ تو وہ قرآن خواں اس کو کہتا ہے کہ ہاں میں نے ان تمام فدیہ کے عوض میں اس قرآن شریف کو قبول کیا۔ کیا یہ عالمگیری کا حوالہ صحیح ہے؟ پھر یہ زمانہ حال کے لوگ نماز نہیں پڑھتے؛ مگر پھر وہ کلی طور پر نماز کو ختم ہی کردے گا اور ایک قرآن شریف ہدیہ کردے گا۔ (سائل: کوثر علی مدنا پور، بنگال)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

نماز فرض عین ہے اس کو ترک کرنا خطرناک اور کبیرہ گناہ ہے،(۱) پھر اس کی قضاء پڑھنا فرض ہے، جتنی نمازیں بھی

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿أقيموا الصلوٰة﴾ (سورة البقرة:۴۳)
وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إن الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتاً﴾ (سورة النساء:۱۰۳)
عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال: فرضت علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلة أسری به الصلاة ==

ذمہ میں ہوں سب کی قضا جلد از جلد پڑھے، ہر گز غفلت نہ کرے، پانچ سو ہوں، یا ہزار ہوں، سب کی قضا پڑھے۔(۱) پوری کوشش کے باوجود اگر کچھ نمازیں ذمہ میں باقی رہ جائیں تو ان کے متعلق فدیہ کی وصیت کردے، ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کے برابر دینا لازم ہے، یہ وصیت ایک تہائی ترکہ سے لازم ہوگی، جب تک اتنا مال ہو کہ ایک تہائی ترکہ سے ہر نماز کے عوض صدقۃ الفطر دیا جاسکے، کوئی حیلہ کرنا درست نہیں۔(۲) یہ کہنا کہ امیر وغریب سب کے لیے یہ حیلہ ہے، غلط اور بے اصل ہے۔ ایک تہائی ترکہ سے زیادہ میں فدیہ کی وصیت پورا کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ ورثا کی اجازت پر موقوف ہے۔(۳)

ایک قرآن شریف خرید کردینے کو سب فرض نمازوں کا بدلہ سمجھنا جہالت اور ضلالت ہے، عالمگیری کی طرف اس کو منسوب کرنا غلط اور بہتان ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳۹۰/۶/۲۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۱/۷-۳۹۳)

حیلۂ اسقاط:

سوال: اسقاط؛ یعنی حیلہ جوئی کہ جنازہ کی نماز کے قبل، یا بعد دیا جاتا ہے، وارثان میت پر واجب ہے کہ نہیں؟ وہ حیلہ یہ ہے: ''گیہوں یک من ساڑھے بارہ سیر اور زرنقد کم از کم سوا روپیہ اور قرآن مجید اور غرض حیلہ دینے والوں کی یہ ہے کہ مردہ کی تمام قضا شدہ روزہ ونماز حج وغیرہ کا یہ کفارہ ہوجاتا ہے اور یہ کل جنازہ کی نماز پڑھانے والے کو دیتے

== خمسين، ثم نقصت حتى جعلت خمساً،ثم نودى:يامحمد ! إنه لايبدل القول لدى،وإن لك بهذا الخمس خمسين.(سنن الترمذى، أبواب الصلاة،باب ماجاء كم فرض الله على عبده من الصلوات: ۵۱/۱،مكتبة أشرفية ديوبند)

(قوله: هى): أى الصلاة الكاملة، وهى الخمس المكتوبة (قوله: على كل مكلف):أى بعينه (قوله: بالاجماع): أى و بالكتاب والسنة.(ردالمحتار،كتاب الصلاة: ۳۵۱/۱،سعيد)

وعن بريدة رضى الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''العهد الذى بيننا وبينهم الصلوٰة،فمن تركها،فقد كفر''.(رواه أحمد)(مشكاة المصابيح،كتاب الصلاة،الفصل الثانى،ص: ۵۸،قديمى)

(۱) (وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة). لف ونشر مرتب. وجميع أوقات العمر وقت للقضا إلا الثلاثة المنهية .(الدرالمختار)

(قوله:وقت للقضاء):أى لصحته فيها وإن كان القضاء على الفورإلا لعذر.(ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۶۶/۲،سعيد)

(۲) ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة و كذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله.(تنوير الأبصارمع الدرالمختار،باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲-۷۴،سعيد)

(۳) (قوله:وإنما يعطى من ثلث ماله):أى فلوزادت الوصية على الثلث،لايلزم الولى إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة.(ردالمحتار،باب قضاء الفوائت : ۷۳/۲،سعيد)

ہیں اور حیلہ لینے والے بیٹھ جاتے ہیں اور ہاتھ میں قرآن شریف لے لیتے ہیں اور ایک دعا بڑی سی پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے قبول کیا۔

الجواب

حیلۂ اسقاط مذکور وارثانِ میت پر واجب نہیں اور ایسی وصیت کو بھی فقہا نے جائز نہیں رکھا۔

قال في الدرالمختار: ونص عليه في تبيين المحارم فقال: لايجب على الولي فعل الدور وإن أوصٰى به الميت لأنها وصية بالتبرع والواجب على الميت أن يوصى بمايفي بما عليه إن لم يضق الثلث عنه فإن أوصٰى بأقل وأمربالدور وترك بقية الثلٰث للورثة أوتبرع به لغيرهم فقد أثم بترك ما وجب عليه. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۰/۴-۳۳۱)

حیلۂ اسقاط:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

سوال (۱) اگر میت اپنے مال کے تہائی حصے کا وصیت کرے کہ میرے پیچھے میرے مال کا ثلث صدقہ کرو، کچھ مجھ پر رمضان کی قضا ہے اور نماز بھی اکثر قضا ہوئی، یہ وصیت شدہ مال اگر جنازہ گاہ میں حاضر کر کے فقرا پر بعد دورہ اسقاط تقسیم کیا جائے تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) بعد دورہ اسقاط یہ مال فقرا کا حق ہے، یا غنی بھی لے سکتا ہے۔

(۳) اگر کسی نے قصدا رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں، یا قصداً نمازیں قضا کی ہوں اور مرتے وقت وصیت بالفدیہ کرے تو آیا اس کا وارث فدیہ دیوے گا، یا نہیں؟ اور یہ فدیہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

(۴) اگر ایک شخص مثلا بیس رمضان کے روزے نہ رکھے تو اس کے فدیہ کا کیا شکل ہوگا، آیا ہر ایک رمضان کے مقابلے میں کفارے کا حساب کیا جائے گا، یا کوئی اور صورت ہوگی؟

الجواب

(۱) اس ثلث وصیت شدہ مال کو فقرا اور مساکین پر تقسیم کر دینا چاہیے، (۲) اس کو قبرستان میں لے جانا اور مروجہ حیلۂ اسقاط اس پر جاری کرنا نہیں چاہیے۔

---

(۱) رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلوٰة عن الميت: ۶۸۶/۱، ظفير

(۲) کیوں کہ صدقہ فقرا کا حق ہے، جس جگہ بھی ہو، البتہ اسے جنازے کے ساتھ لے جانا بے معنی ہے اور اگر اس میں آج کل کے بدعات بھی شامل ہوں تو پھر جائز بھی نہ ہوگا۔

(۲)　وہ مال فقرا ومساکین کا حق ہے، اغنیا کو اس میں سے دینا نہیں چاہیے۔(۱)

(۳)　ہاں! جب کہ اس نے موت کے وقت ان نمازوں اور روزوں کے فدیہ کی وصیت کی تھی تو اس کے ترکہ کے ثلث میں سے فدیہ ادا کرنا وارثوں کے ذمہ لازم ہے، (۲) خواہ یہ نمازیں اور روزے قصداً ترک کئے ہوں، یا بلا قصد۔

(۴)　ہاں! ہر رمضان کے روزوں کا فدیہ جداگانہ اس کے ذمہ ہوگا، (۳) اور اگر قضا کرنے کا موقع اور طاقت ہوتو بیس سال کے روزوں کی قضا رکھنی ہوگی۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴/۱۸۷-۱۸۸)

حیلۂ اسقاط:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۷ء)

سوال: حیلۂ اسقاط؟

الجواب

اسقاط کے متعلق سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ مروجہ طریقہ بہت سے مفاسد اور محظورات شرعیہ کو مشتمل ہے، حیلۂ اسقاط جو فقہا نے تحریر فرمایا ہے، وہ اس سے علاحدہ ہے، اس کے موافق عمل کرنا مباح ہے، (۵) اور بہر صورت اس کو ضروری اور لازم سمجھنا حد شرعی سے تجاوز ہے۔ اس مسئلے کی پوری تفصیل ''رسالہ دلیل الخیرات'' میں ملاحظہ فرمائی جائے۔(۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۱۸۴)

---

(۱)　مصرف الزكاة ... هو فقير. (وفي الشامية) وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر، إلخ، والكفارة، والنذر، وغير ذلك من الصدقات الواجبة. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، ط: سعيد)

(۲)　فدیہ کے حق میں شریعت نے قصداً ترک کرنے اور غلطی سے چھوٹنے کا فرق نہیں کیا ہے۔

''ولو مات وعليه صلوات فائتة، وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع.

وفي الشامية: (قوله: يعطى بالبناء المجهول) أي يعطى عنه وليه أي من له ولاية التصرف في ماله بوصاية، أو وراثة فيلزمه ذلك من الثلث إن أوصى. (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۲/۷۲، ط: سعيد)

(۳)　فيجب عن كل شهر نصف غرارة قمح، إلخ. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل: ۲/۷۳، ط: سعيد)

(۴)　فدیہ اس صورت میں جائز ہے جب قضا کرنے کا وقت یا طاقت نہ ہو ورنہ جائز نہیں۔

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر، ويفدي وجوباً ... ومتى قدر قضى، لأن استمرار العجز شرط الخلفية. (الدرالمختار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۷، ط: سعيد)

(۵)　ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه، إلخ. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۳، ط: سعيد)

(۶)　کیوں کہ یہ شریعت سے ثابت نہیں اور خلاف شرع کو لازم اور ضروری قرار دینا بدعت میں داخل ہے۔ وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول، إلخ. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ط: سعيد)

اسقاط کا مسئلہ:

سوال: اسقاط کا حیلہ جو میّت کے لیے کیا جاتا ہے، اس کا ثبوت شرعاً بھی ہے، یا نہیں؟

الجواب

کچھ نہیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۴۷)

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت کیا ہے:

سوال: حیلۂ اسقاط کی تین قسم جو فقہ کی معتبر کتابوں میں مرقوم ہے کہ میت کی جملہ قضا فرائض و واجبات وغیرہ شمار کرکے اس کے فدیہ میں جو گندم مقرر ہو تو پھر کچھ گندم لاکر، یا مقرر گندم کی قیمت مقرر کرکے پھر ایک شئ ذی قیمت وارث فقیر کو دے اور پھر فقیر وارث کو اور پھر وارث فقیر کو دے، اسی طرح تکرار کرتے رہیں، حتی کہ فدیہ کی مقرر گندم کی قیمت پوری ہوجائے تو فدیہ ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

ان میں سے جس حیلہ کو بعض فقہا نے لکھا ہے، وہ بصورت ناداری وافلاس ورثہ محض تبرع کے طریق سے فقہا نے لکھا تھا کہ بضرورت اگر ایسا کرلیا جاوے تو امید ہے کہ میت کے ذمہ کے فرائض ادا ہوجاویں؛ مگر ان حیلوں میں جو مفاسد پیش آرہے ہیں کہ ورثہ باوجود استطاعت کے فدیہ مال پورا ادا کرنا نہیں چاہتے اور حیلہ کرلیتے ہیں اور اس کے سوا دیگر مفاسد شرعیہ بھی ان حیلوں میں ہیں، جن کی وجہ سے ایسے حیلوں سے منع کیا جاتا ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۷۰-۳۷۱)

---

(۱) والواجب على الميت أن يوصي بما يفي بما عليه إن لم يضق الثلث عنه فإن أوصٰى بأقل وأمر بالدور وترك بقية الثلث للورثة أوتبرع به لغيرهم فقد أثم بترك ماوجب عليه.(ردالمحتار،باب قضاء الفوائت،مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت: ١/ ٦٨٦،ظفير)

(۲) ولولم يترك مالاً يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقيرثم يدفعه الفقيرللوارث ثم وثم حتٰى يتم.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ٥٣٤/٢،مكتبة زكريا،انيس)

(ولولم يترك مالاً): أى أصلاً أوكان ما أوصٰى به لايفي،زاد في الإمداد:أولم يوص بشئ وأراد الولي التبرع، إلخ،و أشاربالتبرع إلٰى أن ذلك ليس بواجب على الولي ونصّ عليه فى تبيين المحارم فقال:لايجب على الولي فعل الدور وإن أوصٰى به الميت؛لأنها وصية بالتبرع والواجب على الميت أن يوصي بما يفي بما عليه إن لم يضق الثلٰث عنه فإن أوصٰى بأقل وأمربالدوروترك بقية الثلٰث للورثة أوتبرع به لغيرهم فقد أثم بترك ماوجب عليه،إلخ.(رد المحتار، باب قضاء الفوائت،مطلب فى إسقاط الصلٰوة عن الميت: ٦٨٦/١-٦٨٧،ظفير)

حیلہ اسقاط مباح ہے، مگر آج کل کے مروجہ حیلہ اسقاط کا ترک واجب ہے:

سوال: اسقاط مروجہ فی الفنجاب؛ یعنی ایک روپیہ اور دو سیر غلہ اور ایک کلام اللہ شریف امام مسجد لیتا ہے، کیا یہ طریقۂ مسنونہ میں سے ہے، یا نہیں؟ اور بشرط ثبوت اسقاط مروجہ امر ضروری ہے، یا امر مباح؟

(المستفتی: ۲۱۷۲، فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ، ۱۸ر مئی ۱۹۴۲ء)

الجواب

اسقاط کا یہ رواج کہ ایک روپیہ دو سیر غلہ اور ایک قرآن مجید امام مسجد، یا کسی اور شخص کو دینا اور یہ سمجھنا کہ یہ چیزیں دینا میت کے تمام قضا شدہ روزوں اور نمازوں اور کفارات واجبہ کا فدیہ ہو گیا، غلط ہے۔ اگر روپے کی تعداد اس سے کم وبیش کردی جائے؛ مگر معین ہو، مثلاً: ایک روپیہ کے بجائے دس بیس پچاس روپے مقرر کرلیں، اسی طرح غلہ کی مقدار بجائے دو سیر کے دس بیس سیر، یا من دو من مقرر کرلیں، قرآن مجید ایک کی جگہ دو چار، یا دس بیس کردیں، جب بھی یہ رواج اور طریقہ غلط ہوگا؛ مگر اس کو لازم کرلینا بدعت ہے اور ترکہ مشترکہ میں اس کو شمار کرنا، جب کہ بعض وارث نابالغ بھی ہوں حرام ہے، اسقاط کی جو صورت مباح ہے۔(۱) وہ اس مروجہ صورت سے بالکل مختلف ہے، اس پر وہی شخص عمل کرسکتا ہے، جو علم رکھتا ہو اور فقہا کی بیان کردہ صورت کو سمجھ کر عمل کرسکتا ہو اور وہ بھی صرف مباح ہے، فرض، واجب، یا سنت نہیں، (۲) اس کے تارک کو نہ ملامت کرنا جائز ہے اور نہ اس پر مجبور کرنا مباح۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ دہلی

جواب دیگر:

اسقاط کا جو طریقہ فقہا نے بتایا ہے، وہ پوری طرح ادا کیا جائے تو مباح ہے۔ (۳) مروجہ اسقاط تو یقیناً ناجائز اور

(۱) ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث، ثم وثم حتى يتم. (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، ط: سعيد)

(۲) ونص عليه في تبيين المحارم فقال، لايجب على الولي فعل الدور، وإن أوصى به الميت؛ لأنها وصية بالتبرع. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، ط: سعيد) (مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) وأراد أحد التبرع بقليل لايكفي فحيلته لا براء ذمة الميت عن جميع ما عليه أن يدفع ذلك المقدار اليسير بعد تقديره لشي من صيام أوصلاة أونحوه ويعطيه للفقير بقصد إسقاط ما يرد عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ثم بعد قبضه يهبه الفقير للولي أوللأجنبي، ويقبضه لتتم الهبة وتملك ثم يدفعه الموهوب له للفقير بجهة الإسقاط متبرعا به عن الميت فيسقط عن الميت بقدره أيضاً ثم يهبه الفقير للولي، أوللأجنبي ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير متبرعاً عن الميت وهكذا يفعل مرارًا حتى يسقط ما كان بظنه على الميت من صلاة وصيام. (مراقي الفلاح، فصل في إسقاط الصلوٰة والصوم، ص: ۲٦۳، طبع مصطفى البابي الحلبي مصر)

بدعت ہے،(۱)اور میت کی وصیت کے بغیر ترکہ مشترکہ میں سے اسقاط کرنا جب کہ بعض وارث نابالغ بھی ہوں، یا بالغ ہوں؛ مگران کی رضامندی نہ ہو،حرام ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۸۵/۴)

حیلۂ اسقاط کا صحیح طریقہ؛مگرآج کل ترک بھی ضروری ہے:

سوال: زید بالغ ہوااور بعد بلوغ ۴۲/سال تک اس نے نماز فرض نہیں پڑھی، جب ملازمت سے علاحدہ ہوگیا، اس سال انتقال سے کچھ ماہ قبل نماز پڑھی،تخمیناً ۵۷/سال کی عمر کو پہنچ کراس دار فانی سے خود رخصت ہوئے،ان کے لڑکے حامد جو نیک اور صالح لڑکا ہےاور الحمدللہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، یہ چاہتا ہے کہ اپنے باپ زید کی ۴۲/سالہ عمر کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ دے کر اپنے والد کو عذاب آخرت سے نجات دلوائے،حساب لگایا گیا تو کفارہ نماز وروزہ کئی ہزار من کے قریب پہنچتا ہے، جو حامد کی جرأت وہمت سے خارج ہے؛اس لیے حیلۂ اسقاط فدیہ کرنا چاہتا ہے؛لیکن اول اس کا طریقہ نہیں معلوم، دوم معلوم نہیں کہ یہ طریقہ شرع میں جائز ہے، یا نہیں؟اگر یہ طریقہ حیلۂ اسقاط فدیہ شرعاً جائز ہےتواس کے ادا کرنے کا طریقہ مفصل تحریر فرمایا جائے؟

(المستفتی:۲۵۱۲، خیراتی چودھری،ہمیر پور،۹/جمادی الاول ۱۳۵۸ھ،۲۸/جون ۱۹۳۹ء)

الجواب

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی نمازوں کا فدیہ وہ ادا کرسکتا ہے،مثلاً: سونمازوں کا فدیہ ۴/من ۱۵/سیر گیہوں ہوئے فی نماز ۱/سیر کے حساب سے تو یہ چار من پندرہ سیر گیہوں کسی مسکین کو یہ کہہ کر دیئے جائیں کہ مرحوم کے ذمہ جس قدر نمازیں ہیں،ان میں پہلی سونمازوں کا یہ فدیہ ہے،قبول کرو، وہ قبول کر کے قبضہ کرلے، پھر وہ یہ غلہ معطی کو اپنی طرف سے ہبہ کردے، ولی اس پر قبضہ کرلے، پھر وہ مزید سونمازوں کے فدیہ میں یہ غلہ اسی مسکین کو دے دے اور مسکین قبضہ کرلے، پھر مسکین ولی کو ہبہ کردے اور ولی قبضہ کرکے پھر اس کو مزید سونمازوں کے فدیہ میں دے دے،اسی طرح تمام نمازوں کا فدیہ پورا کردیا جائے، پھر یہی غلہ سونمازوں کے بدلے میں دیا جائے،ایک نماز اور ایک روزے کا فدیہ برابر ہےاور ہر مرتبہ میں مسکین کا اور واپسی کے وقت ولی کا قبضہ کرلینا ضروری ہے، جب سب نمازیں اور روزے ختم

(۱) کیوں کہ قرون ثلاثۃ المشہو دلھا بالخیر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۲) عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لایحل مال رجل مسلم لأخیہ إلاما أعطاہ بطیب نفسہ.(السنن الکبریٰ للبیہقی:۱۸۲/۸،ط:دارالکتب العلمیۃ بیروت،رقم الحدیث:۱۶۷۵۶)

عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لایحل مال أمرئ مسلم إلابطیب نفس منہ.(السنن الکبریٰ للبیہقی،باب من غصب لوحا فأدخلہ فی سفینہ أوبنیٰ علیہ جداراً:۵۰۶/۸،رقم الحدیث:۱۱۵۴۵،انیس)

ہو جائیں تو دوسرے واجبات (مثلاً کفارہ قسم وغیرہ) کا فدیہ اسی طریق سے ادا کیا جائے، آخر میں غلہ مسکین کو دیکر واپس نہ لیا جائے، یہ حیلہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو جائز ہے، رات دن کی چھ نمازیں (مع وتر کے) محسوب ہوں گی اور ہر رمضان کے تیس روزے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴/۱۸۰-۱۸۱)

مروجہ حیلۂ اسقاط کا چھوڑنا واجب ہے:

سوال: صوبہ سرحد میں یہ مروج ہے کہ میت کو جنازہ دینے کے بعد علماء صاحبان دائرہ بنا کر قبرستان میں بیٹھ جاتے ہیں اور صاحب میت کچھ مال واسباب لے جایا کرتا ہے اور ان روپے وغیرہ کو ان علما کے سپرد کر دیتا ہے اور علما صاحبان یکے بعد دیگرے ان اموال کو قبضہ کرا دیتا ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فدیہ میت کے صیام وصلوۃ ونذر وکفارات وایمان سے ادا ہو جائے اور ان اسباب میں قرآن شریف بھی ہوتا ہے، اس کے بعد سات نو دفعہ یہ مقابضہ ہوتا رہتا ہے، اس کے بعد وہ سامان سب لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ دائرہ کیسا ہے اور معتبر کتابوں سے اس کا ثبوت ہے، یا نہیں؟ پھر قرآن ان اسباب کے ساتھ رکھنا یہ کیسا ہے اور قرآن وہ مالک خود لے جاتا ہے، اگر یہ فدیہ ہے تو فدیہ کا ثبوت صحیح ہے؛ لیکن یہاں پر تقسیم کے وقت ہر شخص کو پورا فدیہ نہیں پہنچتا ہے، اس کو واضح بیان فرمائیے اور جو طریقہ فدیہ کا بہتر ہے، اس کو مشرح کیجئے اور یہ دائرہ علما کا ہوتا ہے اور تقسیم پھر عام ہوتی ہے۔

(المستفتی:۲۷۰۹، مولوی غلام محمد صاحب (ضلع کوہاٹ) ۲۵/صفر ۱۳۶۱ھ، مطابق ۱۴/مارچ ۱۹۴۲ء)

الجواب

یہ دائرے کی رسم صحیح طور پر ادا نہیں کی جاتی اور اس میں فدیہ باقاعدہ ادا نہیں ہوتا اور قرآن مجید رکھنا بے معنی ہے؛

---

(۱) (قولہ:یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا،إلخ)أی او قیمة ذلک والأقرب أن یحسب ما علی المیت ویستقرض بقدرہ بأن یقدر عن کل شهرأو سنة أو یحسب مدة عمرہ بعد إسقاط اثنتی عشرة سنة للذكروتسع سنين للأنثى؛لأنها أقل مدة بلوغهما فيجب عن كل شهرنصف غرارة قمح بالمد الدمشقی مد زماننا،لأن نصف الصاع أقل من ربع مد،فتبلغ كفارة ست صلوات لكل يوم وليلة نحومد وثلث،ولكل شهر أربعون مداً،وذلک نصف غرارة ولكل سنة شمسية ست غرائر،فيستقرض قيمتها ويد فعها للفقير،ثم يستوهبها منه ويتسلمها منه،لتتم الهبه،ثم يدفعها لذلک الفقير أولفقير آخر وهٰكذا فيسقط فی كل مرة كفارة سنة وإن استقرض أكثرمن ذلک يسقط بقدرہ وبعد ذلک يعيد الدور لكفارة الصيام ثم للأضحية،ثم للأيمان،لكن لابد فی كفارة الأيمان من عشرة مساكين.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب فی بطلان الوصية بالختمات،والتها ليل:۷۳/۲،طبع:الحاج محمد سعيد)

موجودہ زمانہ میں اس حیلہ اسقاط میں چوں کہ بے شمار امور مستقبحہ اور ناجائز شامل کر دیئے گئے ہیں، لہٰذا اس سے بچنا واجب ہے۔

کیوں کہ اسے مالک خود لے لیتا ہے، پس اس کو رکھنے سے کیا فائدہ؟ حاصل یہ ہے کہ یہ رسم جس طریقہ سے ادا کی جاتی ہے، یہ واجب الترک ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۱۸۴/۴)

مروجہ اسقاط کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں:

سوال: میت کے واسطے اسقاط جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو طریقہ کیا ہے؟ ایک مقام میں اسقاط اس طرح کرتے ہیں کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد لوگ چاروں طرف حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں اور متوفی کے وارثین حسب مقدور کچھ نقدی لا کر اور ایک قرآن شریف کے ہمراہ امام صاحب کو دیتے ہیں اور امام صاحب لے کر پھر ان کو اپنے دائیں طرف والے آدمی کو دیتا ہے اور دیتے وقت یہ کہتا ہے کہ میں نے ان کو قبول کیا اور تم کو ہبہ کرتا ہوں۔اسی طریقے سے وہ تیسرے کو دیتا ہے، علیٰ ہذا القیاس چاروں طرف تین دفعہ پھراتے ہیں، بعد ازاں تقسیم اس طرح کرتے ہیں کہ مثلا امام صاحب کو پانچ روپے اور مؤذن صاحب کو ڈھائی روپے اور طالب علم کو ایک روپیہ اور کوئی بہت زیادہ غریب ہو تو اس کو چار آنے دیتے ہیں۔اس طریقہ مروجہ کو لازم وضروری جانتے ہیں اور تارک ومانع کو ملامت کرتے ہیں۔

(المستفتی: ۲۷۶۰، محمد جلال الدین، کوہاٹ پشاور، ۲۶/صفر ۱۳۶۲ھ، مطابق ۶/مارچ ۱۹۴۷ء)

الجواب

اسقاط مروجہ کا شرعاً ثبوت نہیں، ہاں! اگر میت نے وصیت کی ہو، یا وارثین بالیقین میت کے فوت شدہ فرائض و واجبات کا فدیہ دینا چاہیں اور مقدار فدیہ کی پوری ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو قلیل فدیہ کی مقدار کو بذریعہ حیلہ کے بڑھا سکتے ہیں کہ فدیہ قلیل ایک محتاج کو دے دیں اور یہ محتاج بعد قابض ہو جانے کے بعض الورثہ کو دے دے اور بعض ورثہ پھر اس محتاج کو، یا دوسرے محتاج کو دے دے اور اس طرح پر بار ہا کرنے سے مقدار فدیہ تک پہنچا دیں؛ لیکن یہ حیلہ نمازوں کے لیے علاحدہ کریں اور روزوں کے لیے علاحدہ اور قربانی کے لیے علاحدہ اور کفارہ ایمان کے لیے علاحدہ ایمان کے کفارہ میں دس مساکین کو دینا ضروری ہے، ایک کو دینا درست نہ ہوگا، مثلاً: میت سے چالیس روز کی

(۱) کیوں کہ علماء نے حیلۂ اسقاط کی اجازت مجبوری کی حالت میں دی ہے؛ یعنی میت کے ترکے میں اتنا مال نہ ہو کہ جس سے اس کے کفارات ادا ہوں تو اس صورت میں یہ حیلہ تجویز کیا ہے اور اس میں بھی کئی شروط ہیں؛ لیکن آج کل مالداروں کا بھی حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے اور پھر اس کو ضروری قرار دیتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں؛ اس لیے آج کل کا مروجہ حیلہ اسقاط واجب الترک ہے۔

من أصر علىٰ أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطٰن من الأضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعة أومنكر. (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء فى التشهد: ۳۱/۳، مكتبة حبيبية كوئتة)(الفصل الأول: ۴۰۹/۲، مكتبة فخرية ديوبند، انيس)

نمازیں قضا ہوگئی ہیں اور فدیہ کی قلیل مقدار صرف ایک من دوسیر گیہوں موجود ہے تو دس مرتبہ بعض وارث کسی محتاج کو ہبہ، یا قبضہ کردے اور یہ محتاج ہر مرتبہ بعد قبضہ کرلینے کے بعض الوارثین کو واپس کردے، یا ایک من دوسیر گیہوں کی قیمت پر یہ حیلہ کرلیں۔

ويدفعها للفقير ثم يستوهبها منه ويتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها لذلك الفقير أو لفقير أخر وهٰكذا فيسقط في كل مرة كفارة سنة وإن استقرض أكثر من ذلك يسقط بقدره وبعد ذلك يعيد الدور لكفارة الصيام ثم للأضحية ثم للأيمان لكن لابد في كفارة الأيمان من عشرة مساكين. (ردالمحتار)(۱)

لیکن اس حیلہ مذکورہ کو بھی دواماً والتزاماً رسم بنالینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔(۲) فقط واللہ اعلم

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ، نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

جواب صحیح ہے، اسقاط مروج میں اور بھی بہت سی ناجائز صورتیں شامل ہیں، لہٰذا یہ رسم تو بہرحال واجب الترک ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴/۱۸۵-۱۸۶)☆

---

(۱) ردالمحتار، باب قضاء الفوئت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل: ۵۳۴/۲، مكتبة زكريا ديوبند

(۲) کیوں کہ حیلہ ہر وقت درست نہیں؛ بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حیلہ کیا جاتا ہے، مثلاً: وصیت نہ کی ہو، یا کی ہو؛ لیکن ثلث سے کم کی وصیت کی ہو، جیسا کہ شامیہ میں ہے:

"والواجب على الميت أن يوصي بما يفي بما عليه إن لم يضق الثلث عنه، فإن أوصٰى بأقل وأمر بالدور وترك بقية الثلث للورثة أو تبرع به لغيرهم فقد أثم بترك ما وجب عليه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، ط: سعيد)(مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، انيس)

اسی طرح مرقات شرح مشکوۃ میں ہے:

من أصر علٰى أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطن من الاضلال فكيف من أصر علٰى بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، باب الدعا في التشهد: ۳۱/۳، ط: مكتبة حبيبة كوئتة)(الفصل الأول: ۴۰۹/۲، مكتبة فخرية، ديوبند، انيس)

☆ اسقاط کی مذکورہ صورت مہمل اور بیکار ہے:

سوال: جب میت کے لیے اسقاط کیا جاتا ہے تو عموماً محلّہ کی مسجد سے قرآن شریف لے جاکر جنازے میں رکھ دیتے ہیں، اسی طرح قبرستان تک اس میں رہتا ہے، نماز جنازہ کے بعد امام اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے، میت کا وارث، یا کوئی رشتہ دار اس قرآن شریف کو جنازے سے نکال کر امام صاحب کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، امام میت کے وارث کو سامنے بیٹھا کر میت کے گناہوں کے کرنے اور واجبات وفرائض کے ترک کی کوتاہیوں میں اس قرآن کو بطور کفارہ پیش کرتے ہوئے دعا مانگتا ہے، بعد ازاں مسجد کا قرآن مسجد میں واپس بھیج دیا جاتا ہے اور امام صاحب کو ایک روپیہ معاوضۃ دیا جاتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ نیز صحیح مسئلہ اسقاط جسے فقہا نے بیان کیا ہے، وہ کیا ہے؟

(المستفتی: ۲۸۰۷، محمد احسن ہاشمی (کراچی) ۲۹/ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ) ==

==

الجواب

اسقاط کی یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے، مہمل اور بیکار ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں اور مسجد کا قرآن مجید بھی اس کام کے لیے لے جانا جائز نہیں ہے، (مسجد کے قرآن مسجد میں پڑھنے والوں کے لیے وقف ہوتے ہیں، ان کو مسجد سے لے جا کر پڑھنا بھی درست نہیں، چہ جائیکہ شریعت سے غیر ثابت شدہ کام کے لیے لے جایا جائے) حیلۂ اسقاط جو فقہاء نے ذکر کیا ہے، وہ بھی ضروری نہیں۔ (**ونص عليه في تبيين المحارم فقال: لايجب على الولي فعل الدور وإن أوصٰى به الميت؛ لأنها وصية با لتبرع. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، ط: سعيد) (مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، انيس)** اگر کوئی میت کی مغفرت کے لیے اس پر صحیح طور پر عمل کرے تو میت کو ثواب پہنچنے کی امید ہے، وہ یہ ہے کہ اگر میت کے ذمہ اتنی نمازیں اور روزے ہوں، جس کا فدیہ اتنا زیادہ ہوتا ہو کہ وارثوں کو ادا کرنے کی طاقت نہ ہو، مثلاً بیس من گیہوں ہوتے ہوں اور وہ قادر نہ ہوں کہ اتنے گیہوں ادا کریں تو جتنے وہ ادا کر سکتے ہوں، مثلاً دس سیر گیہوں تو وہ دس سیر گیہوں اس کی دس نمازوں کے فدیہ میں کسی مسکین کو دے دیں، وہ مسکین قبضہ کر کے پھر وارث کو ہبہ کر دے، وارث قبضہ کر لے، پھر وہ مزید دس نمازوں کے بدلے میں وہ گیہوں مسکین کو دے دے، مسکین قبضہ کر لے، پھر اپنی طرف سے وارث کو ہبہ کر دے، وارث قبضہ کر لے، اسی طرح کرتے رہیں، یہاں تک کہ میت کی تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ پورا ہو جائے۔ (**ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا و يدفعه لفقير ثم يد فعه الفقير للوارث ثم، وثم حتٰى يتم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۵۳۴/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس)**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۱۸۷/۴)

مروجہ حیلہ اسقاط جائز نہیں:

سوال: بعض علاقہ کے علماء نے روزوں اور نمازوں اور دیگر فرائض اور واجبات جو کہ میت سے فوت شدہ ہوتے ہیں، ان کے ادا کرنے کا جو حیلہ اسقاط اختیار کیا ہے، اس میں ایک جدید اضافہ اپنی طرف سے کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس مال غلہ وغیرہ کو اٹھوا کر محتاجین کے حلقے میں پھرواتے ہیں، اس طرح پر کہ اٹھانے والا ہر ایک شخص کے پاس لے جاتا ہے، وہ شخص اس پر ہاتھ رکھ کر قبول کر لیتا ہے، اس کے بعد دوسرے اپنے پاس والے کے ملک میں کر دیتا ہے تو یہ اٹھانے والا دوسرے کے پاس لے جاتا ہے، اسی طرح تیسرے کے پاس اور پھر چوتھے کے پاس یہاں تک کہ حلقے کے اشخاص میں سے ہر ایک شخص کے پاس لے جاتا ہے اور اکثر علما اس کے برخلاف اس مال غلہ وغیرہ کو ایک ہی جگہ پر رکھا رہنے دیتے ہیں اور حلقہ میں سے ہر ایک شخص دوسرے کے ملک میں اس فدیہ کے مال کو کر دیتا ہے، **بالتمكن و التخليه و الاشاره** تو ان دو فریق میں سے کون فرقہ حق پر ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ۳۱۸، مولوی محمد جمیل (ضلع راولپنڈی)، ۵/ربیع الاول ۱۳۵۳ھ، ۱۸/جون ۱۹۳۴ء)

الجواب

(از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی)

بعض علما فریق اول کا فدیہ کے مال کو اٹھوا کر پھروانا کل حلقہ میں عبث ہے؛ کیوں کہ شے موجود و مشاہد پر قبضہ موہوب لہ کا **بالتمكن والتخلية** بھی ہو جاتا ہے۔ تنویر الابصار اور درمختار میں ہے:

" **(والتمكن من القبض كالقبض فلو وهب لرجل ثيابا في صندوق مقفل ودفع اليه الصندوق لم يكن قبضا) لعدم تمكنه من القبض (وإن مفتوحا كان قبضا لتمكنه منه) فإنه كالتخلية في البيع اختيار. وفي الدر المختار صححه بالتخلية، إلخ. (كتاب الهبة: ۶۹۰/۵، ط: سعيد)**

==

== ردالمحتار معروف وفتاوی شامی نے اس کے متعلق لکھا ہے:

(قوله صحته)أی القبض بالتخلية،إلخ.(المجلد الرابع،ص:٥٦٠)(كتاب الهبة:٥/٦٩٠،ط:سعيد)

اور فعل عبث کا ارتکاب مکروہ ہوتا ہے۔تنویرالابصار درمختار میں ہے:

(و)كره(كل لهو)لقوله عليه الصلاة والسلام:"كل لهوالمسلم حرام إلا ثلاثة ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلته بقوسه.(ردالمحتار،كتاب الحظر والاباحة،باب الإستبراء وغيره،فصل فی البيع:٩/٥٦٦،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

ردالمحتار میں اس کے متعلق لکھا ہے:

(قوله:وكره كل لهو)أی كل لعب عبث فالثلاثة بمعنى واحد كما فی شرح التأويلات،إلخ.(المجلد الخامس،ص:٢٧٥)(كتاب الحظرو الاباحة فصل فی البيع:٦/٣٩٥،ط:سعيد)(باب الإستبراء وغيره،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس)

لہٰذا فریق اول بعض علما کا غلطی پر ہے اور اکثر علماء کا فریق بجانب حق ہے، یہ تحریر بالا نہ لحاظ بہ وتملیک وقبضہ کے لکھ دی ہے، مگر اسقاط مروج بوجہ مخالف ہونے اس طریق وصورت کے جو کہ فقہائے کرام نے لکھی ہے ناجائز اور ماسوا اس کے دیگر وجوہات کثیرہ سے بھی اسقاط مروج ناجائز ہے۔فقط

اجابہ وکتبہ: حبیب المرسلین، نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب: از حضرت مفتی اعظمؒ)

اسقاط مروج بوجوہ کثیرہ ناجائز اور مفاسد عدیدہ پر مشتمل ہے؛ اس لیے اس مروجہ طریقہ کا ترک کرنا ہی واجب ہے۔(وهٰـــــذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترزعنها؛لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالىٰ.(ردالمحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب فی كراهة الضيافة من أهل البيت:٣/١٤٨،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس) مروجہ حیلہ اسقاط کئی وجوہ سے ناجائز ہے، مثلاً اس کا معتبر کتابوں میں ذکر نہ ہونا اور اگر کسی کتاب میں ہو بھی تو ان کے بتائے ہوئے شرائط پر عمل نہ کرنا اور اس کی صحت کے لیے علما نے تقریباً بیس شرائط لکھی ہیں، ملاحظہ ہو! کتاب ''مروجہ حیلہ اسقاط'' مفتی احمد ممتاز صاحب اور مولانا سرفراز صاحب کی کتاب ''راہ سنت'' اور سب سے بڑی وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ کسی نے بھی اس کو فرض، واجب، یا سنت نہیں بتایا؛ بلکہ صرف مستحب بتایا ہے اور آج کل اس کے ساتھ واجب اور فرض جیسا معاملہ کیا جاتا ہے جو کہ واجب الترک ہے) رہا یہ کہ ہبہ میں تخلیہ کے ساتھ قبضہ ہو جاتا ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہو جاتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۷۸/۴-۱۸۰)

مروجہ حیلہ اسقاط جائز نہیں:

سوال: کتاب مسائل موتی مصنفہ مولانا مولی بخش صدیقی بہاری، ص: ۲۸ میں ہے کہ ''اگر کسی شخص پر روزہ، یا نماز قضا رہ جائے اور اسی صورت میں مر جائے تو اس کے فدیہ کے متعلق تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر وہ اس کی بابت وصیت کی ہے تو اس کی فدیہ ثلث مال سے ادا کریں، ورنہ مورث پر تبرع ہے، یا اسی طرح اگر مردہ اتنا مال نہیں چھوڑ گیا، جس سے وہ ادا ہو اور وارث بھی محتاج ہے تو حیلہ کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر گیہوں کہ حساب سے ہوا ہے، اس کی قیمت ٹھہرا کے اس کے عوض میں ایک کلام اللہ، یا کوئی چیز قیمتی مثلاً کوئی کتاب، یا تسبیح، یا کوئی دوسری چیز کہ اس کی ملک ہو، مسلمان کے سامنے ہاتھ پر رکھ کر کسی مسکین محتاج کے پاس بھیجیں اور کہیں کہ یہ کلام اللہ، یا فلاں چیز اتنے گیہوں کے عوض میں ہم نے تیرے ہاتھ بیچی اور مسکین اس بات کو قبول کر لے اور دو آدمی گواہ رہیں تو وہ چیز اس مسکین کی ہوگی اور اتنے گیہوں کا ادا کرنا اس مسکین پر واجب ہوا، بعد اس کے بیچنے والا اس فقیر سے کہے کہ فلاں بن فلاں کے ذمہ پانچ وقتی نماز اور واجبات اتنی مدت کے اور رمضان کے روزے اور بعض حقوق خدا تعالیٰ کے ادا کرنا اس پر واجب تھے اور اسی وقت اس سے ہو نہیں سکتا، ==

قضا ادا نہ ہوسکی اور مرض الموت میں گرفتار ہوگیا تو کیا کرے:

سوال: اگر قضا کرنے کی نوبت نہ آئے کہ مرض الموت میں گرفتار ہو جائے اور فدیہ کی طاقت نہ ہوتو مواخذہ سے بری ہونے کی کیا صورت ہے؟

الجواب

فوت شدہ نمازوں کا ادا کرنا، یا فدیہ دینا بھی موجب سقوط عذاب ہوسکتا ہے، باقی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۶۲/۴)

سخت بیماری میں روزہ ونماز کا ترک اور اس کا کفارہ:

سوال: زید کی دادی کا عرصہ پانچ سال تک ایک ایسے مرض میں مبتلا رہ کر جس کی وجہ سے ان کا ایک ہاتھ پیر بیکار ہوگیا تھا، جس کو مرض فالج تجویز کیا جاتا ہے بعمر ۵۸/سال انتقال کیا، جس وقت وہ چلتی رہیں اور ہوش وحواس قائم رہے، اس وقت تک وہ نماز روزہ ادا کرتی رہیں؛ مگر جس وقت سے وہ چلنے پھرنے سے ناقابل اور ہوش وحواس بھی قائم نہ رہے، روزہ نماز بھی ترک ہوگیا۔ خود، یا کسی کے کہنے سے اگر نماز پڑھنے کے لیے پلنگ ہی پر قبلہ رو بٹھا دیا جاتا تھا تو نماز پڑھنے لگتی تھی؛ مگر نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہتی تھی، لہٰذا بحالت مذکورہ جب کہ اکثر اوقات ان کو پیشاب

== سواب اس قدر گیہوں اس چیز کے عوض تجھ پر دینا فرض ہوگیا ہے، اس شخص کے صدقہ کی بابت میں نے تجھ کو دیا، وہ مسکین کہے کہ میں نے قبول کیا، اسی طرح تین دفعہ کہے اور وہ مسکین بھی قبول کرلے تو افضال الٰہی سے امید قوی ہے کہ وہ میت بخشی جاوے گی"۔ بعینہ کتاب کی عبارت لکھی گئی، اس حیلہ مذکورہ کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟

(المستفتی: ۷۱۸، مولانا مشرف حسین (ضلع پابنہ) ۲۶/شوال ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۲/جنوری ۱۹۳۶ء)

الجواب

یہ حیلہ اسقاط کہلاتا ہے۔ بعض فقہانے اس کی صورتیں بتائی ہیں اور استحباباً اس کے عمل میں لانے کو کہا ہے۔ (ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتى يتم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، ط: سعيد) سوال میں جو صورت مذکور ہے، یہ بھی ممکن ہے؛ لیکن لوگ اس کو ضروری ولازم سمجھ لیتے ہیں اور پھر وہ ایک رسم بن جاتی ہے اور تارک کو طعن کرنے لگتے ہیں؛ اس لیے اس کو رواج دینا نہیں چاہیے۔ (لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه... (قوله فمكروه) الظاهر أنها تحريمية؛ لأنه يدخل في الدين ماليس منه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة مطلب في سجدة الشكر: ۵۹۸/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس) بالخصوص قرآن مجید کو تو اس میں لانا ہی نہیں چاہیے کہ اس کی بے قدری ہوتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۸۰/۴)

(۱) سورة النساء: ۴۸، انيس

پاخانہ کی بھی خبر نہ رہتی تھی ان پر نماز وروزہ فرض تھا، یا نہیں؟ اگر فرض تھا تو اب ان کی ادائیگی کس حساب سے اور کس طرح کی جاوے؟

الجواب

روزہ تو ایسے مرض میں مؤخر ہوجاتا ہے اور ایسی حالت میں فدیہ روزہ کا دینا واجب ہوجاتا ہے اور وہ کافی ہوجاتا ہے،(۱) نماز ان کے ذمہ فرض ہے، البتہ نمازیں جو انہوں نے ایسی حالت میں پڑھیں، وہ ہوگئیں،(۲) اور جو نماز بالکل نہیں پڑھی، اس کا فدیہ وارثوں کو دے دینا چاہیے، گو بدونِ وصیت کے اور بدونِ اس کے کہ وہ کچھ ترکہ چھوڑیں، فدیہ دینا وارثوں کے ذمہ واجب نہیں ہوتا؛ لیکن فدیہ کا دے دینا بہتر ہے اور امید ہے کہ وہ فدیہ ان کی فوت شدہ نمازوں کی کفارہ ہوجائے گا۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۳۴)

جسے طاقت نہ ہو، وہ نماز کا فدیہ دے سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: جو شخص ناطاقت ہے، وہ اپنی عمر کے روزے اور نماز کی قضا کی بابت فدیہ دینا چاہتا ہے، وہ روپیہ مدرسہ دینی میں کس مصرف میں خرچ ہوسکتا ہے، اس میں تملیک ضروری ہے، یانہیں؟

الجواب

شیخ فانی کو روزہ کا فدیہ دینا تو درست ہے؛(۴) لیکن نماز کا فدیہ خود اس کو دینا درست نہیں ہے اور نمازیں اس فدیہ سے ساقط نہ ہوں گی؛ کیوں کہ نماز میں یہ وسعت ہے کہ اگر کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر بیٹھ کر بھی نہ

---

(۱) وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوباً،إلخ.(الدر المختار)(الدر المختار،كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۱/۱۵۳،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(للشيخ الفاني)أي الذي فنيت قوته أو أشرف على الفناء ولذا عرفوه بأنه الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت... عن الكرماني:المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض،آه.(ردالمحتار،كتاب الصوم : ۲/۱۶۳، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم،ظفير)(باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها:۳/۴۱۰،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) من تعذر عليه القيام لمرض،إلخ،(صلى قاعدًا) ولو مستندًا إلى وسادة،إلخ،(كيف شاء).(الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المريض: ۱/۷۰۸،ظفير)

(۳) ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم و إنما يعطى من ثلث ماله.(الدر المختار)(ردالمحتار،باب قضاء الفوائت: ۲/۵۳۲-۵۳۳،مكتبة زكريا،انيس)

وأما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد في الزيادات:إنه يجزيه إن شاء الله تعالى.(رد المحتار،باب قضاء الفوائت: ۱/۶۸۵-۶۸۶،ظفير)(مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۲/۵۳۳،مكتبة زكريا،انيس)

(۴) والشيخ الفاني الذي لايقدر على الصيام يفطر ويطعم لكل يومٍ مسكيناً كما يطعم في الكفارات.(الهداية، كتاب الصوم،باب مايوجب القضاء والكفارة: ۱/۲۰۴،ظفير)

پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھے اور اگر رکوع وسجود کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا تو اشارہ سے پڑھے،(۱) البتہ بعد اس کے مرنے کے جو نمازیں اس کے ذمہ رہ جاویں، یا روزے رہ جاویں اور وہ وصیت فدیہ دینے کی کرے اور مال بھی چھوڑ دے تو اس کے وارثوں کے ذمہ فدیہ کا ادا کرنا ضروری ہے اور حکم اس کا زکوۃ کا سا ہے، تملیک فقیر اس میں ضروری ہے۔ پس اگر مدارس اسلامیہ میں طلبہ مساکین کے لیے دیا جاوے تو یہ بھی درست ہے اور اس میں زیادہ ثواب ہے؛ کیوں کہ علم دین کے طلبہ کی امداد ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۳۷-۴۳۸)

اخیر وقت میں کئی وقت کی نماز نہیں پڑھی تو کیا کیا جائے:

سوال: ایک شخص کا انتقال ۲۰/شوال کو ہوا اور رجب سے ۲۰/شوال تک یہ صورت رہی کہ کبھی اس نے نماز پڑھی اور کبھی نہیں، حالاں کہ اس کو اس قدر قوت رہی کہ پانی مانگ سکے اور سر اٹھا سکے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس کے ذمہ وہ نمازیں فرض رہیں اور وصیت کرنا فدیہ کی اس کے ذمہ لازم تھی، پس وصیت ایک ثلث ترکہ سے فدیہ اس کی نمازوں کا ادا کیا جاوے اور ثلث سے زیادہ میں وارثوں کو اختیار ہے، اگر وہ چاہیں ادا کریں اور یہ بہتر ہے، ورنہ ان پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۳۶، ۴۳۷)

مرض الموت کی نمازوں کے فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہوا اور موت سے کچھ دن قبل ہوش وحواس باقی نہ رہے تو جو نمازیں اس بے ہوشی کے عالم میں قضا ہو جائیں تو کیا ان قضا نمازوں کا فدیہ دینا لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر چوبیس گھنٹے سے زیادہ چھ نماز کے وقت تک بے ہوشی رہی تو ان نمازوں کا فدیہ لازم نہیں۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۹۳)

---

(۱) من تعذر عليه القيام أى كله لمرض إلخ صلى قاعدًا، إلخ، كيف شاء، إلخ، وإن تعذرا، إلخ، أومأ قاعدًا، إلخ، وإن تعذر القعود أومأ مستلقيا، إلخ، وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت، إلخ، سقط القضاء عنه. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المريض: ۱/۷۰۸، ظفير) (كتاب الصلاة: ۲/۵٦٤-۵۷۰، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصىٰ بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من برو كذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله. (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۵۳۲-۵۳۳، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس) ==

نماز، روزہ کا فدیہ ادا کرنا افضل ہے، یا حج بدل کرانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کے ماں باپ، روزہ نماز کے پابند نہ تھے، لا پرواہی سے نماز نہ پڑھتے تھے، اللہ جل شانہ نے زید کو مالی وسعت بخشی ہے، ان کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے والدین کی طرف سے امسال حج کراویں، حالاں کہ ان کے والدین پر حج فرض نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ زید کے لیے والدین کے نماز، روزہ کا فدیہ ادا کرنا والدین کے لیے زیادہ مفید ہوگا، یا حج کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قاعدہ عقلیہ بھی ہے اور شرعیہ بھی کہ جلب منفعت پر دفع مضرت مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ ترک فرائض علی الخصوص ترک صلوٰۃ پر بے حد تشدید ووعید بالعذاب وارد ہے اور قدر مشترک متواتر المعنی ہے، لہٰذا اداء فدیہ کے ذریعہ **إنقاذ من العذاب** والدین کے حق میں از بس مفید وراجح ہے۔

ناکارہ نے اپنی بضاعت کے مطابق کتب فقہ کا کافی تتبع کیا، اس کے باوجود کوئی جزئیہ صراحتاً نہیں مل سکا، البتہ فقہ کی مجموعی عبارات سے فدیہ ہی کا ادا کرنا بچند وجوہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۱) فدیہ ادا کرنے کے بعد مطالبہ میت سے ساقط ہوجاتا ہے، البتہ تاخیر کا گناہ باقی رہتا ہے، بخلاف حج کے کہ اس سے سقوط مطالبہ کی تصریح نہیں ملتی۔

وإن لم يوص وتبرع وليّه به جاز، إلخ. (۱)

وقال العلامة الشامي: أقول لامانع من كون المراد به سقوط المطالبة عن الميت بالصوم في

== فلوزادت الوصية على الثلث لايلزم الولي إخراج الزئد إلا بإجازة الورثة. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۸۵/۱، ظفير) (مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۵۳۳/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) حدثنا أحمد بن يونس، ثنازائده، عن عبيد الله عن نافع قال: أغمي علىٰ عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يوما وليلة، فأفاق، فلم يقض مافاته واستقبل". (كذا في نصب الرأية: ۳۰۵/۱) (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب المغمى عليه: ۱۹۱/۷، إدارة القرآن، كراچی)

قال العلامة الحصكفي: (ومن جن أو أغمي عليه) ولوبفزع من سبع أو آدمي (يوماً وليلة، قضى الخمس، وإن زادت فاتت صلاة) سادسة (لا) للحرج فلو أفاق في المدة. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۰۲/۲، سعيد)

(قوله: وعليه صلوات فائتة): أي بأن كان يقدر علىٰ أدائها ولوبالإيماء، فيلزمه الإيصاء بها، وإلا فلايلزمه وإن قلت". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، سعيد)

حاشية صفحه هذا:

(۱) ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالايفسده: ۴۰۷/۳، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس

الآخرة وإن بقی علیه إثم التأخیر کما لو کان علیه دین عبد وما طله أحد حتیٰ مات فأوفاه عنه وصیه أوغیره، إلخ. (ردالمحتار: ۲/۱۶۱)(۱)

(۲) فدیہ کا ادا کرنا انفع للفقراء بھی ہے، بخلاف حج کے کہ وہ فقرا کے لیے نفع بخش نہیں ہے۔

(۳) صلوٰۃ وسلام متروکہ میں فقہا کرام فدیہ کو ذکر کرتے ہیں؛ لیکن حج کا ذکر باوجود تتبع کثیر کے کہیں نہیں مل سکا، چناں چہ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

"وأما من أفطر عمدًا فوجوبها علیه بالأولیٰ". (۲)

بلکہ وصیت کی صورت میں فدیہ ہی کو لازم قرار دیتے ہیں اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں فدیہ کو جائز قرار دیتے ہیں:

"وفدی لزوماً عنه أی عن المیت ولیه الذی یتصرف فی ماله کالفطرة قدرًا"، إلخ. (۳)

وفی الشامی: أی یلزم الولی الفداء عنه من الثلث إذا أوصٰی وإلا فلا یلزم بل یجوز، الخ(رد المحتار: ۲/۱۶۱)(۴)

(۴) فدیہ ادا کرنے کی صورت میں حقوق العباد کی ادئیگی ہے اور حج کرنے کی صورت میں حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور حقوق العباد مقدم ہے حقوق اللہ پر۔

(۵) فدیہ بہر حال من جانب میت ہوتا ہے، اگر وصیت کی ہو تو لزوماً، ورنہ جوازاً، چوں کہ ورثا کا دینا گویا کہ میت ہی کا دینا ہے، بخلاف حج کے کہ وہ من جانب میت نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا صرف ثواب ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے:

"وأما الحج، فمقتضٰی ما سیأتی فی کتاب الحج عن الفتح: أنه یقع عن الفاعل و للمیت الثواب فقط وأما الکفارة فقد مرت متناً. (۲/۱۶۳)(۵)

(۶) قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صوم وصلوٰۃ کا فدیہ ہی ادا کیا جائے، چوں کہ حج فرض کے بارے میں تمام فقہا لکھتے ہیں کہ وہ حج ہی کے ذریعہ ذمہ سے ساقط ہوگا، صدقہ وغیرہ سے حج فرض ساقط نہیں ہو سکے گا، اسی طرح صلوٰۃ وصوم کا سقوط بھی ذمہ سے صلوٰۃ وصوم کے ذریعے ہی ہونا چاہیے تھا؛ مگر حدیث پاک میں ممانعت موجود ہونے کی وجہ سے فدیہ کو اس کا بدل قرار دیا گیا ہے۔(۶)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصوم، باب وما لایفسد، فصل فی العوارض: ۳/ ۴۰۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲-۴) ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده: ۳/ ۴۰۶، مکتبة زکریا، دیوبند، انیس

(۵) ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالایفسد، فصل فی العوارض: ۳/ ۴۱۰، مکتبة زکریا، انیس

(۶) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: لا یصلی أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد، إلخ. (السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الصیام، باب صوم الحی عن المیت، إلخ: ۲/ ۱۷۵، انیس)

"لایصوم أحد عن أحد ولایصلی أحد عن أحد". (۱)

لہٰذا اگر چہ وصیت نہ کی ہو؛ لیکن صوم وصلوٰۃ کا سقوط ذمہ سے فدیہ ہی سے ہو سکے گا، حج سے نہیں، چوں کہ یہی صوم وصلوٰۃ کا بدل ہے، البتہ فدیہ کی ادائیگی کے بعد حج کرلیں اور ثواب والدین کو پہونچادیں تو یہ نور علی نور ہے۔ حدیث پاک میں اس کی فضیلت موجود ہے۔

عن عطاء بن أبی رباح عن زید بن أرقم قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "إذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنہما. واستبشرت أرواحہما فی السماء وکتب عند اللّٰہ تعالٰی برًا"، کذا فی الشامی. (۲) **فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۱/۵۴-۵۶)

نماز کا فدیہ:

سوال: ایام مرض میں تقریباً ایک سال کی نمازیں ذمہ رہ گئیں، بیماری سے پہلے بھی نمازیں پوری نہیں تھیں۔ اس میں گندم، یا نقد دینا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملہم الصّواب

دونوں ہی دے سکتے ہیں، دن میں مع وتر کے چھ نمازیں ہیں، ایک نماز کا فدیہ ۲-۳۲/۲ کلوگرام گندم ہے، گیہوں کی قیمت کے برابر اور کوئی چیز دینا چاہیں تو وہ بھی دے سکتے ہیں؛ مگر نقد دینا افضل ہے۔

قال فی العلائیة: ومالم ینص علیہ کذرة وخبز یعتبر فیہ القیمة (إلٰی قولہ) ودفع القیمة أی الدراہم أفضل من دفع العین علی المذہب المفتی بہ. (الجوہرة والبحر عن الظہیریة) (۳)

وقال ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالٰی تحت (قولہ أی الدراہم): ولعلّہ اقتصر علی الدراہم تبعًا للزیلعی لبیان أنہا الأفضل عند إرادة دفع القیمة؛ لأنّ العلّة فی أفضلیة القیمة کونہا أعون علی دفع حاجة الفقیر. (رد المحتار: ۲/۸٤) (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹/صفر ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۴۳۳)

---

(۱) الهداية: ۱/۲۰۳ (کذا فی ردالمحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فیمن أخذ فی عبادتہ شیئاً من الدنیا: ٤/۱۰، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) سنن الدارقطنی، باب المواقیت: ۲/۲۵۹، انیس

عن زید بن أرقم قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنہما. و استبشرت أرواحہما وکتب عند اللّٰہ تعالٰی برًا. (ردالمحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی الفرق بین العبادة و القربة والطاعة: ٤/۳۰، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

(۳) ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر: ۳/۳۱۹-۳۲۲، مکتبة زکریا، دیوبند، انیس

(۴) کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، مطلب فی مقدار الفطرة بالمد الشامی: ۳/۳۲۲، مکتبة زکریادیوبند

صاحب ترتیب کی قضا نماز:

سوال: اگر صاحب ترتیب سے نماز قضا ہو جاوے تو اس کے لیے کیا کفارہ ہے؟

الجواب

کفارہ اس کا یہی ہے کہ اس نماز کو پڑھ لیوے اور صاحب ترتیب کو ترتیب ضروری ہے کہ وقتیہ (نماز) سے پہلے (قضا) پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۴۶/۴)

قضا نمازوں کا کفارہ:

سوال: اگر کسی سے نمازیں قضا ہوئیں اور وہ شخص مر گیا ہو اور مرتے وقت اپنے وارثوں سے کہہ دیا ہو کہ میری جو نمازیں قضا ہوئی ہیں، ان کے کفارہ میں ایک جلد قرآن شریف کسی طالب علم کو دے دیجیو۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟ اور سجدۂ تلاوت کا کفارہ ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر متوفی مالدار تھا اور اس نے وصیت اداء کفارۂ نماز وغیرہ کی ہے تو اس کے مال تہائی میں سے کفارہ نماز وغیرہ کا ادا کیا جاوے۔ ایک جلد قرآن شریف کے دینے سے نمازوں کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا، یہ کہنا اس کا لغو ہے۔(۲)

اور علامہ شامی نے کہا: ''**ولا رواية في سجدة التلاوة ... والصحيح أنه لا يجب**'' إلخ.(۳)

پس معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت کا کفارہ نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۴۷/۴)

قضا شدہ نمازوں کا کفارہ کیا ہے:

سوال (۱) قضا شدہ نمازں کا کفارہ کیا ہے؟

بے شمار قضا نمازوں کا کفارہ کیا ہے:

(۲) اگر نمازیں بوجہ بد قسمتی کے بلا عذر شرعی اس قدر قضا ہوئی ہوں کہ جن کا شمار نا ممکن ہو تو کیا کفارہ ہے؟

---

(۱) من فاتته صلاة قضاها إذا ذكرها وقدمها علٰى فرض الوقت، إلخ.(الهداية : ۱۳۷/۱،ظفير)(باب قضاء الفوائت، مكتبة رشيدية سهارنپور،انيس)

(۲) إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصٰى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلوٰة نصف صاع من برّ وللوتر نصف صاع و لصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله.(عالمگيرى كشورى: ۱۲۳/۱،ظفير)(الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس)

(۳) ردالمحتار،باب قضاء الفوائت،مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت: ۵۳۳/۲،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس

نمازوں کا کفارہ صدقہ ہی ہے، یا کچھ اور:

(۳) اگر اس کا کفارہ صدقہ ہی ہوسکتا ہے تو غریب محتاج لوگ کیا کریں؟

مریض وشیخ فانی کی قضا نمازوں کا کفارہ کیا ہے:

(۴) مریض یا شیخ فانی کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ کیا ہے؟

الجواب

حامدًا و مصليًا و مسلمًا. أما بعد! جواب استفسارات مفصّل حسب ذیل گزارش کیا جاتا ہے:

(۱) قضا شدہ نمازوں کو بعد میں ادا کرنا چاہیے۔ جس کی کوئی نماز کسی عذر، یا غفلت سے قضا ہوجائے تو جب یاد آوے، اس کو پڑھے اور جس وقت یاد آوے، اس وقت کی فرض نماز سے پہلے قضا شدہ نماز کو پڑھنا چاہیے۔ حنفیہ کے نزدیک ترتیب وقتی نماز اور قضا نماز میں ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے روز چار نمازوں کو ترتیب سے ادا فرمایا ہے اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ ''جیسے تم مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھو، ایسے ہی تم بھی پڑھو'' تو جیسے آپ نے ترتیب سے قضا شدہ نمازوں کو ادا فرمایا، ایسے ہی ہم کو بھی چاہیے۔(۱)

(۲) اگر قضا شدہ نماز ایسے وقت یاد آئی کہ اس کو ادا کرتا ہے تو وقت میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ وقتی نماز ادا ہوسکے؛ بلکہ وقتی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں وقتی نماز کو پہلے پڑھے اور قضا شدہ بعد میں پڑھے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وقت میں وسعت اور گنجائش ہے تو پہلے قضا شدہ نماز پڑھنا چاہیے اور اگر وسعت نہیں ہے، تو پہلے وقتی نماز کو ادا کرنا چاہیے۔(۲)

(۳) جب فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوجاویں تو ترتیب سے ادا کرنا ساقط ہوجاتا ہے اور خود فوت شدہ نمازوں میں بھی ترتیب کا لحاظ نہیں رہتا اور زیادتی کی حد یہ ہے کہ قضا شدہ نمازیں تعداد میں چھ ہوجاویں، جب چھٹی نماز کا وقت

---

(۱) من فاتته صلاة قضاها إذا ذكرها وقد مها علٰى فرض الوقت والأصل فيه أن الترتيب بين الفوائت وفرض الوقت عندنا مستحق ... ولوفاتته صلوات رتبها فى القضاء كما وجبت فى الأصل؛لأن النبى صلى الله عليه وسلم شغل عن أربع صلوات يوم الخندق فقضاهن مرتّبا ثم قال:"صلوا كما رأيتمونى أصلى".(الهداية،باب قضاء الفوائت: ۱۳۷/۱،ظفير)

(۲) ولوخاف فوت الوقت يقدم الوقتية ثم يقضيها لأن الترتيب يسقط بضيق الوقت وكذا بالنسيان وكثرة الفوائت كى لايؤدى إلٰى تفويت الوقتية.(الهداية،باب قضاء الفوائت: ۱۳۷/۱)

گزر جائے تو اب کہا جائے گا کہ فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوگئیں۔ پس اس صورت میں ترتیب کا لحاظ نہ رہے گا۔(۱)

(۴)　کسی شخص کے ذمہ فوت شدہ نمازیں مدت کی ہیں اور وہ حد کثرت کو پہنچ گئی ہیں، اسے ان کو ادا کرنا شروع کیا تھا کہ اب شامت اعمال سے اور کچھ نمازیں قضا ہوگئیں تو اب چوں کہ اگلی پچھلی فوت شدہ نمازیں زیادہ ہیں تو اس صورت میں پہلے وقتیہ نماز کو پڑھنا جائز ہے؛ کیوں کہ بسبب کثرت فوت شدہ نمازوں کی ترتیب نہیں رہی۔(۲)

(۵)　اگر کسی نے فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا شروع کیا اور وہ اب کم رہ گئیں؛ یعنی چھ نمازوں سے کم رہ گئیں تو اب پھر مسئلہ ترتیب بحال ہوجائے گا۔(۳)

(۶)　اگر قضا شدہ نمازیں بکثرت ہوں کہ جن کا شمار دشوار ہو تو چاہیے کہ خوب سوچ کر ایک صحیح تخمینہ کرے، مثلاً یہ کہ پندرہ، یا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا اور چار پانچ سال تک نمازیں قضا کیں، یا کبھی پڑھی اور کبھی نہ پڑھی اور یہ مدت اس شخص کے صحیح انداز میں مثلاً چار سال کی ہوئی ہے تو اس شخص کو اپنے زعم کے موافق اس قدر نمازوں کو ادا کر دینا چاہیے۔ آخر دنیا میں کسی شخص کا قرض ذمہ ہو اور تعداد یاد نہ ہو تو اندازہ اور تخمینہ سے ہی اس کو ادا کرتے ہیں کہ اس کا کچھ اپنے ذمہ نہ رہے، ایسے ہی سوچ کر کہ کس قدر دنوں کی نمازیں قضا ہوئی ہیں، ان کو ادا کرنا چاہیے اور مناسب یہ ہے کہ جس قدر ہو سکے، زائد کر دے کہ سراسر نفع ہی نفع ہے۔

(۷)　قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ان کا ادا کرنا اور حق تعالیٰ شانہ سے عجز اور ندامت کیساتھ توبہ کرنا ہے، صدقہ دینا نہیں ہے۔ ہاں! اگر صدقہ دے تو چوں کہ صدقہ سے غضب الٰہی دفع ہوتا ہے تو امید ہے کہ حق تعالیٰ کا جو غصہ بسبب ترک نماز کے تھا وہ نہ رہے اور کسی غریب کی حاجت براری سے رحمت الٰہی متوجہ ہو جائے، باقی اصل ادا کرنا نماز کا ہے، صدقہ دینے سے نماز ساقط نہ ہوگی۔

(۸)　مریض کے متعلق بھی تفصیل سے مسائل کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کس صورت میں کفارہ ہے اور کس صورت میں تخفیف اور کس صورت میں معافی ہے۔ مریض اگر کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ کو ادا کرے۔(۴)

---

(۱)　إلا أن يزيد الفوائت علٰى ستة صلوات؛لأن الفوائت قد كثرت فتسقط الترتيب فيما بين الفوائت بنفسها كما يسقط بينها وبين الوقتية وحد الكثرة أن تصير الفوائت ستّا بخروج وقت الصلاة السادسة.(الهداية،باب قضاء الفوائت: ۱/ ۱۳۸،ظفير)

(۲)　ولو اجتمعت الفوائت القديمة والحديثة قيل يجوزالوقتية مع تذكر الحديثة لكثرة الفوائت،إلخ.(أيضاً، ظفير)(الهداية،باب قضاء الفوائت: ۱/ ۱۴۳،مكتبة رشيدية،سهارنپور،انيس)

(۳)　ولوقضى بعض الفوائت حتى قلّ ما بقى عاد الترتيب عند البعض وهو الأظهر.(الهداية،باب قضاء الفوائت: ۱/ ۱۳۸،ظفير)

(۴)　إذا عجز المريض عن القيام صلٰى قاعداً يركع ويسجد لقوله عليه السلام لعمران بن حصين:صلّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى الجنب تؤمى إيماء،إلخ.(الهداية،باب صلاة المريض: ۱/ ۱۴۴،ظفير)

(۹)　اگر رکوع وسجدہ کی طاقت بھی نہ ہوتو رکوع وسجدہ کو اشارہ سے ادا کرے؛ یعنی بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع کے لئے کچھ گردن جھکائے اور سجدہ کے لیے زیادہ جھکائے۔(۱)

(۱۰)　کوئی شخص مثل گھڑے، یا صندوقچہ وڈیکس وغیرہ کے اپنے سامنے سجدہ کے لیے نہ رکھے؛ بلکہ جس قدر اشارہ کیا جاوے، وہی کرے۔(۲)

﴿لاَ یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۳)

(۱۱)　اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہوتو چت لیٹ کر نماز پڑھے کہ پاؤں اور منھ دونوں قبلہ کی طرف کو ہوں اور رکوع اور سجدہ کے لیے گردن سے اشارہ کرے، سجدہ کا اشارہ ذرا زیادہ گردن کو جھکا کر کرے۔(۴)

(۱۲)　چونکہ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کا ہونا لازمی ہے؛ اس لیے یہ صورت تجویز کی گئی ہے، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ قبلہ کی طرف پاؤں ہوگئے، بلا عذر قبلہ کی طرف پاؤں کرنا بے ادبی ہے، (۵) اور یہاں لاچاری سے ایسا گیا ہے۔

(۱۳)　اگر پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کی اور منہ قبلہ کی طرف رکھا تو یہ بھی جائز ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر لیٹ کر منہ قبلہ کے طرف کر کے نماز ادا کرے۔

(۱۴)　اگر مرض اس قدر بڑھ گیا کہ سر سے اشارہ کرنے کی طاقت بھی نہ رہی تو ایسی صورت میں نماز کو مؤخر کرنا چاہیے، آنکھ، یا بھوؤں وپلکوں سے، یا دل سے اشارہ کرنا معتبر نہیں ہے۔

(۱۵)　اگر کوئی مریض قیام پر تو قادر ہوگیا؛ مگر رکوع وسجدہ پر قادر نہ ہوا، مثلاً سر میں کوئی ایسی تکلیف ہے کہ رکوع وسجدہ نہیں کرسکتا تو ایسی صورت میں قیام نہ کرنا چاہیے، بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا چاہیے۔

(۱۶)　کسی شخص نے نماز بحالت صحت پڑھنی شروع کی اور اثناء نماز میں بیمار ہوگیا اور کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر نماز کو پوری کرے، ایسے ہی اگر رکوع وسجدہ کی قدرت بھی نہ رہے تو اشارہ سے رکوع وسجدہ کرے، حسب تفصیل مذکورہ بالا۔

---

(۱)　فإن لم يستطع الركوع والسجود أومى إيماء يعنى قاعدًا. (أيضاً، ظفير) (الهداية، باب صلاة المريض: ۱/۱٤۱، مكتبة رشيدية، سهارنپور، انيس)

(۲)　وجعل سجوده اخفض من ركوعه لانه قائم مقامهما فأخذ حكمهما ولايرفع الى وجهه شيء، الخ. (أيضاً، ظفير) (الهداية، باب صلاة المريض: ۱/۱٤۱، مكتبة رشيدية، سهارنپور، انيس)

(۳)　سورة البقرة: ۲۸٦، انيس

(۴)　وإن لم يستطع القعود استلقى علىٰ ظهره وجعل رجليه إلى القبلة وأومىٰ بالركوع والسجود، إلخ. (أيضاً، ظفير) (الهداية، باب صلاة المريض: ۱/۱٤۱، مكتبة رشيدية، سهارنپور، انيس)

(۵)　ويكره مد الرجل إلى القبلة وإلى المصحف وإلى كتب الفقه فى النوم وغيره. (تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۱٦۸، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق، انيس)

(۱۷)　کسی مریض نے بیٹھ کر نماز پڑھنی شروع کی تھی اور نماز پڑھنے میں اس کو افاقہ ہوا تو امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ بقیہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے، اور امام محمدؒ کے نزدیک از سر نو پڑھے، آسانی اوّل صورت میں ہے اور احتیاط دوم صورت میں۔(۱)

(۱۸)　اگر ایسا مریض تھا کہ نماز کو اشارہ سے پڑھتا تھا رکوع وسجدہ کی قدرت نہ تھی خدا تعالیٰ کی قدرت سے نماز میں افاقہ ہوا کہ رکوع وسجدہ کی قدرت ہوگئی تو اس صورت میں سب کے نزدیک نماز کو از سر نو پڑھے۔(۲)

(۱۹)　کوئی مریض بیہوش ہوگیا اور پانچ نمازوں کا یا پانچ نمازوں سے کم وقت بیہوشی میں گزر گیا تو ہوش آنے کے بعد ان نمازوں کو قضا کرنا چاہیے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ وقت بیہوشی میں گزرا تو قضا نہیں آئی۔(۳)

(۲۰)　ان فقہی تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ شریعت میں نماز کی کیا وقعت اور کس قدر تاکید ہے کہ مرض میں بھی اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔ پس ہم کو نہ چاہیے کہ بلا عذر شرعی نماز چھوڑ دیں۔ وائے برحال ان مسلمانوں کے جو ملازمت، تجارت، زراعت اور لہو لعب میں وقت گزار دیتے ہیں اور نماز جیسی محبوب شئے کو جو مسلمان کی امتیاز اور فضیلت کی شان بڑھانے والی ہے، دنیا وآخرت میں کام آنے والی چیز ہے، قضا کر دیتے ہیں، مسلم کی یہ شان نہ ہونی چاہیے کہ نماز کو کسی حال میں ترک کرے۔

(۲۱)　شیخ فانی اس بوڑھے شخص کو کہتے ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے نہ رکھتا ہو، ایسے شخص کا یہ حکم ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور فدیہ ادا کرے۔(۴)

(۲۲)　فدیہ ایک روزے کا ایک مسکین کو ایک روز کھانا کھلانا ہے، جس قدر روزے افطار کرے، ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو دو دفعہ کھانا کھلائے، اس کھانا کھلانے کے لیے شریعت نے گیہوں سے نصف صاع، جَو سے پورا صاع مقرر کر دیا ہے کہ اس قدر فقیر کو دے دے۔(۵) صاع تقریباً انگریزی سیر کہ جو اسّی تولہ کا ہے بقدر ۳/ ماشہ ہوتا ہے۔

---

(۱)　رجسٹر ۷ ۱۳۳ھ، نمبر سلسلہ: ۲۵۲۶ (امین)

(۲)　وإن صلّٰی بعض صلاته بإيماء ثم قدر على الركوع والسجود استأنف عندهم جميعا. (الهداية، باب صلاة المريض: ۱/۱۴۵، ظفير)

(۳)　ومن أغمي عليه خمس صلوٰة أو دونها قضٰى وإن كان أكثر من ذلك لم يقض. (أيضاً، ظفير) (الهداية، باب صلاة المريض: ۱/۱۴۲، مكتبة رشيدية، سهارنپور، انيس)

(۴)　فالشيخ الفاني الذى لايقدر على الصيام يفطر ويطعم لكل يوم مسكيناً كما يطعم فى الكفارة والعجوز مثله. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الافطار: ۱/۲۰۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۵)　ويطعم لكل يوم مسكينا كما يطعم فى الكفارة كذا فى الهداية، إلخ... نصف صاع من برّ أو صاعاً من تمر أو صاعا من شعير. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الافطار: ۱/۲۰۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲۳) شیخ فانی جو روزہ نہیں رکھ سکتا، اس سے نماز معاف نہیں ہوتی۔ کھڑے ہو کر پڑھے اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی طاقت نہیں ہے تو اشارہ سے پڑھے۔(۱)

(۲۴) جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے فوت شدہ روزں کی قضا ہے اور اس نے مرتے وقت اپنے ورثا کو وصیت کی تو اس کے وارثوں پر لازم ہے کہ اس کے روزوں کا حساب لگا کر فدیہ حسب تفصیل مذکورہ بالا ادا کریں، اگر وصیت نہیں کی تو وارث پر ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ ہاں! از خود کرے تو یہ احسان ہے اور امید ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کہ اس کو قبول کرے، وصیت ہمارے امام کے نزدیک اس لیے معتبر ہے کہ یہ فدیہ بھی عبادت ہے اور عبادت اپنے اختیار اور ارادہ سے ہونی چاہیے اور جب وصیت کی تو ادا کرنی لازم ہے۔(۲)

(۲۵) جو شخص بحالت مرض اپنے ورثا کو وصیت کرے کہ مجھ پر اتنی نمازیں قضا ہیں، ان کا فدیہ دے دینا تو مشائخ نے اس کو تسلیم کیا ہے اور اس بارے میں نماز کو روزہ کے مشابہ مانا ہے؛ یعنی ہر ایک نماز کا حکم روزہ کا ہے، جو فدیہ ایک روزہ کے لیے ہے، وہی ایک نماز کے لیے؛ یعنی ایک نماز کا فدیہ نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جو۔(۳)

(۲۶) ولی اور وارث کو اس کی طرف سے روزہ رکھنا نہ چاہیے۔(۴)

(۲۷) آج کل جو اکثر مسلمان مستطیع بسبب روزے میں تکلیف ہونے کے اپنے آپ کو عاجز سمجھ کر خود اپنے لیے شیخ فانی کا حکم تجویز کر لیا کرتے ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ تعیش کی بنا پر تکالیف شرعیہ سے بچنا احکام شرعیہ سے گستاخی ہے، ایسا آدمی اگر بادشاہ وقت کی قید میں آ جاتا ہے تو وہ اس وقت شیخ فانی کیوں نہیں رہتا، سب کچھ کر لیتا ہے۔ پس ایسی جرأت سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۳۵۱/۴-۳۵۷)

نماز اور روزہ کا کفارہ:

سوال: اگر کسی میت پر نماز اور روزے واجب ہیں تو ان کے کفارہ کی مقدار کیا ہے؟

الجواب

ایک روزہ کا کفارہ نصف صاع گندم ہے اور ایک نماز کا کفارہ بھی نصف صاع گندم ہی ہوگا۔ پس اگر میت نے اداء

(۱) سئل عن الشيخ الفاني هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حيّ فقال: لا. (عالمگیری مصری، باب قضاء الفوائت: ۱۱۷/۱، ظفیر) (الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱، مکتبة زکریا، دیوبند، انیس)

(۲-۳) وإذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصٰى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من برّ وللوتر نصف صاع ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله، إلخ، وإن لم يوص لورثته وتبرع بعض الورثة يجوز. (عالمگیری مصری، باب قضاء الفوائت: ۱۱۷/۱، ظفیر) (الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۴) ولو أمر الأب ابنه أن يقضى عنه صلاة وصيام أيّام لا يجوز عندنا، كذا فى التتارخانية. (عالمگیری مصری، باب قضاء الفوائت: ۱۱۷/۱، ظفیر)

کفارہ کی وصیت کی تھی تو اس کے مال کا تہائی حصہ لے کر اس میں سے کفارہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر وصیت نہیں کی اور ورثہ تبرع اور احسان کے طور پر اس کو ادا کر دیں تو جائز ہوگا۔

حمادیہ میں ہے:

إذامات الرجل وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوترنصف صاع ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله،انتهٰى. (۱)

اور عالمگیریہ میں ہے:

وإن لم يوص لورثته وتبرع بعض الورثة يجوز،انتهىٰ. (۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۲۱)

قضا نماز وروزہ کا کفارہ اور فوت شدہ نمازوں کی تعیین کا حکم جب کہ صحیح تعداد معلوم نہیں:

سوال: میت نے وصیت کی ہے روزہ اور نماز کا کفارہ دے دیا جاوے؛ مگر تعداد روزہ تو معلوم ہے، قضا نمازوں کی تعداد یاد نہیں، میت کا بیٹوں پر تبرعاً کفارہ دینا چاہیے اور اپنے پاس سے نہ کہ ترکہ متوفی سے کہ ضرورت اجازت ورثا ہو، عمر میت ۴۵؍سال تھی۔ اب یہ دریافت طلب ہے کہ کس قدر غلہ یا نقد کفارہ میں مساکین کو دیا جائے، واضح باد کہ مسمات تارک نماز نہیں تھی؛ مگر کبھی قضا ہو جاتی تھی۔

الجواب

میت نے وصیت کی ہے تو میت کے مال میں سے کفارہ ادا کیا جاوے، ترکہ کی تہائی تک تو کفارہ میں بدون کسی وارث کی اجازت کے دے سکتے ہیں اور تہائی ترکہ میں ادا نہ ہو سکے تو اس سے زائد بالغ ورثہ کی اجازت سے ان کے مال میں سے دیویں، نابالغ وارث کے مال میں سے ہرگز نہ دیں اور مقدار کفارہ کی ہر روزہ کے عوض صدقہ، فطر کے برابر ہے اور اسی طرح ہر نماز کے لیے صدقہ فطر کے برابر غلہ وغیرہ دیا جاوے اور ہر روز کے چھ نمازیں، شمار کی جاویں، پانچ فرض اور ایک وتر اور نمازوں کی تعداد میں ظن غالب کا اعتبار کریں۔ (۳)

احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفی عنہ، ۱۲؍صفر ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۸۲)

(۱-۲) الفتاوٰى الهندية،الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵،مكتبة زكريا،ديوبند

(۳) وإن كان مريضا وقت الإيجاب ولم يبرأ حتى مات فلا شيء عليه فإذا لم يف به الثلث توقف الزائد على إجازة الوارث فيعطى(لصوم كل يوم)طعام مسكين لقوله صلى الله عليه وسلم:من مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين،(و) كذا يخرج(لصلاة كل وقت)من فروض اليوم والليلة(حتى الوتر)لأنه فرض عملى عند الإمام وقد ورد النص فى الصوم والصلاة كالصيام باستحسان المشايخ لكونها أهم واعتبار كل صلاة بصوم يوم هوالصحيح وقيل فدية جميع صلوات اليوم الواحد كفدية صوم يوم والصحيح أن لكل صلاة فدية هى ==

قضا شدہ نمازوں اور روزہ کی تعداد معلوم نہ ہو تو اندازہ لگایا جائے گا:

سوال: ایک شخص کے ذمے کفارے صوم وصلوٰۃ کے بہت زیادہ ہیں، جن کا شمار صحیح معلوم نہیں، بلوغ کے بعد کبھی ترک اور کبھی کبھی پڑھتا رہا اور عرصہ بارہ تیرہ سال سے برابر پابند صوم وصلوٰۃ کا ہو رہا ہے، قضائے عمری بھی پڑھتا ہے تو اس صورت میں نقد روپیہ، یا خوراک وغیرہ دینا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: حکیم محمد داؤد بسی کوٹلہ ضلع بجنور، ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا تخمینہ کر لیا جائے؛ کیوں کہ جب صحیح تعداد یاد نہیں، تخمینہ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں، (۱) اور پھر تخمینہ کے موافق ان نمازوں اور روزوں کو قضا ادا کرنا چاہیے، جب تک اس کی قدرت اور قوت ہو کہ فوت شدہ نمازوں اور روزوں کو قضا ادا کرسکتا ہے، یہ دینا جائز نہیں ہے، جب ادا کی قدرت نہ رہے تو پھر فدیہ دینا جائز ہوتا ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۱۸۲/۴-۱۸۳)

قضا کی تعداد نہ معلوم ہونے پر اندازہ کر کے فدیہ ادا کرنا چاہیے:

سوال: زید متوفی مذکور نے اپنی قضا نمازوں کے متعلق وصیت نامہ میں تحریر کیا ہے کہ چھ سال کی قضا نمازیں میرے ذمہ واجب ہیں، جس میں سے تین سال نو ماہ کی قضا، قضا پڑھ چکا ہوں اور ۵/ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ سے روزانہ ایک روز کی نماز کی قضا پڑھنا شروع کیا ہے۔ اس تحریر کے علاوہ کوئی دیگر تحریر نہیں پائی جاتی کہ کب تک نماز کی قضا ہوئی، ممکن ہے کہ جملہ بقیہ نمازیں ادا کر چکے ہوں۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ایک نماز کے علاوہ کوئی اور نماز کی قضا نہیں پڑھی، اس صورت میں شرعاً متوفی کے ترکہ میں سے فدیہ ادا کیا جاوے، یا نہیں؟ اگر اس صورت میں فدیہ وغیرہ واجب نہ ہو اور کچھ رقم فدیہ میں ادا کر دی گئی ہو تو میت کو ثواب پہنچے گا اور دیگر معصیات کے لیے کفارہ ہوگا، یا نہیں؟

== (نصف صاع من بر) أو دقيقه أو سويقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير (أو قيمته) وهي (أفضل لتنوع حاجات الفقير) وإن لم يوص وتبرع عنه وليه (أو أجنبي جاز) إن شاء الله تعالى لأن محمدا قال في تبرع الوارث بالإطعام في الصوم يجزئه إن شاء الله تعالى من غير جزم. (مراقي الفلاح، فصل في الكفارة، ص: ۱۷۰، المكتبة العصرية، انيس)

(۱) من لايدري كمية الفوائت يعمل بأكبر رأيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب قضاء الفوائت، ص: ٤٤٧، ط: دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۲) وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر، ويفدي وجوبا... ومتى قدر قضى؛ لأن استمرار العجز شرط الخلفية. (الدر المختار، باب ما يفسد الصوم، ومالايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ٤٢٧/٢، ط: سعيد)

الجواب

میت کے ذمہ جس قدر نماز وروزوں کا احتمال قوی ہو، اس قدر کا فدیہ ثلث مال میں سے دے دیا جاوے اور اس تحریر میں وصیت کا ذکر نہیں ہے؛ تاکہ وجوب فدیہ کا حکم کیا جاوے۔ اس سے پتہ نمازوں کا لگا سکتے ہیں کہ کتنی نمازیں اس نے اس تاریخ سے قضا کیں اور کتنی اس کے ذمہ باقی ہیں؛ یعنی تاریخ موت کا حساب لگ سکتا ہے؛ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ جس تاریخ سے نمازوں کو قضا کرنا شروع کیا ہے، اس تاریخ سے حساب نمازوں کا لگا کر وقت وفات تک پہلی وصیت کے فدیہ صوم وصلوٰۃ کا ادا کر دیا جائے اور اگر فدیہ زیادہ بھی چلا جاوے تو اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا اور باعث کفارہ گناہوں کا ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۳۶۷-۳۶۸)

مرض الوفات کے روزوں کا فدیہ نہیں ہوتا صرف نمازوں کا ہوتا ہے:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا، تین سال کے نماز وروزے قضا ہوئے ہیں، جس کی بابت اس نے قبل از وفات اپنے شوہر کو یہ کہا تھا کہ میری نماز وروزوں کا اناج دے دینا۔ مرحومہ نے کچھ زیور وغیرہ نہیں چھوڑا، جس قدر زیور اس کے پاس تھا، اس کے متعلق اس کا شوہر یہ کہتا ہے کہ اس کی بیماری کے زمانہ میں فروخت کر کے علاج میں صرف کر دیا، اس وجہ سے وہ اس کے صوم وصلوٰۃ کا فدیہ نہیں دیتا۔ کیا اس کے والدین ادا کرنے کے مستحق ہیں، یا اس کے شوہر کے ذمہ ہے؟

الجواب

اس صورت میں متوفیہ کے روزے جو مرض میں فوت ہوئے، پھر اسی مرض میں وہ مرگئی اور درمیان میں وہ تندرست نہ ہوئی تو ان روزوں کی قضا اس کے ذمہ لازم نہ ہوئی، لہٰذا فدیہ بھی ان کا ساقط ہوا اور نمازوں کی قضا بے شک لازم ہوئی اور بصورت ادا ہونے کے فدیہ لازم ہوا؛ لیکن جب کہ متوفیہ نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا تو فدیہ نمازوں کا ورثا کے ذمہ ادا کرنا لازم نہیں ہے، البتہ اگر والدین وغیرہما تبرعاً دے دیویں تو یہ اچھا ہے اور امید قبول ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۳۷۳) ☆

(۱) سورۃ ھود: ۱۱۴، انیس

(۲) ولولم یترک مالاً یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتیٰ یتم. (الدر المختار) (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی إسقاط الصلاة عن المیت: ۲/ ۵۳۴، مکتبة زکریا، انیس)

(۳) (قوله: ولولم یترک مالاً إلخ) أی أصلاً أو کان ما أوصیٰ به لایفی، زاد فی الإمداد أولم یوص بشئ وأراد الولی التبرع، إلخ، وأشار بالتبرع إلیٰ أن ذلک لیس بواجب علی الولی، ونصّ علیه فی تبیین المحارم فقال: لایجب علی الولی فعل الدور. (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت مطلب فی إسقاط الصلوٰة عن المیت: ۱/ ۶۸۶، ظفیر) ==

نماز کا فدیہ کس طرح ادا کیا جائے:

سوال: ہماری ایک عزیزہ عرصہ تین مہینے سخت بیمار رہی، جس کی وجہ سے انتقال بھی ہوگیا، اب جو اس عرصے میں ان کی نمازیں قضا ہوگئیں، ان کا کیا فدیہ ادا کیا جائے؟

الجواب

ہر نماز کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار فدیہ ہے اور وتر مستقل نماز ہے؛ اس لیے ہر دن کے چھ فدیے ہوئے، یہ فدیہ اگر

== ☆ استفتا متعلق فدیۂ نماز:

سوال: زید کا لڑکا عمر وانتقال کر گیا، جس کے ذمہ کچھ نمازیں قضا تھیں، اب زید پچیس روپے ان نمازوں کے فدیہ میں دینا چاہتا ہے، فدیہ ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟ اور اس فدیہ کے دینے کا کیا طریقہ ہوگا؛ یعنی ایک محتاج کو اگر کل پچیس روپے دے دئے جاویں، جس کو سخت حاجت ہے تو فدیہ ادا ہو جاوے گا، یا نہیں؟ یا ضروری ہے کہ ایک صاع گیہوں کی قیمت روزانہ ایک فقیر کو، یا پچیس روپے میں جتنے صاع بن سکیں، اتنے فقیروں کو ایک ہی روز میں دیا جاوے۔ غرض کہ ادائیگی کی کیا صورت ہوں گی؟ اور کون سی بہترین صورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر پچیس روپے کی رقم کفارہ کی صلوات کے لیے کافی ہے تو اس رقم کو فقرا میں تقسیم کر دیا جاوے، جس میں روایات مختلف ہیں، ایک یہ کہ مسکین کو سب دے دینا بھی جائز ہے اور ایک یہ کہ ایک مسکین کو نصف صاع سے زائد دینا جائز نہیں، **أی لایجزیہ إلا عن صوم أو صلاۃ وحدھما**، اسی طرح ایک مسکین کو نصف صاع سے کم دے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے، پس احوط تفریق ہے اور تفریق میں بھی احوط یہ ہے کہ ایک مسکین کو نصف صاع سے کم نہ دے، نہ زائد دے، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مسکین کو روزانہ ایک صلوٰۃ، یا ایک صوم کا فدیہ دیتا رہے، اس طرح وہ مسکین واحد بحکم متعدد ہو جاوے گا۔

قال ابن عابدین فی رسائلہ: (قولہ: وبلا تعدد فقیر) أی بخلاف نحو کفارۃ الیمین للنص فیھا علی التعدد فلو أعطی ھنا مسکینا صاعاً عن یومین جاز لکن فی البحر عن القنیۃ أن عن أبی یوسف فیہ روایتین وعند أبی حنیفۃ لایجزیہ کما فی کفارۃ الیمین وعن أبی یوسف لو أعطی نصف صاع من بر عن یوم واحد لمساکین یجوز قال الحسن وبہ نأخذ، آہ، ومثلہ فی القھستانی، ص: ۲۱۷. (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسد، فصل فی العوارض: ۴۱۰/۳، مکتبۃ زکریادیوبند، انیس)

اگر پچیس روپے کفارہ کو کافی نہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مسکین سے کہا جائے کہ اس رقم میں سے کچھ تم کو بھی دیا جائے گا، بشرطیکہ تم اس کل روپے کو فدیہ میں لے کر پھر ہم کو ہبہ کر دو اور اسی طرح بار بار فدیہ میں لیتے رہوں اور ہبہ کرتے رہو؛ مگر اس کے لیے فہیم شخص کی ضرورت ہے، جو فدیہ میں لے کر اپنے کو مالک صحیح سمجھ لے، پھر خوشی سے ہبہ کر دے، اسی طرح جب وہ ہبہ کرتا رہے اور آپ فدیہ میں دیتے رہیں تو شمار کثیر کے بعد دیکھ لیا جاوے کہ مسکین کے پاس بقدر کفارہ رقم پہونچ گئی، یا نہیں؟ جب پہونچ جائے تو پھر اخیر میں اس سے بطور ہبہ کے یہ رقم لے کر بطریق مذکور تقسیم کر دی جائے، **فعملنا بالضرورۃ علیٰ إحدی الروایتین وعلی الثانیۃ فیما لاضرورۃ فیہ إلیٰ إعطاء الواحد کلہ. واللہ تعالیٰ أعلم**

۲/ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۲۸۱/۲)

کوئی شخص اپنے مال سے ادا کرے تو ٹھیک ہے اور اگر مرحومہ کے ترکے میں سے ادا کرنا ہو تو اس کے لیے یہ شرط ہے کہ سب وارث بالغ اور حاضر ہوں اور وہ خوشی سے اس کی اجازت دے دیں، یہ اس صورت میں ہے جب کہ مرحومہ نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت نہ کی ہو، اگر وصیت کی ہو تو اس کے تہائی ترکہ سے تو وارثوں کی رضامندی کے بغیر فدیہ ادا کیا جائے گا اور تہائی مال سے زائد فدیہ ہو تو اس کے لیے وہی شرط ہے، جو اوپر لکھی گئی ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۳۶/۳)

نماز اور روزہ کا فدیہ کس طرح ادا کیا جائے:

سوال: چہ فرمایند علمائے دین کہ اگر شخصے بمیر دو بروے روزہ رمضان و نماز وقتیہ باقی است کفارہ بچہ طور دادہ شود؟ بینوا توجروا۔

الجواب ——————————

فدیہ نماز و روزہ از جانب میت از مال وے اگر وصیت کردہ بمیر دادا کردن واجب است از ثلث مال، ورنہ مستحب وعوض ہر نماز و ہر روزہ نصف صاع گندم مثل فطرہ است۔(۲) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی: ۱۷۷/۴-۱۷۸)☆

---

(۱) إذا مات الرجل و عليه صلوات فائتة فأوصٰى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ... وفي فتاوىٰ الحجة وإن لم يوص لورثته وتبرع بعض الورثه ويجوز ...إلخ.(الفتاوىٰ الهندية: ۱۲۵/۱)(الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت،مكتبة زكرياديوبند،انيس)

(قوله:وعليه صلوات فائتة)أى بأن كان يقدرعلى أدائها ولوبالإيماء فليزمه الإيصاء ...(قوله:نصف صاع من البر) أومن دقيقه أوسويقه أوصاع من تمرأوزبيب أوشعيرأوقيمته وهى أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير... (قوله:كذا حكم الوتر)لأنه فرض عملي خلافا لهما(قوله وإنما يعطى من ثلث ماله أى فلوزادت الوصية على الثلث لايلزم الولي إخراج الزائد إلا باجازة الورثة.(رد المحتار: ۷۲/۲-۷۳،باب قضاء الفوائت،طبع سعيد)(كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت: ۵۳۳/۲،مكتبة زكرياديوبند،انيس)

(۲) (ترجمہ سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس پر رمضان کے کچھ روزے اور کچھ وقت کی نمازیں باقی ہوں تو ان کا کفارہ کس طرح دیا جائے گا؟

(ترجمہ جواب) نماز اور روزے کا فدیہ میت کے ثلث مال میں سے ادا کرنا واجب ہے، جب کہ وفات سے پہلے اس نے وصیت کی ہو،(قوله يعطى...أى من له ولاية التصرف فى ماله بوصاية،أووراثة،فيلزمه ذالک من الثلث إن أوصٰى.(رد المحتار،باب قضاء الفوائت،مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت(۵۲۳/۲،مكتبة زكرياديوبند، انيس) اور اگر وصیت نہ کی ہو تو مستحب ہے۔(زاد فى الإمداد:أو لم يوص بشى،وأراد الولى التبرع،إلخ،وأشاربالتبرع إلٰى أن ذالک ليس بوا جب على الولى.(ردالمحتار،باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲،ط:سعيد)(مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت،انيس) ہر نماز اور روزے کے بدلے میں فدیہ نصف صاع گندم مثل فطرہ ہے۔(ولومات،وعليه صلوات فائتة،وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كا لفطرة.(ردالمحتارمع الرد، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲،ط:سعيد) ==

بے نمازی کا کفارۂ نماز کب ضروری ہوتا ہے:

سوال: زید بے نمازی سودخوار مرگیا، بعد مرنے کے بعض علمانے تخمیناً چھ ماہ کا کفارہ نکال کر کچھ اپنے تصرف میں لے لیا اور کچھ فقیر مسکین کو تقسیم کردیا۔ ایسا کفارہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

فدیہ نماز روزہ کا بدون وصیت میت کے اور بدون چھوڑے مال کے وراثوں پر ادا کرنا لازم نہیں ہے، اگر وہ دیویں تو تبرع ہے۔ احتمال ہے کہ فدیہ ادا ہو جاوے گا؛ مگر حکم قطعی نہیں ہوسکتا۔

قال في الدرالمختار: ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتروالصوم وإنما يعطى من ثلث ماله،إلخ.

وقال الشامي: زاد في الإمداد: أولم يوص بشيء وأراد الولي التبرع،إلخ،وأشاربالتبرع إلٰى أن ذلك ليس بواجب على الولي. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۳۶۵/۴)

قضانمازوں کا فدیہ کب اور کتنا ادا کیا جائے:

سوال: اگر ایک نماز قضا ہو جائے تو اس کا فدیہ آج کے مروجہ سکے کے حساب سے کس مقدار میں ادا ہوگا؟

الجواب

زندگی میں تو نماز کا فدیہ ادا نہیں کیا جاسکتا، بلک قضا شدہ نمازوں کو ادا کرنا ہی لازم ہے، البتہ اگر کوئی شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں تو ہر نماز کا فدیہ صدقۂ فطر کی مقدار ادا کیا جائے، صدقۂ فطر کی

== ☆ **میت کے ذمے کچھ نمازیں اور روزے ہوں، اس کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے:**

سوال: اگر شخصے بمیر دو بردے روزہ رمضان و وقتیہ کہ باقی است، کفارہ بچہ طور دادہ شود؟ (ترجمہ) اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر رمضان کے روزے اور نماز پنج وقتہ باقی ہو تو اس کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟

الجواب

فدیہ نماز وروزہ از جانب میت از مال دے اگر وصیت کردہ بمیر دادا کردن واجب است از ثلث مال ورنہ مستحب وعوض ہر نماز وہر روزہ نصف صاع گندم مثل فطرہ است۔ واللہ اعلم (ترجمہ) نماز روزے کا فدیہ میت کی جانب سے اس کے مال میں سے ادا کرنا واجب ہے جب کہ وہ وصیت کر گیا ہو ورنہ مستحب ہے اور ہر ایک نماز اور ہر ایک روزے کے عوض میں نصف صاع گندم فدیہ کی مقدار مثل فطرہ ہے۔ (**ولو مات وعليه صلوت وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة.** (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲،ط: سعيد) (کفایت المفتی: ۱۸۲/۴)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب إسقاط الصلوٰة عن الميت: ۶۸۵/۱-۶۸۶،ظفير

مقدار قریبا دوسیر غلہ ہے،(۱) فدیہ ادا کرنے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے، اس دن غلے کی جو قیمت ہو، اس کے حساب سے فدیہ ادا کیا جائے اور چوں کہ وتر ایک مستقل نماز ہے؛ اس لیے دن رات کی چھ نمازیں ہوتی ہیں اور قضا ہو جانے کی صورت میں ایک دن رات کی نمازوں پر چھ صدقے لازم ہیں، میت نے اگر اس کی وصیت کی ہو، تب تو تہائی مال سے یہ فدیہ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر وصیت نہ کی ہو تو وارثوں کے ذمہ واجب نہیں، البتہ تمام وارث عاقل و بالغ ہوں اور وہ اپنی خوشی سے فدیہ ادا کر دیں تو توقع ہے کہ میت کا بوجھ اتر جائے گا۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۳۶/۳)

نمازوں کا کفارہ بعد موت ہے، یا زندگی میں بھی:

سوال: ایک شخص مریض ہے، اس کی نمازیں قضا ہوئی ہیں، امیدِ صحت کم ہے، کفارۂ نماز حیات میں دیا جاوے، یا بعد وفات؟ اور کفارۂ نماز کیا ہے؟ اور کفارۂ نماز میں اناج دینا افضل ہے، یا نقد، یا کتب دینیہ خرید کر مدرسہ اسلامیہ میں داخل کر دی جاویں؟

الجواب

کفارہ نمازوں کا بعد وفات دینا چاہیے، زندگی میں کفارہ نمازوں کا حکم نہیں ہے اور کفارہ ایک نماز کا وزن انگریزی سے پونے دوسیر گندم ہیں۔ دن رات میں چھ نمازیں لینی چاہئیں؛ یعنی مع وتر کے۔ (۳) پس ایک دن کی نماز کا کفارہ ساڑھے دس سیر گندم ہوئے، اختیار ہے کہ خواہ گندم دیوے، یا نقد۔ نقد بہتر ہے کہ اس میں سب حوائج پوری ہو سکتی ہیں، (۴) اور اگر کتب دینیہ خرید کر دینا چاہیں تو یہ بھی درست ہے؛ لیکن پھر یہ ضروری ہوگا کہ وہ کتب طلبہ کو تقسیم کر دی

---

(۱) اصل وزن ایک کیلو سات سو گرام ہے، انیس

(۲) إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ... وفي فتاویٰ الحجة وإن لم يوص لورثته وتبرع بعض الورثه يجوز. (الفتاویٰ الهندية، باب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱)

(قوله: وعليه صلوات فائتة) أي بأن كان يقدر علىٰ أدائها ولو بالإيماء فليزمه الإيصاء ... (قوله: نصف صاع بر) أي أومن دقيقه أوسويقه أو صاع تمر أوزبيب أوشعير أوقيمته وهي أفضل عندنا لإسرائها بسد حاجة الفقير ... (قوله وكذا حكم الوتر) لأنه فرض عملي عنده خلافا لهما (قوله وإنما يعطى من ثلث ماله أي فلوزادت الوصية على الثلث لايلزم الولي إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة. (ردالمحتار، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۵۳۲/۲-۵۳۳، مكتبة زكريا، انيس)

(۳) ولو مات وعليه صلوات فائتة و أوصىٰ بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من برّ كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله، إلخ ... ولوفدى عن صلا ته في مرضه لايصح بخلاف الصوم. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۸۵/۱-۶۸۶، ظفير)

(۴) (قوله: نصف صاع من برّ) أي أومن دقيقه أوسويقه أوصاع تمر أو زبيب أوشعير أوقيمته وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۸۶/۱، ظفير) (مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، انيس)

جاویں اوران کی ملک کردی جاویں۔ مدارس میں جس طرح کتب وقف رہتی ہیں، اس طریق سے جائز نہیں ہے، اس میں کفارہ ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۳۶۳/۴-۳۶۴)

کیا قضا نمازوں کا فدیہ زندگی، یا موت کے بعد دیا جاسکتا ہے:

سوال: کیا قضا نمازوں کا فدیہ دیا جاسکتا ہے؟ اس شخص کی زندگی میں، یا اس کی موت کے بعد؟

الجواب

زندگی میں تو نمازوں کا ادا کرنا فرض ہے، فدیہ دینا صحیح نہیں۔(۱) مرنے کے بعد دینا صحیح ہے، پھر اگر وصیت کر کے مرا کہ میرے ذمہ اتنی نمازیں ہیں، ان کا فدیہ دے دیا جائے اور اس کے ترکے کی تہائی میں سے اس فدیہ کی گنجائش بھی ہو تو فدیہ دینا واجب ہے، ورنہ واجب نہیں، وارث اگر فدیہ ادا کر دیں تو امید ہے کہ قبول ہوگا۔(۲)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۳۷/۳-۶۳۸)

کفارۂ نماز زندگی میں نہیں ہے:

سوال: ایک لڑکی سخت بیمار ہے، اس کے ورثا کا یہ خیال ہے کہ اس کی نماز کا کفارہ اس کی زندگی میں دے دیا جائے، اچھا ہونا ناممکن ہے، یا اس کی قیمت مکہ میں دے دیں، یا پارچہ وغیرہ غربا کو بنا دیں، یا کوئی شخص حج کو جاتا ہو، اس کو بطورِ امانت دے دیں کہ وہاں مساکین کو دے دیں، یا کسی مسجد میں، یا کسی چاہِ مسجد میں لگا دیں؟

الجواب

مریض کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ اور کفارہ بعد مرنے کے ہی دیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ زندگی میں تو حتی الوسع نماز ادا کرنے کا ہی حکم ہے، اگر چہ اشارہ وغیرہ سے ہو۔ الحاصل فدیہ اور کفارہ نماز و روزہ کا بعد انتقال کے دینا چاہیے اور یہ بھی شرط ہے کہ میت وصیت کر جاوے۔ پس بعد انتقال کے جس قدر نمازیں اور روزے اس کے ذمہ ہوں، ان کا کفارہ اس طرح ادا کرے کہ ہر ایک نماز کے عوض پونے دو سیر گندم بوزن انگریزی، یا ان کی قیمت مساکین کو دیوے اور اسی طرح ایک روزہ کا کفارہ بھی اسی قدر ہے۔(۳) پس وہ قیمت خواہ مساکین و یتامی اور بیواؤں کو تقسیم کرے، یا مدرسہ

(۱) وسئل حميرالوبری وأبويوسف بن محمد عن الشيخ الفانی هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حي؟ فقال: لا، كذا فی التتارخانية. (الفتاویٰ الهندية: ۱۲۵/۱، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصٰى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع، ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله...إلخ. (الفتاویٰ الهندية: ۱۲۵/۱)

(۳) ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة يعطى بكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم==

کے طلبائے مساکین کو تقسیم کردیوے، یا اس کا کپڑا خرید کرغربا کو تقسیم کردیوے، یہ سب جائز ہے اور یہ بھی درست ہے کہ کسی حج کو جانے والے کو دے دے کہ مکہ معظّمہ، یا مدینہ طیبہ کے مساکین کو تقسیم کردے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ اپنے ہی شہر کے غربا کو دیوے اور مسجد، یا چاہ میں صرف کرنا اس کا درست نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۳۶۹/۴-۳۷۰)

میت کی طرف سے قضا نمازیں ادا کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایک بیٹا چھوڑ کر انتقال کیا اور دس وقت نماز قضا کیں، اب یہ بیٹا نماز پڑھ کر ادا کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز قضا کردینے سے فرض نمازیں میت کے سر سے نہ اتریں گی، البتہ فدیہ دے دیا جاوے؛ یعنی ہر روز کی پانچ نمازوں اور ایک وتر کی بابت تین صاع فدیہ دیدیں تو امید ہے کہ قبول ہوجاوے گا اور اگر فدیہ کی میت نے وصیت کی ہو تو ثلث ترکہ میں سے جس قدر فدیہ نکل سکے، اس کا نکالنا واجب ہے۔ والسلام

کتبہ: الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفی عنہ، ۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲۸۲/۲)

میت کی طرف سے اس کا بیٹا نماز کا فدیہ ادا کرسکتا ہے:

سوال: میرے والد کا انتقال ۱۹۶۳ء میں کراچی میں ہوا تھا، مجھے یاد ہے کہ بیماری کے دوران ان کی کچھ نمازیں قضا ہوگئی تھیں، انہوں نے قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا تھا، تو کیا ہم لوگ ان کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے ان کی قضان نمازوں کا فدیہ ادا کرسکتے ہیں؟ اور اگر ادا کریں تو پھر کس حساب سے؟ یعنی ۱۹۶۳ء کے صدقہ فطر کے ریٹ سے یا ۱۹۷۸ء کے صدقہ فطر کے ریٹ سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

آپ اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کرسکتے ہیں، یومیہ چھ نمازوں کا حساب لگائیں؛ اس لیے کہ وتر کا مستقل فدیہ واجب ہے، جب فدیہ ادا کریں گے اس وقت کا نرخ لگایا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲/ محرم ۱۳۹۹ھ (احسن الفتاویٰ: ۴۵/۳)

== الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله. (الدرالمختار) (باب قضاء الفوائت: ۱۰۱/۱، مكتبة زكريا، انيس)

(قوله: عليه صلوات فائتة) أى بأن كان يقدرعلىٰ أدائها ولو بالإيماء فيلزمه الإيصاء بها وإلا فلا يلزمه وإن قلت. (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت) (مطلب فى تعريف الإعادة: ۵۳۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱) (قَوْلُهُ وَلَا يُبْنَى بِهَا مَسْجِدٌ وَلَا يُكَفَّنُ بِهَا مَيِّتٌ) لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ مِنْهُ ... وَلَا يُبْنَى بِهَا السِّقَايَاتُ وَلَا تُحْفَرُ بِهَا الْآبَارُ وَلَا يَجُوزُ إلَّا أَنْ يَقْبِضَهَا فَقِيرٌ أَوْ يَقْبِضَهَا لَهُ وَلِيٌّ أَوْ وَكِيلٌ لِأَنَّهَا تَمْلِيكٌ وَلَا بُدَّ فِيهَا مِنْ الْقَبْضِ. (الجوهرة النيرة، باب مصارف الزكاة: ۱۲۹/۱، المطبعة الخيرية القاهرة، انيس)

روزہ ونماز کے لیے وصیت اوراس کی ادائیگی:

سوال: ایک شخص کی زوجہ نے چھ ماہ کی علالت کے بعد انتقال کیا۔زوجہ مذکورہ کی دس بارہ روز کی نمازیں بیماری میں قضا ہوئیں اورایک ماہ رمضان کے روزے۔مرتے وقت عورت نے شوہر سے کہا کہ میری اتنی نمازیں اورمہینہ بھر کے روزے قضا ہوئے ہیں اس کا عوض دینا۔نمازوں کا بدل کیا دیا جاوے،مساکین کوکھانا کھلایا جاوے،یا نقد دیا جاوےاورروزوں کا عوض کیا ہونا چاہیےاورکیااس کا خاوندروزےاس کی طرف سے رکھ سکتا ہے؟

الجواب______________________

نمازوں اورروزوں کا فدیہ خواہ نقد دیا جاوے،یاغلّہ وغیرہ درست ہے۔ایک نماز کا فدیہ بوزن انگریزی پونے دوسیر گندم،یااس کی قیمت ہے۔اسی طرح ایک روزہ کا فدیہ بھی اسی قدر ہے۔پس جملہ نمازوں کا مع وتر کے حساب کرلیں اور تیس روزوں کا حساب کرلیں،ایک دن رات کی نمازیں چھ ہوئیں۔پس ایک دن رات کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم،یاان کی قیمت ہوئی۔مساکین کوتقسیم کردی جاوےاورتیس روزوں کا ایک من ساڑھے بارہ سیر گندم،یاان کی قیمت ہوئی اورروزہ رکھنااس کی طرف سے معتبرنہیں ہے،فدیہ ہی دینا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۶۶/۴-۳۶۷)

اگرمرنے والاچھٹی ہوئی نمازوں کےفدیہ کے لیے کہہ جائےتوتہائی مال سےادا کیا جائے:

سوال: زیدمرگیااوروصیت کی کہ میری قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرنا،چناں چہ اکثرمواضع پنجاب میں مردہ کے ساتھ ہی ساتھ اناج وغیرہ لوگ لے جاتے ہیں،درست ہے،یانہیں؟

الجواب______________________

اگرزید نے کچھ مال بھی چھوڑا ہےاوروصیت کی ہے کہ میری نمازوں کا فدیہ ادا کرنا تواداکرنا فدیہ کا وارثوں پرلازم ہے،تہائی مال تک یہ وصیت نافذ ہوگی۔

درمختار میں ہے:

ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذاحكم الوتروالصوم وإنما يعطى من ثلث ماله،إلخ. (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۶۶/۴)

---

(۱) ولو مات وعليه صلوات فائتة و أوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتروالصوم وإنما يعطى من ثلث ماله،إلخ.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب قضاء الفوائت: ٦٨٥/١،ظفير)

(۲) الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب قضاء الفوائت،مطلب فى إسقاط الصلوٰة : ٦٨٥/١-٦٨٦،ظفير

وصیت کے بعد تہائی ترکہ سے نمازوں کا فدیہ ضروری ہے:

سوال: والدہ مرحومہ نے بوقت وفات فرمایا تھا کہ میرے زیور میں سے میری نمازوں کا فدیہ دے دینا، اس سے خاص فدیہ مراد ہے، یا جس قدر بھی ہو سکے؟ اگر فدیہ مراد ہے تو مقدار کا تعین دشوار ہے؛ کیوں کہ جو نمازیں ادا نہیں ہوئیں، ان کا کوئی حساب وشمار نہیں، یا اس کو وصیت سمجھ کر ایک ثلث دے دیا جاوے اور اس کا مصرف کیا ہے؟ مسجد کے فرش وسائبان وغیرہ میں لگایا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر متوفیہ مرحومہ نے کچھ مال چھوڑا ہے تو ان کی وصیت کے مطابق فدیہ نمازوں فوت شدہ کا ایک ثلث ترکہ تک دینا ضروری ہے اور فوائت کا اندازہ اور تحقیق سے جس قدر نمازیں فوت شدہ تخمیناً معلوم ہوں، ان کا فدیہ دیا جاوے۔ فی نماز پونے دو سیر گندم، یا اس کی قیمت فدیہ میں دیوے اور مصرف اس کا فقراء ہیں، مثل زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے۔(۱) مسجد کی مرمت وتعمیر وضروریات وغیرہ میں جس میں تملیک فقیر نہ ہو، دینا درست نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۳۷۱-۳۷۲)

بلا وصیت فدیہ ورثا میں سے کسی کے ذمہ لازم نہیں:

سوال: جو عورت مری ہے، اس کے شوہر، بیٹا اور والدین موجود ہیں تو اس کے مال سے کون فدیہ دینے میں افضل ہے؛ کیوں کہ شوہر کو روزہ نماز قضا ہونے کا حال معلوم ہے؟

الجواب

جو دیدے وہ اچھا ہے، بلا وصیت متوفیہ کے واجب کسی کے ذمہ نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۷۳)

وصیت کے باوجود جب نمازوں کا کفارہ ورثہ نہ نکالیں تو کیا حکم ہے:

سوال: زید کا انتقال ہوا، ورثہ زید نے بعد انتقال ایک وصیت نامہ تحریر کردہ زید پایا۔ زید متوفی نے تحریر کیا ہے کہ

---

(۱) ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلوٰة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله،إلخ. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار،باب قضاء الفوائت: ١/٦٨٥، ظفير)(مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت،انيس)

(۲) لايصرف إلٰى بناء نحو مسجد ولا إلٰى كفن ميت. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الزكٰوة، باب المصرف: ١/٥٨٢،ظفير)

(۳) أولم يوص بشئ وأراد الولي التبرع إلخ وأشار بالتبرع إلٰى أن ذلك ليس بواجب على الولي،ونص عليه في تبيين المحارم فقال: لايجب على الولي(رد المحتار،باب قضاء الفوائت: ١/٦٨٦،ظفير)(كتاب الصلاة،مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ٢/٥٣٤،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

چند سالوں کی نماز کی قضا اور تقریباً دو ماہ کے روزوں کی قضا مجھ پر واجب الادا ہے، میرے مرنے کے بعد میری جائداد متروکہ سے فدیہ ادا کردیا جائے۔ آیا ورثاء زید کے ذمہ شرعاً وصیت مذکورہ کا ادا کرنا واجب ہے، یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو ایک نماز کا کتنا فدیہ واجب ہے اور ایک روزہ کا کس قدر؟ اور اگر ورثۂ زید نے باوجود جائداد متروکہ زید کے فدیہ ادا نہ کیا تو عنداللہ گنہگار رہوں گے، یا نہیں اور زید مواخذہ سے بری ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جس شخص کے ذمہ نماز، یا روزہ واجب الادا ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اس کو مرتے وقت فدیہ کے لیے وصیت کرجانا واجب ہے اور درصورت وصیت کردینے اور مال چھوڑ جانے کے ورثۂ میت کے ذمہ اس وصیت کا پورا کردینا ثلث مال میں سے واجب ہے۔

شامی میں ہے:

یعطی عنه ولیه أی من له ولایة التصرف فی ماله بوصایة أووراثة فیلزمه ذلک من الثلث إن أوصٰی وإلا فلایلزم الوصی ذلک. (۱)

اور ایک نماز کا فدیہ بقدر صدقۂ فطر کے ہے؛ یعنی نصف صاع گندم، یا ایک صاع شعیر، یا ان کی قیمت اور اتنا ہی ایک روزہ کا ہے؛ لیکن نماز میں ہر روز کی چھ نمازوں کا حساب لگانا چاہیے؛ کیوں کہ وتر جو واجب ہے حکم میں فرض کے ہے اور ورثہ میت باوجود وصیت کرجانے میت کے اور چھوڑ جانے مال کے اگر وصیت کو ثلث مال میں سے پورا نہ کریں گے تو گناہگار رہوں گے اور میت بھی مواخذۂ اخروی سے بری نہ ہوگی، تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمادے۔ (۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۶۷-۳۶۸) ☆

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب فی إسقاط الصلاة عن المیت: ۱/ ۶۸۵، ظفیر

(۲) ولومات وعلیه صلوات فائتة وأوصٰی بالکفارة یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر کالفطرة وکذا حکم الوتر والصوم وإنما یعطی من ثلث ماله. (الدرالمختار) (باب قضاء الفوائت: ۱/۱۰۱، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

أی یعطی عنه ولیه أی من له ولایة التصرف فی ماله بوصایة أووراثة فیلزمه ذلک من الثلث إن أوصٰی. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی إسقاط الصلاة عن المیت: ۲/ ۵۳۲، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

☆ بغیر وصیت کے کوئی وارث اپنے مال سے قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرے تو میت کے ذمہ سے نمازیں ساقط ہوجاویں گی، یا نہیں؟

سوال: میت کے بغیر وصیت اگر کوئی وارث اپنے مال سے اس کے روزے اور نمازوں کا فدیہ ادا کردے تو کیا میت کے ذمہ سے وہ ساقط ہوجاویں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

ہاں اللہ تعالیٰ سے امید یہی ہے کہ معاف فرمادیں گے۔

۲۴/ رجمادی الثانی ۱۳۴۷ھ (امدادالاحکام: ۲/ ۲۸۰)

بغیر وصیت وارث فدیہ دے سکتا ہے، کیا فدیہ کا حکم دوسرے صدقات واجبہ کی طرح ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۸/جولائی ۱۹۳۰ء)

سوال: میت نے نماز روزہ وغیرہ کے متعلق کوئی وصیت نہ کی ہو اور کوئی وارث اپنی طرف سے اس کے روزوں کا فدیہ ادا کرے تو کیا حکم ہے؟ اور اس فدیہ کے مستحق کون لوگ ہیں؟ کیا ایسے مال کو مسجد وغیرہ میں لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب

میت نے فدیہ نماز وغیرہ کے متعلق وصیت نہ کی ہو اور وارث اپنے طور پر اپنے مال میں سے دینا چاہے تو دے سکتا ہے، (۱) اور اس کے مستحق فقرا و مساکین ہیں۔ (۲) صدقات واجبہ کا جو حکم ہے، وہی اس کا ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۱۸۳/۴)

بے نمازی کی طرف سے ورثہ فدیہ ادا کردیں تو وہ بری ہوگا، یا نہیں:

سوال: زید نے چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور ایک وقت کی بھی نماز ادا نہ کی اس کے ورثہ چاہتے ہیں کہ اس کی جانب سے کفارہ ادا کریں، ایسی حالت میں اگر اس کے ورثا ادا کریں تو کیا زید بری الذمہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور ترک فریضہ کا سوال ہوگا، یا نہ؟ بصورت بری الذمہ ہونے کے کیا یہ جواز امراء کو دلیر بناتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بلا وصیت میت کے اور بلا مال چھوڑنے کے ورثا کے ذمہ ادائے کفارہ واجب نہیں ہے۔ اگر تبرعاً کفارہ اس کی نمازوں کا دیوے تو درست ہے اور بہت اچھا ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگذر فرمادے اور جو شخص چالیس برس کی عمر میں فوت ہوا، اس کے ذمہ تقریباً پچیس برس کی نمازوں کا فدیہ لازم ہے؛ کیوں کہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ شمار ہوتا ہے۔ بہرحال بحالت موجودہ وارثوں کا فدیہ دے دینا اچھا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اگرچہ یہ یقین نہیں ہے کہ میت بری ہوجاوے گی؛ مگر کچھ امید برأت کی ہے اور یہ ادائے فدیہ ترک نماز پر دلیر نہیں بنا سکتا؛

---

(۱) إذا لم يوص بفدية الصوم، يجوز أن يتبرع عنه وليه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۷۲/۲، ط: سعيد)

(۲) مصرف الزكاة والعشر ... هو فقير، إلخ.

وفي الشامية: وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر، وغير ذلك من الصدقات الواجبة. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، ط: سعيد)

(۳) کیوں کہ یہ وارث پر اگرچہ واجب نہیں؛ لیکن میت پر تو واجب تھا تو چوں کہ وارث میت کی طرف سے اس پر واجب حق ادا کر رہا ہے؛ اس لیے اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو دوسرے صدقات واجبہ کا ہے۔

کیوں کہ اول تو تارک نماز کو کیا یقین ہے کہ اس کے ورثا فدیہ ادا کریں گے، یا نہیں؟ دوسرے بصورت عدم وصیت وعدم مال کے وارثوں کے تبرع سے اور اپنی طرف سے فدیہ ادا کرنے سے برأت یقینی نہیں ہے۔ بہر حال ترکِ فریضہ معصیت ہے، اس کا سوال ضرور ہوگا، فدیہ ادا کیا، نہ کیا، باقی معافی اللہ کے اختیار میں ہے۔

﴿وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۶۴/۴-۳۶۵)

پانچ نمازوں سے زیادہ بے ہوش رہ کر فوت ہونے والے کی نمازوں کا فدیہ دینا ہوگا:

سوال: ایک شخص کا دل کا دورہ پڑا، جو کہ بعد میں جان لیوا ثابت ہوا، دل کے عارضے کے دوران درد وکرب کی کیفیت میں چند نمازیں اس سے فوت ہوئی ہیں۔ علما نے کہا کہ ان نمازوں کا مالی فدیہ ادا کردو؛ تاکہ مرحوم آخرت کے اعتبار سے بری الذمہ ہو جائے۔ کیا ان نمازوں کا مالی فدیہ دینا ضروری ہے، جب کہ مرحوم نیم بے ہوش رہا؟

الجواب

اگر ہوش وحواس باقی تھے تو یہ نمازیں ان کے ذمے ہیں اور ان کا فدیہ ادا کیا جانا چاہیے؛ مگر چوں کہ مرحوم کی طرف سے وصیت نہیں؛ اس لیے وارثوں کے ذمے واجب نہیں اور اگر بے ہوش رہے اور یہ بے ہوشی پانچ نمازوں سے زیادہ میں رہی تو یہ نمازیں معاف ہیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۳۷/۳)

ہر نماز وروزہ کا فدیہ پونے دوسیر گندم ہے اگر کل تعداد معلوم نہ ہو تو اندازے سے ادا کرے:

سوال (۱) اگر کوئی میت وصیت کرے کہ میرے نماز روزے کا فدیہ ادا کرنا تو اس کے لیے کیا فدیہ کل نماز وروزوں

---

(۱) سورة النساء:٤٨،انيس

ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من برّ كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله. (الدرالمختار) (باب قضاء الفوائت: ١٠١/١،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

أى يعطى عنه وليه،إلخ، إن أوصى وإلا فلايلزم الولى ذلك،إلخ،أما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد فى الزيادات:إنه يجزيه إن شاء الله تعالى فعلق الإجزاء بالمشية لعدم النص. (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب فى إسقاط الصلوة عن الميت: ٦٨٥/١-٦٨٦،ظفير)

(٢) ومن أغمى عليه خمس صلوات قضى ولو أكثر لايقضى ...هذا إذا دام الإغماء ولم يفق فى المدة. (الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الرابع عشر فى صلاة المريض: ١٣٧/١، مكتبة زكريا،ديوبند)

عن عبيد الله بن نافع قال:أغمى على عبد الله بن عمر يوماً وليلة فأفاق فلم يقض مافاته واستقبل. (كذا فى نصب الراية: ٣٠٥/١)(إعلاء السنن: ١٩١/٧،الجزء السابع، كتاب الصلاة،باب المغمى عليه،طبع إدارة القرآن/ وأيضا الدرالمختار: ١٠٢/٢،باب صلاة المريض)

کا ہوسکتا ہے اس حالت میں کہ وہ نماز پڑھتا رہا؛ مگر جو نمازیں اس کی اوائل عمری میں قضا ہوئیں، یا روزے جن کو وہ باوجود نیت کے ادا نہ کرسکا۔

(۲) ایک لڑکی جس کی عمر ۱۴/سال ۷/ماہ ہوئی اور دس مہینے بالغ ہوئے، ہوئے تھے، نماز پڑھتی: مگر کبھی پڑھی اور کبھی قضا کی؛ کیوں کہ پیشاب کا مرض تھا، جہاں جسم نجس ہوا، نہانے کی سستی میں نمازیں قضا ہوتی تھیں، اس کی دس ماہ کی نمازوں کا کیا کفارہ دیا جائے؟

(المستفتی: ۱۰۸، میر عبدالغفور صاحب، سابق جج شملہ، ۲۲/رجب ۱۳۵۲ھ، مطابق ۱۲/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ ہر نماز کے بدلے پونے دوسیر گیہوں اور ہر روزے کے بدلے پونے دوسیر گیہوں ہوتے ہیں، اگر نمازوں اور روزوں کی صحیح تعداد یاد نہ ہو تو تخمینہ کرکے فدیہ دے دینا چاہیے۔(۱)

(۲) دس ماہ کی نمازوں کا فدیہ اسی حساب سے لگایا جائے کہ تخمیناً جتنی نمازیں قضا ہوں ہر نماز کے بدلے پونے دوسیر گیہوں، رات دن میں مع وتروں کے چھ نمازیں ہوتی ہیں۔(۲) چھ نمازوں؛ یعنی ایک دن کی نماز کا فدیہ ساڑھے دس سیر گیہوں ہوئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۷۸/۴)

فدیہ میں گیہوں کے علاوہ دوسرا غلّہ، یا قیمت بھی ادا کرنا درست ہے:

سوال: اگر فدیہ میں گیہوں ادا نہ کیا؛ بلکہ قیمت، یا دوسرا غلّہ مستحقین کو دیا گیا تو یہ فدیہ ادا ہوگا، یا نہیں؟ اور گیہوں کے علاوہ دوسرے غلّہ کی کتنی مقدار ادا کی جاوے اور فدیہ کے مستحق زیادہ کون لوگ ہیں؟ اگر رقم فدیہ مدارس اسلامیہ میں طلبہ کے لیے بھیجی جاوے تو فیس منی آرڈر و دیگر اخراجات فدیہ میں محسوب ہوں گے، یا نہ؟

الجواب

فدیہ میں کھانا کھلائیں، خواہ اناج وغیرہ دیں، یا اس کی قیمت تصدق کریں، سب درست ہے اور گیہوں وشعیر وغیرہ کے علاوہ جو چیزیں غیر منصوصہ ہیں، جیسے جوار وغیرہ، تو ان کو اس قدر دینا چاہیے کہ ان کی قیمت نصف صاع گندم، یا ایک صاع شعیر کی قیمت کے مساوی ہو اور صاع کا وزن انگریزی سے تین سیر چھ چھٹانک ہوتا ہے، جس کا نصف چھٹا

(۱) خاتمة: من لايدري كمية الفوائت يعمل بأكبر رأيه، فإن لم يكن له رأي يقض حتىٰ يتيقن أنه لم يبق عليه شيء. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۲۶۸، ط: مصطفى حلبي مصر)

(۲) ولومات ... وكذا حكم الوتر. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲-۷۳، ط: سعيد)

نک کم پونے دوسیر ہوا،(۱) اوراس کا مصرف وہی ہے جوزکوٰۃ وصدقۂ فطر کا مصرف ہے،(۲) اورزیادہ مستحق اس کے وہ لوگ ہیں، جوزیادہ حاجت مند ہیں، جیسے مقروض وغیرہ اور اگر مدرسہ میں طلبا کے واسطے بھیجا جاوے تو یہ بھی اچھا مصرف ہے؛ لیکن فیس منی آرڈر وغیرہ اس میں محسوب نہ ہوگی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/ ۳۶۷-۳۶۹)

فدیہ صوم وصلوٰۃ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ سن بلوغ کے بعد کسی کا انتقال ہوجائے تو آدھا من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف بطور صدقہ نکالتے ہیں، متوفی خواہ امیر ہو، یا غریب فاقہ کش سب کے لیے یہی دستور رائج ہے، گیہوں کے ٹوکرے فقیر کے سر پر چڑھا کر جنازہ کے آگے کردیتے ہیں، بعد نماز جنازہ گیہوں کے ڈھیر کر کے دس بارہ فقیر اور ملا بیٹھ کہ حیلہ کرتے ہیں، حیلہ کے وقت ملا صاحب اس طرح فرماتے ہیں: ''صوم وصلوٰۃ واجبات جو اس مردے سے قضا ہوئے ہیں، اس کی طرف سے یہ کفارہ میں نے قبول کر کے تم کو بخشا''۔ دائرے والے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کہتے ہیں، پندرہ بیس مرتبہ یہ الفاظ دائرے میں دہراتے ہیں، پھر گیہوں بانٹ لیتے ہیں، ملا صاحب کا حصہ مع قرآن شریف ان کے مکان پر پہونچا دیتے ہیں۔

حیلہ میں قرآن شریف لانا لازمی ہے؛ بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، بغیر قرآن شریف کے ملا صاحب حیلہ نہیں شروع کرتے اور اس حیلے کو متوفی کے فوت شدہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ کا نعم البدل مانتے ہیں۔ متوفی غریب ہو اور اس کی جانب سے گیہوں وغیرہ نہ نکالے جاویں تو بعد میں طعنہ تشنیع کی جاتی ہے۔ بس صورت مسئولہ کا جواب مع حوالہ کتب وعبارت فقہ مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں؛ تا کہ ان بدعات سے باز آئیں۔

(۱) ہبہ میں قبضہ شرط ہے، یا اشارہ بھی کافی ہے؟ جائداد متقوم کا حیلہ کیسا ہے؟

(۲) موافق شرع حیلہ کیا جائے تو کیا اس میں فوت شدہ صوم وصلوٰۃ کا حساب ضروری ہے؟

---

(۱) ایک کیلو چھ سو بانوے گرام (۶۹۲)

يعطى لكل صلاة نصف صاع من برّ كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم. (الدرالمختار)(كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱/ ۱۰۱، مكتبة زكرياديوبند، انيس)

(قوله: نصف صاع من برّ، إلخ) أى أومن دقيقه أوسويقه أوصاع تمر أوزبيب أوشعير أوقيمته وهى أفضل عندنا لإسراعها بسدّ حاجة الفقير. (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فى إسقاط الصلٰوة عن الميت: ۱/ ۶۸۵، ظفير)

(۲) أى مصرف الزكوٰة والعشر. (الدرالمختار) (، باب المصرف: ۱/ ۱۴۰، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس)

وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة، كما فى القهستانى. (رد المحتار، باب المصرف: ۱/ ۷۹۲، ظفير)

(۳)　ولی میت فقیر کے سر پر ٹوکرا چڑھا کر قبرستان پہونچا دیتا ہے، وہ خود حیلہ میں نہیں بیٹھتا تو کیا یہ ہبہ سمجھا جاوے گا اور حیلہ درست ہوگا؟

(۴)　دینے والے کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس ڈھائی من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن سے کتنی عبادات کا کفارہ ہوا، بصورت ہذا کفارہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ بینوا توجروا فقط والسلام

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

مذکورہ طریقہ بدعت و ناجائز ہے، اصل بلکہ خلاف اصول شرع ہے۔ (۱) نفس ایصال ثواب بغیر التزام تاریخ وروزہ وہیت وغیرہ مستحسن اور باعث راحت میت ہے، خواہ کچھ قرآن کریم پڑھ کر، یا نماز روزہ عبادات کر کے، یا غربا مساکین کو نقد غلہ، کپڑا وغیرہ دے کر، یا مسجد، مدرسہ، کنواں وغیرہ بنا کر ہو، (۲) اور طریقہ مذکورہ میں چند خرابیاں ہیں:

(اول)　یہ کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے، حتی کہ اگر اس کو کوئی ترک کرے تو اس پر طعن تشنیع کی جاتی ہے، حالاں کہ جس شے کا استحباب شریعت سے ثابت ہو، اس پر بھی اصرار کرنا ممنوع ہے، اصرار سے وہ شے ممنوع ہو جاتی ہے، چہ جائے کہ بدعت پر اصرار کرنا۔

"الإصرار على المندوب يبلغه إلٰى حد الكراهة". (۳)

"من أصر علٰى أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصه، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، آه". (السعاية) (۴)

(دوم)　یہ کہ اس میں قرآن شریف کا ہونا بھی لازم سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ نفس غلہ کا ثواب پہونچانا شرعاً قرآن شریف کے ساتھ ہونے پر موقوف نہیں؛ بلکہ بغیر قرآن شریف ساتھ ہوئے بھی پہونچ جاتا ہے، یہ ایک حکم شرعی کی تغییر ہے۔

(سوم)　یہ کہ یہ حیلہ بغیر ترکہ کے تقسیم کئے ہوتا ہے، حالاں کہ بسا اوقات بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں، نابالغ کا حصہ صرف کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر وہ اجازت دے تو اجازت بھی معتبر نہیں۔ (۵)

---

(۱)　"حیلۂ اسقاط مفلس کے واسطے علمانے وضع کیا تھا، اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے، حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے، وہاں حیلہ کارگر نہیں، مفلس کے واسطے بشرط صحت نیت ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو، ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا دنیہ کا ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات، ص: ۱۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲)　والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صومًا أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرًا أو طوافًا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيدية)

(۳)　السعاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القرآءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكادمی لاهور

(۴)　السعاية، المصدر السباق: ۶۶۳/۲، سهيل اكادمی لاهور

(۵)　"ولا (أي لا تصح الوصية) لوارثه وقاتله مباشرة... إلا بإجازة ورثته... وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير". (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶۵۶/۶، سعيد)

(چہارم) اس میں قبضہ نہیں ہوتا ہے، حالاں کہ صدقہ کے لیے قبضہ شرط ہے۔(۱)

(پنجم) غلے کی یہ مقدار بھی شرعاً متعین نہیں۔

(ششم) یہ مقدار کافی ولازم سمجھی جاتی ہے، حالاں کہ بعض اوقات صوم، صلوٰۃ میت کے ذمے کچھ بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات اتنی مقدار ہوتی ہے کہ حساب کے اعتبار سے یہ غلہ ناکافی ہوتا ہے؛ کیوں کہ ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ واجب ہوتا ہے اور یہی مقدار ہر روزے کے عوض میں ہے۔(۲)

(ہفتم) عام طور پر یہ حیلہ ریاکاری اور فخر کے لیے کیا جاتا ہے؛ اسی لیے حساب نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ مقدار مقررہ اور قرآن کریم کے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اسی کو ضروری سمجھا جاتا ہے، خواہ میت کے ذمہ صوم وصلوٰۃ کچھ فوت شدہ باقی ہو، یا نہ ہو، نیز اگر ہو تو کم ہو، یا زیادہ ہو، قرآن شریف کو خدا جانے کس قدر کفارہ سمجھتے ہیں، حالاں کہ اس میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے۔

”وفی البزازیة: ویکره... نقل الطعام إلى القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراءة للختم... وأطال فی ذلک فی المعراج، وقال: وهٰذه الأفعال کلها للسمعة والریاء، فیحترز عنها؛ لأنهم لایریدون بها وجه اللّٰه تعالیٰ... ولاسیما إذا کان فی الورثة صغار أو غالب، آه“. (ردالمحتار)(۳)

فیحترز تقسیم کردن نقد غله وغیره بعد میت أزترکه آن بمحتاجان به نیت ثواب جائز است، بشرطیکه وارثانش کبار بشند وراضی باشند بدادن، واگر ورثه میت صغار اند، بدون تقسیم ترك تصدق جائز نیست وبدون ایں چیزها همراه جنازه رسم جاهلیت است، ازشرع شریف ثابت نیست، وچیزے که نظیرش در اصل شرع یافته نمی شود کردن ان چیز مکروه است یا حرام، أما دادن تصدق بفقراء ومساکین برائے ثواب میت بے آنکه همراه جنازه برند، جائز است، زیرا که برائے ثواب میت چیز یکه بمحتاجان میدهند، مستحب آنست که بے روی وریاوبے تعین وقت وروز باشد إلا بدعت می گردد، ودرین صورت

---

(۱) **”لایمنع تمامها کرهن وصدقة؛ لأن القبض شرط تمامها“. (الدرالمختار، کتاب الهبة: ۶۹۱/۵، سعید)**

(۲) **”ولومات وعلیه صلوات فائتة، وأوصیٰ بالکفارة، یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر کالفطرة وکذا حکم الوتر، والصوم، وإنما یعطی من ثلث ماله“. (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت، عند مطلب فی إسقاط الصلاة عن المیت: ۷۲/۲-۷۳، سعید)**

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲۴۰/۲-۲۴۱

دادن ایشاں خالی از کراھت نخواھد شد۔ والله یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم"۔(رسائل أربعین، ص:۵۱،۵۰،مطبوعة درمطبع محمدی ماه صفر۱۲۱۱ھ)

کفارہ صوم وصلوٰۃ میت کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ اگراس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تو ایک ثلث ترکے میں ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ، یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دے دی جائے، اسی طرح ہر روزہ کے عوض، اور وتر بھی شرعاً مستقل نماز ہے۔ اگر ایک ثلث ترکے میں سے پورا ہو جائے، تب تو خیر، ورنہ سب ورثہ کی اجازت سے بشرطیکہ وہ بالغ ہوں، ایک ثلث سے زائد سے بھی وصیت کو پورا کیا جا سکتا ہے، بغیر وصیت صدقہ دینا جائز نہیں؛ تاہم اگر بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے دے دیں، تب بھی درست ہے اور نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۰/۱۱/۱۰ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف ۱۳۶۰/۱۲/۱۸ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۸/۷۔۴۰۱)

صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق:

سوال (۱) ایک شخص کا انتقال ہوا، جس کی چند نمازیں ایسی حالت میں قضا ہوئیں کہ اس کو ہوش تھا؛ مگر طاقت اتنی نہ تھی کہ اشارہ ہی سے نماز پڑھتا، ایسی صورت میں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اگر ضروری ہو تو کس طرح ادا کرے اور فی نماز کس مقدار میں؟

(۲) مندرجہ بالا شخص کے رمضان کے کچھ روزے بھی قضا ہو گئے ہیں، جس کے بعد بیماری نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ قضا ادا کر سکے، ان کا فدیہ کس طرح اور فی روزہ کس مقدار سے ادا کرے؟

(۳) ایک نماز کا فدیہ ایک ہی آدمی کو دے، یا کئی آدمیوں کو بھی دے سکتا ہے، اسی طرح کئی نمازوں، یا کئی روزوں کا فدیہ چند مساکین کو دے، یا ایک ہی مسکیں کو دے سکتا ہے اور گیہوں وغیرہ کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے، یا نہیں؟

(۴) اس فدیہ کے مستحق کون ہیں؟ مسجد کی مرمت میں خرچ کرنا، یا کھانا پکا کر طلبہ کو کھلانا، یا کپڑے بنا کر طلبہ کو پہنانا جائز ہے، یا محض فقیروں کو دینا چاہیے؟

(۵) اگر کسی میت کے ورثا غریب ومفلس ہوں اور وہ میت کی فوت کردہ نمازوں کا فدیہ ادا نہ کر سکتے ہوں تو میت کی برأت کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ فقط

(عبد الکریم سوداگر، زیر جامع مسجد، معرفت حافظ عبد اللہ صاحب، مدرس درجۂ قرآن شریف جامع مسجد سہانپور)

---

(۱) "ولا (أی لاتصح الوصیة) لوارثه وقاتله مباشرة ... إلا بإجازة ورثته ... وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ٦/ ٦٥٦، سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

(۱) اگرایسی حالت میں نمازیں قضاہوئیں کہ مریض میں سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی اورمرض سے صحت نہیں پائی؛ بلکہ اسی حالت میں انتقال ہوگیاتو اس پران نمازوں کی قضافرض نہیں، نہ اس کی طرف سے ان نمازوں کافدیہ دیناضروری ہے۔

وإن تعـذرالايـمـاء بـرأسه،وكثرت الفوائت بأن زادت علٰى يوم وليلة،سقط القضاء عنه وإن كان يفهم،فى ظاهرالرواية،وعليه الفتوىٰ''.(۱)

قال الشامي:''فلومات ولم يقدر على الصلاة، لم يلزمه القضاء، حتٰى لايلزمه الايصاء بها''.(ردالمحتار: ۱/ ۵۱۰)(۲)

(۲) ایسی حالت میں روزہ کی قضابھی ضروری نہیں،لہٰذافدیہ بھی ضروری نہیں۔

''ولاقضا على المريض والمسافر إذا ماتا قبل الصحة أوالإقامة''.(۳)

ایک روزہ کافدیہ نصف صاع گیہوں ہے فطرہ کی طرح،اسی طرح ہرنمازکافدیہ نصف صاع ہےاوروترمستقل نمازکےحکم میں ہے۔

''يعطى لكل صلاة نصف صاع من بركالفطرة،وكذا حكم الوتروالصوم''.(۴)

(۳) ایک نمازکافدیہ ایک ہی کودیاجائے،کئی کونہ دیاجائے۔

''ولوأدى للفقيرأقل من نصف صاع، لم يجز''.(الدرالمختار: ۱/ ۷۶۸)(۵)

البتہ کئی نمازوں کافدیہ ایک کودیناجائزہے۔

''ولوأعطاه الكل جاز''.(۶)

اسی طرح کئی روزوں کافدیہ بھی ایک کودیناجائزہے۔

ويجوزأعطاء فدية صلوات وصيام أيام ونحوها لواحد من الفقراء جملة.(مراقى الفلاح:۲۵۵)(۷)

---

(۱) الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب صلا ة المريض: ۱/ ۱۰۴، مكتبة زكريا،ديوبند،انيس

(۲) الدرالمختارمع ردالمحتار،باب صلاة المريض: ۲/ ۹۹،سعيد

(۳) البحرالرائق،كتاب الصوم،فصل فى العوارض: ۲/ ۴۹۵،رشيدية

(۴) الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷۲،سعيد

(۵) الدرالمختار،كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷۲،سعيد

(۶) الدرالمختار،باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷۴،سعيد

(۷) مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح،كتاب الصلاة فصل فى إسقاط الصلاة والصوم،ص: ۴۳۹، قديمى

اور ایک روزہ کا فدیہ کئی کو دینا جائز نہیں۔ گیہوں وغیرہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے؛ بلکہ بہتر ہے۔

قال الشامی: تحت قول الدر: "(نصف صاع من بر): أی أو من دقیقه أوسویقه أوصاع تمر أو زبیب أوشعیر أوقیمته، وهی أفضل عندنا لإسراعها بسدحاجة الفقیر". (۱)

(۴) غریب، مسکین لوگ اس فدیہ کے مصرف ہیں، مسجد کی مرمت میں اس کو صرف کرنا جائز نہیں۔ (۲) کھانا پکا کر غریب طلبہ کو بطور تملیک دے دینا جائز ہے، اسی طرح کپڑے بنا کر دینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ طلبہ مستحق ہوں، مالدار نہ ہوں، (۳) فقیروں کو دینا بھی جائز ہے۔ (۴)

(۵) اگر ورثہ میت کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہیں تو نصف صاع کسی فقیر کو دے دیں اور قبضہ کرادیں، اس کے بعد وہ فقیر نصف صاع بطور ہبہ اس کو دیدے اور ورثہ اس پر قبضہ کرلیں، اسی طرح لیتے دیتے رہیں؛ مگر قبضہ ضرور ہوتا رہے، ہر مرتبہ میں ایک نماز کا فدیہ ادا ہوتا رہے گا، جب حساب لگا کر دیکھ لیں کہ پوری نمازوں کا فدیہ ہوگیا تو نصف صاع اگر فقیر کو دینا تھا، تب تو اسی کو دے دیں، اگر کسی سے قرض لیا تھا، اس کو واپس کردیں، ان شاء اللہ امید ہے کہ میت کی برأت ہوجاوے گی اور ورثہ کا یہ معاملہ بطور احسان وتبرع ہوگا؛ کیوں کہ ان پر مفلس ہونے کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں اور صورت مسئولہ میں تو میت سب کے نزدیک بالکل بری ہے؛ کیوں کہ نماز قضا کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا۔ (هٰکذا فی کتب الفقه، نحو مراقی الفلاح، ص: ۲۵۴/ وشامی: ۷۶۷/۱) (۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۷/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۹۴-۳۹۷)

---

(۱) ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعید (مطلب فی إسقاط الصلاۃ عن المیت: ۵۳۳/۲، مکتبة زکریا، انیس

(۲) "ویشترط أن یکون الصرف (تملیکًا) لا إباحة کما مر (لا) یصرف (إلٰی بناء) نحو (مسجد) و لا إلٰی (کفن میت و قضاء دینه)". (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲۴۴/۲، سعید)

(۳) "فلو أطعم یتیمًا ناویا الزکاۃ، لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم، کما لو کساه بشرط أن یعقل القبض". (الدر المختار، کتاب الزکاۃ: ۲۵۷/۲، سعید)

(۴) مصرف الزکاۃ والعشر هو فقیر، وهو من له أدنی شئ: أی دون نصاب... (ومسکین من لاشئ له) علی المذهب ... وصدقة الفطر کالزکاۃ فی المصارف. (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۳۳۹.۳۶۹/۲، سعید)

(۵) وإن لم یف ما أوصٰی به) المیت (عما علیه) أو لم یکف ثلث ماله أولم یوص بشئ، وأراد أحد التبرع بقلیل لایکفی، فحیلته لإبراء ذمه المیت عن جمیع ما علیه أن (یدفع ذلک المقدار الیسیر بعد تقدیره لشئ من صیام، أوصلاۃ أونحوه ویعطیه (للفقیر) بقصد إسقاط ما یرد عن المیت (فیسقط عن المیت بقدره، ثم بعد قبضه (یهبه الفقیر للولی) اوللأجنبی (ویقبضه) لتتم الهبة وتملک (ثم یدفعه) الموهوب له (للفقیر) بجهة الاسقاط متبرعا به عن المیت (فیسقط) عن المیت بقدره، ثم یهبه الفقیر للولی) أوللأجنبی (ویقبضه ثم یدفعه الولی للفقیر) متبرعا عن المیت، ==

فدیۂ نماز کی تفصیل:

سوال: ایک شخص کی وفات ہوئی اور اس کے ورثا کو یہ معلوم ہے کہ اس کی اتنے دن کی نماز قضا ہوئی ہے تو اس کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟ کیا اتنے دن کا کھانا ایک آدمی کو اتنے دن میں دیا جاسکتا ہے، یا اتنے آدمیوں کو ایک ساتھ کھانا کھلانا چاہیے اور ایک دن میں کتنے وقت شمار ہوں گے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اگر اس نے وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ اس کا کفارہ ادا کرنا واجب نہیں؛ تاہم اگر بالغ ورثا اپنے مال سے۔خواہ وہ مال ان کو اسی میت سے بصورت ترکہ ملا ہو، فدیہ ادا کرنا چاہیں تو ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار فقیر کو دے دیں اور وتر کو مستقل نماز شمار کریں؛ یعنی ہر دن رات میں چھ نمازوں کا فدیہ دیں، یہ بھی جائز ہے کہ ایک فقیر کو چند نمازوں کا فدیہ دے دیں، ایک دن میں دیں، یا چند ایام میں، ایک شخص کو دیں، یا متعدد کو، ہر طرح درست ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۸/۲/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۸/۲/۱۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۸/۷)

فدیہ میں غلہ، یا اس کی قیمت دینا اور کھانا کھلانا بھی جائز ہے؛ مگر مالداروں کو دینا جائز نہیں:

سوال: ایک شخص اس جہان کو چھوڑ گیا، دیر تک بیمار رہا، نمازی اور نماز کا پورا پابند تھا ولیکن مرض کی تکلیف میں اس نے نماز چھوڑ دی، قیام ورکوع وسجود تو اپنی جگہ، اشارہ سے بھی نمازیں ادا نہ کیں، صرف اس بھروسہ میں کہ اللہ تعالیٰ بقا کی ارزانی فرمائیں تو پھر قیام ورکوع وارکان کے ساتھ قضا کی جائیں، اسی حالت میں انتقال ہوگیا، توجہ دلانے پر مرحوم کے ایک فرزند نے نماز کے فدیہ میں جو اناج بنتا تھا، اپنے زر سے خرید کر رکھ دیا ہے۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس اناج کا بصورت اناج ہی تقسیم کرنا ضروری ہے، یا اس کو فروخت کرکے اس کی فقہ وحدیث کی کتابیں خرید کر طلبہ کو دی جاسکتی ہیں، یا طلبہ کی اورضروریات پوری کی جاسکتی ہیں، یا نہیں؟

== وهٰكذا يفعل مرارًا(حتّٰى يسقط ما كان) يظنه (على الميت من صلاة وصيام،ونحوهما مماذكرناه من الواجبات، وهٰذا هو المخلص في ذلك إن شاء اللّٰه يمنه وكرمه". (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح،كتاب الصلاة،فصل في إسقاط الصلاة والصوم،ص: ۴۳۹، قديمى)

"ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير، ثم يدفعه الفقير للوارث،ثم وثم حتّٰى يتم". (الدر المختار ،كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲،سعيد)

(۱) "ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله ...ولو أدى للفقير أقل من نصف صاع لم يجز،ولو أعطاه الكل،جاز". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲-۷۴،سعيد)

(۲) ایک تبلیغی مذہبی جلسہ میں جو لوگ وعظ سننے آئے ہوں، ان کو یہ اناج پکا کر دو وقتہ کھلا دیا جائے تو جائز ہے، یا نہ؟ اور اس طعام سے نمازوں کا کفارہ یا فدیہ ادا ہو جائے گا، یہ نہ کہ اس کی مقبولیت کی امید ہو؟

(المستفتی: ۲۶۰۳، غلام محمد صاحب (ملتان) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ، مطابق ۱۸ مئی ۱۹۴۰ء)

الجواب

ضروری نہیں کہ قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ بصورت غلہ ہی ادا کیا جائے؛ بلکہ اس کی قیمت بھی بصورت نقد ادا کی جاسکتی ہے۔(۱) اسی طرح اس قیمت کی کوئی اور چیز مثلاً کپڑا کتاب بھی دی جاسکتی ہے؛ مگر یہ ضروری ہے کہ فدیہ کی رقم، یا جنس فقیر؛ یعنی محتاج کو تملیک کے طور پر دی جائے، فدیہ کی رقم خرچ کر کے وعظ سننے کے لیے آنے والوں کو (جن میں امیر اور فقیر سب ہی ہوں گے) کھانا کھلا دینا درست نہیں؛ کیوں کہ اس میں تملیک نہیں ہوئی۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۱۸۱/۴-۱۸۲)

نماز کا فدیہ شیعہ کو دینا:

سوال: زید اپنے بہنوئی اور بہن کو اپنی زوجہ کی نمازوں کا فدیہ (جس کا انتقال ہو چکا ہے) دے سکتا ہے، یا نہیں؟ جب کہ انہوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔

الجواب حامدًا ومصليًا

ان کو نہیں دینا چاہیے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۱/۷-۴۰۲)

---

(۱) قوله: نصف صاع من برأى أومن دقيقه أوسويقه، أوصاع تمر، أوزبيب أوشعير، أوقيمته، وهى أفضل عندنا، لاسراعها يسد حاجة الفقير، إمداد. (رد المحتار، باب قضاء الفوئت، مطلب فى اسقاط الصلاة عن الميت: ۷۲/۲-۷۳، ط، سعيد)

(۲) حضرت مفتی صاحب نے عدم جواز کی وجہ عدم تملیک قرار دی ہے، جب کہ مشہور قول کے مطابق فدیہ میں تملیک ضروری نہیں، البتہ ایک قول کے مطابق تملیک ضروری ہے۔"وهل تكفى الإباحة فى الفدية، قولان: المشهور نعم (رد المحتار، كتاب الصوم فصل فى العوارض المبيحه لعدم الصوم: ۴۲۷/۲، ط: سعيد) بلکہ عدم جواز کی صحیح وجہ امیروں کو کھلانا ہے؛ کیوں کہ فدیہ کے مستحق صرف غریب اور محتاج لوگ ہیں، امیروں کو دینا جائز نہیں۔ مصرف الزكاة والعشر هو فقير. (الدرالمختار) (وفى الشامية): وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر، والكفارة والنذر وغيرذلک من الصدقات الواجبة. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، ط: سعيد)

(۳) وبهٰذا ظهر أن الرافضى إن كان ممن يعتقد الألوهية فى على رضى الله عنه أوأن جبرئيل عليه السلام غلط فى الوحى أوكان ينكر صحبة الصديق رضى الله عنه أويقذف السيدة الصديقة رضى الله عنها فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة. (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل فى المحرمات: ۳۹۸/۲، ظفير)

کیا سال بھر کی نماز کا کفارہ صرف ایک نسخۂ قرآن ہوسکتا ہے:

سوال: کسی شخص کی سال بھر کی نماز فوت ہوگئی، وقت موت اس نے کہا کہ میری سال بھر کی نمازوں کا کفارہ کے بدلہ ایک قرآن شریف دے دینا؛ کیوں کہ میرے میں اتنی طاقت نہیں، جو تمام نمازوں کا کفارہ ادا کردوں۔کیا ازروئے شرع یہ قرآن شریف اس کی سال بھر کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ہوجائے گا؟

الجواب

ایک قرآن شریف سے تمام نمازوں کا کفارہ ادا نہ ہوگا؛ بلکہ ایک دن کی نمازوں کا کفارہ ساڑھے دس سیر گندم بوزن انگریزی، یا اس کی قیمت ہے، جو کہ قریب ڈیڑھ روپیہ کے ہوتی ہے اور ایک ماہ کی نمازوں کا کفارہ (۴۵/روپے) ہوتا ہے اور بارہ ماہ کا اس سے اندازہ کرلیا جاوے (۵۴۰ روپے)، پس اگر اس شخص کے ترکہ کے ایک ثلث میں اس کی گنجائش ہے تو پورا کفارہ نمازوں کا دینا چاہیے۔(۱)

قیمت کا جو حساب درج ہے، وہ ۱۳۴۴ھ کا ہے۔ہمارے اس زمانہ ۱۳۸۱ھ میں قیمت میں پہلے سے بڑا فرق ہوجائے گا؛ اس لیے کہ آج ساڑھے دس سیر گیہوں کی قیمت کم از کم چار روپے ہوگی۔بہر حال گیہوں کا حساب تو وہی رہے گا، جو درج ہے؛ لیکن قیمت کا اندازہ دینے کے وقت لگایا جائے گا، خواہ کم ہو، خواہ زیادہ۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۴۳۹-۴۴۰)

صوم وصلوۃ کا کفارہ تعمیر مسجد پر صرف کرنا:

سوال: صوم وصلوۃ کے کفارہ کو مسجد کی تعمیر، سڑک اور پل کی تیاری میں صرف کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ جب کہ کسی کی تملیک نہ ہو؟

الجواب

ابو المکارم کی تحریر سے جواز معلوم ہوتا ہے اور صاحب برہان کی تحریر سے عدم جواز۔امام شافعیؒ کے نزدیک تمام صدقات اور کفاروں میں غریب کی تملک شرط ہے۔

ابو المکارم لکھتے ہیں:

أجازله إباحة فى الكفارات كلها والضابطة أن كل ماورد بلفظ الإيتاء و الأداء شرط فيه التمليك وما وردبلفظ الإطعام يشترط فيه الإباحة وعند الشافعي يشترط التمليك فى الكل،انتهٰى

---

(۱) ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ١/ ٦٨٥-٦٨٦،ظفير)

اورصاحب برہان ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ کی شرح میں لکھتے ہیں:

إنما للحصر فيقتفي قصر جنس الصدقات على الأصناف المعدودة واختصاصها بهم كأنه قيل إنماهي لهم لالغيرهم،انتهىٰ

تفسیر احمدی میں ہے:

هٰذه الآية في بيان مصارف الزكاة؛لأن المرادمن الصدقات المفروضة منها وهي الزكاة وقد جعلها اللّٰه في الآية ثمانية مذكورة مع الترتيب وحصرفيها بكلمة إنما،انتهىٰ.

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ اردو:۲۴۴،۲۴۵)

نماز،روزہ کا فدیہ ادا کرنا افضل ہے،یا حج بدل کرانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کے ماں باپ،روزہ نماز کے پابند نہ تھے،لاپرواہی سے نماز نہ پڑھتے تھے،اللہ جل شانہ نے زید کو مالی وسعت بخشی ہے،ان کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے والدین کی طرف سے امسال حج کراویں،حالاں کہ ان کے والدین پر حج فرض نہ تھا،سوال یہ ہے کہ زید کے لیے والدین کے نماز،روزہ کا فدیہ ادا کرنا والدین کے لیے زیادہ مفید ہوگا،یا حج کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

قاعدہ عقلیہ بھی ہے اور شرعیہ بھی کہ جلب منفعت پر دفع مضرت مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ ترک فرائض علی الخصوص ترک صلوٰۃ پر بے حد تشدید ووعید بالعذاب وارد ہے اور قدر مشترک متواتر المعنی ہے،لہٰذا اداء فدیہ کے ذریعہ **إنقاذ من العذاب** والدین کے حق میں ازبس مفید وراجح ہے۔

ناکارہ نے اپنی بضاعت کے مطابق کتب فقہ کا کافی تتبع کیا،اس کے باوجود کوئی جزئیہ صراحتاً نہیں مل سکا،البتہ فقہ کی مجموعی عبارات سے فدیہ ہی کا ادا کرنا بچند وجوہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۱) فدیہ ادا کرنے کے بعد مطالبہ میت سے ساقط ہوجاتا ہے،البتہ تاخیر کا گناہ باقی رہتا ہے،بخلاف حج کے کہ اس سے سقوط مطالبہ کی تصریح نہیں ملتی۔

وإن لم يوص وتبرع وصيه به جاز،الخ. (الدرمختارمع تنويرالأبصار:۱٦۱/۲)

وقال العلامة الشامي: هٰذا القول أقول لامانع من كون المراد به سقوط المطالبة عن الميت بالصوم في الآخرة وإن بقي عليه إثم التأخير كما لوكان عليه دين عبد وماطله به حتىٰ مات فأوفاه عنه وصيه أوغيره،الخ. (ردالمحتار:۱٦۱/۲)(۱)

(۱) ردالمحتار،فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم:۴۲۵/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۲)　فدیہ کا ادا کرنا انفع للفقراء بھی ہے، بخلاف حج کے کہ وہ فقرا کے لیے نفع بخش نہیں ہے۔

(۳)　صلوٰۃ وسلام متروکہ میں فقہاء کرام فدیہ کوذکر کرتے ہیں؛ لیکن حج کا ذکر باوجود تتبع کثیر کے کہیں نہیں مل سکا، چناں چہ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

”وأما من أفطر عمدًا فوجوبها عليه بالأولٰى. (۱)(أى الوصية بإعطاء الفدية)

بلکہ وصیت کی صورت میں فدیہ ہی کولازم قرار دیتے ہیں اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں فدیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(وفدى)لزوماً(عنه)أى عن الميت(وليه) الذى يتصرف فى ماله(كالفطرة)قدرًا،إلخ.(الدرالمختار)

وفى الشامى:أى يلزم الولى الفداء عنه من الثلث إذا أوصٰى وإلا فلا يلزم بل يجوز،الخ.(رد المحتار:۱۶۱/۲)(۲)

(۴)　فدیہ ادا کرنے کی صورت میں حقوق العباد کی ادئیگی ہے اور حج کرنے کی صورت میں حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور حقوق العباد مقدم ہے حقوق اللہ پر۔

(۵)　فدیہ بہر حال من جانب میت ہوتا ہے، اگر وصیت کی ہو تو لزوماً، ورنہ جوازاً، چوں کہ ورثا کا دینا گویا کہ میت ہی کا دینا ہے بخلاف حج کے کہ وہ من جانب میت نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا صرف ثواب ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے:

وأما الحج فمقتضٰى ما سيأتى فى كتاب الحج عن الفتح أنه يقع عن الفاعل و للميت الثواب فقط وأما الكفارة فقد مرت متناً.(۱۶۳/۲)(۳)

(۶)　قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صوم وصلوٰۃ کا فدیہ ہی ادا کیا جائے، چوں کہ حج فرض کے بارے میں تمام فقہا لکھتے ہیں کہ وہ حج ہی کے ذریعہ ذمہ سے ساقط ہوگا، صدقہ وغیرہ سے حج فرض ساقط نہیں ہو سکے گا، اسی طرح صلوٰۃ وصوم کا سقوط بھی ذمہ سے صلوٰۃ وصوم کے ذریعے ہی ہونا چاہیے تھا؛ مگر حدیث پاک میں ممانعت موجود ہونے کی وجہ سے فدیہ کو اس کا بدل قرار دیا گیا ہے

لا يصوم أحد عن أحد ولايصلى أحد عن أحد.(الهداية:۲۰۳/۱)(۴)

(۱-۲)　الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار،فصل فى العوارض المبيحة لعدم الصو:۴۲۴/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۳)　ردالمحتار،فصل فى العوارض المبيحة لعدم الصو:۴۲۷/۲،،دارالفكر بيروت،انيس

(۴)　باب مايوجب القضاء والكفارة:۱۲۵/۱،دار احياء التراث العربى بيروت،انيس

الْـحَـدِيـثُ التَّاسِعَ عَشَرَ: قَالَ عليه السلام:لَا يَصُومُ أَحَدُكُمْ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، قُلْت: غَرِيبٌ مـرفوعاً، وَرُوِيَ مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ عُمَرَ فَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ:رَوَاهُ النَّسَائِيّ فِي سُنَنِهِ الْكُبْرَى فِي الصَّوْمِ حَدَّثَنَا مُـحَـمَّـدُ بْـنُ عَبْدِ الْأَعْلَى ثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ ثَنَا حَجَّاجٌ الْأَحْوَلُ ثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كل يوم مد مِنْ حِنْطَةٍ، انْتَهَى　==

لہٰذا اگر چہ وصیت نہ کی ہو؛ لیکن صوم وصلوٰۃ کا سقوط ذمہ سے فدیہ ہی سے ہو سکے گا، حج سے نہیں، چوں کہ یہی صوم وصلوٰۃ کا بدل ہے، البتہ فدیہ کی ادائیگی کے بعد حج کرلیں اور ثواب والدین کو پہونچا دیں تو یہ نور علی نور ہے، حدیث پاک میں اس کی فضیلت موجود ہے۔

"إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما وكتب عند الله برًا". أخرجه الدارقطني. (۱)**(كذا في الشامي: ۲/۳۳۷) فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۱/۵۴-۵۶)

نماز کا فدیہ (قضاء فوائت):

سوال: ایام مرض میں تقریباً ایک سال کی نمازیں ذمہ رہ گئیں، بیماری سے پہلے بھی نمازیں پوری نہیں تھیں۔ اس میں گندم، یا نقد دینا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

دونوں ہی دے سکتے ہیں، دن میں مع وتر کے چھ نمازیں ہیں، ایک نماز کا فدیہ ۲/۳۲ کلوگرام گندم ہے، گیہوں کی قیمت کے برابر اور کوئی چیز دینا چاہیں تو وہ بھی دے سکتے ہیں، مگر نقد دینا افضل ہے۔

قال في العلائية: ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة (إلىٰ قوله) **ودفع القيمة أى الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب المفتى به، جوهرة وبحر عن الظهيرية.**

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت (قوله أى الدراهم): ولعلّه اقتصر على الدراهم تبعًا للزيلعى لبيان أنها أفضل عند إرادة دفع القيمة؛ لأنّ العلّة فى أفضلية القيمة كونها أعون على دفع حاجة الفقير. (رد المحتار: ۲/۸٤) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

۱۹/صفر ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۳۳)

== وَلَمْ يُخْرِجْهُ ابْنُ عَسَاكِرَ فِي أَطْرَافِهِ. حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ: رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ فِي كِتَابِ الْوَصَايَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابن عمر، قال: لايصلين أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يَصُومَنَّ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَكِنْ إنْ كُنْتَ فَاعِلًا تَصَدَّقْتَ عَنْهُ، أَوْ أَهْدَيْتَ، انْتَهَى. (نصب الرأية، باب مايوجب القضاء والكفارة: ۲/٤٦۳، مؤسسة الريان، انيس)

(۱) سنن الدارقطني، باب المواقيت، رقم الحديث: ۲٦۰۷/ الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك شاهين، باب مختصر من كتابي كتاب بر الوالدين، الخ، رقم الحديث: ۲۹۳/ ردالمحتار، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة: ۲/٦۰۹، انيس

(۲) ردالمحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۳٦٤، انيس

میت کی طرف سے اس کا بیٹا نماز کا فدیہ ادا کرسکتا ہے:

سوال: میرے والد کا انتقال ۱۹۶۳ء میں کراچی میں ہوا تھا، مجھے یاد ہے کہ بیماری کے دوران ان کی کچھ نمازیں قضا ہوگئی تھیں، انہوں نے قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا تھا تو کیا ہم لوگ ان کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے ان کی قضان نمازوں کا فدیہ ادا کرسکتے ہیں؟ اور اگر ادا کریں تو پھر کس حساب سے؟ یعنی ۱۹۶۳ء کے صدقہ فطر کے ریٹ سے، یا ۱۹۷۸ء کے صدقہ فطر کے ریٹ سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

آپ اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کرسکتے ہیں، یومیہ چھ نمازوں کا حساب لگائیں؛ اس لیے کہ وتر کا مستقل فدیہ واجب ہے، جب فدیہ ادا کریں گے، اس وقت کا نرخ لگایا جائے گا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲/محرم ۱۳۹۹ھ (احسن الفتاویٰ:۴۵/۳)

☆ ☆ ☆

(۱) ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۸۵/۱-۶۸۶، انيس)

وأما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد فى الزيادات: إنه يجزيه إن شاء الله تعالىٰ. (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۶۸۵/۱-۶۸۶، ظفير) (مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت: ۵۳۳/۲، مكتبة زكريا، انيس)

سجدۂ سہو کے احکام

سجدۂ سہو کے چند مسائل ☆:

سوال: ایک شخص نے چادر، یا رومال اس طرح گردن میں لپیٹ کر نماز پڑھی کہ ایک سرا پشت پر رہا اور ایک سینہ کی طرف آیا، اس کی نماز مکروہ ہوئی، یا نہیں؟

☆ **مسئلہ**: نماز میں جو چیزیں واجب ہیں، ان میں سے ایک واجب، یا کئی واجب اگر بھولے سے رہ جائیں تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہے اور اس کے کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے، اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز پھر سے (دوبارہ) پڑھے۔

مسئلہ: سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخیر رکعت میں فقط التحیات پڑھ کے ایک طرف سلام پھیر کے دو سجدے کر لے، پھر بیٹھ کے التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کے دونوں طرف سلام پھیر لے اور نماز ختم کر لے۔

مسئلہ: اگر بھولے سے نماز کا کوئی فرض چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز درست نہیں ہوتی، پھر سے پڑھے۔

مسئلہ: کسی نے بھول کر سلام پھیرنے سے پہلے ہی سجدۂ سہو کر لیا، تب بھی ادا ہو گیا اور نماز صحیح ہو گئی۔

مسئلہ: اگر بھولے سے دو رکوع کر لئے یا تین سجدے، تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: نماز میں الحمد پڑھنا بھول گیا، فقط سورت پڑھی اور پھر الحمد للہ پڑھی تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت کا ملانا بھول گیا تو پچھلی دونوں رکعتوں میں سورت ملائے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورت نہیں ملائی تو پچھلی ایک رکعت میں سورت ملایا جائے اور سجدہ سہو کرے اور اگر پچھلی رکعتوں میں بھی سورت ملانا یاد نہ رہا، یعنی نہ پہلی رکعتوں میں سورت ملائی اور نہ پچھلی رکعتوں میں بالکل اخیر رکعت میں التحیات پڑھتے وقت یاد آیا کہ دونوں رکعتوں میں، یا ایک رکعت میں سورت نہیں ملائی، تب بھی سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ: سنت اور نفل کی سب رکعتوں میں سورت ملانا واجب ہے، اس لئے اگر کسی رکعت میں سورت ملانا بھول جائے تو سجدہ سہو کر لے۔

مسئلہ: الحمد پڑھ کر سوچنے لگا کہ کونسی سورت پڑھوں اور اس سوچ بچار میں اتنی دیر لگ گئی کہ جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے تو بھی سجدۂ سہو واجب۔

مسئلہ: اگر بالکل اخیر رکعت میں التحیات اور درود شریف پڑھنے کے بعد شبہ ہوا کہ میں نے چار رکعتیں پڑھی ہیں، یا تین، اس سوچ میں خاموش بیٹھا رہا اور سلام پھیرنے میں اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے پھر یاد آ گیا کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لیں تو اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: جب الحمد اور سورت پڑھ چکا، بھولے سے کچھ سوچنے لگا اور رکوع کرنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ اوپر بیان ہوئی تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اسی طرح اگر پڑھتے درمیان میں رک گیا اور کچھ سوچنے لگا اور سوچنے میں اتنی دیر لگ گئی، یا جب دوسری، یا چوتھی رکعت پر التحیات کے لیے بیٹھا تو فوراً التحیات شروع نہیں کی کچھ سوچنے میں اتنی دیر لگ گئی، یا جب رکوع سے اٹھا تو دیر تک کچھ کھڑا سوچا کیا، ==

(۲)　اکثر دیکھا گیا ہے کہ مقتدی امام سے سجدہ سہو کراتا ہے؛ یعنی جب امام پہلا سلام پھیرتا ہے تو مقتدی تکبیر کہہ کر سجدہ میں جاتا ہے اور امام سجدہ سہو کرتا ہے تو نماز بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟

==　یا دونوں سجدوں کے بیچ میں جب بیٹھا تو کچھ سوچنے میں اتنی دیر لگا دی تو ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو کرنا واجب ہے، غرضیکہ جب بھولے سے کسی بات کے کرنے میں دیر کردے گا، یا کسی بات کے سوچنے کی وجہ سے دیر لگ جائے گی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

مسئلہ: تین رکعت یا چار رکعت والی فرض نماز میں جب دو رکعت پر التحیات کے لئے بیٹھا اور دو دفعہ التحیات پڑھ گیا تو سجدۂ سہو واجب ہے اگر التحیات کے بعد اتنا درود شریف بھی پڑھ گیا، **اللّٰھم صل علیٰ محمد**، یا اس سے زیادہ پڑھ گیا، تب یاد آیا اور اٹھ کھڑا ہوا تو بھی سجدۂ سہو واجب ہے اور اگر اس سے کم پڑھا تو سہو کا سجدہ واجب نہیں۔

مسئلہ: نفل نماز میں دو رکعت پڑ کر بیٹھ کر التحیات کے ساتھ درود شریف بھی پڑھنا جائز ہے؛ اس لیے کہ نفل میں درود شریف کے پڑھنے سے سہو کا سجدہ واجب نہیں ہوتا، البتہ اگر دو دفعہ التحیات پڑھ جائے تو نفل میں سجدہ سہو واجب ہے۔

مسئلہ: التحیات پڑھنے بیٹھا؛ مگر بھولے سے التحیات کی جگہ کچھ اور پڑھ گیا، یا الحمد پڑھنے لگا تو بھی سجدۂ سہو واجب ہے۔

مسئلہ: نیت باندھنے کے بعد **سبحانک اللّٰھم**، کی جگہ دعائے قنوت پڑھنے لگا تو سجدۂ سہو واجب نہیں، اسی طرح فرض کی تیسری رکعت، یا چوتھی رکعت میں اگر الحمد کی جگہ التحیات، یا کچھ اور پڑھنے لگا تو بھی سہو کا سجدہ واجب نہیں۔

مسئلہ: تین رکعت یا چار رکعت والی نماز میں بیچ میں بیٹھنا بھول گیا اور دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اگر نیچے کا آدھا دھڑ ابھی سیدھا نہیں تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ لے تب کھڑا ہو اور ایسی حالت میں سجدۂ سہو کرنا واجب نہیں، اگر آدھا دھڑ سیدھا ہوگیا تو نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑے ہوکر چاروں رکعتیں پڑھ لے، فقط اخیر میں بیٹھے اور اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، اگر سیدھا کھڑا ہوجانے کے بعد پھر لوٹ آئے گا اور بیٹھ کر التحیات پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور سجدۂ سہو کرنا ابھی واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور اوپر کا دھڑ بھی سیدھا نہیں ہوا تو بیٹھ جائے اور التحیات اور درود شریف وغیرہ پڑھ کے سلام پھیرے اور سجدۂ سہو نہ کرے اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا، تب بھی بیٹھ جائے؛ بلکہ اگر الحمد اور سورت بھی پڑھ چکا ہو، یا رکوع میں بھی کر چکا ہو، تب بھی بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو کرلے، البتہ رکوع کے بعد بھی یاد نہ آیا، اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو فرض نماز پھر سے پڑھے یہ نماز نفل ہوگئی، ایک رکعت اور ملا کر پوری چھ رکعت کرلے اور سجدۂ سہو نہ کرے اور ایک رکعت اور نہیں ملائی، یا پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا تو چار رکعتیں نفل ہوگئیں اور ایک رکعت اکارت گئی۔

مسئلہ: اگر چوتھی رکعت بیٹھا التحیات پڑھ کے کھڑا ہوگیا تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے؛ بلکہ بیٹھ کر فوراً سلام پھیر کے سجدۂ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تب یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت کرلے چار فرض ہوگئے اور دو نفل اور چھٹی رکعت پر سجدۂ سہو بھی کرلے، اگر پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا اور سجدۂ سہو کرلیا تو برا کیا، چار فرض ہوئے اور ایک رکعت اکارت گئی۔

مسئلہ: اگر چار رکعت نفل نماز پڑھی اور بیچ میں بیٹھنا بھول گیا تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، تب تک یاد آجانے پر بیٹھ جانا چاہیے، اگر سجدہ کرلیا تو خیر، تب بھی نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو ان دونوں صورتوں میں واجب ہے۔

مسئلہ: اگر نماز میں شک ہوگیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں، یا چار رکعتیں تو اگر یہ شک اتفاق سے ہوگیا، ایسا شبہ پڑنے کی اس کی عادت نہیں ہے تو پھر سے نماز پڑھے اور اگر شک کرنے کی عادت ہے اور اکثر ایسا شبہ پڑجاتا ہے تو دل میں سوچ کر دیکھے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے، اگر زیادہ گمان تین رکعت پڑھنے کا ہے تو ایک اور پڑھ لے اور سجدۂ سہو کرنا واجب نہیں ہے اور اگر زیادہ گمان یہی ہو کہ میں نے چار رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اور ایک رکعت نہ پڑھے اور سجدۂ سہو بھی نہ کرے اور اگر سوچنے کے بعد دونوں طرف برابر خیال رہے، نہ تین رکعت کی طرف زیادہ گمان جاتا ہے،　==

(۳)　عورتوں کو غیر مرد کا کپڑا پہننا درست ہے، یا نہیں؟

(۴)　امام پر سجدہ سہو واجب نہ تھا؛ مگر اس نے کرلیا نماز درست ہے، یا نہیں؟

== نہ چار کی طرف تو تین ہی رکعتیں سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے؛ لیکن اس صورت میں تیسری رکعت پر بھی التحیات پڑھے، تب کھڑا ہو کے چوتھی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو بھی کرے۔

مسئلہ: اگر یہ شک ہوا کہ پہلی رکعت ہے، یا دوسری رکعت تو اس کا بھی یہی حکم ہے؛ لیکن اس میں سب رکعتوں پر پہنچ کر التحیات پڑھے اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے۔

مسئلہ: اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہوا کہ نہ معلوم تین رکعتیں پڑھیں تو اس شک کا کچھ اعتبار نہیں، نماز ہوگئی، البتہ اگر ٹھیک یاد آجائے کہ تین ہی ہوئیں تو پھر کھڑے ہو کر ایک اور رکعت پڑھ لے اور سجدۂ سہو کرلے اور اگر پڑھ کے بول پڑا ہو یا کوئی ایسی بات کی جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو پھر سے پڑھے، اسی طرح اگر التحیات پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہوا کہ اس کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک ٹھیک یاد نہ آئے اس کا کچھ اعتبار نہ کرے؛ لیکن اگر کوئی احتیاط کی راہ سے نماز پھر سے پڑھ لے تو اچھا کہ دل کی کھٹک نکل جائے اور شبہ باقی نہ رہے۔

مسئلہ: اگر نماز میں کئی باتیں ایسی ہوگئیں جن سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو ایک ہی سجدۂ سہو کی طرف سے ہو جائے گا، ایک نماز میں دو دفعہ سجدۂ سہو نہیں کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر کوئی ایسی بات ہوگئی، جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو وہی پہلا سجدۂ سہو کافی ہے، اب پھر سجدۂ سہو نہ کرے۔

مسئلہ: نماز میں کچھ بھول ہوگئی تھی جس سے سجدۂ سہو واجب تھا لیکن سجدۂ سہو کرنا بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا؛ لیکن ابھی اسی جگہ بیٹھا ہے اور سینہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھرا، نہ کسی سے کچھ بولا نہ کوئی ایسی بات ہوئی، جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اب سجدۂ سہو کرلے؛ بلکہ اگر اسی طرح بیٹھے بیٹھے کلمہ، درود شریف وغیرہ کوئی وظیفہ بھی پڑھنے لگا، تب بھی کچھ خرچ نہیں، اب سجدہ کرلے تو نماز ہوجائے گی۔

مسئلہ: سجدۂ سہو واجب تھا اور اس نے قصداً دونوں طرف سلام پھیر دیا اور یہ نیت کی کہ میں سجدۂ سہو نہ کروں گا، تب بھی جب تک کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے نماز جاتی رہتی ہے، سجدۂ سہو کرلینے کا اختیار ہے۔

مسئلہ: چار رکعت والی تین رکعت والی نماز میں بھولے سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو اب اٹھ کر اس نماز کو پورا کرلے اور سجدۂ سہو کرے، البتہ اگر سلام پھیرنے کے بعد کوئی ایسی بات ہوگئی، جس سے نماز جاتی رہتی ہے تو پھر سے نماز پڑھے۔

مسئلہ: بھولے سے وتر کی پہلی یا دوسری رکعت میں دعاء قنوت پڑھ گیا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، تیسری رکعت میں پھر سے پڑھے اور سجدۂ سہو کرے۔

مسئلہ: وتر کی نماز میں شبہ ہوا کہ نا معلوم یہ دوسری رکعت ہے، یا تیسری رکعت اور کسی بات کی طرف زیادہ گمان نہیں ہے؛ بلکہ دونوں طرف برابر درجہ کا گمان ہے تو اسی رکعت میں دعائے قنوت پڑھے اور بیٹھ کر التحیات کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں دعائے قنوت پڑھے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے۔

مسئلہ: وتر میں دعائے قنوت کی جگہ سبحانک اللّٰھم پڑھ گیا، پھر جب یاد آیا تو اور اس میں دعائے قنوت پڑھی تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ: وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا، سورت پڑھ کے رکوع میں چلا گیا تو سجدۂ سہو واجب ہے۔

مسئلہ: الحمد پڑھ کے دو یا تین سورتیں پڑھ گیا تو کچھ ڈر نہیں اور سجدۂ سہو واجب نہیں

مسئلہ: فرض نماز میں پچھلی دونوں رکعتوں میں، یا ایک رکعت میں سورت ملالی تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔ ==

(۵) وجوب سجدہ سہو میں تردد ہو تو کیا کرے؟

(۶) احتیاطاً سجدہ سہو کرلینا بلا کراہت درست ہے، یا نہیں؟

(۷) امام نے قرأت میں غلطی کی، مقتدی کے لقمہ دینے سے صحیح پڑھ لیا، ایسی حالت میں سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

(۸) اگر شک ہو جائے کہ سجدہ سہو کیا یا نہیں تو کیا کرے؟

(۹) پہلی رکعت عشا میں الم ترکیف پڑھی اور دوسری میں سہواً سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ والعصر پڑھی تو نماز مکروہ ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

جس کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے، اس میں تو داخل نہیں؛ مگر اب عرف ورواج پر موقوف ہے، اگر یہ ہیئت عرفاً تواضع وخشوع کے خلاف ہو اور متکبرین کی عادت ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

قال فی شرح المنیة: ویکرہ للمصلی کل ما ہو من أخلاق الجبابرة عموماً لأن الصلاة مقام التواضع والتذلل والخشوع، الخ. (۱)

(۲) مقتدی کو صرف سبحان اللہ، یا اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سہو کی طرف اشارہ کرنا چاہیے، خود تکبیر کہہ کر سجدہ کرنے میں تقدم علی الامام ہو جائے گا، یہ درست نہیں۔

(۳) بلا ضرورت نہیں چاہیے اور اگر ضرورت ہو، مثلاً دوسرا کپڑا موجود نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ (۲)

== **مسئلہ**: نماز کے اول میں سبحانک اللّٰھم پڑھنا بھول گیا یا رکوع میں سبحان ربی العظیم نہیں پڑھا، یا سجدۂ میں سبحان ربی الأعلیٰ نہیں کہا یا رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہنا یاد نہ رہا یا نیت باندھتے وقت کندھوں تک ہاتھ نہیں اٹھائے یا اخیر دو رکعت میں درود شریف یا دعا نہیں پڑھی یونہی سلام پھیر دیا تو ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ: فرض کی دونوں پچھلی رکعتوں میں یا ایک رکعت میں الحمد پڑھنا بھول گیا، چپکے کھڑا رہ کے رکوع میں چلا گیا تو بھی سجدۂ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ: جن چیزوں کو بھول کر مکروہ کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہے اگر ان کو قصداً کرے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ نماز پھر سے پڑھے، اگر سجدۂ سہو بھی کرلیا تب بھی نماز نہیں ہوئی جو چیزیں نماز میں نہ فرض ہیں نہ واجب ان کے بھول کر چھوٹ جانے سے نماز ہو جاتی ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: اگر آہستہ آواز کی نماز میں کوئی شخص امام یا منفرد بلند آواز سے قراءت کر جائے یا بلند آواز کی نماز میں امام آہستہ آواز سے قرأت کرے تو اس کو سجدۂ سہو کرنا چاہیے، ہاں اگر آہستہ آواز کی نماز میں بہت تھوڑی قرأت بلند آواز سے کی جائے، جو نماز صحیح ہونے کے لیے کافی نہ ہوں، مثلاً دو تین لفظ بلند آواز سے نکل جائیں، یا جہری نماز امام اسی قدر آہستہ پڑھ دے تو سجدۂ سہو لازم نہیں اور یہی صحیح ہے۔ (ماخوذ از دین کی باتیں، انیس)

(۱) الکبیری شرح المنیة، باب فی مکروہات الصلاة، ص: ۳۴۸، انیس

(۲) **عن ابن عباس قال: لعن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المتشبہین من الرجال بالنساء والمتشبہات من النساء بالرجال. (صحیح البخاری، باب فی المتشبہین بالنساء والمتشبہات بالرجال: ۸۷۴/۲، مکتبة أشرفی دیوبند، انیس)**

(۴) نماز درست؛ مگر خلاف اولیٰ ہوئی، **كذا يستفاد من الشامي والدر** .(۱)

(۵،۶) غلبہ ظن پر عمل کرے، اگر غلبہ ظن یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں تو پھر سجدۂ سہو کرنے میں احتیاط نہیں؛ بلکہ ترک میں احتیاط ہے۔(۲)

(۷) واجب نہیں۔(۳)

(۸) غلبہ ظن پر عمل کرے اور غلبہ نہ ہو؛ بلکہ جانبین مساوی ہوں تو سجدہ سہو کرے۔

(۹) مکروہ نہیں ہوئی، کیوں کہ سورتوں کی ترتیب کے خلاف کرنا بالقصد مکروہ ہے نسیاناً نہیں، کذا فی کتب الفقہ۔(۴) **واللہ تعالیٰ اعلم** (امداد المفتین:۲/۳۱۷)

سہو کی صورت میں مقتدی کا امام کو باخبر کرنے کا حکم:

سوال: امام کے سہو (قعدہ بھولنے پر) قعدہ پر مقتدی بجائے سبحان اللہ کے التحیات للہ کہے، جو تعلیم ہے، یا یوں کہے: بیٹھ جاؤ۔ نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

سبحان اللہ اور التحیات دونوں جائز ہیں اور تعلیم وتلقین التحیات کی نہیں ہے؛ بلکہ تذکیر ہے، البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ بیٹھ جاؤ اور اگر یہ کلمہ کہہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوجاوے گی اور امام کی نماز میں جواب سوال سابق میں تفصیل آچکی ہے کہ امر شارع سمجھ کر عمل کیا تو مفسد صلوٰۃ نہیں اور اگر محض اس کی خاطر سے اس کے کہنے پر عمل کیا تو مفسد صلوٰۃ ہے۔(۵)

(امداد:۱/۸۳) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۳۶)

---

(۱) لوظن الإمام السهو فسجد له متابعه فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد لاقتدائه فى موضع الإنفراد.(الدر المختار، كتاب الصلاة،باب فى الإمامة: ۱/۸۷،مكتبة سعيد، كراچى،انيس)

(قوله: فالأشبه الفساد)وفى الفيض:وقيل لاتفسد وبه يفتىٰ وفى البحرعن الظهيرية:قال الفقيه أبو الليث فى زماننا لاتفسد؛لأن الجهل فى القراء غالب.(ردالمحتار،باب الإمامة: ۱/۳۵۰،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) عن عبد الله بن مسعود قال:قال النبى صلى الله عليه وسلم:إذا شك أحدكم فى صلاته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم ليسلم ثم يسجد سجدتين.(صحيح البخارى،باب في التوجة نحو القبلة حيث كان: ۱/۵۷_۵۸،مكتبة أشرفى ديوبند،انيس)

(۳) عن عبد الله بن عمر أن أن النبى صلى الله عليه وسلم صلىٰ صلاة فقرأ فيها فليس عليه فلما انصرف،قال لأبى: أصليت معنا؟نعم، قال؛ فما منعک؟(أبو داؤد،باب الفتح على الإمام فى الصلوٰة: ۱/۱۳۱،مكتبة فيصل ديوبند،انيس)

(۴) أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهواً فلا،كما فى شرح المنية.(ردالمحتار، قبيل باب الإمامة،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۲/۲۶۹،مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۵) لوقيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلاتفسد.وبين كونه امتثل أمرالداخل مراعاة لخاطره من غيرنظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً.(ردالمحتار،باب الإمامة،مطلب فى جواز الإيثار بالقرب: ۲/۳۱۴، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

امام کو متنبہ کرنے کا طریقہ:

سوال: اگر امام کو نماز میں سہو لاحق ہو جائے تو مقتدی بلفظ ''سبحان اللہ'' سہو کو رد کرے گا، یا ''اللہ اکبر'' کے ذریعہ؟

هو المصوب

دریافت کردہ صورت میں ''سبحان اللہ'' کہا جائے گا۔ مسلم شریف میں ہے:

''فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مالي رأيتكم أكثرتم التصفيق من نابه شئ في صلا ته فليسبح،فإنه إذا سبح التفت إليه وإنماالتصفيح للنساء.(۱)

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فيه أن السنة لمن نابه شئ في صلا ته كإعلام من يستأذن عليه وتنبيه الإمام وغيرذلک أن يسبح إن كان رجلاً فيقول ''سبحان الله''.(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۳۳/۳)

امام کو سبحان اللہ کہہ کر متنبہ کرنا بیٹھے ہوئے، یا کھڑے ہو کر:

سوال: اگر امام سے سہواً قعدۂ اخیرہ ترک ہو گیا اور امام قریب قیام کے پہنچ گیا تو مقتدی کو سبحان اللہ کہتے ہوئے کھڑا ہونا اولیٰ ہے، یا بیٹھ کر سبحان اللہ کہے، اولیٰ کیا ہے؟

الجواب

بیٹھے ہوئے کہنا اولیٰ معلوم ہوتا ہے، جزئیہ کوئی نظر سے نہیں گزرا اور درست ہر دو طرح ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۹/۴)

مسافر امام پر سجدۂ سہو لازم ہو:

سوال: مسافر امام کو سجدۂ سہو کرنا ہے تو اس سے مقیم مقتدی پر کوئی حرج تو نہیں ہوگا۔

هو المصوب

مقیم مقتدی بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے گا، اس کی نماز میں کوئی حرج لاحق نہ ہوگا۔ (۳)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳/ ۱۳۹-۱۴۰)

---

(۱) صحيح لمسلم،باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخرالإمام ولم يخافوا مفسدة بالتقديم: ۱۷۹/۱، رقم الحديث: ۴۲۱/عن أبي هريرة يقول:قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء.(صحيح لمسلم، باب تسبيح الرجل وتصفيق المرأة إذ أنابهما شئ في الصلاة: ۱۸۰/۱،رقم الحديث: ۴۲۲،أشرفي بكدبو ديوبند،انيس)

(۲) حاشية النواوي: ۱۷۹/۱،مكتبة أشرفي ديوبند،انيس

(۳) قوله:''المقيم''ذكرفي البحر أن المقيم المقتدى بالمسافركالمسبوق في أنه يتابع الإمام في سجود السهوثم يشتغل بالاتمام .(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب في سجود السهو: ۵۴۷/۲)

فرائض، یا واجبات میں کسی غلطی سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: قعدۂ اخیرہ، رکوع، سجدہ، تکبیر تحریمہ، قیام اور قرآن کا پڑھنا جتنی مقدار فرض ہے، اگر اس میں کسی قسم کی بھول ہو جائے تو کیا سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر نماز کے فرائض چھوٹ جائیں تو نماز کو لوٹانا ضروری ہے اور اگر بھول سے کوئی واجب چھوٹ جائے، یا فرض میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو کر لینا کافی ہوگا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۲/۶/۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۷۹/۲)

نفل وسنت میں سجدۂ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: نفل، سنت اور عیدین کی نمازوں میں سجدۂ سہو ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے: **والسهو فی صلاة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرین عدمه فی الأولیین، إلخ.** (۲)

اس کا حاصل یہ ہے کہ صلوٰۃ عید وجمعہ اور فرض ونفل میں ترک واجب سے سجدۂ سہو لازم ہے؛ لیکن متأخرین نے کہا ہے کہ عید وجمعہ میں اگر مجمع زیادہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کرے واسطے دفع فتنہ کے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۹/۴)

نفل نماز میں سجدۂ سہو:

سوال: نفل نماز میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نفل میں بھی سجدۂ سہو ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲/۱/۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۲۶/۲)

---

(۱) (أنه لا یجب إلا بترک الواجب) من واجبات الصلاة فلا یجب بترک السنن والمستحبات... ولا بترک الفرائض؛ لأن ترکها لا ینجبر بسجود السهو بل هو مفسد إن لم یتداک فیعاد (أو بتأخیره)... (أو بتأ خیر رکن). (غنیة المستملی، باب سجود السهو، ص: ٤٥٥)

(۲) الدر المختار مع الرد، کتاب الصلاة، باب فی سجود السهو: ٥٦٠/٢، مکتبة زکریا، دیوبند، انیس

(۳) والسهو فی صلاة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء) (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٥٦٠/٢، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

نفل نماز اور سجدۂ سہو:

سوال: اگر نفل نماز میں کوئی سہو ہو جائے تو کیا اس صورت میں بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟ (مسخر احمد، شیام نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

نفل نماز شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے اور یہ کچھ نماز ہی پر موقوف نہیں، تمام ہی عبادتیں نفل کے طور پر شروع کی جائیں تو شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر تکمیل سے پہلے توڑ دیں تو قضا واجب ہوتی ہے؛ اس لیے فرض نماز ہو، یا نفل، سجدۂ سہو جن امور سے واجب ہوتا ہے، ان کے پائے جانے کی صورت میں سجدہ کرنا ہوگا، دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

”وحکم السهو في الفرض والنفل سواء“. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۴۵-۴۴۶)

ترکِ سجدۂ سہو عمداً اور نسیاناً کا حکم:

سوال: ترکِ سجدۂ سہو بھول میں اور عمداً میں فرق ہے کہ نہیں؟ اگر بھول گیا تو اعادہ نماز کا کرے، یا نہ کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

قضا اس نماز کی واجب ہے اور ترکِ سجدۂ سہو عمداً و سہواً برابر ہے۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۸۴)

سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: بعد لزوم سجدۂ سہو کے، نہ کرنے کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

سجدۂ سہو اگر واجب ہوا اور نہ کیا تو اعادہ نماز کا واجب ہے۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۱۳-۴۱۴)

سجدۂ سہو چھوڑنے کی وجہ سے اعادۂ صلاۃ کا حکم:

سوال: ایک شخص پر نماز میں سجدۂ سہو لازم ہوا؛ لیکن بوجہ مسائل کی ناواقفیت کے اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اس پر سجدہ

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۲۶/۱، انیس

(۲-۳) ولها واجبات لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثماً. (الدر المختار مع رد المحتار، باب في واجبات الصلاة: ۱۴۶/۲-۱۴۷، مكتبة زكريا ديوبند، انیس)

(قوله: إن لم يسجد له) أي للسهو. (الدر المختار على هامش رد المحتار، مطلب واجبات الصلوٰة: ۱۴۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

سہولازم ہے؛اس لیےاس نے سجدۂ سہونہ کیااورسلام کے بعدقصدا کوئی فعل منافی بناء کرلیا،اس صورت میں اعادہ صلوٰۃ لازم ہے، یانہیں؟ نیز ایک شخص کونماز میں سہوہوااورسجدہ سہولازم ہوگیا؛مگرسلام کے وقت یادنہ رہا کہ مجھ پرسجدہ سہولازم ہے؛اس لیےاس نے بخیال تمامی صلوٰۃ قصداً کوئی فعل منافی بناءکرلیا،اس صورت میں بھی اعادہ لازم ہوگا، یانہیں؟ **والذی ینبغی أنه إن سقط بصنعه کحدث عمدًا مثلا یلزمه و إلا فلا،تأمل.** (۱) سے ظاہرتولزوم اعادہ ہے؟

الجواب

جی ہاں دونوں صورتوں میں اسی روایت سے لزوم اعادہ سمجھنا صحیح ہے۔

۲۹/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۸۵) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴۹)

سجدۂ سہوواجب ہونے کی صورت میں سجدہ نہ کیا جائےتواعادۂ نماز کا حکم:

سوال(۱) امام تراویح کی رکعت اول پوری کرنے کے بعدبیٹھ گیا،مقتدیوں نے لقمہ دےکرامام کوکھڑکیا،امام نے کھڑے ہوکردوسری رکعت پوری کرنے کے بعدسلام پھیرکرنمازپوری کی،سجدۂ سہونہیں کیا،آیااس صورت میں سجدۂ سہوواجب ہے، یانہیں؟اورنمازہوئی، یانہیں؟

(۲) امام تراویح کی نماز میں دورکعت پوری کرنے کے بعدبغیرقعدہ کئے کھڑاہوگیا،مقتدیوں نے لقمہ دیا توامام نے بیٹھ کربلاسجدۂ سہوکئے سلام پھیردیا،نمازہوئی، یانہیں؟

الجواب حامدًا و مصلیًا

(۱) اگر بیٹھتے ہیں فورابلاتاخیرلقمہ دےکراس کوکھڑاکردیاتوسجدۂ سہوواجب نہیں،اگرتاخیرہوگئی ہوتوسجدۂ سہوواجب ہے۔(۲)

(۲) اس صورت میں سجدۂ سہوواجب تھالیکن اب اس نماز کااعادہ واجب نہیں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۷/۴۶۰-۴۶۱)

سجدۂ سہونہ کرنے کی صورت میں نماز کااعادہ واجب ہے:

سوال: امام نے مغرب کی نمازپڑھائی،پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور''انا أنزلناه'' پڑھااوردوسری رکعت میں

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب سجود السھو: ۲/۵۴۲،مکتبۃ زکریادیوبند،انیس

(۲) ولایجب السجود إلا بترک واجب أوتاخیره أوتاخیر رکن.(الفتاویٰ الهندیة،الباب الثانی عشرفی سجود السهو: ۱/۱۲٦،رشیدیة)

(۳) اعلم أن الوجوب مقید بما إذا کان الوقت صالحاحتی أن من علیه السهوفی صلاة الصبح إذا لم یسجد حتی طلعت الشمس بعد السلام الأول،سقط عنه السجود''.(البحرالرائق،باب سجود السهو:۲/۱٦۳،رشیدیة)

صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلے گئے اور دعاء قنوت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیئے کھڑے ہو گئے اور تیسری رکعت پوری کرنے کے بعد سلام پھیرا۔ اب یہاں اختلاف پیدا ہو گیا کہ نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو کرنا ضروری تھا، اگر امام صاحب نے سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز کا لوٹانا واجب ہے، سبھی لوگ نماز دہرالیں۔ نماز میں قعدہ کے اندر دعاء قنوت نہیں پڑھی جاتی ہے؛ بلکہ تشہد پڑھا جاتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۷/۵/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۸۰-۴۸۱)

بناء کے مانع کے پائے جانے کی صورت میں سجدۂ سہو کے ساقط ہونے کا حکم:

سوال قاضی خان نول کشوری، ج:۱/ص:۵۹ پر ہے: **کل مایمنع البناء إذا وجد بعد السلام یسقط السھــــو**، آہ، کیا سجدۂ سہو پر ہر صورت میں ساقط ہو جائے گا، خواہ مانع بناء سہواً پایا جائے، یا عمداً اور خواہ وہ فعل موجب سجدۂ سہو کو موجب سجدہ جانتا ہو، یا نہ؟ یا کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص ہے؟ نیز سقوط سجدہ کا کیا مطلب ہے؟ آیا سقوط''**من ھذہ الصلاۃ مع وجوب إعادۃ تلک الصلاۃ**'' یا''**مطلقا بلاوجوب إعادۃ الصلاۃ**'' ؟ اگر یہ مطلب ہے کہ سجدہ ہر صورت میں ساقط ہے، خواہ فعل منافی بناء تذکر سجدۂ سہو کے ساتھ ہو، یا بحالت سہو، یا ایسی صورت میں کہ اس کو وجوب سجدۂ سہو کا ہی علم نہ ہوا ہو؟ اور سقوط کا یہ مطلب ہے کہ اس نماز کا اعادہ بھی ضروری نہیں تو وجوب سجدۂ سہو کا ثمرہ صرف عقاب اخروی ہو سکتا ہے، وہ بھی بحالت قصدا ترک کرنے کے؟

الجوابــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار: فلو طلعت الشمس فی الفجر أواحمرت فی القضاء أووجد منه مایقطع البناء بعد السلام سقط عنه، فتح.

وفی ردالمحتار: بقی إذا سقط السجود فھل یلزمه الإعادۃ لکون ما أداہ أولا وقع ناقصا بلاجابر؟ والذی ینبغی أنه إن سقط بصنعه کحدث عمدًا مثلا یلزمه الإعادۃ وإلا فلا، تأمل. (۷۷۳/۱، مصریة)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو ہر صورت میں ساقط ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ مانع بناء عمدا پایا گیا، تب تو اعادہ لازم ہے، ورنہ نہیں۔

۱۷/رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۷۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۴۸-۵۴۹)

---

(۱) ''(ولھا واجبات) لاتفسد بترکھا و تعاد وجوبا فی العمد والسھو إن لم یسجد له، وإن لم یعدھا یکون فاسقا آثماً. (الدر المختار علی ھامش رد المحتار، مطلب واجبات الصلاۃ: ۱۴۶/۲-۱۴۷، مکتبة زکریا، دیوبند، انیس)

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو: ۵۴۲/۲، مکتبة زکریا، دیوبند، انیس

سلام پھیرنے کے بعد کوئی منافی صلوٰۃ عمل ہوجائے:

سوال: زید کے ذمہ سجدۂ سہو واجب تھا؛ لیکن سلام پھیرتے ہی اس سے سہواً منافی صلوٰۃ کوئی عمل سرزد ہوگیا تو کیا مذکورہ صورت میں اس سے سجدۂ سہو ساقط ہوجائے گا اور اس کی نماز درست ہوگی، یا اس کی نماز ناقص ہوگی اور اعادۂ صلوٰۃ کی ضرورت پیش آئے گی؟

هو المصوب

منافی صلوٰۃ عمل کی وجہ سے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۴۸/۳)

نماز میں غور وفکر کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: امام نے صبح کی نماز میں بہ سلسلہ قرأت دوسری رکعت میں پہلی سورہ کی مطابقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور بوجہ نماز فجر پیچھے سے لوٹ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے؛ مگر ایسا نہ ہوسکا، دریں اثنا آیت کے اگلے حصہ کو خیال کرنے میں اتنی دیر ہوگئی، جتنی تاخیر میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، پھر چند بار لوٹ کر آگے پڑھنے کی کوشش کی؛ لیکن نہ پڑھ سکے تو آخر میں اسی آیت پر انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور بہ سبب تاخیر انہوں نے سجدۂ سہو بھی کرلیا تو ایسے موقع پر سجدۂ سہو صحیح ہوا، یا غلط؟

الجواب　وبالله التوفيق

صورت مسئولہ میں بہ سبب تاخیر سجدۂ سہو کیا تو صحیح کیا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۶/۴/۷ ۱۳۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۲۳/۲)

نماز میں سوجانے پر تاخیر فرض سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: نماز میں کوئی شخص اس طرح سو گیا، جو مفسد صلوٰۃ نہیں اور اس اثناء میں بقدر سہ تسبیح ادائے فرض میں تاخیر ہوگئی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، یا نہ؟

الجواب

قال في الدر المختار: فإن أتى بها أو بأحد ها بأن قام أو ركع أو سجد أو قعد الأخير نائمًا لايعتد

---

(۱) والحاصل أنه اختلف في التفكر الموجب للسهو، فقيل ما لزم منه تأخير الواجب أو الركن عن محله بأن قطع الاشتغال بالركن أو الواجب قدر أداء ركن وهو الأصح. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۵٦۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

بما أتى به بل يعيده.(۱)وهل يسجد للسهو لتأخير الركن؟ الظاهر نعم.(۲)

عبارت شامی مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو لازم ہونا چاہیے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۴/۴۱۹-۴۲۰)

تاخیرِ واجب سے سجدۂ سہو:

سوال: تاخیر واجب میں سجدۂ سہو کے اندر اختلاف ہے۔شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

دراصل سجدۂ سہو ترکِ واجب سے ہی لازم ہوتا ہے؛ مگر چوں کہ تاخیر واجب میں بھی ترک واجب لازم آتا ہے؛ اس لیے تاخیر واجب سے بھی سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۷۵)

تاخیر واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے:

سوال: تاخیر واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

تاخیر واجب سے سجدۂ سہو آتا ہے۔

عالمگیریہ جلد اول، ص:۱۳۳ میں موجود ہے:

ولا يجب السجود إلا بترك الواجب أو تاخيره أو تاخير ركن،الخ.(۴)واللہ اعلم بالصواب

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی:۳/۴۱۸)

تین تسبیح کی مقدار تاخیر واجب سے سجدۂ سہو:

سوال: تاخیر واجب میں سجدۂ سہو آتا ہے اور تاخیر کا انداز مقدار تین تسبیح کا ٹھہرایا گیا ہے، جیسے قرأت سے فارغ ہوکر مقدار تین تسبیح کھڑا رہا، یا بعد فراغ تشہد اسی قدر بیٹھا رہا۔تاخیر رکن، یا واجب کی مقدار تین تسبیح نہ ہونے پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔اب اگر کوئی شخص پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہوگیا، یا تیسری رکعت صلوٰۃ رباعیہ میں بیٹھ گیا، اگر اس

---

(۱) الدر المختار،باب صفة الصلوٰة،قبيل مطلب واجبات الصلاة:۲/۱۴۵،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) رد المحتار،باب صفة الصلوٰة،قبيل مطلب واجبات الصلاة:۱/۴۴۴

(۳) ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تاخيره أو تأخير ركن،إلخ،وفي الحقيقة وجوبه بشئ واحد وهو ترك الواجب،كذا في الكافي.(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الثاني عشر في سجود السهو :۱/۱۲۶،ظفير)

(۴) الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو:۱/۱۲۶،ط:ماجدية

قیام اور قعود میں بھی مقدار تسبیح ملحوظ ہے تو منیۃ المصلی کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا، جس سے محض قیام وقعود بلا مقدار تسبیح معلوم ہوتا ہے؟

"ولو قام إلى الخامسة أو قعد في الثالثة يجب بمجرد القيام والقعود".

(المستفتی:۳، مولوی عبدالعزیز مدرس مدرسہ مفید الاسلام نول گڈھ جے پور، ۱۹ / ربیع الاول ۱۳۵۲ھ، ۱۳ / جولائی ۱۹۳۳ء)

الجواب

پانچویں رکعت کی طرف کھڑے ہوجانے، یا تیسری رکعت پر صلوٰۃ رباعیہ میں بیٹھ جانے میں بھی وہی مقدار رکن مراد ہے اور جن عبارتوں میں بمجرد قیام وقعود وجوب سجدہ سہو کا ذکر ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ قیام وقعود کے بعد قرأت وتشہد ہو، یا نہ ہو، صرف قیام اور قعود سے ہی سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے، کسی دوسری بات کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ قیام اور قعود کا تحقق ہی اس کے لیے کافی ہے کہ تاخیر بمقدار رکن ہوگئی۔(۱) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی:۴۱۶/۳)

شافعی کے لیے نماز فجر میں رعایت کیسی ہے:

سوال: حنفی امام شافعی مقتدیوں کی رعایت سے نمازِ فجر کی دوسری رکعت کے قومہ میں اس قدر توقف کرے کہ شافعی قنوت سے فارغ ہولیں، کیسا ہے، اس کی نماز ہوگی، یا نہیں؟ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟ اگر نماز اس کے پیچھے پڑھی جاوے تو مکروہ ہوگی، یا بلا کراہت؟ اور کن امور میں شافعی مقتدی کی رعایت حنفی امام کو جائز ہے؟ شافعی مقتدی کی رعایت سے حنفی قبل سلام سجدۂ سہو کرسکتا ہے، یا نہ؟

الجواب

درمختار میں ہے:

لكن يندب للخروج من الخلاف لاسيّما للإمام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه. (۲)

یعنی امام کو رعایت دوسرے مذہب والے مقتدیوں کی مثلاً شافعی المذہب مقتدیوں کی مستحب ہے؛ لیکن بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو۔

اور شامی نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی بھی اس میں شامل ہے؛ یعنی اگر اپنے مذہب کے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب لازم آتا

---

(۱) ولايجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره أو تأخير ركن، إلخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲٦/۱، ط: ماجدية)

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، مطلب في ندب مراعاة الخلاف: ۲۷۸/۱-۲۷۹، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير

ہوتو رعایت مقتدیان شافعی المذہب کی مثلاً نہ کرے، پس بناءً علیہ امام حنفی نمازِ فجر میں رکوع سے اٹھ کر قومہ میں برعایت مقتدی شافعی اس قدر توقف نہ کرے کہ وہ دعاء قنوت پڑھ لیوے کہ یہ توقف مکروہ ہے۔

اورشامی میں ہے:

نعم ذكر نحوه ابن عبد الرزاق في شرحه علىٰ هذا الشرح فقال: كإطالة وقوفه بعد الرفع من الركوع، إلخ. (۱)

یہ مثال دی ہے کہ اس کی ترک اطالۃ وقوف بعد الرکوع (یعنی رکوع کے بعد زیادہ دیر رُکا رہنے کو ترک) واجب ہے، پس اس توقف میں ترک واجب ہوگا، جو کہ مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ اسی طرح قبل سلام سجدۂ سہو کرنا حنفی کو برعایت مقتدی نہ چاہیے کہ یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔

كما في الشامي: أنه لو سجد قبل السلام كره تنزيهاً. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۹/۴-۴۱۰)

واجب اورسنت کے عدم اہتمام سے سجدۂ سہو:

سوال: جیسے نماز میں فرائض کا اہتمام کرتے ہیں اور کوئی فرض کسی وجہ سے ادا نہیں ہوتا تو وہ نماز بھی نہیں ہوتی اعادہ کرتے ہیں۔ اسی طرح واجبات اور سنت کا بھی اہتمام کیا جائے، آیا ضرورت نہیں؟ اور اگر ضرورت ہے تو اس کی مقدار برائے کرم تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

واجبات وسنن کا بھی اہتمام کرنا چاہیے، سہواً ترک واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، سجدۂ سہو نہ کیا، یا عمداً واجب ترک کردیا تو نماز کا اعادہ لازم ہے۔ (۳)

سنت کے ترک سے شفاعت سے محرومی کا خطرہ ہے۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۸/۷)

---

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة، قبيل مطلب مهم في تحقيق متابعة المتابعة الإمام: ۴۳۸/۱، ظفير

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۴۰/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، ظفير

(۳) "(ولها واجبات) لاتفسد بتركها، وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد له". (الدر المختار)

"(قوله: وتعاد وجوبًا): أي بترك هٰذه الواجبات أو واحد منها... (قوله: إن لم يسجد له): أي للسهو ... إذ لا سجود في العمد". (الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱۴۶/۲-۱۴۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۴) قال عليه الصلاة والسلام: "من ترك الأربع قبل الظهر، لم تنله شفاعتي". (نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱۶۱/۲، رقم الحديث: ۱۴۲، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

ترکِ واجب کسی بھی رکعت میں ہو، اخیر میں سجدۂ سہو لازم ہوگا:

سوال: کیا یہ ضروری ہے کہ چار رکعت نماز میں کسی بھی رکعت میں ترکِ واجب کے شبہ میں کل رکعت کے اختتام پر سجدۂ سہو کیا جائے، یا نماز توڑ کر جب شبہ ہو، دوبارہ نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب

شک اور شبہ کا تو اعتبار نہیں ہے؛ لأن الیقین لا یزول بالشک؛ لیکن اگر ظن غالب وگمانِ راجح چاروں رکعات میں سے کسی رکعت میں بھی ترک واجب معلوم ہو تو آخر نماز میں سجدۂ سہو کرنا لازم ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۷۶-۳۷۷)

بلاضرورت سجدۂ سہو:

سوال: بلاضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز دہراوے، یا نہ؟

الجواب

دہرانا چاہیے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۱۸)

---

(۱) یجب... (بترک واجب) مما مر فی صفة الصلاة (سهوًا). (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۶۹۳/۱)

(۲) ضمیمہ: اس سوال کا جواب رہ گیا تھا، اب رجسٹر ۱۳۳۳ھ نمبر سلسلہ: ۱۰۶۶ سے اضافہ کیا گیا ہے، جو اس طرح ہے: ''دہرانا چاہیے''۔

نوٹ: عزیز الفتاویٰ میں ہے:

سوال: (۲۹۳) جبکہ سجدۂ سہو واجب نہ ہو اور سجدۂ سہو کسی وہم پر کرے، تو نماز کیسی ہوتی ہے؟ اکثر لوگ ذرا سے وہم پر مثلاً ترکِ سنت ہی پر سجدۂ سہو کر لیتے ہیں۔

الجواب: نماز ہو جاتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم قدیم، اول، دوم، صفحہ:۲۵۹)

اور امداد المفتیین میں ہے:

سوال (۱۱۶): امام پر سجدۂ سہو واجب نہ تھا، مگر اس نے کر لیا، نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز درست؛ مگر خلاف اولیٰ ہوئی۔ (کذا یستفاد من الشامی والدر) (لوظن الإمام السهو فسجد له فتابعه فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد ولاقتدائه فی موضع الإنفراد. (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۸۷/۱، مکتبة سعید کراچی، انیس) / وفی الدر: فالأشبه الفساد وفی الفیض: وقیل لا تفسد وبه یفتیٰ وفی البحر عن الظهیریة قال الفقیه أبو اللیث فی زماننا لا تفسد؛ لأن الجهل فی القراء غالب. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۳۵۰/۱، مکتبة زکریادیوبند، انیس) (فتاویٰ دارالعلوم قدیم: ۲۵۹/۲/۱)

ان فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیے؛ لیکن اگر کسی نے بلاضرورت سجدۂ سہو کرلیا تو نماز دہرانا ضروری نہیں۔ (محمد امین، ضمیمہ، ص:۱۴-۱۵)

امام بدون وجوب کے سجدۂ سہو کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، یا نہیں:

سوال: جس حالت میں سجدہ سہو لازم نہ آوے اور سجدہ سہو کر لیا گیا تو پھر نماز میں کچھ خلل تو نہیں آتا؟

الجواب

نماز ہو جاتی ہے؛ لیکن اگر امام نے ایسا کیا کہ وجوب سجدہ سہو کے گمان پر سجدہ سہو کر لیا اور بعد میں معلوم ہو گیا کہ سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو اس صورت میں مسبوق کی نماز میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مسبوق پر اعادہ ہے، جب کہ اس نے سجدۂ سہو میں متابعت کی ہو اور بعض کے نزدیک اعادہ نہیں اور اعادہ واجب نہ ہونے پر فتوی ہے۔

إذا ظن الإمام أن عليه سهوا فسجد للسهو وتابعه المسبوق في ذلك ثم علم أن الإمام لم يكن عليه سهو،فيه روايتان واختلف المشائخ لاختلاف الروايتين وأشهرهما أن صلاة المسبوق يفسد وقال الإمام أبو حفص الكبير: لا يفسد والصدر الشهيد أخذ به في واقعاته وإن لم يعلم أن ليس عليه سهو لم يفسد صلاة المسبوق عندهم جميعا. (خلاصة الفتاوى)(۱)

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۹۳)

اگر رکعات کے شمار میں سہو ہو تو گمان غالب پر عمل کرے:

سوال: خاکسار کو نماز میں رکعت کی گنتی اور سجدہ میں سہو ہو جاتا ہے تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اس صورت میں گمانِ غالب کا اعتبار کر کے اسی پر بنا کیجئے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۹۴)

شبہ پر نماز توڑنا:

سوال: زید کو پہلی رکعت نماز فرض کے بعد شبہ ہوا کہ ایک ہی سجدہ ادا کیا گیا ہے؛ اس لیے اس نے کھڑے کھڑے سلام پھیر کر نماز از سرنو شروع کی، یہ فعل اس کا جائز ہے کہ نہیں؟ گناہ کسی قسم کا تو نہیں ہوا؟

الجواب

کچھ گناہ نہیں ہوا۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۷۶-۳۷۷)

---

(۱) كتاب الصلاة،الفصل الخامس وما يتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق: ١/١٦٣-١٦٤،انيس

(۲) وإذا شك في صلاته من لم يكن ذلك أي الشك عادة له،الخ،كم صلى استأنف،الخ،وإن كثر شكه عمل بغالب ظنه إن كان له ظن للحرج وإلا أخذ بالأقل لتيقنه وقعد في كل موضع توهمه موضع قعوده.(الدر المختار على هامش رد المحتار،باب سجود السهو: ١/٧٠٥-٧٠٦،ظفير)

(۳) المرجع السابق،الدر المختار على هامش رد المحتار،باب سجود السهو: ٢/٥٦٠-٥٦١،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

شک ہوتو کیا کرے:

سوال: امام کوشک ہوا کہ میں نے ایک سجدہ کیا، یا دو۔اس صورت میں سجدۂ سہو کرے، یا نماز لوٹاوے؟

الجواب

اگر ظن غالب کسی جانب نہیں تو ایک سجدہ اور کر کے سجدۂ سہو کرے۔

وجب عليه سجود السهو في جميع صور الشك سواء عمل بالتحري أو بني على الأقل؛ لكن في السراج: أنه يسجد للسهو في أخذ الأقل مطلقًا وفي غلبة الظن إن تفكر قدر ركن. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۱۸)

جب یہ معلوم نہ ہو کہ سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں تو نمازی کیا کرے:

سوال: بعض مرتبہ نماز میں سہو ہونے پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟ ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

اور جب کہ علم نہ ہو کہ اس سہو سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، یا نہیں تو سجدۂ سہو کر لینا احوط ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۷۸)

ایسے سہو کا حکم جو عام طور پر نماز میں واقع ہو:

سوال: میرے گھر میں نماز میں بھول جانے کی شکایت کرتی ہیں؛ یعنی سجدہ کتنے کئے وغیرہ یاد نہیں رہتے تو کیا کیا جاوے؟

الجواب

جو بات زیادہ آوے، اس پر عمل کیا جاوے اور سجدۂ سہو نہ کرے، البتہ اگر سوچنے میں کچھ دیر لگ گئی ہو اور اس دیر میں قرأت، یا رکن میں مشغول نہ رہی تو سجدۂ سہو کرے۔

في الدرالمختار بعد ما نقل عن الفتح وجب عليه سجود السهو في جميع صور الشك سواء عمل بالتحري أو بني على الأقل فتح لتأخير الركن؛ لكن في السراج أنه يسجد للسهو في أخذ الأقل مطلقا وفي غلبة الظن إن تفكر قدر ركن. (۳)

(۱) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۱۰۳، مكتبة سعيد كراچی، انيس

(۲) اس لیے کہ تذبذب جاتا رہے گا اور ایسے موقع پر قاعدہ بھی یہی ہے۔
"الأصل أن الاحتياط في حقوق الله جائز". (أصول الكرخي، ص: ۱۵، ظفير)

(۳) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۱۰۳، مكتبة سعيد كراچی، انيس

وفی ردالمحتار قبیل القول المذکور: ثم الأصل فی التفکر أنه إن منعه عن أداء رکن کقراءة آية أو ثلث أو رکوع أو سجود أو عن أداء واجب کالقعود يلزمه السهو (إلٰی قوله) وإن لم يمنعه عن شیء من ذلک بأن کان يؤدی الأرکان ويتفکر لايلزمه السهو عن الشرح الصغير للمنية، آه. (۱)

۸/رجب ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۲۷۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۱)

ترک واجب کے شبہ پر سجدۂ سہو:

سوال: نماز میں ترک واجب کے شبہ پر ترک واجب نہ ہونے کا ظن غالب ہوتے ہوئے احتیاطاً سجدۂ سہو کر لینا جائز ہے، یا نہیں؟ جب کہ ایسے شبہات اکثر ہوتے ہوں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

جب ظن غالب عدم ترک واجب کا ہے تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں؛ لیکن اگر احتیاط کر لے تو منفرد کے لیے تو حرج نہیں؛ لیکن امام بلاضرورت احتیاطی سجدہ نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس سے مسبوق کی نماز پر فساد لازم آئے گا، علی قول البعض والخروج من الخلاف أسلم.

۲۶/شعبان ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۹۶)

گمان سے سجدۂ سہو کرنا:

سوال: اگر زید کو وتر کی آخری رکعت میں (بحالت تشہد) غالب گمان ہوا کہ اس نے دعائے قنوت نہیں پڑھی ہے، تشہد کے بعد زید نے سلام پھیرا اور سجدۂ سہو کی نیت سے سجدہ میں گیا، ابھی سجدۂ اولیٰ میں پہنچا تھا کہ اچانک یقین ہوگیا کہ دعائے قنوت پڑھی تھی، اس نے سجدہ سہو کو پورا کر لیا، اس کے بعد اپنی نماز پوری کر لی، زید کی نماز ہوئی، یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

نماز ہوگئی، اس میں زائد از زائد یہ ہوا کہ سلام اور دو سجدے اور ایک قعدہ وتر سے زائد ادا کیا تو کہا جائے گا کہ جب سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرا تو وہی سلام قطع صلوٰۃ کا سلام تھا، اسی پر نماز وتر ختم ہوگئی تھی، پھر جو کچھ کیا، وہ نماز سے خارج کیا، اس کی وجہ سے نماز پر اثر نہیں پڑے گا۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۵۱)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵۶۱-۵۶۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) "ولو ظن الامام السهو فسجد له فتابعه، فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لاقتدائه فی موضع الإنفراد". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۸۷، مکتبة سعید کراچی، انیس)

شک کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنے کا حکم:

سوال: زید پر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا؛ لیکن اس نے اس شک میں کہ شاید مجھ پر سجدہ سہو واجب ہو گیا، سجدۂ سہو کرلیا تو اس کی نماز ہوئی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا و مصليًا مسلمًا: اگر اس نے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کیا ہے تو نماز ہو گئی اور اگر صرف ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا ہے تو نماز واجب الاعادہ ہے، چوں کہ دوسرا سلام پہلے سلام کی طرح واجب ہے۔ (الدرالمختار:۱/۳۱۴) (۱)

لہٰذا ایسے موقعہ پر دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرے۔ صاحب ہدایہ اسی کے قائل ہیں کہ عام حالتوں میں بھی دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: حبیب اللہ قاسمی غفرلہ، الجواب: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۵۱۹)

تعداد رکعات بھول جانے کی صورت میں امام ومقتدی کے اختلاف کا حکم:

سوال: چار رکعت کی نماز میں امام نے پانچ رکعت پڑھیں اور چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت پوری پڑھ لی اور سوائے کہنے نمازیوں کے اس کو بذاتہ کوئی شبہ نہیں ہے کہ چار سے زیادہ پڑھی گئی ہیں۔ ایسی حالت میں نماز امام اور مقتدیوں کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

فی الهندية: لو وقع الاختلاف بين الإمام والقوم فقال القوم: صليت ثلاثاً وقال الإمام: صليت أربعًا إن

== "(قوله: فالاشبه الفساد) وفي الفيض: وقيل: لاتفسد، وبه يفتى، وفي البحر عن الظهيرية: قال الفقيه ابو الليث: في زماننا لاتفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب". (ردالمحتار، قبيل باب الاستخلاف: ۱/۵۹۹، سعيد)

(۱) في الدر: ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۱۶۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

في الدر: ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۱۶۲، زكريا، انيس)

امدادالاحکام میں ہے:

سوال: جس حالت میں سجدہ سہو لازم نہ آئے اور سجدہ سہو کرلیا گیا، تو پھر نماز میں خلل تو نہیں آتا؟

جواب: نماز ہو جاتی ہے۔ (امدادالاحکام، کتاب الصلوۃ، فصل فی سجود السہو:۱/۵۸۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی/ نیز فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلوۃ، باب سجود السہو:۷/۴۵۱، ادارہ صدیق ڈابھیل)

كـان الإمـام عـلى اليقين لا يعيد الصلاة بقولهم وفيها أيضا ولو كان الإمام استيقن أنه صلىٰ ثلاثاً وواحد استيقن بالتمام كان عليه أن يعيد بالقوم ولا إعادة على الذى تيقن بالتمام، هٰكذا فى المحيط.(۱)

وفيها من الظهيرية: قال محمد بن الحسن: أما أنا فأعيد بقول واحد عدل بكل حال.(۲)

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ امام کی نماز ہوگئی اورروایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور روایت ثالثہ سے معلوم ہوا کہ امام کے لیے بھی بہتر ہے کہ مقتدیوں کے کہنے سے اعادہ کرے۔

(تتمہ اولیٰ،ص:۱۶)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴۴)

صلوٰۃ ثنایہ، یا ثلاثیہ میں ایک دو رکعت زیادہ ہوجانے کا حکم:

سوال: دو رکعت کی نماز میں اگر ایک، یا دو رکعت زیادہ پڑھی گئی تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

وہی حکم ہے جو سوال ماقبل کے جواب میں لکھا گیا جب کہ بدون قعدہ اخیرہ کے ایک رکعت زیادہ پڑھی گئی۔(۳)

(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴۴)

بصورت ترک قعدۂ اخیرہ ایک رکعت، یا زیادہ کے اختلاف کا حکم:

سوال: بعض نمازی ایک رکعت کا بہ ترک قعدۂ اخیرہ کے پڑھا جانا بیان کرتے ہیں اور بعض کو کچھ یاد نہیں ہے، جن کو یاد ہے، ان کی نماز کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور جن کو کچھ یاد نہیں ہے، ان کی نماز کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

فـى الهـندية: ولواختلف القوم، قال بعضهم: صلىٰ ثلا ثاً وقال بعضهم: صلىٰ أربعًا والإمام مع أحـد الـفـريـقيـن، يؤخذ بقول الإمام وإن كان معه واحد، كذا فى الخلاصة...وفيها: ولواستيقن واحـد من القوم أنه صلىٰ ثلا ثاً واستيقن واحد أنه صلىٰ أربعًا والإمام والقوم فى شك ليس على الإمام والقوم شئ، كذافى الخلاصة.(۴)

بناء بروایات بالا حکم یہ ہے کہ اگر امام کو ایک شق کا یقین ہے تو وہی شق معتبر ہوگی، علی الروایۃ الاولیٰ اور اگر اس کو بھی شبہ ہے تو جس کو زیادہ ہونا یقیناً یاد ہے، وہ اعادہ کریں گے اور جن کو پورا پڑھنا یقیناً یاد ہے، یا شبہ ہے، وہ اعادہ نہ کریں گے، علی الروایۃ الثانیۃ۔(۵)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴۴،۵۴۵)

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، قبيل باب الباب السادس فى الحدث فى الصلاة: ۱/۹۳، انیس

(۲-۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ۱/۱۳۱، انیس

(۴-۵) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب السادس فى الحدث فى الصلاة: ۱/۹۳، انیس

فرض ترک پر شبہ کی صورت میں امام اور مقتدیوں میں سے کس کے قول پر عمل ہوگا:

سوال: زید امام ہے اور اس کو شبہ ہوا کہ میں نے رکعت ثالثہ میں ایک ہی سجدہ کیا ہے اور اس شبہ کی بنا پر سجدۂ سہو کرلیا اور بعد سلام حضرات مقتدین سے اس کا اظہار کیا تو انھوں نے بتایا کہ آپ کا شبہ غلط ہے، آپ نے دو ہی سجدہ کیا ہے تو صورت مذکورہ میں فرض کے ترک پر شبہ کرنے سے زید کا سجدۂ سہو کرنا کافی ہوگیا، یا یہ کہ نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

حامداً و مصلیاً و مسلماً: صورت مسئولہ میں اگر سجدۂ صلاتیہ چھوٹنے کا یقین ہے تو نماز کا اعادہ فرض ہوگا؛ کیوں کہ یقین کی صورت میں مقتدیوں کی خبر کا اعتبار نہیں اور سجدۂ سہو سجدۂ صلاتیہ کے مؤخر ہونے کی وجہ سے قائم مقام نہ ہوگا۔

ولو اختلف الإمام والقوم فلو الإمام علیٰ یقین لم یعد وإلا أعاد بقولهم. (۱)

لم یذکر السجدة الصلبیة وحکمها أن یجب نیتها إذا فصل بینها وبین محلها برکعة. (ردالمحتار: ۲۸۱/۱)(۲)

اور اگر امام کو سجدۂ صلاتیہ چھوٹنے کا یقین نہیں، بلکہ شبہ ہے تو صورت مسئولہ میں نماز کا اعادہ واجب ہے؛ کیوں کہ جب دو عادل خبر دیں اور امام کو شک ہو تو ان کی خبر پر عمل کرنا واجب ہے، لہٰذا مقتدیوں کی خبر کی وجہ سے سجدۂ سہو زائد ہوا، جس کی بنا پر سلام ثانی جو واجب ہے، مؤخر ہوا اور تاخیر واجب موجب سجدۂ سہو ہے۔

وإن أخبره عدلان لایعتبر شکه وعلیه الأخذ بقولهما. (مراقی: ۲۵۹)(۳)

ولفظ السلام مرتین فالثانی واجب علی الأصح. (الدرالمختار: ۳۱٤/۱)(۴) **واللّٰه أعلم بالصواب**

کتبہ: محمد عثمان عفی عنہ، ۱۴۱۸/۶/۷، الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۵۲۲/۲-۵۲۳)

القول الحری فی مسئلة السجود والتحری:

بہشتی زیور کے ایک مسئلہ پر اشکال کا جواب:

سوال: إن حکمکم بعدم وجوب سجود السهو علیٰ من تحری عند کثرة شکه فی تعداد الرکعات فعمل بما یوافقه التحری من الصواب قد اشتبه علینا أمره فإن هٰذا الحکم مخالف للکتب الموجودة عند الفقیر کالمعتصر الضروری حاشیة القدوری وکنوز الحقائق شرح کنز الدقائق وشرح منیة المصلی المسمی بالکبیری وکتاب الآثار.

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۳۱/۱، مکتبة سعید کراچی، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النیة: ۹۸/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۳) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۳۰۸، مصری

(۴) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۳۱٤/۱، نعمانیة دیوبند

وعبارته هٰكذا: محمد قال أخبرنا أبوحنيفة عن حماد عن إبراهيم فيمن نسى الفريضة فلا يدرى أربعاً صلّٰى أم ثلٰثاً؟ قال: إن كان أول نسيانه أعاد الصلاة وإن كان يكثره النسيان يتحرى الصواب وإن كان أكبر رأيه أنه أتم الصلاة سجد سجدتى السهو وإن كان أكبر رأيه أنه صلّٰى ثلٰثاً أضاف إليها واحدة ثم سجد سجدتى السهو. قال محمد: وبه نأخذ وهو قال أبوحنيفة، وهٰكذا عبارة بذل المجهود فى حل أبى داؤد: وناطقة بوجوب السجود على من يعمل بالظن ولم انقل عبارته لضيق المقام ومع هٰذا أن العمل بالظن عند عروض الشك انقص من العمل باليقين عند عدم عروضه والنقصان فى الفرائض والواجب علٰى سبيل التيقن حتٰى الإمكان وإلا مصيرنا إلٰى جابر يمكن فما وجه قولكم بعدم وجوب السجود علٰى من يعمل بالظن فى بهشتى زيور عبارته هٰكذا: ''اگر شک کرنے کی عادت ہے اور اکثر ایسا شبہ پڑ جاتا ہے تو دل میں سوچ کر دیکھے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے، اگر زیادہ گمان تین رکعات پڑھنے کا ہو تو ایک اور پڑھ لے اور سجدۂ سہو واجب نہیں''، إلٰى آخره فالمرجو من الحضرة العالية أن تمن بالجواب الثانى والوجه الكافى.

الجواب ———————— المجمل

بہشتی زیور میں جو عمل بالتحری کی حالت میں عدم وجوب سجدہ سہو مذکور ہے، اس کی دلیل شامی (۱/۷۰۹) باب سجود السہو کے اخیر میں اور بدائع (۱/۱۶۴-۱۶۵) و بحر (۲/۱۱۱) اور عالمگیری مصطفائی موجب سجود سہو نہیں؛ بلکہ جب بقدر اداء رکن تاخیر کو مستلزم ہو جائے، اس وقت موجب سہو ہے اور اس قدر تاخیر کی صورت میں سجدہ سہو کا واجب ہونا بحالت تحری بہشتی زیور میں بھی باب سجدہ سہو مسئلہ عاشرہ میں مذکور ہے اور بذل المجہود میں بھی (۲/۱۴۹) کے اندر بدائع سے یہی نقل کیا ہے، گو اولاً نووی وغیرہ سے اطلاق نقل کیا ہے اور کبیری و کتاب الاثار میں جو عمل بالتحری کو مطلقاً موجب ہو ہی جاتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اگر تاخیر نہ ہو، جب بھی سجدہ سہو واجب ہے؛ کیوں کہ فکر قلیل سے احتراز غیر ممکن ہے تو دفع حرج کے لیے فکر قلیل کا عفو ہونا لازم ہے۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۸۴)

الجواب ———————— المفصل

(أقول وبالله التوفيق) قال فى الدر: واعلم أنه إذا شغله ذلك الشك فتفكر قدر أداء ركن ولم يشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح ذكره فى الذخيرة وجب عليه سجود السهو فى جميع صور الشك سواء عمل بالتحرى أو بنى على الأقل، فتح، لتأخير الركن؛ لكن فى السراج أنه يسجد للسهو فى أخذ الأقل مطلقاً وفى غلبة الظن إن تفكر قدر ركن.(۱)

وفى استدراك عن ما فى الفتح من لزوم السجود فى الصورتين...وهٰذا التفصيل هو الظاهر؛

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵۶۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

لأن غلبة الظن بمنزلة اليقين فإذا تحرى وغلب علىٰ ظنه شيء لزمه الأخذ به ولا يظهر وجه لايجاب السجود عليه إلا إذا طال تفكره على التفصيل المار بخلاف ما إذا بنى على الأقل؛ لأن فيه احتمال الزيادة، كما أفاده في البحر، آه. (١/٧٩٠)(١)

وتعقب عليه في التحرير المختار بأن كلام الفتح في وجوب سجود السهو للتفكر قدر أداء ركن ولا شك أنه في جميع صور الشك، وإن كان يجب السجود إذا بنى على الأقل مطلقا لا لخصوص الشغل بل له إن وجد ولاحتمال الزيادة، آه. (١/١٠٣)

قلت: كون كلام الفتح مقيد بقيد التفكر قدر أداء ركن إنما يظهر من كلام الدرر، أما كلامه في فتح القدير فمطلق عنه ونصه قالوا: إذا شك في الفجر أن التي هو فيها أولى أو ثانية تحرى فإن وقع تحريه على شيء أتم الصلاة عليه وسجد للسهو وكذا في جميع صور الشك إذا عمل بالتتحرى أو بنى على الأقل يسجد للسهو، اه. (١/٤٥٣)

ولذا قال في البحر: ولم يذكر المصنف سجود السهو في مسائل الشك تبعا لما في الهداية وهو مما لاينبغي إغفاله فإنه يجب السجود في جميع صور الشك سواء عمل بالتحرى أو بقى على الأقل، كذا في فتح القدير، وترك المحقق قيدا لابد منه ممالا ينبغي إغفاله وهو أن يشغله الشك قدر أداء ركن ولم يشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح كما قدمناه أول الباب لكن ذكر في السراج أن في فصل البناء على الأقل يسجد للسهو (مطلقا) وكأنه في فصل البناء على الأقل حصل النقص مطلقا باحتمال الزيادة فلا بد من جابر وفي الفصل الثاني النقصان بطول التفكر لا بمطلقة، آه ملخصا. (٢/١١١)

والعجب من مؤلف العالمگيرية أنه كيف نقل عن البحر كلام الفتح وترك القيد الذي نبه عليه مؤلف البحر وزاده على كلام الفتح مع أنه نقل عن المحيط ذلك ما يفيد اعتبار هذا القيد ونصه: وإذا شك في صلاته فلم يدر أثلاثا صلى، أم أربعا؟ وتفكر في ذلك كثيراً ثم استيقن أنه صلى ثلث ركعات فإن لم يكن تفكره شغل عن أداء ركن بأن يصلي ويتفكر فليس عليه سجود السهو وإن طال تفكره حتى شغله عن ركعة أو سجدة أو يكون في ركوع وسجود فيطول تفكره في ذلك وتغير عن حاله بالتفكر فعليه سجود السهو استحسانا، هكذا في المطيع، آه. (١/٨٤)

وهٰذا كله يدل على أن التحرى لايوجب السجود مالم يطل التفكر، فإن التحرى أى غلبة الظن له حكم اليقين في العمليات وعليه بناء وجوب العمل بخبر الواحد المفيد للظن وبالقياس فيما لانص فيه وهذا ظاهر لمن نظر في الأصول فاندحض به قول السائل ان العمل بالظن عند عروض الشك انقص من العمل باليقين عند عدم عروضه والنقصان في الفرائض والواجبات موجب لسجود السهو، الخ، فإنا لانسلم أن مطلق النقصان موجب لسجود السهو إلا فلا شك أن الصلاة الخالية عن الوساوس

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٢/٥٦٣، مكتبة زكرياديوبند، انيس

والخطرات أكمل مما اشتمل عليها فهل يجب سجود السهو من عروض الوسوسة والخطرة فى الصلاة لكونها أنقص مما لاتشتمل عليها كلا ،بل النقصان الموجب له ما كان من جنس ترك الواجب أوتأخيره عن محله وليس فى العمل بالظن ترك الواجب ولا تأخيره ولايجب علينا أن نخرج أن عهدة الفرض والواجب على سبيل التيقن فإنه لاسبيل إلى ذلك أصلاً بل غلبة الظن به كاف فإن التيقن بطهارة الماء الذى يتوضأ به والمكان الذى يصلى فيه والثواب الذى ستربه البدن متعذرعسيرجدا وكذا اليقين بصحة صلاة أديناها قبل الصلاة التى نحن فيها الا يتسيرأصلا وصحة البعدية متوقفه على صحة القبلية فلوكان الخروج عن عهدة الفرض على سبيل التيقن واجباً لم تقدرعلى أداء صلاة أصلا فالواجب إنما هوالخروج عن العهدة على سبيل الظن الراجح لاغير.

وبعد ذلک فنقول: إن مسئلة"بهشتي زيور" متأيدة بقول الدر والشامى (۷۹۰/۱) وبقول البحر(۱۱۱/۲) وبما ذكرفى العالمگيرية عن المحيط (۸٤/۱)ففى هذه الأقوال كلها تصريح بعدم إيجاب التحرى السجود إلا إذا طال التفكر فيه وقد صرح بذلک أى وجوب السجود فى التحرى إذا طال التفكر فى بهشتي زيورأيضا فى المسئلة العاشرة من باب سجود السهو ونصه:

اگر بالکل اخیر رکعت میں التحیات اور درود پڑھنے کے بعد شبہ ہوا کہ میں نے تین رکعتیں پڑھی، یا چار؟ اسی سوچ میں خاموش بیٹھی رہی اور سلام پھیرنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ اتنی دیر میں تین دفعہ سبحان اللہ کہہ سکتی ہے، پھر یاد آ گیا کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اس صورت میں بھی سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ (طحاوی علی مراقی الفلاح، ص:۲۷۵)

ومعنى قول بهشتي زيورفى مسئله الحادية العشرين: اگر زیادہ گمان تین رکعت پڑھنے کا ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لے اور سجدہ سہو واجب نہیں ہے اور اگر زیادہ گمان یہی ہے کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اور رکعت نہ پڑھے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے، آہ؛ یعنی جب کہ اس سوچنے میں بقدر تین مرتبہ سبحان اللہ کے دیر نہ ہو، جس کی لیل مسئلہ عاشر ہے کہ وہاں اتنی مقدار تفکر کو موجب سجدہ سہو صراحت کہہ دیا ہے تو مسئلہ نمبر:۲۱ میں سجدہ سہو کا واجب نہ ہونا اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ تفکر میں بقدر تین مرتبہ سبحان اللہ کے دیر نہ ہو اور اس صورت میں تحری کا موجب سجود نہ ہونا، درمختار وشامی وتحریر مختار وبحر وعالمگیری کی تصریح سے ثابت ہو چکا، كما مر.

وهذا القدر كاف لصحة المسئلة المذكورة فيه لأن المؤلف إنما التزم فيه كون المسئلة منقولة عن كتاب معتبرمن كتب الفقه لا غير،وأما أن ذلک معارض بما فى المعتصر الضرورى حاشية القدورى وكنوزالحقائق شرح كنز الدقائق وبذل المجهود فالجواب عنه أن هٰذه ليست من كتب الفتاوى المعول عليها فى الإفتاء كمالايخفى مع أن بذل المجهود فى تصريح بعدم إيجاب التحرى سجودالسهوإلا إذا طال التفكرفيه ونقله عن البدائع (۱٤۹/۲).

ونص البدائع: وأما بيان سبب الوجوب فسبب وجوبه ترک الواجب الأصلى فى الصلاة أو تغيره أوتغيرفرض منها عن محله الأصلى ساهيا لأن كل ذلک يوجب نقصانا فى الصلاة فيجب جبره

بالسجود ويخرج على هذا الأصل مسائل إلى أن قال:وعلى هذا إذا شك فى شيء من صلواته فتفكر فى ذلك حتى استيقن وهوعلى وجهين إما إن طال تفكره بأن كان مقدار مايمكنه أن يودى فيه ركنا من أركان الصلاة كالركوع والسجود أولم يطل فإن لم يطل تفكره فلا سهوعليه لأنه إذا لم يطل لم يوجد سبب الوجوب الأصل وهوترك الواجب أو تغيير فرض أو واجب عن وقته الأصلى ولأن الفكرالقليل مما لايمكن الاحترازعنه فكان عفوا دفعا للحرج وإن طال تفكره فكذلك فى القياس وفى الاستحسان عليه السهووجه القياس أن الموجب للسهو تمكن النقصان فى الصلاة ولم يوجد لأن الكلام فيما إذا تذكرأنه أداها فبقى مجرد الفكر وأنه لايوجب السهو كالفكرالقليل وجه الاستحسان أن الفكرالطويل ممايؤخر الأركان عن أوقاتها فيوجب تمكن النقصان فى الصلاة فلابد من جبره بسجدتى السهو بخلاف الفكرالقصير،آه ملخصاً.(١٦٤/١-١٦٥)

قلت: وهذا نص صريح فى أن التفكروالعمل بالظن الغالب لايوجب سجود السهو،كما فى ''بہشتی زیور''إلا إذا طال التفكر قدر ما يمكن فيه أداء ركن، قال سيدى الخليل دام علاه فى بذل المجهود: والحديث(أى حديث أبى سعيد وابن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا كنت فى صلاة فشككت فى ثلاث أوأربع أكبرظنك على أربع تشهدت ثم سجدت سجدتين وأنت جالس قبل أن تسلم ثم تشهدت أيضا،ثم تسلم.)وإن كان مطلقاً لكنه مخصوص ببعض الصور وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم أنه لبس الخميصة التى وفى بعض الروايات شعلتنى عن صلاتى، وروى عن عمربن الخطاب عند البيهقى: إنى لأحسب جزية البحرين وأنا قائم فى الصلاة (وعلق عنه البخارى اجهزجيشى وأنا فى الصلاة)فوقع التفكرفى هذه الصور ولم يثبت أنهما سجدا فدل ذلك على أن مطلق التفكر لايوجب السجود،آه،بمعناه(١٤٩/٢)وحاصله أن ما ورد فى الحديث من الأمربسجود السهوعند العمل بأكبررأيه مطلقا ليس على إطلاقه بل مقيد بطول التفكرفيه لتعذرالاحتراز عن قليله والحرج مدفوع بالنص ولعل وجه ورود الحديث على صيغة الإطلاق أن عروض الشك فى مقدارالركعات وتحرى بالصواب فيه لايخلوالعارة الغالبة عن طول التفكرقدر مايؤدى فيه ركن وقصره نادروالنادر كالمعدوم فبنى الكلام على العادة الغالبة وأمربالسجود وعند التحرى مطلقا لا سيما إذا نظرنا إلى الاختلاف الواقع بين الأئمة فى تحديد أدنى زمان يمكن فيه أداء ركن فعند الإمام مقدر بسبحان الله مرة لكونه قدرآية قصيرة وهى ثم نظر قال الطحطاوى على الدر(قوله قدرأداء ركن ظاهره ولو بلاسنة) وهومقدربسبحان الله،آه.(٥٠٢/١)

وقال الطحطاوى أيضاً فى حاشيته على مراقى الفلاح:(قوله: زمن يسع أداء ركن) ... والمراد أنه يسعه بسننه وهوقدرثلث تسبيحات وهذا مذهب الثانى وهوالمختار،كما فى الدر،آه.

ولايخفى أن الشك وتحرى الصواب فيه لايخلو عن التفكر بقدرسبحان الله مرة غالباً

فیجب السجود عند الإمام وعلیه یحمل ما فی کتاب الأثار والطحاوی والکبیری من إیجاب السجود عند العمل بالتحری مطلقا لکونه لایخلو عن التفکر والاشتغال بقدر سبحان اللّٰه ولکن لما کان هذاالقدر قلیلا لایمکن لا لتحری عنه عادة والحرج مدفوع بالنص لم یأخذ به المشائخ واختاروا فی تقدیر الرکن قول أبی یوسف وهو قدرثلث تسبیحات وتفصیل ذلک فی الضمیمة الثالثة للجلد الثانی لبهشتی زیور المطبوعة آخراً،فلیراجع واللّٰه أعلم

۲۹/ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام:۲/۲۸۴-۲۸۹)

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد ترک واجب کی وجہ سے مقتدی نے اعادہ کیا تو کیا حکم:

سوال: مقتدی نے نماز لوٹائی تو ایسی صورت میں اس کی نماز جو جماعت سے پڑھی تھی، وہ درست ہوئی، یا جو علاحدہ پڑھی تھی، وہ درست ہے؟

الجواب

اگر ترکِ واجب وغیرہ کی وجہ سے نماز لوٹائی گئی تو فرض پہلے ادا ہو چکا ہے، لوٹانے میں اس کی تکمیل ہے؛ یعنی جو نقصان رہ گیا تھا، اس کو پورا کیا گیا ہے اور جبر نقصان کیا گیا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۷۹)

امام تارک سجدۂ سہو کے اعادہ کے وقت اقتدا کا حکم:

سوال: کوئی شخص امام تھا، سہواً ترک واجب کیا، پھر سجدۂ سہو بھی سہوا ترک کر دیا، بعدہ استیناف کیا، اب مقتدی نو وارد جو پہلے شریک نہ تھا، شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

فی ردالمحتار،باب الجنائز: فإذا أعادها(الولی)وقعت فرضا مکملا للفرض الأول نظیر إعادة الصلاة المؤداة بکراهة فإن کلا منهما فرض، کماحققناه فی محله. (۱/۹۲۳)(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا۔(۳)

۲۶/شوال (تتمہ اولیٰ،ص:۲۱) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴۵-۵۴۶)

---

(۱) ولها واجبات لاتفسد بترکها وتعاد وجوباً الخ المختارأنه جابرللأول لأن الفرض لایتکرر(الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب فی واجبات الصلاة: ۱/۴۲۴-۴۲۶،ظفیر)

(۲) رد المحتار،مطلب فی کراهة صلاة الجنازة فی المسجد تحت قول الدررولذا قلنا لیس لمن صلی علیها: ۱/۲۲۳

(۳) یہ جواب قول کے مطابق نہیں ہے مختار قول یہ ہے کہ نو وارد کی نماز صحیح نہ ہوگی، پھر سے پڑھنی ہوگی؛ کیوں کہ امام کی یہ دوسری نماز مستقل نماز نہیں ہے بلکہ اول نماز کی تکمیل کے لیے ہے، لہٰذا مستقل فرض پڑھنے والے کی اقتدا ایسے امام کے پیچھے صحیح نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ:۱/۱۹۸) شامی (۱/۴۲۶) کفایۃ المفتی (۳/۹۳-۹۶) فتاویٰ دارالعلوم جدید:۳/۳۷۱) واللہ سبحانہ اعلم (سعید احمد پالنپوری)

لاحق ومسبوق کا سجدۂ سہو

لاحق امام کے ساتھ سجدۂ سہو نہ کرے گا:

سوال: لاحق ہمراہ امام کے سجدۂ سہو کریگا یا نہیں، اگر نہ کرے گا تو اس وقت میں وہ کیا کرے گا؟

الجواب

درمختار میں ہے کہ لاحق سجدۂ سہو امام کے ساتھ نہ کرے؛ بلکہ آخر صلوٰۃ میں کرے اور اس وقت بیٹھا رہے اور اگر امام کے ساتھ بھی سجدۂ سہو کر لے تو پھر بھی آخر نماز میں دوبارہ سجدۂ سہو کرے اور نماز صحیح ہے۔ (درمختار)(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۰)

نابینا جس کی ایک رکعت امام کی غلطی سے رہ جائے:

سوال: ظہر کی نماز میں امام سہواً درمیانی قعدہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا، جماعت میں ایک نابینا بھی تھا، وہ اپنی یاد کے موافق تشہد پڑھنے لگا اور بوجہ بے بصر ہونے کے امام کی متابعت نہ کی۔ الغرض نابینا فرض وواجب ادا کرتا ہوا قعدۂ اخیرہ میں امام سے جاملا اور امام کے ساتھ سجدۂ سہو بھی کیا، پھر امام نے سلام پھیرا تو یہ نابینا اس خیال سے کہ میں پیچھے رہ گیا تھا کھڑا ہو گیا اور ایک رکعت ادا کی جو اس کی پانچویں تھی۔ آیا اس کی نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اگر اس نابینا نے آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو اس کی نماز ہو گئی۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۸۳)

---

(۱) وكذا اللاحق لكنه يسجد في آخر صلاته ولو سجد مع إمامه أعاده. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵٤٧، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

قال الشامي: لأنه في غير أوانه ولا تفسد صلاته. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۵٤٧، مكتبة زكرياديوبند، انيس)

(۲) یعنی اس پانچویں رکعت میں سجدۂ سہو کیا، تب تو نماز ہو گئی، ورنہ واجب الاعادہ ہے۔

وكذا اللاحق لكنه يسجد في آخر صلاته ولو سجد مع إمامه أعاده. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۱۰۲، مكتبة كراچي، انيس)

ولاحقا بركعة فسجد إمامه للسهو فإنه يقضي ركعة بلا قراءة؛ لأنه لاحق ويتشهد ويسجد للسهو، إلخ. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۱/٦٩٦، ظفير)

مسبوق اور سجدۂ سہو:

سوال: اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہو، اس رکعت میں امام صاحب سے کوئی واجب چھوٹ گیا ہو؛ اس لیے امام صاحب سلام کے بعد سجدۂ سہو کریں تو کیا یہ سجدۂ سہو اس شخص پر بھی واجب ہے، جو اس رکعت میں شامل نہیں تھا؟

(محمد عظیم، حیدرآباد)

الجواب

سلام تک امام کی اتباع واجب ہے؛ اس لیے وہ شخص بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا، پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد چھوٹی ہوئی رکعت کو پورا کرے گا۔

"والمسبوق یسجد مع إمامه مطلقًا سواء كان السهو قبل الإقتداء أو بعده، ثم يقضي مافاته". (۱)

(کتاب الفتاویٰ: ۴۴۶/۲)

مسبوق اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے:

سوال: مسبوق اگر سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر دے، تو تین صورتیں لکھی ہیں، اگر قبل امام، یا مع الامام سلام پھیرا ہو تو نماز بلا سجدۂ سہو درست ہے اور اگر بعد امام پھیرا تو بلا سجدۂ سہو اعادہ لازم ہوگا۔ مع امام کے کیا معنی ہے؟

الجواب

امام سے اگر کچھ بھی بعد ہو تو سجدۂ سہو مسبوق پر لازم ہو جاتا ہے؛ اسی لیے شامی میں فرمایا کہ معیت حقیقیہ دشوار ہے اور شاذ و نادر ہے؛ اس لیے عموماً وجوب سجدۂ سہو کا حکم کیا جاتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۳۹۹/۴)

مسبوق نے دونوں طرف سلام پھیر دیا، پھر یاد دلانے پر کھڑا ہوا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص دوسری رکعت میں شامل ہوا اور امام کی ہمراہ تینوں رکعت پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا، مقتدیوں میں سے ایک نے کہا کہ تیری رکعت باقی ہے، یہ کہنے سے اسے یاد آ گیا اور اس نے کھڑے ہو کر باقی ماندہ

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۴۷/۲-۵۴۶، انیس

(۲) ولو سلم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا. (الدر المختار، باب الإمامة: ۸۷/۱، مکتبة سعيد كراچی، انیس)

(قوله: لزمه السهو) لأنه منفرد في هذه الحالة (قوله وإلا لا) أي وإن سلم معه أو قبله لا يلزمه؛ لأنه مقتدٍ في هاتين الحالتين. وفي شرح المنية عن المحيط إن سلم في الأولى مقارنًا لسلامه فلا سهو عليه؛ لأنه مقتدٍ به وبعده يلزم؛ لأنه منفرد آه ثم قال فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع آه قلت يشير إلى أن الغالب لزوم السجود؛ لأن الأغلب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس. (رد المحتار، باب الإمامة، قبيل باب الاستخلاف: ۵۶۰/۱، ظفير)

ایک رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا، اس صورت میں نماز ہوگی، یا نہ؟ مولوی عبدالحیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ''اس صورت میں اس کی نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یاد دلانے والا خارج صلوٰۃ ہے''۔

الجواب

کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ اگر ایسی صورت میں اس کے کہنے سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا تو نماز فاسد ہوگئی اور کچھ توقف کر کے خود یاد کر کے اٹھا تو نماز صحیح ہے۔ اگر سجدۂ سہو کر لیوے گا، نماز بلا کراہت ہو جاوے گی۔ مولانا عبدالحی مرحوم کا فتویٰ غالباً پہلی صورت کے متعلق ہوگا۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/ ۳۸۶)

امام کے ساتھ مسبوق اگر سلام پھیر دے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، سجدۂ سہو کافی ہے:

سوال: مسبوق سہواً بہ معیت امام سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو نماز فاسد ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

شامی، باب سجود السہو میں ہے:

(قوله: والمسبوق يسجد مع إمامه) قيد بالسجود؛ لأنه لايتابعه في السلام بل يسجد معه ويتشهد فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء فإن سلم فإن كان عامدًا فسدت وإلا لا، ولاسجود عليه إن سلم سهوًا قبل الإمام أو معه وإن سلم بعده لزمه لكونه منفردًا حينئذ، بحر. وأراد بالمعية المقارنة وهو نادرالوقوع. (كما في شرح المنية)(۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معیت حقیقتاً نادر الوقوع ہے، لہٰذا سلام مسبوق امام کے کچھ بعد ہی ہوگا۔ پس اگر یہ سہواً ہے تو سجدۂ سہو مسبوق پر آخری نماز میں لازم ہے اور نماز ہو جاوے گی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۳۷۸)

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا اور سجدۂ سہو:

سوال: سلام مسبوق کی کون سی صورت میں اس پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔ مقارنت کی صورت میں، یا بعدیت کی صورت میں، بہر حال علت سجدۂ سہو کی کیا ہے؟

---

(۱) وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره إلخ فسدت صلاته وينبغي أن يمكث ساعة ثم يتقدم برأى نفسه (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/ ۳۱۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

حتٰى لو امتثل أمر غيره فقيل له تقدم فتقدم، إلخ، فسدت بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه. (الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۵۸۱، ظفير)

(۲) رد المحتار، باب سجود السهو: ۱/ ۶۹۵ ـ ۶۹۶، ظفير

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مقارنت حقیقیہ نادرالوقوع ہے؛ یعنی یہ کہ مسبوق کا سلام بالکل امام کے سلام کے ساتھ شروع ہو اور ساتھ ہی ختم ہو، اس کا نادرالوقوع ہونا ظاہر ہے اور علت سجدۂ سہو کی انفرادی ہے اور جب کہ امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد مسبوق نے سہواً سلام پھیرا تو سجدۂ سہو اس پر لازم ہے؛ کیوں کہ بعدیت یہاں متحقق ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۰۳)

مسبوق اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں:

سوال: ایک عالم کا کہنا ہے کہ امام کے ساتھ جس مقتدی کی ایک دو رکعت چھوٹ گئی، اگر بھولے سے امام کے ساتھ ایک طرف، یا دونوں طرف سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ دوسرے کا کہنا ہے کہ سجدۂ سہو ضروری ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مذکورہ میں اگر ٹھیک امام کے ساتھ سلام پھیرا ہے، یا کچھ پہلے پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر کچھ بھی بعد میں پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی، ۱۶/۵/۱۴۱۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۸۰)

مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں میں کوئی واجب ترک کر دے تو اس پر سجدۂ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: اگر مسبوق امام کے ساتھ ظہر کی چوتھی رکعت میں، یا قعدہ آخری میں ملے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر اپنی نماز ادا کرتے ہوئے اس سے کوئی واجب ترک ہو جائے، پس وہ مسبوق سجدۂ سہو کرے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

کرنا چاہیے۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۹۱)

---

(۱) والمسبوق یسجد مع إمامه مطلقًا سواء کان السهو قبل الاقتداء أو بعده، إلخ. (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۱۰۲، مکتبة سعید کراچی، انیس)

قید بالسجود؛ لأنه لایتابعه فی السلام بل یسجد معه ویتشهد فإذا سلم الإمام قام إلی القضاء فإن سلم فإن کان عامدًا فسدت وإلا لا، ولاسجود علیه إن سلم سهوًا قبل الإمام أو معه وإن سلم بعده لزمه، لکونه منفردًا حینئذ، بحر، وأراد بالمعیة المقارنة وهو نادرالوقوع، کما فی شرح المنیة. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۱/۶۹۶، ظفیر)

(۲) "ولو سلم ساهیاً أن بعد إمامه السهو والا لا". (الدرالمختار: ۲/۳۵۰)

(قوله وإلا لا) أی وإن سلم معه أو قبله لا یلزمه؛ لأنه مقتدٍ فی هاتین الحالتین وفی شرح المنیة عن المحیط إن سلم فی الأولٰی مقارنا لسلامه فلاسهو علیه؛ لأنه مقتدبه، وبعده یلزم، لأنه منفرد، آه. (ردالمحتار: ۲/۳۵۰)

(۳) ویبدأ بقضاء ما فاته عکس المسبوق. (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۸۶، انیس) ==

مسبوق سے اگر باقی ماندہ رکعت میں سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو لازم ہے:

سوال: مسبوق کو بعد ختم جماعت رکعت باقی ماندہ میں سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو کرے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۹۵/۴)

مسبوق اگر اپنی بقیہ نمازوں میں قعدہ چھوڑ دے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا:

سوال: مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعت ملی، مغرب کے وقت مسبوق نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت پڑھ کر قعدہ اخیرہ کیا؛ یعنی قعدہ اولیٰ نہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟ اور بدونِ سجدۂ سہو کے نماز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں اس مسبوق پر سجدۂ سہو واجب ہے اور درصورت نہ کرنے سجدۂ سہو کے اعادہ نماز کا ضروری ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۹۷/۴)

مسبوق نے نماز مغرب میں درمیانی قعدہ ترک کر دیا تو اس پر سجدہ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: مغرب کی ایک رکعت امام کے ساتھ ملی، دو رکعت پوری کرنے میں درمیان کا قعدہ رہ گیا تو سجدۂ سہو کرے، یا نہ کرے؟ اگر قصداً چھوڑ دے تو کچھ حرج ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ قعدہ قول معتمد پر واجب ہے، اس کو قصداً ترک نہ کیا جاوے، البتہ اگر سہواً رہ گیا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

== (قوله: عكس المسبوق)أي في الفروع الأربعة المذكورة فإنه إذا قضٰى ما فاته يقرأ ويسجد للسهو إذا سها فيه.(ردالمحتار،باب الإمامة،مطلب في أحكام المدرك والمسبوق: ۵۵۷/۱، ظفير)

(۱) والمسبوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها وهو منفرد حتى يثني ويتعوذ،الخ،فيما يقضيه.(الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ٨٦/١،مكتبة سعيد كراچی،انيس)

(قوله:حتٰى يثني، إلخ)تفريع علٰى قوله منفرد فيما يقضيه بعد فراغ إمامه ...حتٰى لو ترك القراءة فسدت، إلخ، و يلزمه السجود إذا سها فيما يقضيه.(رد المحتار،باب الإمامة،مطلب في المسبوق واللاحق: ۵۵۷/۱،ظفير)

(۲) والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده ثم يقضي ما فاته ولو سها فيه سجد ثانيًا.(الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ١٠٢/١،مكتبة سعيد، كراچی،انيس)

(ولو سها فيه)أي فيما يقضيه بعد فراغ الإمام يسجد ثانيًا؛لأنه منفرد وفيه المنفرد يسجد لسهوه.(رد المحتار، باب سجود السهو: ٦٩٥/١،ظفير)

فی الشامی (٦٢٤/١): قال فی شرح المنية: ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياسا ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة أولٰى من وجه .(۱)

۱۵/رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲۹۹/۲)

مسبوق سے سہو ہو جائے:

سوال: اگر فرض نماز کی ایک، یا دو رکعت چھوٹ جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں مکمل کرتے وقت اس میں کچھ غلطی ہو جائے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ (محمد عبدالعظیم صدیقی، ظہیر آباد)

الجواب

جس شخص کی امام کے ساتھ ابتدائی نماز چھوٹ گئی ہو، اسے مسبوق کہتے ہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق جن چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرتا ہے، ان میں اس کی حیثیت تنہا نماز ادا کرنے والے کی ہوتی ہے، لہذا اگر اس درمیان میں کوئی بھول ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

"والمقيم إذا سها في باقي صلاته، الأصح لزوم سجود السهو؛ لأنه صار منفردًا حكمًا". (۲)

(کتاب الفتاویٰ: ۴۴۶/۲-۴۴۷)

مقتدی کوئی رکن بھول جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر مقتدی امام کے پیچھے کوئی رکن نماز کا بھول جاوے، مثلاً رکوع، سجدہ، التحیات بھول جاوے تو اس کو پورا کرے، یا سجدۂ سہو کرے؟

الجواب

امام کے پیچھے اگر مقتدی سے کوئی رکن مثل رکوع، یا سجدہ کے ترک ہو تو اس کو نماز میں، یا بعد نماز کے پورا کرے اور اگر امام کے پیچھے کوئی واجب ترک ہوا، مثل التحیات کے تو اس کا اعادہ بعد میں نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی اس پر واجب نہیں ہے، کما فی الدر المختار: لا بسهوه أصلاً. (۳)

أی لا قبل السلام للزوم مخالفة الإمام ولا بعده لخروجه من الصلاة بسلام الإمام، إلخ، وروى ابن عمر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لیس علیٰ من خلف الإمام سهواً. (شامی) (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۴/۴)

(۱) ردالمحتار، باب الإمامة، مطلب فی أحكام المسبوق والمدرك: ٣٤٧/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس
(۲) حاشية الطحطاوی علیٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ٤٦٥، انيس
(۳) الدرالمختار: ١٠٢/١، مكتبة سعيد كراچی، انيس
(۴) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٦٩٥/١، ظفير

سجدۂ سہو میں مقتدی کی نماز تبعاً کامل ہوتی ہے:

سجدۂ سہو میں آپ کی رائے سے توافق کرتا ہوں کہ صلوٰۃ مقتدی تبعاً کامل ہوتی ہے، اعادہ کا استخراج صاحب فہم نے کیا ہے اور کسی کی رائے اس طرف نہیں گئی۔

(مکتوبات بنام مولانا خلیل احمد قلمی، مکتوب نمبر: ۲۶) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۰)

مقتدی کے ترک واجب سے سجدۂ سہو:

(از تتمہ)

سوال: مقتدی کے واجب ترک سے امام پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے ، یا نہیں؟ اور اگر سجدہ سہو لازم نہ آیا تو مقتدی کی نماز میں کچھ خرابی پہنچی، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد صغیر خاں میانچی مقام اوسیا ضلع غازیپور، ۳۰/ اگست ۱۹۴۶ء)

الجواب

مقتدی کے واجب ترک کرنے سے پر سجدۂ سہو نہیں آتا، مقتدی کی نماز میں نقصان آتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۳۹۷)

مقتدی سے نماز میں بھول ہو جائے:

سوال: مقتدی جماعت کی نماز میں پہلی رکعت ختم ہو جانے کے بعد دوسری، تیسری، یا چوتھی رکعت میں شریک ہوا، قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد سکوت کے بجائے امام کے پیچھے بھولے سے درودِ ابراہیمی اور دعاءِ ماثورہ پڑھ لے، ایسے شخص کو چھوٹی ہوئی رکعات پڑھنے کے بعد اپنے قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کرنا پڑے گا، یا نہیں؟　　(محمد ابراہیم، سکندر آباد)

الجواب

مقتدی پر اپنے سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ امام کا تابع ہوتا ہے، اگر امام پر سجدۂ سہو واجب ہوا تو مقتدی سجدۂ سہو ادا کرے گا۔ جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں سہو پیش آنے کے وقت وہ مقتدی تھا اور امام کی اتباع میں نماز ادا کر رہا تھا؛ اس لیے اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

یجب السهو بهما أي بالجهر والمخافتة مطلقاً... على منفرد... ومقتد بسهو إمامه إن سجد إمامه لوجوب المتابعة لا بسهوه أصلاً". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۴۴۷)

---

(۱)　الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۱۰۲/۱، مکتبة سعید کراچی، انیس

امام سے پہلے مقتدی کا سجدۂ سہو:

سوال: ایک شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، امام کو سجدۂ سہو لاحق نہیں ہوا اور مقتدی نے کوئی ایسی غلطی کی جس سے سجدۂ سہو لازم آ گیا اور مقتدی نے امام کے پیچھے بوجہ جہالت کے سجدۂ سہو کیا تو کیا اس کی نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس کے ذمہ سجدۂ سہو لازم نہیں تھا، اگر امام کے سلام سے پہلے اس نے مستقلاً سجدۂ سہو کیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ (۱)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۵۴)

کیا مقتدی کی قرأت سے سجدۂ سہو واجب ہوگا:

سوال: اگر امام کے پیچھے کوئی شخص قرأت کرلے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ (خان فیروز خان، نظام آباد)

الجواب ــــــــــــــ

اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو''۔ (۲) نیز رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ''امام کی قرأت مقتدی کی طرف سے بھی ہے''۔ (۳)

اس لیے حنفیہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن مجید نہیں پڑھنا چاہیے؛ بلکہ اس طرح قرآن پڑھنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة". (۴) (جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا، اس نے خلاف فطرت کام کیا)۔

البتہ چوں کہ مقتدی نماز میں امام کے تابع ہوتا ہے؛ اس لیے مقتدی کی غلطی سے اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

"وسهو المقتدى لايوجب السهو". (۵) اس لیے اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۴۸)

---

(۱) وإنما لم يلزم المأموم سهو نفسه؛ لأنه لو سجد وحده، كان مخالفًا لإمامه إن سجد قبل السلام، وإن أخره إلى ما بعد سلام الإمام يخرج من الصلاة بسلام الإمام؛ لأنه سلام عمد ممن لا سهو عليه، ولو تابعه الامام ينقلب التبع أصلاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۷۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) ﴿وإذا قرء القران فاستمعوا له وأنصتوا له لعلكم ترحمون﴾ (سورة الأعراف: ۲۰۴، انيس)

(۳) عن جابر بن عبد الله أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام فقراءة الإمام قراءة. (شرح معانى الآثار، فى باب القراءة خلف الإمام: ۱/۱۵۹، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

(۴) الكبيرى: ۵۲۷

(۵) الكبيرى: ۴۶۵

مختلف مقامات پر سجدۂ سہو کے احکام

تکبیر تحریمہ آہستہ کہنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں:

سوال: امام صاحب نے تکبیر تحریمہ بآواز بلند نہ کہا، اسماع غیر نہیں ہوا اور دوسری تکبیرات بآواز کہا، تب سجدہ سہو واجب ہے، یا نہیں؟ نیز اگر امام صاحب پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا، پھر بھی سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہوگئی، یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ امام صاحب نماز میں ترک مستحبات پر بھی سجدۂ سہو کر سکتا ہے، نماز میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

تکبیرات آہستہ کہنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، مستحب کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، (۱) اگر اس گمان سے سجدۂ سہو کر لیا کہ واجب ہو گیا تھا، تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

”لو ظن الإمام السهو فسجد له، فتابعه، فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد“. (۲)

”(قوله: فالأشبه الفساد) وفي الفيض: وقيل: لا تفسد، وبه يفتىٰ، وفي البحر عن الظهيرية: قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لا تفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب“. (ردالمحتار: ۱/۴۰۳) (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۰۴)

ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں:

سوال: دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھ رہا ہوں، دوسری رکعت میں بجائے زانو پر ہاتھ رکھنے کے، نیت باندھ لی؛ مگر فوراً یاد آ گیا، کیا سجدۂ سہو کرنا چاہیے، جب کہ وقفہ تین تسبیح سے کم لگا ہو؟

(۱) ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخيره أو تأخير ركن ... ولا يجب بترك التعوذ والبسملة في الأولىٰ والثناء وتكبيرات الانتقالات. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيدية)

(۲) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/۳۵۰، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) الدرالمختار مع رد المحتار، باب الامامة: ۱/۵۹۹، سعيد

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۵/۷)

بجائے ثنا درود شریف پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز میں بعد تحریمہ بجائے ثنا اگر درود شریف پڑھ لیا جائے تو کیا حکم ہے؟ بعد اتمام قرأت حالت قیام میں قبل رکوع ''برحمتک یاأرحم الراحمین'' پڑھ لیا تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ

حامداً و مصلیاً و مسلماً:

فی الدر: قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل إن قصداً تفسد وإن ذكراً لا. (۲)

وفي الرد: أن الصلاة يمنع فيها عن غير القراء ة والذكر قطعا وما كان قصة ولم تثبت قرآنيته لم يكن قراء ـة ولا ذكـرًا فيفسد بخلاف ما إذا كان ذكرا فإنه وإن ثبت لم تثبت قرآنيته لم يكن كلاما لكونه ذكراً لكن إن اقتصر عليه تفسد وإن قرأ معه من المتواتر ما تجوز به الصلاة فلا. (ردالمحتار: ۳۲٦/۱)(۳)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں نماز ہوگئی، فاسد نہ ہوئی، جس کی فقہی دلیل یہ ہے کہ مفسدات صلوٰۃ میں سے کلام ناس ہے، نہ کہ ذکر اور درود شریف، نیز ''**برحمتک یا أرحم الراحمین**'' از قبیل ذکر ہے، نہ کہ کلام ناس؛ بلکہ نفل نمازوں میں تو بحالت قیام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذکار وادعیۂ کثیرہ مثلاً ''**اللّٰھم إني ظلمت نفسي**'' الخ، ''**إني وجهت**'' الخ اور سید الاستغفار وغیرہ کا پڑھنا ثابت ہے اور فرض نمازوں میں گو ان اذکار وادعیہ کے پڑھنے کی اجازت نہیں؛ لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو مفسد بھی نہ ہوں گے؛ اس لیے کہ جو عمل فرض کے لیے مفسد نہیں، نفل کے لیے بھی مفسد نہیں اور جو نفل کے لیے مفسد نہیں، فرض کے لیے مفسد نہیں اور نفل نمازوں میں اذکار کثیرہ کا پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور فقہاء حنفیہ بھی بالاتفاق اس کے قائل ہیں۔ (کما فی البدائع)(۴)

---

(۱) ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره، أوتأخير ركن أوتقديمه، أوتكراره أو تغيير واجب بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشئ واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي". (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲٦/۱، رشيدية)

(۲) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۷٤/۱، مكتبة سعيد كراچی، انيس

(۳) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب في حكم القراء ة بالفارسية أو الإنجيل: ۳۲٦/۱، نعمانية، ديوبند

(۴) عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا افتتح الصلاة قال: وجهت، إلخ، ==

علی ہذا فرض ونفل تمام نمازوں کے اسباب سجدۂ سہو متحد ہیں اور نفل میں قبل فاتحہ ذکر سے سجدۂ سہو کا واجب نہ ہونا مسلم ہے، لہذا فرض میں بھی ذکر قبل فاتحہ سجدہ سہو کا موجب نہ ہوگا اور درود شریف ذکر ہے، جس کی شان نماز کا عدم افساد ہے، جس کی بہت واضح دلیل نماز میں درود کی مشروعیت ومسنونیت ہے۔ نیز درمختار اور شامی میں اس کی تصریح بھی موجود ہے۔ خلاصۂ دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف، نیز مذاہب ائمہ سے ثابت ہے کہ قبل از فاتحہ ذکر نہ موجب فساد ہے، نہ موجب سجدۂ سہو اور درود شریف اسی ذکر کے افراد میں سے ہے۔

كما في الدر: سمع إسم الله تعالىٰ فقال: جل جلاله أو النبي صلى الله عليه وسلم فصلىٰ عليه أوقراءة الإمام فقال: صدق الله ورسوله تفسد إن قصد جوابه. (۱)

وفي الرد: لولم يقصد الجواب بل قصد الثناء والتعظيم لا تفسد، إلخ. (شامی: ۴۱۸/۱)(۲)

وأيضا في الدرالمختار مع ردالمحتار: والدعاء بما يشبه كلامنا، هو ماليس في القرآن ولا في السنة، ولا يستحيل طلبه من العباد، فإن ورد فيهما، أو استحال طلبه لم يفسد، كما في البحر. (شامی: ۴۱۷/۱)(۳) **والله أعلم بالصواب**

کتبہ: عبداللہ غفرلہ ۲/۲۵/۱۴۱۱ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۵۲۰-۵۲۲)

سورۂ فاتحہ سے پہلے درود پڑھ لے:

سوال: اگر تحریمہ باندھنے کے بعد اور تعوذ وتسمیہ پڑھنے سے پہلے غلطی سے کوئی دوسری سورت، یا درود شریف تلاوت کرلے، پھر خیال آنے پر ثنا اور تعوذ وتسمیہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی سورت ملالے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلے تو اس کی نماز ہوجائے گی، یا لوٹانی پڑے گی؟　　(خلیل الرحمان، مدینہ مسجد، محبوب نگر)

الجواب

چوں کہ پہلے دورد شریف، یا سورۂ فاتحہ کے بجائے دوسری سورت پڑھنے کی وجہ سے وہ تاخیر رکن، یا تاخیر واجب کا مرتکب ہوا؛ اس لیے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوا، (۴) سجدۂ سہو کرلے تو نماز ادا ہوجائے گی، نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۲۹)

== **سبحانك اللهم وبحمدك، إلخ والشافعي زاد عليه مارواه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو قوله اللهم إني ظلمت نفسي ظلماً كثيراً، إلخ وفي بعض الروايات: اللهم أنت الملك لا إله إلا أنت، أنت ربي وأنا عبدك وأنا علىٰ عهدك ووعدك، إلخ.** (بدائع الصنائع، في كيفية وضع اليدين: ۴۷۱/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱) **الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۹۸/۱، مكتبة سعيد كراچی، انيس**

(۲) **ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۳۸۱/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس**

(۳) **الدرالمختار مع ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۴۱۶/۱-۴۱۷، نعمانية، ديوبند**

(۴) **ولا يجب سجود إلا بترك واجب أوتأخيره.** (الفتاوى الهندية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۶/۱)

سورۂ فاتحہ مکمل پڑھنا واجب ہے:

سوال: نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے تو مکمل سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے؟ اگر مصلی سورہ فاتحہ کی ایک آیت بھول جائے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہے؟ اور سورہ فاتحہ کے ساتھ ملائی جانے والی سورہ کی ایک آیت کو سہواً دو مرتبہ پڑھ دے تو کیا تکرار واجب قرار پا کر سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ (سید مصطفیٰ)

الجواب

جی ہاں! مکمل سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی آیت بھول جائے تو ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہے،(۱) اگر سورہ فاتحہ کے ساتھ پڑھی جانے والی سورہ کی ایک آیت کو دو مرتبہ پڑھ دے تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔(۲)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۳۰)

قرأت سورۂ فاتحہ نوافل وسنن میں:

سوال: تمام نوافل وسنن وفرائض کی اول دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور اخیر کی دو رکعت میں بھی واجب ہے، یا نہیں؟ اگر اخیر کی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز درست ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

نہیں، درست ہوگی۔(۳) (فتاویٰ دار العلوم:۴/۴۱۶، ۴۱۷)

سورۂ فاتحہ کا نہ پڑھنا یاد آجائے:

سوال: فرض نماز ہو کہ سنت، پہلی رکعت ہو کہ دوسری رکعت، انفرادی نماز ادا کرتے ہوئے ضم سورت کی قرأت

---

(۱) اکثر متون میں یہ بات درج ہے کہ اکثر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی آیت چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں؛ لیکن ''قہستانی''، میں امام اعظمؒ کا مسلک نقل کیا گیا ہے کہ مکمل سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، لہذا اگر کوئی آیت بھی چھوٹ جائے تو ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے؛ لیکن فتوی پہلے قول پر ہے کہ سجدۂ سہو واجب نہیں۔ ہاں! اگر سجدۂ سہو کر لے تو بہتر ہے۔

''وقرأة فاتحة الكتاب فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها، ولكن في المجتبىٰ: يسجد بترك آيةً منها وهو أولىٰ. (الدر المختار) في القهستاني: إنها بتمامها واجبة عنده فأما عندهما فأكثرها. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۴۹/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس)

(۲) إذا كرر آية واحدة مرارًا إن كان في التطوع الذى يصليه وحده فذالك غير مكروه، وإن كان في الفريضة فهو مكروه، وهذا في حالة الاختيار أما في حالة العذر والنسيان فلا بأس به. (الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرأة في الصلاة: ٤٦٢)

(۳) یعنی فرائض کی اخیری دو رکعتوں میں فاتحہ واجب نہیں ہے، پس اگر اخیری دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز درست ہوگی، البتہ وتر، سنن اور نوافل کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ امین

کے وقت خیال آیا کہ شاید سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی گئی تو کیا ضم سورت کو درمیان میں چھوڑ کر پھر سے سورۂ فاتحہ پڑھ کر ضم سورت کرنی چاہیے؟ (نادر المسدوسی، مغلپورہ)

الجواب

سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے کا خیال غالب گمان کے درجہ میں ضم سورت کے وقت آئے؛ بلکہ رکوع کے بعد بھی آئے تو سورۂ فاتحہ پڑھ کر ضم سورت کی جائے، اگر رکوع کے بعد یہ بات یاد آئی تو فاتحہ اور ضم سورت کر کے دوبارہ رکوع کرے گا اور ہر دو صورت میں واجب کی ترتیب میں خلاف ورزی اور واجب، یا رکن میں تاخیر کی وجہ سے اخیر میں سجدۂ سہو بھی کرے گا۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"فلو تذكر ولو بعد الرفع من الركوع عاد،ثم أعاد الركوع أنه في تذكر الفاتحة يعيد السورة أيضا". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۳۲)

ثنا پڑھ کر رکوع کیا، پھر یاد آیا کہ قرأت رہ گیا:

سوال: زید نے نیت باندھ کر "سبحان" یعنی "**سبحانک اللّٰھم**" پڑھ کر رکوع کیا، تسبیح پڑھ کر یاد آیا کہ قرأت نہیں پڑھی۔ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

(۱) پڑھنا چاہیے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۱۵-۴۱۶)

فاتحہ وقرأت کے درمیان کس قدر تاخیر سے سجدۂ سہو ہوتا ہے:

سوال: در بہشتی زیور مرقوم است کہ اگر تاخیر قدر سہ بار سبحان اللہ گفتن درمیان فاتحہ وسورۃ شد سہو واجب میشود، ودیگر فقہا دیر قدر تسبیح می فرمایند، پس کدامے قول معتبر است؟

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ۲/۵٤٤

(۲) یعنی رکوع سے کھڑا ہو کر قرأت کرے، پھر رکوع دوبارہ کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ امین

ولو تذكرها (أي السورة) في ركوعه قرأها (أي بعد عوده إلى القيام) وأعاد الركوع.(الدر المختار مع رد المحتار، فصل القراءة: ۲/۲۵۵،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

فقد ظهر أن إيقاع الركوع قبل القراءة أصلاً أو قبل قراءة الواجب يلزم به سجود السهو، لكن إذا لم يعد الركوع يسقط سجود السهو لفساد الصلوٰة،وإن أعاده صحت،ويسجد للسهو.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب سجود السهو تحت قوله لوجوب تقديمها: ۲/۵٤۳-۵٤٤،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

ولوقدم الركوع على القراءة لزمه السجود لكن لايعتد بالركوع،فيفرض إعادته بعد القراءة.(الفتاوىٰ الهندية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۷)

الجواب

ایں چہ در بہشتی زیور است ہماں است مختار محققین۔(۱) قال فی شرح المنیة: فالصحیح أن قدر زیادة الحرف ونحوه غیر معتبر فی جنس ما یجب به سجود السهو وإنما المعتبر قدر ما یؤدی فیه رکن کما فی الجهر فیما یخافت وعکسه وکما فی التفکر حال الشک ونحوه، الخ. (ص: ۳۲۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۳۸۸/۴-۳۸۹)

فاتحہ کے بعد دیر تک خاموش رہے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر امام، یا منفرد الحمد پڑھ کر بقدر پڑھنے ایک آیت طویل، یا سہ آیت قلیل کے دانستہ خاموش کھڑا رہ کر بعد میں ضم سورہ کرے تو اس پر سجدۂ سہو لازم آئے گا، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو اس پر لازم ہے، کما قال فی الدر المختار: وتفکره عمدًا حتی شغله عن رکن. (۲) وتحقیقه فی الشامی. فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۶/۴-۳۸۷)

سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان کتنی تاخیر پر سجدۂ سہو ہے:

سوال: فرض نماز کی پہلی اور دوسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ وآمین بقدر تین تسبیح ٹھہرا، اس سوچ میں کہ کون سی سورت پڑھوں، بعدہ کوئی سورت پڑھی، آیا ایسی حالت میں سجدۂ سہو لازم ہوا، یا نہیں؟

(المستفتی: محمد صغیر خاں موضع پوسٹ اوسیا، ضلع غازیپور)

الجواب

بعض فقہا نے سجدۂ سہو کا حکم دیا ہے، کر لینا چاہیے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۹۸/۳)

فاتحہ اور درمیانی قعدہ میں تحیات کے بعد کتنی تاخیر سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے:

سوال: فاتحہ کے بعد اور دوسری رکعت میں تشہد کے بعد اور تیسری رکعت میں کھڑا ہونے کے وقت کتنے توقف سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے؟

---

(۱) ترجمہ سوال: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر فاتحہ اور سورۃ کے درمیان تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر تاخیر ہو تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے اور دوسرے فقہا تسبیح کے بقدر فرماتے ہیں تو کون سا قول معتبر ہے۔انیس

ترجمہ جواب: بہشتی زیور میں جو لکھا ہے، وہی محققین کا پسندیدہ قول ہے۔انیس

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۶۹۳/۱، ظفیر

(۳) ولا یجب السجود إلا بترک واجب، أو تأخیره أو تأخیر رکن... ولا یجب بترک التعوذ والبسملة فی الأولٰی والثناء وتکبیرات الانتقالات. (الفتاوی الهندیة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱۲۶/۱، رشیدیة، انیس)

الجواب

بقدر ادائے رکن اگر توقف سہواً کیا جاوے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن. (الدر المختار)(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۰/۴)

سنن ونوافل میں ضم سورت کا حکم:

سوال: آیا سنن ونوافل میں ترک ضم سورۃ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا اور وتر کو اس بارے میں حکم فرائض کا دیا جائے گا، یا سنن کا کہ وتر میں بھی ترک ضم سے سجدہ آوے؟

الجواب

ضم سورت، یا فاتحہ نوافل وسنن میں مثل فرائض کے واجب ہے، ترک سے سجدۂ سہو آوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۸)

پہلی رکعت میں ضم سورت بھول جائے تو کیا کرے:

سوال: سنت، یا نفل، یا فرض کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سہواً سورۃ نہیں ملائی اور رکوع کر دیا۔ کیا اب قیام کی طرف لوٹے، یا سجدے میں جائے؟

الجواب

قومہ کر کے سجدے میں جاوے اور آخر نماز میں سجدۂ سہو کرے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۹۷/۴-۳۹۸)

سورت بھولنے والے کو رکوع سے عود کر جانے کا حکم:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی اور سورت ملانے کو بھول گیا جب رکوع میں گیا اور تسبیح پڑھنے لگا، یا تسبیح پڑھ چکا، تب یاد ہوئی کہ سورت نہیں ملائی، اب قیام کی طرف عود کرے اور سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے، تب سجدہ میں جاوے، یا بلا سورت ملائے رکوع سے سجدے میں چلا جاوے، اولیٰ کیا ہے؟ بینوا توجروا فقط

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۶۹۴/۱، ظفير

(۲) علامہ شامی کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت میں بہتر یہ ہے کہ لوٹ کر سورت پڑھے، پھر رکوع کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے، گو یہ صورت بھی درست ہے کہ رکوع کے بعد سجدہ میں چلا جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے، جیسا کہ جواب میں مذکور ہے۔

"بترك... واجب سهوًا كركوع قبل قراءة الواجب لوجوب تقديمها ثم إنما يتحقق الترك بالسجود فلو تذكر ولو بعد الرفع من الركوع عاد ثم أعاد الركوع. (مختصرًا من الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۴۳/۲-۵۴۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(قوله عاد) أي إلى القيام ليقرأ. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۵۴۴/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس) ==

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس صورت میں قیام کی طرف عود کرے اور سورت ملائے، پھر رکوع کرے، تب سجدہ میں جاوے۔(۱)

فی الدر المختار، باب سجود السهو: كركوع قبل قراءة الواجب (إلى قوله) فلو تذكرو لو بعد الرفع من الركوع عاد، ثم أعاد الركوع، آه. (۲)

۵ / ربیع الاول ۱۳۲۷ھ تتمہ اولیٰ، ص: ۱۴۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۵۴۳-۵۴۴)

رکوع میں یاد آیا کہ سورت نہیں پڑھی تو کیا کرے:

سوال: ایک شخص چار رکعت فرض پڑھ رہا تھا، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ملانا بھول گیا اور سیدھا رکوع میں چلا گیا، پھر رکوع میں جانے کے بعد یاد آیا کہ سورت نہیں پڑھی تو کیا ایسی صورت میں رکوع میں یاد آنے کے بعد سورت پڑھنے کی طرف نہ لوٹنے سے نماز فاسد ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس صورت میں جب کہ اس کو رکوع میں یاد آیا کہ میں نے سورت نہیں ملائی تو اس کو چاہیے کہ قیام کی طرف لوٹ کر سورت پڑھ کر رکوع کا اعادہ کرلے اور سجدۂ سہو کرلے؛ لیکن اگر وہ قیام کی طرف نہیں لوٹا؛ بلکہ نماز جاری رکھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ سجدۂ سہو واجب ہے۔

ولو تذكرها في ركوعه قرأها وأعاد الركوع (قوله: ولو تذكرها) أي السورة (قوله: قرأها) أي بعد عوده إلى القيام، إلخ. (۳)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ شخص سورت پڑھنے کے لیے قیام کی طرف لوٹا تو اس صورت میں سورت پڑھنے کے

== شامی نے دونوں صورتوں کا تذکرہ کیا ہے کہ کل قرأت ترک ہو جائے، یا صرف سورت۔

أما إذا قرأ الفاتحة مثلاً ثم ركع فتذكر السورة فعاد فقرأها، الخ. (أيضاً) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۵۴۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

دوسری جگہ کی عبارت یہ ہے: ولو ترك سورة أوليي العشاء مثلاً ولو عمدًا قرأها وجوبًا وقيل ندبًا مع الفاتحة جهرًا في الأخريين، إلخ، ولو تذكرها في ركوعه قرأها وأعاد الركوع. (الدر المختار)

(قوله ولو تذكرها) أي السورة (قوله قرأها) أي بعد عوده إلى القيام (قوله: وأعاد الركوع) لأن ما يقع من القراءة في الصلاة يكون فرضًا فيرتفض الركوع ويلزمه إعادته؛ لأن الترتيب بين القراءة و الركوع فرض كما مر في الواجبات، إلخ. (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في القراءة: ۲/ ۲۵۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۱) یہ اولیٰ صورت کا بیان ہے۔ (شامی: ۱/ ۵۰۰-۶۹۳)

اور یہ بھی جائز ہے کہ رکوع کے بعد سجدہ میں چلا جائے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم جدید: ۴/ ۳۹۸، سعید)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/ ۵۴۳-۵۴۴، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس

(۳) الدر المختار مع الرد، فصل القراءة: ۲/ ۲۵۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

بعد رکوع کا اعادہ ضروری ہے اور اگر اس نے رکوع نہیں لوٹایا تو نماز فاسد ہوگی۔ غالباً آپ کو اسی سے غلط فہمی ہوئی کہ سورت پڑھنے کی طرف نہ لوٹنے سے نماز فاسد ہوگی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۴۵۸/۱-۴۵۹)

سورت پڑھنا بھول جائے:

سوال (۱) زید (امام) نے بحالت قیام سورہ فاتحہ پڑھی تھی کہ رکوع میں بلاتکبیر کہے چلا گیا، ابھی تکبیر کہنا چاہ رہا تھا کہ سورہ ملانے کا خیال آیا، اب وہ رکوع ہی کی حالت میں سورہ ملا لیتا ہے، کیا زید کی نماز اس صورت میں صحیح ہو جائے گی، کبھی بحالت تنہائی بلاقرأت بھی پڑھ لیتا ہے، کیا اس طرح نماز ہو جائے گی؟

(۲) زید امامت کر رہا تھا، لزوم سہو کے باوجود سجدہ سہو کئے بغیر نماز پوری کر لیتا ہے اور اسی طرح کبھی عدم لزوم سجدہ کر لیتا ہے، کیا یہ صورتیں درست ہوں گی؟

هو المصوب

(۱) پہلی صورت میں اگر سجد سہو کر لیا ہے تو نماز درست ہوگی ورنہ اعادہ لازم ہے، (۱) بغیر قرأت کے نماز درست نہ ہوگی۔ الحمد کے بعد اگر سورہ نہیں ملائی ہے تو سجدہ سہو کر لینے کے بعد نماز درست ہو جائے گی۔

(۲) پہلی صورت میں نماز نہ ہوگی، اعادہ لازم ہوگا۔ (۲) دوسری صورت میں نماز درست ہو جائے ہوگی؛ لیکن یہ عمل صحیح نہیں ہے، سجدہ سہو ترک واجب، تاخیر واجب، تاخیر رکن کی وجہ لازم ہوتا ہے۔ (۳) اگر ان امور کے پائے جاتے ہوئے سجدہ سہو نہ کرے تو نماز کا اعادہ لازم ہوگا، ان صورتوں میں علاوہ سجدہ سہو کرنا درست نہیں۔

تحریر: محمد مستقیم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۷۰/۲-۷۱)

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ ملانا بھول گیا اور سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہوگئی:

سوال: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں، یا ایک رکعت میں سورۃ ملانا بھول گیا، سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہوگئی، یا نہ؟

الجواب

سورت ملانا واجب ہے، اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

---

(۱) وفی الخلاصة: إذا رکع ولم یقرأ السورة رفع رأسه وقرأ السورة وأعاد الرکوع وعلیه السهو وهو الصحیح. (الفتاوٰی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو...ثم واجبات الصلاة: ۱۲۶/۱، انیس)

(۲) (لها واجبات) لا تفسد بترکها وتعاد وجوباً فی العمد والسهو إن لم یسجد له. (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۵۶/۱، دارالفکر بیروت، انیس)

(۳) لایجب السجود إلا بترک واجب أو تأخیره أو تأخیر رکن أو تقدیمه أو تکراره أو تغییر واجب بأن یجهر فیما یخافت وفی الحقیقة وجوبه بشئ واحد وهو ترک الواجب. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱۲۶/۱)

پس صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جاوے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴/۳۹۹)

چار رکعت کی پہلی دو رکعت میں ضم سورت نہ کرنے پر بعد کی دو رکعتوں میں ضم سورت کا حکم:

سوال: فرض ظہر میں پہلے دونوں رکعتوں میں ضم سورہ نہیں کیا، دونوں رکعت اخیرہ میں ضم سورت کرے، یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو کرے، یا نہیں؟ فقط

الجواب

کرنا جائز ہے اور واجب ہونے میں اختلاف ہے؛ لیکن سجدۂ سہو ہر حال میں ہے؛ کیوں کہ واجب ترک ہوا۔

فی الدرالمختار، بحث القراءة: ولوترک سورة أوليي العشاء مثلا ولوعمداً قرأها وجوبا وقيل ندبا.

وفي رد المحتار: ويسجد للسهو لوساهيا وليعم الرباعية السريّة، آه.(۲)

۱۷/ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد:۱/۶۹) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۳۱)

پہلی دو رکعتوں میں سہو کی وجہ سے دوسری دو رکعتوں میں قرأت کے اعادہ کی تحقیق:

سوال: نماز ظہر میں سہواً ابتدائی رکعات میں ضم سورت سے قاصر رہا؛ لیکن قعدۂ اولیٰ میں اس کو تنبہ ہو گیا، اب بقیہ دو رکعتوں میں اس نے عمداً ضم سورت نہ کی اور یہ سمجھا کہ اب کیا ضرورت ہے، سجدۂ سہو کر لوں گا، چناں چہ سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟ اور بعد سہو خالی رکعات میں ضم سورت کر لینا بطور اعادہ کے واجب تھا، یا کیا؟

الجواب

فی الدرالمختار: (ولوترک سورة أوليي العشاء) مثلا ولوعمداً (قرأها وجوباً) وقيل ندباً (مع الفاتحة جهرًا فی الأخريين).(۳)

فی ردالمحتار تحت (قوله مثلاً زاده (إلى قوله) وليعم الرباعية السرية) فإنه يأتی بها فی الأخريين أيضاً، أفاده ط، وإنما خص المصنف العشاء بالذكر لمكان قوله جهراً، إلخ.

وتحت (قوله: وجوباً وقيل ندباً) بعد بحث طويل والحاصل أن اختيار صاحب الفتح والبحر والنهر الندب؛ لأنه صريح كلام محمد.(۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اخریین میں ضم سورت مستحب تھا، اگر نہ کیا، تب بھی درست ہے اور سجدۂ سہو دونوں حال میں ہے، لترکه تعيين الأوليين للسورة وكان واجباً.

۱۰/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۴۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۶۱)

---

(۱) ولو قرأ الفاتحة وحدها وترک السورة يجب عليه سجود السهو. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۱۶، ظفير)

(۲-۳) الدرالمختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۲/۲۵۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) ردالمحتار، فصل فی القراءة، مطلب فی الكلام على الجهر والمخافتة: ۱/۵۳۴-۵۳۶، دار الفكر، انيس

پہلی دو رکعتوں میں سورت بھول جانے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ''وإن قرء الفاتحة (فی صلاة العشاء فی الأولیین) ولم یزد علیها،قرأ فی الأخریین الفاتحة والسورة وجهر''.(الهداية)(۱)

اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ نفس قرأت سورت فوت ہونے سے بعد والی رکعات میں فرض نمازوں میں تلافی ہوسکتی ہے تو کوئی شخص پہلی ایک رکعت، یا دونوں رکعت میں ضم سورت کی تلافی کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اسی طرح مغرب کی تیسری رکعت میں تلافی ہوسکتی ہے؟ اگر پہلی، یا دوسری رکعت میں ضم سورت بھول جائے اور جہری طور پر پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص کوئی اور سورت علاوہ فاتحہ کے پڑھ لے (ایک، یا دونوں رکعت میں) تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

پہلی دونوں رکعتوں میں اگر ضم سورت بھول جائے، یا مغرب کی پہلی رکعت میں بھول جائے تو اخیر کی دو میں اور مغرب کی تیسری میں فاتحہ کے بعد ضم سورت کرے اور جہر بھی کرے۔

لوترک السورة فی رکعة من أولیی المغرب أوفی جمیع أولیی العشاء،قرأها:أی السورة وجوباً علی الأصح فی الأخریین من العشاء والثالثة من المغرب مع الفاتحة،جهراً بهما علی الأصح،ویقدم الفاتحة،ثم یقرأ السورة،وهوالأشبه''مراقی الفلاح.(۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۷/۴۱۳)

فرض نماز کی پہلی دو رکعت میں سورہ بھول جائے تو سجدۂ سہو:

سوال: اگر امام فرض نماز کی دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ پڑھنا عصر، یا ظہر میں بھول جائے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ (جنید بک ڈپو، مشیر آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر فرض کی پہلی یا دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت نہ ملائے تو سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔

''ولوقرأ الفاتحة وحدها وترک السورة یجب علیه سجود السهو''.(۳)

اس میں جہری اور سری نماز میں کوئی فرق نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۳۲-۴۳۳)

---

(۱) الهداية،کتاب الصلاة،فصل فی القراءة:۱/۱۱۶،مکتبه شرکة علمية ملتان

(۲) مراقی الفلاح شرح نورالإيضاح، کتاب الصلاة،فصل فی بیان واجب الصلاة،ص:۲۵۴-۲۵۵، قدیمی

(۳) الفتاوی الهندية،کتاب الصلاة،الباب الثانی عشر فی سجود السهو:۱/۱۲۶،انیس

صرف سورۂ فاتحہ، یا صرف سورہ پڑھ کر رکوع کیا تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کوئی آدمی صبح کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلا جاوے یا الحمد چھوڑ کر کوئی سورۃ پڑھ کر رکوع میں چلا جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے، نماز ہوگئی۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۱۳)

بھول سے کوئی سورت شروع کی، پھر دوسری سورت پڑھی تو اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں:

سوال: امام نے تراویح کے اخیر دوگانہ کی پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے قل أعوذ کہہ کر فوراً تبت یدا کہا تھا کہ ایک مقتدی نے بطور بتلانے کے قل أعوذ برب الفلق پوری سورت پڑھ دی اور دوسری رکعت بھی تمام کردی؛ مگر سجدۂ سہو نہ کیا تو اس صورت میں نماز صحیح ہوگی، یا دوگانہ مذکور کا اعادہ کرنا ہوگا؟ اور یہ کہ سجدۂ سہو ضروری ہے کہ نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز صحیح ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔(کذا فی الد رالمختار)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۷۵)

ایک سورۃ کی ایک آیت پڑھ کر دوسری سورت پڑھنے پر سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: نمازی نے نماز سنت میں پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ فلق پڑھا اور دوسری رکعت میں بھول کر سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ فلق سے ایک آیت پڑھ کر یاد آنے پر سورۂ فلق چھوڑ کر سورۂ ناس پڑھا، آیا اس نماز میں سجدۂ سہو واجب ہوا کہ نہیں؟ (المستفتی: محمد صغیر خاں میانجی، مقام اوسیا ضلع غازیپور)

الجواب

اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں، نہ فرض نماز میں نہ سنت میں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۹۷)

---

(۱) ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً فى العمد و السهو،إلخ،وهى،إلخ، قراء ة فاتحة الكتاب فيسجد للسهوبترك أكثرها لا أقلها لكن فى المجتبىٰ يسجد بترك آية منها وهو أولىٰ،إلخ،وضم أقصر صورة.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة: ٤٢٤/١ ،ظفير)(مطلب واجبات الصلاة،انيس)

(۲) وفى القنية قرأ فى الأولىٰ الكافرون وفى الثانية ألم تر،وتبت ثم ذكر يتم وقيل يقطع و يبدأ(الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٢٦٨/٢ ،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس)

قوله:(ثم ذكر يتم)أفاد أن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا،كما فى شرح المنية وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التى شرع فيها لاينبغى.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى القراء ة،مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية: ٢٦٩/٢ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

سورۂ فاتحہ کے تکرار سے سجدۂ سہو

سورۂ فاتحہ کے تکرار سے سجدہ لازم ہے، یا نہیں:

سوال: سورہ فاتحہ کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

کما فی الشامی: (قوله: وكذا ترک تكريرها) فلو قرأها فی ركعة من الأولیین مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة، كما فی الذخيرة وغيرها. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۹۶/۴)

سورۂ فاتحہ مکرر پڑھنے سے اعادۂ نماز کا وجوب:

سوال: زید نے انفراداً مغرب کی نماز میں اول رکعت میں الحمد سری پڑھی، کل الحمد پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا کہ جہر سے پڑھنی چاہیے تھی، دوبارہ اس نے الحمد شریف جہر سے پڑھی اور بغیر سجدۂ سہو کئے ہوئے سلام پھیر دیا، آیا اس صورت میں نماز ادا ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

واجب الاعادہ ہے؛ کیوں کہ اس نے واجب کا ترک کیا اور وہ واجب (۲) جہر نہیں ہے؛ کیوں کہ منفرد پر جہر واجب نہیں؛ بلکہ وہ واجب دو امر ہیں: ایک عدم تاخیر سورہ عن الفاتحہ بمقدار ادائے رکن، دوسرا عدم تکرار فاتحہ۔

لأن فی التكرار زيادة واجب وهو موجب لسجود السهو.

فی مراقی الفلاح: لترک واجب بتقديم أو تاخير أو زيادة أو نقص. (۳)

وفی الطحطاوی: وأن لا يؤخر السورة عنها بمقدار أداء ركن (وفيه) ولو كرر الفاتحة أو بعضها فی إحدى الأولیین قبل السورة سجد للسهو. (۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۵۵۰/۱-۵۵۱)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلوٰة، مطلب واجبات الصلوٰة: ٤٢٩/١، ظفير

(۲) یعنی وہ واجب، جسے ترک کیا گیا ہے، جہر نہیں ہے۔ الخ

(۳-۴) فی باب سجود السهو، ص: ٤٦٠، انيس

تکرار فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر نماز میں کسی رکعت میں بھول کر، یا قصداً سورۂ فاتحہ ایک سے زائد دفعہ پڑھی جاوے تو کیا سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اگر پہلی دو رکعت میں سہواً مسلسل مکرر پڑھا ہے تو سجدہ سہو لازم ہے، اگر اخیر کی دو رکعت میں مکرر پڑھا ہے ، یا پہلی ہی دو میں مکرر پڑھا ہے؛ مگر مسلسل نہیں ؛ بلکہ ایک دفعہ سورت سے پہلے فاتحہ کو پڑھا ہے، دوبارہ پھر سورت کے بعد پڑھا ہے تو سجدۂ سہو لازم نہیں۔عمداً پڑھنے سے بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا، البتہ ایسی صورت میں نماز مکروہ ہوگی۔

ولو كررها: أي الفاتحة في الأوليين، يجب عليه سجود السهو، بخلاف مالو أعادها بعد السورة أو كررها في الأخريين، كذا في التبيين، إلخ. (الهندية: ۱۲٦/۱) (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۸/۷-۴۰۹)

دوبار سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ایک شکل:

سوال: زید پنجگانہ فرائض کی جہری نماز میں قوم امامت کررہا تھا اور سورۂ فاتحہ کی تین آیتوں سے زائد کی تلاوت کرچکا تھا، اچانک اسے ہچکی آئی ، بسبب ہچکی قدرے توقف ہوا، زید کے ذہن سے یہ بات خارج ہوگئی کہ سورہ فاتحہ کی تین آیتیں پڑھی جاچکی ہیں، یا دو کی تلاوت ہوئی ہے، زید نے پھر سورۂ فاتحہ ابتدا سے پڑھ کر مکمل کی اور بعد انقضائے نماز مقتدی بکر نے اعتراض کیا کہ سورہ فاتحہ کی تکرار سے سجدہ سہو واجب تھا، جو نہ کرنے سے نماز فاسد ہوگئی، جب کہ امام زید کا کہنا ہے کہ تکرار کی یہ صورت نہیں ہے؛ بلکہ سورۂ فاتحہ مکمل پڑھ لینے کے بعد اعادہ کیا جاتا ہے، تب تکرار ہوتی ہے اور سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

هو المصوب ــــــــــــــــ

یہ تکرار کی صورت نہیں ہے؛ بلکہ لوٹانا اصلاح کی نیت سے ہے؛ اس لیے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۳٦/۳-۱۳۷)

دوبار سورۂ فاتحہ پڑھے:

سوال: تراویح کی نماز میں حافظ صاحب نے آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھ کر سورۂ ناس اور پھر سورۂ فاتحہ اور آلم سے المفلحون تک پڑھ کر نماز ختم کردی۔ نماز ہوگی، یا نہیں؟

(۱) الفتاوى الهندية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲٦/۱، رشيديه

هو المصوب

سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳/۱۳۶)

تکرار اکثر فاتحہ اور اعادۂ تشہد سے سجدۂ سہو کا واجب ہونا:

سوال: نماز میں اول، یا ثانی رکعت میں سورہ فاتحہ میں کوئی غلطی سے پڑھا گیا، یا شک ہوا، اس کلمہ میں غلط پڑھنے کے بعد قرأت کثیر سے سورہ فاتحہ کا اعادہ کیا، قرأت کے ماقبل کلمہ مذکورہ سے واسطے تصحیح کلمہ مذکور کے جس سے تکرار کثیر سورۂ فاتحہ کا لازم آیا، کیا یہ تکرار جو واسطے تصحیح کلمہ مذکور کے ہے، عذر واسطے رفع کراہت تکرار کثیر فاتحہ کے ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں ہوسکتا تو ہر نماز کا اعادہ واجب ہوگا، یا سجدہ سہو کا؟

اسی طرح قعدۂ اولی میں تشہد کا کوئی کلمہ غیر صحیح پڑھا گیا، یا شک ہوا کہ غیر صحیح پڑھا گیا، پھر چند کلمات کے ساتھ اس کلمہ کو تصحیح کے لیے اعادہ کیا، ماقبل اس کلمہ کے، کیا یہ اعادہ زیادتی فی التشہد کے حکم میں ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر اعادہ نماز ہوگا، یا سجدۂ سہو؟

الجواب

فی الهندية (۸۰/۱): ولو كررها في الأوليين يجب عليه سجود السهو بخلاف ما لو أعادها بعد السورة أو كررها في الأخريين، كذا في التبيين... ولو قرأ أكثرها ثم أعادها ساهيًا فهو بمنزلة مالو قرأها مرتين، كذا في الظهيرية... الافتتاح فأعاد التكبير والثناء ثم تذكر كان عليه السهو ولايكون الثانية استقبالاً وقطعا للأولى.(۲)

وفي الهندية (۸۱/۱): ولو كرر التشهد في القعدة الأولىٰ فعليه السهو.(۳)

روایت اولی سے معلوم ہوا کہ اگر سورت سے قبل فاتحہ کا تکرار کیا جاوے تو موجب سہو ہے اور بعد سورت کے اعادہ فاتحہ کا موجب سہو واجب ہوگا اور اگر اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا تو اعادہ سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ باقی رہی یہ بات کہ سورۃ فاتحہ کل، یا اکثر پڑھنے کے بعد کتنی فاتحہ کے اعادہ سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، سو اس کی تصریح نہیں ملی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بعض اقل فاتحہ پڑھ کر اس کا اعادہ موجب سہو نہیں، اسی طرح اکثر، یا کل پڑھ کر بھی اقل کا اعادہ

(۱) وكررها في الأوليين يجب عليه سجود السهو بخلاف ما لو أعادها بعد السورة أو كررها في الأخريين كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ثم واجبات الصلاة: ۱۲۶/۱، انیس)

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، واجبات الصلاة: ۱۲۶/۱، انیس

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، واجبات الصلاة ۱۲۷:۱، انیس

موجب سہو نہ ہوگا؛ لیکن جزئیہ نہیں ملا؛ لیکن طحطاوی علی مراقی الفلاح کی اس عبارت سے متبادر یہ ہے کہ مطلقاً بعض فاتحہ کا تکرار بھی مثل کل فاتحہ کے تکرار کے موجب سہو ہے؛ لیکن اس بعض مطلق کو آیت واحدہ کے ساتھ مقید کیا جاوے گا؛ کیوں کہ اس سے قبل تو غیر معتبر ہے۔

قال: ولو كرر الفاتحة أو بعضها في إحدى الأوليين قبل السورة سجد للسهو، آه. (۲٦٧/۱)

وفي الدر في بيان واجبات الصلاة: وهي قراة فاتحة الكتب فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها لٰكن في المجتبٰى: يسجد بترك آية منها وهو أولٰى. قلت: وعليه فكل آية واجبة ككل تكبيرة عيد وتعديل ركن واتيان كل وترك تكرير كل، آه. (۴۷۷/۱)(۱)

قلت: فلما كان كل آية منها واجباً فتكرر آية منها يوجب سجود السهو لكونه تاخيراً في الواجب الثاني أي تاخير اللآية الثانية عن محلها والله اعلم وفي شرح المنية: وكذالو قرأ الفاتحة إلا حرفًا ثم أعاد لاسهو عليه، كذا في الخلاصة. (۹۴۳/۱)

قال الشيخ: وهٰذا راجح عندي ويمكن ارجاع كلام الطحطاوي إليه. قلت: ولكن لم ينشرح (ووجه عدم الانشراح كون ما في الظهرية مخالفا له صريحا كمامر ذكره، فإنه واجب السهو في إعادة الفاتحة بغير قراءة أكثرها وشارح المنية لايوجبه ولوقرأ كلها إلا حرفا ولا شك أن الاحتياط في إيجاب السهو والذي يظهر لي أن ما في الظهيرية أيضاً لايوافق قول الإمام بل هو مبني على قولهما فإن الواجب عند هما أكثر الفاتحة وعند الإمام كل آية منهما واجبة، كما ذكره في الدر، فينبغي إيجاب السهو بتكرار آية منهما كما يدل عليه كلام الطحطاوي المار قد جعلت الشافعية ترتيب آيات الفاتحة والموالاة بينهما شرطاً وعد و أكل آية منهما ركنا فالأحوط ما قاله في الدر: أن كل آية منهما واجبة وإذا كان كذلك فتكرر آية منهما يوجب التاب خير في الثانية وهي واجبة فيجب السهو لتأ خير الواجب. ظ)به صدري بعد والحل الله يحدث بعد ذلك أمراً والله أعلم

اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ شک کی وجہ سے اعادہ کی صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یاد آ جاوے کہ پہلے صحیح پڑھا تھا تو وہ تکرار موجب سہو ہے، ورنہ نہیں اور روایت ثالثہ سے تشہد کے اعادہ کا بھی موجب سہو ہونا معلوم ہوا اور فاتحہ پر قیاس کر کے یہاں تفصیل مذکور ہوگی، ہر حال میں اعادہ موجب سہو نہ ہوگا؛ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ مقدار رکن کا اعادہ ہو جائے تو سجدہ سہو ہوگا۔ واللہ اعلم

عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۲/ رمضان ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۲۹۵/۲)

---

(۱) رد المحتار، مطلب كل صلاة أديت مع الكراهة التحريم تجب إعادتها: ۱۴۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

سورۂ فاتحہ کی ایک آیت کا تکرار:

سوال (الف) نماز میں سورہ فاتحہ واجب ہے تو کیا اس کی ہر آیت واجب ہے؟

(ب) اگر کوئی مصلی سورہ فاتحہ کی ایک آیت سہواً دو مرتبہ پڑھے تو کیا تکرارِ واجب قرار پا کر اس مصلی پر سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ (سید محمد مصطفیٰ)

الجواب

(الف) جی ہاں! پوری سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، مسئلہ اختلافی ہے؛ لیکن فتوی امام صاحب کے قول پر ہے کہ ان کے نزدیک پوری سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔(۱)

(ب) سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا؛ کیوں کہ آیت کا عذر کی بنا پر تکرار مکروہ نہیں، بلا عذر مکروہ ہے؛ لیکن اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔(۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴۳۱/۲)

فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں:

سوال: امام صاحب نے عشا کی نماز پڑھانے میں غلطی سے، یا بھول سے پہلی رکعت، یا دوسری رکعت میں لگاتار دو مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ دی اور آخر میں سجدۂ سہو نہیں کیا، جب کہ ان کتابوں میں سجدۂ سہو واجب بتایا گیا ہے، کتابوں کے نام اور مصنف کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آسان فقہ پہلا حصہ (اردو) مصنف محمد یوسف صاحب اصلاحی

(۲) مسائل سجدۂ سہو پہلا حصہ (اردو) مصنف مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی

(۳) آئینۂ نماز (اردو) مصنف عاشق الٰہی صاحب بلندشہری

---

(۱) قوله قراءة الفاتحة فيسجد بترك أكثرها لا أقلها ،لكن في المجتبى:يسجد بترك آيةً منها،وهو أولٰى قلت: وعليه فكل آية واجبة.(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار،مطلب واجبات الصلاة:۱٤۹/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

"(قوله:بترك أكثرها)يفيد أن الواجب الأكثر ولايعرى عن تأمل.بحر.و في القهستاني:أنها بتمامها واجبة عنده، وأما عندهما فأكثرها،ولذا لايجب السهو بنسيان الباقي ...(قوله عليه)أي و بناء علٰى ما في المجتبى،فكل آية واجبة وفيه نظر؛لأن الظاهر أن ما في المجتبٰى مبنى علٰى قول الإمام بأنها بتمامها واجبة،وذكر الآية تمثيل لا تقييد إذ بترك شيئ منها آية أو أقل ولو حرفًا لايكون آتيا بكلها الذى هو الواجب كما أن الواجب ضم ثلاث آيات فلو قرأ دونها كان تاركًا للواجب،أفاده الرحمتي.(ردالمحتار،مطلب واجبات الصلاة:۱٤۹/۲،مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) "لايجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره...أو تكراره".(الفتاوى الهندية،الباب الثانى عشر فى سجود السهو: ۱۲٦/۱،انيس)

(۴) سنی بہشتی زیور (اردو) مصنف خلیل احمد صاحب

ان کتابوں میں دوبارہ لگاتار سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب بتایا گیا ہے؛ لیکن فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ لگاتار دو مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، کس کو صحیح مانا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب کہ امام صاحب نے پہلی، یا دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ مکرر پڑھ کر سورت پڑھی تو سجدۂ سہو واجب ہوگیا؛ اس لیے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے، اس میں تکرار سورۂ فاتحہ کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور واجب میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔

شامی میں ہے:

"فلو قرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها". (ردالمحتار: ۱۵۲/۲)(۱)

سوال میں فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے جو لکھا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد پھر سورۂ فاتحہ پڑھی؛ کیوں کہ اس صورت میں واجب کی ادائیگی میں تاخیر لازم نہیں آئی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ لمبی سورت پڑھ دی جائے، یہی مسئلہ شامی وغیرہ میں لکھا ہے۔ جہاں تک سورت سے قبل تکرار سورۂ فاتحہ کی بات ہے تو فتاویٰ قاضی خاں میں بھی ایسی صورت میں سجدۂ سہو کو واجب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو! قاضی خاں کی عبارت:

"ومنها إذا قرأ في الأوليين أوفي إحداهما الفاتحة ثم الفاتحة ثم السورة ولو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لاسهو عليه وقيل بأنه يلزمه السهو". (فتاویٰ قاضی خان: ۱۲۱/۱)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۴/۴/۱۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۷۷/۲-۴۷۸)

☆ ☆ ☆

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب واجبات الصلاۃ: ۱۵۲/۲، انیس

(۲) کتاب الصلاۃ، باب فی سجود السهو، انیس

قرأت میں جہر وسر سے سجدۂ سہو

جہری نماز میں آہستہ پڑھنے سے سجدۂ سہو:

سوال: جمعہ وغیرہ جن نمازوں میں قرأت بالجہر کا حکم ہے، ان میں اگر بھول کر آہستہ پڑھے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

جس میں جہر واجب نہیں ہے، اس میں ترک جہر سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا اور جس میں جہر واجب ہے، جیسے: جمعہ، اس میں ترک جہر سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؛(۱) مگر جمعہ کے اندر سجدۂ سہو کا حکم نہیں ہے۔(۲) **وباقی التفصیل یطلب من کتب الفقه.** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۳)

جہری نماز میں قرأت سراً کرنے سے سجدۂ سہو:

سوال: فرض نماز جہر والی میں ایک رکعت پڑھ کر دوسری رکعت میں امام جہر بھول گیا اور خاموشی سے سورۂ فاتحہ پڑھی اور سورت بھی پڑھی، سورت پڑھنے کے دوران میں جب کہ آدھی سے زیادہ پڑھ چکے اور یاد آ گئی تو باقی سورت جہر سے پڑھی جائے، یا نہیں؟ اگر یاد آنے کے بعد جہر نہیں کیا تو نماز ناقص تو نہ ہوئی اور سجدہ سہو کرلیا تو نماز صحیح ہوگئی، یا نہیں؟ کراہت دار، یا بلا کراہت؟

مسئلہ نمبر: ۳۸ بہشتی زیور حصہ دوسرا، سجدۂ سہو کے بیان میں: فرض کی دونوں پچھلی رکعتوں میں، یا ایک میں الحمد پڑھنی بھول گئی، چپکے کھڑی رہ کے رکوع میں چلی گئی تو بھی سجدہ سہو واجب نہیں۔

(المستفتی: ۲۵۸۹، انعام الٰہی صاحب (دہلی) ۹/ربیع الاول ۱۳۵۹ھ، ۱۸/اپریل ۱۹۴۰ء)

(۱) والجهر فيما يخافت فيه)للإمام(وعكسه)لكل مصلّ فی الأصح،والأصح تقديره(بقدرما تجوز به الصلاة فی الفصلين.وقيل)قائله قاضيخان يجب السهو(بهما)أی بالجهر والمخافتة (مطلقاً) أی قل أو كثر.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ۸۱/۲،دارالفكر بيروت)

(۲) (والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء)و المختار عند المتأخرين عدمه فی الأوليين لدفع الفتنة،كما فی جمعة البحر.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب سجود السهو: ۹۲/۲،دارالفكر بيروت،انيس)

الجواب

اگر جہری نماز میں قرأت سرا پڑھ لی جائے تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔(۱) اگر قرأت بھولے سے آہستہ پڑھنی شروع کر دی اور درمیان میں یاد آیا کہ نماز جہری ہے؛ مگر باقی قرأت بھی آہستہ ہی پوری کر لی، جب بھی سجدۂ سہو سے نماز صحیح ہو گئی، بشرطیکہ جتنی قرأت آہستہ پڑھی تھی، وہ جواز نماز کے لیے کافی ہو اور اسے یاد آنے پر جہر کرنا چاہیے؛ مگر از سر نو فاتحہ اور سورت جہر سے پڑھے اور سجدۂ سہو کر لے، یہ نہ کرے کہ جہاں پر یاد آیا، وہیں سے جہر شروع کر دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۱۸/۱۷)

نماز عشا کی چار رکعتوں میں قصداً، یا سہواً جہر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام نے نماز عشا کی چار رکعتوں میں قرأت بالجہر کیا اور سجدۂ سہو نہ کیا، اس نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عشا کی رکعتیں آخرین میں اسرار واجب ہے، لہٰذا اس اسرار کے ترک کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا، جب کہ یہ ترک سہواً ہو، ورنہ اعادہ واجب ہوگا۔

"قال في شرح التنوير: (والجهر فيما يخافت فيه) للإمام. (الدر المختار: ۱/۶۹۴) (۲)

والاسرار يجب على الإمام والمنفرد فيما يسر فيه، وهو صلاة الظهر والعصر والثالثة من المغرب والأخريان من العشاء. (ردالمحتار: ۱/۴۳۷) (۳) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۳۹)

عشا کی اخیر رکعتوں میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو:

سوال (۱) اگر کوئی امام عشا کی اخیر رکعتوں میں جہر کرے تو سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

"السر فيما يسر والجهر فيما يجهر واجب" کا قاعدہ تو سجدۂ سہو کو چاہتا ہے اور چوں کہ فی نفسہ قرأت ان میں واجب نہیں، لہٰذا واجب نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ واجب ماننے سے زیادتی صفت علی الذات لازم آتی ہے۔

---

(۱) والجهر فيما يخافت فيه) الإمام (وعكسه) لكل مصل في الأصح، والأصح تقديره (بقدر ما تجوز به الصلاة في الفصلين. وقيل) قائله قاضي خان يجب السهو (بهما) أي الجهر والمخافة (مطلقًا) أي قل أو كثر (وهو ظاهر الرواية. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۱-۸۲، دار الفكر بيروت، انيس)

وفي الشامية: "وقال في شرح المنية": والصحيح ظاهر الرواية، و هو التقدير بما تجوز به الصلاة من غير تفرقة، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۲، ط: سعيد)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۱، دار الفكر بيروت، انيس

ظہر کی اخیر رکعتوں میں جہر سے سجدۂ سہو:

(۲)　اور ظہر کی اخیر رکعتوں میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، یا نہ؟

الجواب

(۱)　اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا؛ کیوں کہ عشا کی اُخریین میں اگر قرأت پڑھے تو سر لازم ہے، جیسا کہ شامی میں ''ویسر فی غیرھا'' کی تفسیر میں لکھا ہے:

(قوله: ویسر فی غیرها) وهو الثالثة من المغرب والأخریان من العشاء، إلخ. (۱)

پس عشا کی اخریین میں اگر چہ قرأت واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر قرأت کرے تو اخفا لازم ہے۔

(۲)　اور ظہر کی اخریین میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۹/۴-۳۹۰)

سری نماز میں دو آیتیں جہراً پڑھے:

سوال (۱) سری نماز میں دو، یا تین آیت جہر کردیا، یا جہری نماز میں دو، یا تین آیت سر کردیا تو کیا سجدۂ سہو لازم آئے گا؟

(۲)　تیسری، یا چوتھی رکعت بھولے سے سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورہ بھی ملالی تو سجدۂ سہو لازم آئے گا، یا نہیں؟

هو المصوب

(۱)　سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (۳)

(۲)　سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔ (۴)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۳۹/۳-۱۴۰)

ظہر وعصر میں زور سے قرأت:

سوال: امام اگر ظہر، یا عصر کی نماز میں غلطی سے زور سے قرأت کرنے لگے تو کتنی مقدار پڑھنے پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ (محمد یوسف، قاضی پورہ)

---

(۱)　رد المحتار، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۴۹۷/۱

(۲)　ولو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر تلزمه سجدتا السهو؛ لأن الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات. (الهدایة، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۴۱/۱، ظفیر)

(۳)　(والجهر فیما یخافت فیه) للإمام (وعکسه) لکل مصل فی الأصح. والأصح تقدیره (بقدر ما تجوز به الصلاة فی الفصلین. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۱/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

یجب السهو (بهما) أی بالجهر والمخافتة (مطلقاً) أی قل أو أکثر (وهو ظاهر الروایة). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۱/۲-۸۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۴)　وفی أظهر الروایات لا یجب سجود السهو لأن القراءة فیهما مشروعة من غیر تقدیر والاقتصار علی الفاتحة مسنون لا واجب. (رد المحتار: ۱۵۰/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

سورۂ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات؛ یعنی ﴿مالک یوم الدین﴾ تک اگر جہر کے ساتھ پڑھ دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، اس سلسلہ میں اصول یہی ہے کہ تین آیات، یا تین چھوٹی آیت کے جہر کے بجائے سر، سری کے بجائے جہر سے پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

"...قيل يعتبر في الفصلين بقدر ما تجوز به الصلاة، وهو الأصح". (۱)

لیکن یہ حکم امام کے لیے ہے، جو شخص تنہا نماز ادا کر رہا ہو، اگر وہ فجر، مغرب، یا عشا کو سراً پڑھ دے تو سجدۂ سہو واجب نہیں، البتہ ظہر وعصر میں جہر سے قرأت کر دے تو راجح قول پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؛ کیوں کہ راجح یہی ہے کہ سری نمازوں میں تنہا نماز ادا کرنے والے کے لیے سراً نماز ادا کرنا واجب ہے۔ (۲) ہاں! اگر اعوذ باللہ، بسم اللہ اور آمین کو زور سے کہہ دے تو اس میں بھی سجدۂ سہو واجب نہیں۔ (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۳۳-۴۳۴)

تیسری رکعت میں زور سے قرأت:

سوال: امام نے تیسری رکعت میں زور سے قرأت شروع کر دی تو کیا حکم ہوگا؟　　(محمد یوسف، قاضی پورہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

سجدۂ سہو واجب ہوگا؛ کیوں کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں آہستہ قرآن مجید پڑھنا واجب ہے اور واجب کے ترک کرنے پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

"والجهر للإمام والإسرار للكل فيما يجهر فيه ويسر. (۴)

والإسرار يجب على الإمام والمنفرد فيما يسر فيه وهو صلاة الظهر والعصر والثالثة من المغرب والأخريان من العشاء وصلاة الكسوف والاستسقاء". (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۳۴-۴۳۵)

منفرد کا جہری نماز کی تیسری وچوتھی رکعت میں جہراً سورۂ فاتحہ پڑنے سے سجدۂ سہو:

سوال: منفرد شخص نے اپنی جہری نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کو قصداً زور سے پڑھا تو نماز

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۸ (كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، انيس)

(۲) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۵۱

(۳) وإن جهر بالتعوذ أو بالتسمية أو التأمين لا سهو عليه. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۸، انيس)

(۴) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۷۲، مكتبة سعيد كراچی، انيس

(۵) رد المحتار، مطلب واجبات الصلاة: ۲/۱۶۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ہوگی، یا نہیں؟ اسی طرح اگر سنتوں میں قصداً قرأت زور سے پڑھے تو کیا حکم ہے؟ اور کیا سہواً قرأت زور سے کرنے کی صورت میں سجدۂ سہو کافی ہو جائے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جس جگہ سرا پڑھنا واجب ہے، وہاں قصداً سورۂ فاتحہ زور سے پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لیکن ترک واجب کی وجہ سے مکروہ ہوگی اور اعادہ لازم ہوگا اور ایسے موقع میں سہواً زور سے پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا، (۱) اور سجدہ سہو سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۰۶-۴۰۷)

مغرب میں سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھی، پھر یاد دلانے پر سورہ آواز سے تو سجدۂ سہو کرے گا، یا نہیں:

سوال: امام نے مغرب کی نماز کی نیت باندھ کر ''سبحانک'' اور سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھی، ایک مقتدی نے یاد دہانی کی غرض سے الحمد بآواز بلند کہا، تب امام نے سورۂ فاتحہ کے بعد کی سورہ کو جہر سے پڑھا اور سجدۂ سہو کیا۔ سجدۂ سہو سے نماز درست ہوئی، یا نہیں؟ اور اس حالت میں سجدۂ سہو ضروری تھا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی اور سجدۂ سہو اس صورت میں واجب تھا، سجدۂ سہو کر لینے سے نماز بلا کراہت صحیح ہوگئی۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۸۲)

جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کا جہر بھول گیا تو کیا سورۂ فاتحہ کا اعادہ کرے گا:

سوال: ایک شخص نماز جہری پڑھ رہا تھا، اس نے رکعت اولیٰ جہر کے ساتھ مکمل کی؛ مگر رکعت ثانیہ میں جہر کرنا بھول گیا، یہاں تک کہ اس نے سورہ فاتحہ پوری کر لی، پھر کسی نے پیچھے سے سبحان اللہ کے ذریعہ لقمہ دیا تو اس نے سورہ

---

(۱) عن إبراهيم النخعي رحمه الله تعالىٰ قال: سجد إذا أسر فيما يجهر فيه، أو جهر فيما يسر فيه، ذكره سحنون في المدونة بلا سند جزماً. (إعلاء السنن، باب في بقية أحكام السهو: ۷/۱۹۰-۱۹۱، مكتبة أشرفي ديوبند، انيس)

(۲) (والجهر فيما يخافت فيه) للإمام (وعكسه) لكل مصلٍّ في الأصح، والأصح تقديره بقدر ما تجوز به الصلاة في الفصلين وقيل:) قائله قاضيخان (يجب السهو) (بهما) أي بالجهر والمخافتة (مطلقاً) أي قل أو كثر، إلخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۱۰۲، مكتبة سعيد كراچى، انيس)

وقال في شرح المنية: والصحيح ظاهر الرواية وهو التقدير بما تجوز به الصلاة من غير تفرقة؛ لأن القليل من الجهر في موضع المخافتة عفو أيضاً. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۶۹۴، ظفير)

جہر سے پڑھی؛ مگر سجدہ سہو نہ کیا؛ اس لیے نماز کا اعادہ کیا گیا، پھر دو شخص آئے، ان میں سے ایک نے جماعت اولیٰ کی ایک رکعت پائی اور دوسرے نے بالکل ہی نہیں پائی، جب دوسری مرتبہ جماعت شروع ہوئی تو ایک شخص نے کہا کہ آپ دونوں اپنی نمازیں الگ پڑھیں، اس میں آپ شرکت نہیں کر سکتے، آپ کی نماز نہیں ہوگی، کیا اس قسم کا بھی کوئی مسئلہ ہے؟ برائے مہربانی مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

یہ دونوں شخص اعادہ کرنے والی جماعت کے ساتھ اپنی نماز ادا کر سکتے تھے؛ کیوں کہ صورت مسئولہ میں نماز کا اعادہ واجب تھا اور اعادہ کرنے کے بعد دوسری بار پڑھی ہوئی نماز فرض کامل ہوکر واقع ہوتی ہے۔

یؤخذ من لفظ الإعادة ومن تعریفها بمامر أنه ینوی بالثانیة الفرض؛لأن ما فعل أولا هو الفرض فإعادته فعله ثانیا أما علی القول بأن الفرض یسقط بالثانیة فظاهر وأما علی القول الآخر فلأن المقصود من تکریرها ثانیاً جبر نقصان الأولیٰ فالأولیٰ فرض ناقص والثانیة فرض کامل مثل الأولیٰ ذاتا مع زیادة وصف الکمال ولو کانت الثانیة نفلا لزم إن تجب القراء ة فی رکعاتها الأربع وأن لا تشرع الجماعة فیها ولم یذکروه ولایلزم من کونها فرضا عدم سقوط الفرض بالأولیٰ؛لأن المراد أنها تکون فرضا بعد الوقوع أما قبله فالفرض هو الأولیٰ وحاصله توقف الحکم بفرضیة الأولیٰ علیٰ عدم الإعادة وله نظائر کسلام من علیه سجود السهو یخرجه خروجًا موقوفًا وکفساد الوقتیة مع تذکر الفائتة (إلیٰ قوله) **...ونظیر ذلک القراء ة فی الصلاة فإن الفرض منها آیة والثلاث واجبة والزائد سنة وما ذاک إلا بالنظر إلیٰ ما قبل الوقوع بدلیل أنه لو قرأ القرآن کله فی رکعة یقع الکل فرضًا وکذا لو أطال القیام أو الرکوع أو السجود.** (شامی: ۱/۵۳۶)(۱)

تنبیہ: حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے اور دلیل کی روشنی میں یہی راجح بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی اس پر مصر ہیں؛ لیکن بہت سے علما کا خیال ہے کہ بعد میں آنے والا شخص جو پہلی جماعت میں شریک نہ تھا، دوسری جماعت کے ساتھ اپنی فرض ادا نہیں کر سکتا، اگر پڑھا تو نفل ہو جائے گی، فرض الگ پڑھنی پڑے گی۔

نوٹ: اب علماء ہند کا عمل اور فتویٰ اسی آخری قول پر ہے، حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرف رجوع

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۵۲۲-۵۲۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

فرمالیا ہے، چناں چہ امداد الاحکام: ۱/۷۴ میں ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، وہ یہی ہے کہ نو وارد جماعت میں شریک نہ ہو، حضرت مولانا (تھانوی) صاحب مدفیوضہم نے بھی اب اسی کو راجح فرمایا ہے۔(۱) واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۵۱۶-۵۱۸)

سورۂ فاتحہ تھوڑا سا خفیفہ پڑھنے پر فاتحہ کو لوٹانے کی اور سجدۂ سہو واجب ہونے، یا نہ ہونے کی تحقیق:

سوال: اگر منفرد نے نماز جہری شروع کی تھی اور کچھ قرأت خفی کر چکا تھا کہ کسی نے اس کی اقتدا کی تو جو پڑھ چکا ہے، اس کے اعادہ بجہر کرنے میں اختلاف ہے، اگر چہ شامی نے عدم اعادہ کو ترجیح دی ہے؛ لیکن درمختار و بحر وغیرہ سے اعادہ مرجح معلوم ہوتا ہے، یا کہ امام غلطی سے قرأت خفی تھوڑی کر چکا تھا کہ اس کے بعد خیال آیا تو بھی اختلاف عدم اعادہ کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ سجدۂ سہو صورت اولیٰ میں واجب نہ ہوگا اور صورت ثانیہ میں اگر مقدار "**مايجوز به الصلاة**" پڑھ چکا ہے تو واجب ہوگا؛ لیکن بر تقدیر اعادہ کیا حکم ہے؟ فقہا نے لکھا ہے، جیسا کہ عالمگیری میں تصریح ہے: اگر اکثر فاتحہ پڑھ کر اعادہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو آیا سجدہ سہو واجب ہوگا، یا نہیں؟ صورت اولیٰ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعادہ بالقصد ہوا ہے؛ اس لیے سجدۂ سہو قصد سے واجب نہیں ہوتا؛ لیکن صورت ثانیہ میں بھی یہی حکم ہوگا کہ

---

(۱) سوال: امام نے مغرب کی نماز قاعدہ کے موافق تین رکعت پوری کر کے چوتھی رکعت سہوا اور پڑھادی، بعد سلام کے مقتدیوں نے یاد دلایا کہ چار رکعت ہوئی ہیں، امام نے یہ سن کر دوبارہ پھر نماز پڑھادی، سو یہ نماز یقیناً ادا ہوگئی ہوگی۔ اب اس میں دو بات اور قابل تحقیق ہیں:

(۱) پہلی نماز میں جو لوگ دوسری، یا تیسری، یا چوتھی رکعت میں آکر شریک ہوئے تھے، وہ بھی اس اعادہ میں شریک ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) جو لوگ اس اعادہ والی نماز میں از سرِ نو شریک ہوئے ہیں، ان کی نماز بھی ہو جاوے گی، یا نہیں؟

جواب: اس کے متعلق جزئیہ تو نہیں ملا؛ لیکن قواعد سے اختلاف معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز سے ادون ہونے کی صورت میں اقتدا صحیح نہیں اور صورت مذکورہ فی السوال (جب کوئی واجب ترک ہوا ہو) میں اعادہ کیا جاوے تو اس میں یہ اختلاف ہے کہ دوسری نماز، یا فرض واقع ہوگی، یا نماز اول کے جابر ہوتی ہے؛ اس لیے اعادہ مذکورہ کے وقت کسی نئے آدمی کی اقتدا میں اختلاف ہوگا اور چوں کہ مختار قول ثانی ہے، **كما صرح في الدر مع شرحه: ٤٧٦/١**؛ اس لیے اقتدا نہ کرنا مختار ہوگا اور جس شخص نے چوتھی رکعت میں اقتدا کی ہے، چوں کہ اس کی اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔ (**كمافي شامي: ٧٨٢/١**)

تتمة: لو اقتدى به مفترض في قيام الخامسة بعد القعود قدر التشهد لم يصح ولو أعاد إلى القعدة. (**رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٥٥٥/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس**)

اس لیے وہ اس شخص کے مانند ہے، جو پہلی نماز میں بالکل شامل نہیں ہوا اور دوسری تیسری رکعت میں شامل ہونے والوں نے اگر اپنی وہ رکعت جس میں یہ مسبوق ہیں ادا کر لی ہے، تب تو جماعت ثانیہ میں شریک ہو جاویں اور اگر دوسری جماعت کی تیاری سن کر انھوں نے نماز توڑ دی ہے تو وہ بھی نئے اشخاص کے حکم میں ہوں گے، **كما لا يخفى**، **والله أعلم** (امداد الاحکام، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی المسبوق واللاحق: ۱/۷۴۵، مکتبہ دار العلوم، کراچی و کذا فی فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلوٰۃ: ۶/۴۴۶، ادارہ صدیق ڈابھیل)

کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ اعادہ کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا؛ لیکن جب مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ سہوا خفی کر چکا ہے تو سجدہ سہو واجب ہو چکا ہے اور اس تلافی سے وہ رفع نہ ہوگا، یا رفع ہو جائے گا۔ شامی نے عدم اعادہ صورت اولیٰ میں ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اعادہ فاتحہ سے سجدہ واجب ہوتا ہے؛ اس لیے اعادہ نہ کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ تو معلوم ہے کہ دونوں صورتوں میں اعادہ وعدم اعادہ مختلف فیہ ہے، پس اگر اعادہ نہیں کیا گیا تو اس وقت دونوں صورتوں میں یہ تفصیل ہے کہ قائلین بعدم اعادہ کے نزدیک نماز کامل رہی اور قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوئی لترک الواجب اور چوں کہ یہ ترک عمداً واقع ہوا ہے؛ اس لیے سجدۂ سہو اس کا جائز نہیں ہوسکتا اور اعادۂ نماز لازم ہوگا، کما ہو مقتضی القواعد اور اگر اعادہ کرلیا تو اس وقت تفصیل یہ ہے کہ قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز کامل ہوگی اور قائلین بعدم الاعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوگی اور سجدۂ سہو سے جبر نقصان نہ ہو سکے گا، لما مر؛ مگر اقرب الی الفقہ عدم وجوب اعادہ ہے۔

ولعل وجهه أن فيه التحرز عن تكرار الفاتحة فى ركعة وتأخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والاسرار فى ركعة علىٰ أن كون ذلك الجمع شنيعا غير مطرد لماذكره فى آخر شرح المنية أن الإمام لوسها فخافت بالفاتحة فى الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت بآية أو أكثر يتمها جهرًا ولا يعيد وفى القهستانى ولا خلاف أنه إذ جهر بأكثر الفاتحة يتمها مخافتةً كما فى الزاهدى آه أى فى الصلٰوة السرية وكون القول الأول نقله فى الخلاصة عن الأصل كما فى البحر والأصل من كتب ظاهر الرواية لايلزم منه كون الثانى لم يذكر فى كتاب آخر من كتب ظاهر الرواية فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم، آه. (ردالمحتار)(۱)

اب رہی یہ بات کہ اگر اعادہ کرلیا تو کیا حکم ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ احتیاطاً اعادہ مناسب ہے، للتحرز عن الاختلاف اور اگر اعادہ نہ کرے تو نماز ہو جاوے گی، لما فيه من السعة للاختلاف المذكور فيها، رہا عالمگیری کا جزئیہ، سو وہ مطلق نہیں ہے؛ بلکہ مقید بسہو ہے اور صورت ثانیہ میں اعادہ فاتحہ سے سجدۂ سہو ساقط نہ ہوگا؛ کیوں کہ حکم اعادہ جبر نقصان کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع بين الجہر والمخافتۃ لازم نہ آوے۔

ہذا عندنا فقط واللہ اعلم

۱۶ر محرم ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۸۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۳۶-۵۳۸)

سوال: منفرد نماز جہر یہ کو سری پڑھ رہا ہے کچھ قرأت کر چکا تھا، مثلاً فاتحہ اور اس کے پیچھے ایک اور شخص آملا، اب

(۱) فى أول فصل القراءة: ۱/۴۹۷، سعيد

یہ اول سے؛ یعنی فاتحہ سے اعادۂ قرأت کرے، جیسا کہ درمختار سے مفہوم ہوتا ہے، یا جہاں سے پڑھ رہا تھا، وہیں سے جہر کرنا شروع کردے؟

الجواب

درمختار میں تو دوسرے قول کی طرف بھی اشارہ ہے؛ بلکہ یہ عنوان استدراک لانے سے کسی قدر قول ثانی ترجیح کسی مترشح ہوتی ہے اور علامہ شامی کی تحقیق سے بھی قول ثانی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، خصوص آخر شرح منیہ کے جزئیہ نے اس قول کو بہت قوی کردیا اور شامی نے سب نقل کرکے بعض کی تضعیف کا بھی جواب دیا ہے۔ (۱/۵۵۵، فصل فی القراءۃ) البتہ طحطاوی نے قول اول کو نقل کرکے اس پر کچھ کلام نہیں کیا، جس سے ان کا رجحان قول اول کی طرف سمجھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن راقم کے نزدیک قول ثانی کو ترجیح ہے، **لقوۃ دلیله وضعف دعویٰ الشناعة فی الجمیع.**

۱۴/محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۳۸-۵۳۹)

جہری نماز کی ایک رکعت میں قرأت آہستہ کی تو سجدۂ سہو واجب ہے:

سوال: مغرب کی نماز میں امام نے صرف ایک رکعت جہر سے پڑھا اور باقی رکعتوں کو آہستہ پڑھا اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

امام نے سجدۂ سہو کرلیا تو امام اور مقتدی سب کی نماز صحیح ہوئی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۶/۲/۱۳۷۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۲۵)

جہری نماز میں سرًّا پڑھ دیا، پھر جہر سے پڑھ دیا، تو کیا حکم ہے:

سوال: امام نے صلوٰۃ جہری میں قرأت سرًّا پڑھی، بعد میں اس کو یاد آیا کہ صلوٰۃ جہری ہے، وہ تھوڑی سی قرأت پڑھ چکا تھا؛ مگر اس نے پھر شروع ہی سے پڑھی تو اس کی نماز ہوگئی، یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو کرے، یا نہیں؟ اور اگر سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

اس کی نماز ہوگئی، اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں اور بقدر تین آیت کے اگر سرّاً پڑھی تھی تو سجدۂ سہو لازم ہے، ورنہ

---

(۱) ولا یجب السجود ألا بترک واجب أو تأخیره أو تأخیر رکن أو تقدیمه أو تکراره أو تغییر واجب بأن یجهر فیما یخافت. (الفتاوی الهندیه، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲٦)

نہیں اور باوجود وجوب سجدہ کے اگر سجدۂ سہو نہ کیا، تو نماز میں نقصان آیا، اعادہ واجب ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۸)

یاد آنے، یا لقمہ دینے کے بعد جہر کہاں سے شروع اور سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر جہری نماز میں امام دو تین آیتیں آہستہ پڑھ گیا، بعد کو لقمہ دینے سے، یا خود اس کو یاد آ گیا، اب وہ سب کو جہر سے پڑھے، یا جہاں سے یاد آیا وہیں سے جہر شروع کر دے؟ سجدۂ سہو تو کرے گا ہی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

جہاں سے یاد آیا، وہیں سے جہر شروع کر دے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۰۶)

☆ ☆ ☆

---

(۱) يجب له بعد سلام واحد سجدتان (إلٰى قوله) بترك واجب سهو أو إن تكرر كركوع قبل قراءة الواجب (إلٰى أن قال) والجهر فيما يخافت فيه وعكسه بقدر ما تجوز به الصلاة۔ (التنوير مع شرحه، سجود السهو ملخصًا: ۱/۱۰۲، مكتبة سعيد، كراچی، انيس)

(۲) "سها الإمام، فخافت بالفاتحة فى الجهرية، ثم تذكر، يجهر بالسورة، ولا يعيد، ولو خافت بآية أو أكثريتمها جهراً ولا يعيد" (الحلبى الكبير، مسائل شتى، ص: ۶۱۸، سهيل اكادمى لاهور)

قرأت میں غلطی سے سجدۂ سہو

قرأت کی غلطی سے سجدۂ سہو:

سوال: اگرامام نے تراویح میں غلط پڑھنے اور مقتدی صحیح بتلائے تو امام کو سجدۂ سہو کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگرامام نے تراویح میں قرأت کی غلطی کی ہے تو اس کی وجہ سے سجدہ سہو کا حکم نہیں، سجدہ سہو کرنا اس مقصد کے لیے غلط ہے، امام لقمہ لے، یا نہ لے، اس سے سجدہ سہو نہیں آتا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۱۴)

بقدر واجب قرأت کے بعد قرأت میں غلطی سے سجدۂ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: اگرکوئی ضم سورۃ میں آیت کے اوپر مثلاً ﴿افواجاً﴾ پر غلطی ہو، تو سجدۂ سہو لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

سجدۂ سہو نہیں آتا؛ لیکن اگر غلطی ایسی ہے جو مفسد صلوٰۃ ہے تو نماز کا اعادہ لازم ہے اور اگر غلطی ایسی ہے، جس سے فساد نماز کا حکم ہو تو نہ نماز فاسد ہوگی اور نہ سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۳۷۷-۳۷۸)

درمیان سے آیت کا کچھ حصہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں:

سوال: سورۂ بقرہ کی آخری آیت ﴿لایُکلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ سے نماز پڑھنا شروع کیا؛ مگر سہواً ﴿رَبَّنَا وَلاَ تُحَمِّلْنَا مَالاَطَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا﴾ چھوڑ کر آگے آخیر تک پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اس میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور نماز ہوگئی۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۴)

---

(۱) ”ولایجب السهو إلا بترک واجب، أوتاخيره، أوتاخيرركن، أوتقديمه، أوتكراره، أوتغيرواجب بان يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشئ واحد، وهوترک الواجب، كذا في الكافي“ (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشرفي سجود السهو: ۱/۱۲٦، رشيديه)

(۲) اس میں کوئی وجہ سجدۂ سہو کی نہیں ہے؛ اس لیے کہ کسی واجب کا ترک، یا اس کی تقدیم وتاخیر لازم نہیں آتی۔ ظفیر

درمیان میں آیتوں کے چھوٹنے پر سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: زید نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ کہف شروع کی، آخری رکوع میں دو ایک آیت پڑھ کر درمیان میں چھ آیت چھوڑ کر اس کے بعد کی آیت پڑھ کر نماز ختم کی۔ اخیر میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، اس صورت میں نماز درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

ایک بڑی آیت، یا تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنا ادا وجوب کے لیے کافی ہے اور سورۂ الکہف کے آخری رکوع کی پہلی آیت بڑی آیت ہے؛ اس لیے جب اس نے دو آیتیں پڑھ لی اور درمیان میں پھر چھ آیتیں چھوڑ دیں تو نماز صحیح ہوئی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں تھی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۳/۳/۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۲۷)

﴿والعادیات﴾ میں ﴿فالمغیرات﴾ چھوڑ دیا، کیا حکم ہے:

سوال: ﴿والعاديات﴾ بعد الحمد کے پڑھی؛ مگر ﴿فالمغيرات صبحاً﴾ کو چھوڑ کر سب سورت پڑھ دی، سجدۂ سہو آوے گا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ

اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۸)

قرأت بھولنے کے بعد امام کتنی دیر خاموش کھڑا رہے گا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا:

سوال: اگر قرأت پڑھتے وقت امام بھول گیا تو کتنی دیر رکنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ

بقدر ایک رکن کے توقف سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۱)

---

(۱) اس لیے کہ درمیان میں آیتوں کے چھوٹنے سے معنی میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آئی، جس سے کہ نماز خراب ہو۔ [مجاهد]

"والقاعدة عند المتقدمين أن ما غيّر المعنى تغييرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك". (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب مسائل زلة القارى: ۱/۶۳۱،دارالفكر بيروت،انيس)

(۲) فلو أتم القراءة فمكث متفكرًا سهوًا ثم ركع ،إلخ، سجد للسهو(الدرالمختار على هامش رد المحتار، واجبات الصلاة: ۱/۷۲،مكتبة سعيد، كراچی،انيس)

"وتفكره عمدًا حتى شغله عن ركن". (الدرالمختار،باب سجود السهو: ۱/۱۰۲،مكتبة سعيد،انيس)==

ترتیب سور کے خلاف قرأت کا حکم:

سوال: ترتیب سور کے خلاف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

(قولہ:بترک واجب)أی من واجبات الصلاۃ الأصلیة لا کل واجب إذ لوترک ترتیب السور لایلزمه شیء،إلخ. (شامی)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۱۹/۴)

خلاف ترتیب پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں:

سوال: اگرامام قرأت مؤخر کو مقدم کردے تو نماز ہو جائے گی، یانہیں؟ اور سجدۂ سہو واجب ہوگا، یانہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار:وتقدیم الفاتحة علیٰ کل السورة حتی قالوا لوقرأ حرفاً من السورة ساهیاً ثم تذکریقرأ الفاتحة ثم السورة ویلزمه سجود السهو. (۲)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگرالحمد سے پہلے بھول کرسورت پڑھے تو سجدۂ سہو آئے گا۔فقط

کتبہ:اشفاق الرحمٰن

سوال نہایت مبہم ہے،اگر سائل کا یہی مطلب ہے، جومفتی صاحب نے سمجھا ہے تو جواب صحیح ہے۔

عبداللطیف عفااللہ عنہ

سورۃ اور فاتحہ کی تقدیم وتاخیر کا یہی حکم ہے، جوحضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ۔(کاملپوری)

اگرسائل کا یہ مقصود ہے کہ رکعات میں ترتیب قرآنی کے خلاف بھول کر، یا قصداً پڑھ دیا تو دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو نہ آئے گا،البتہ اگر بقصد ایسا کرے گا تو گنہ گار ہوگا اور اگر ایک ہی رکعت میں ناواقفی سے ترتیب قرآنی بدل گئی تب بھی سجدۂ سہو نہیں آتا۔(۳)

خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم:۱/۱۱۵۔۱۱۶)

== "وأجاب فی الحلیة عن وجوب السجود فی مسئلة التفکرعمدًا بأنه وجب لما یلزم منه من ترک واجب هو تأخیرالرکن أوالواجب عما قبله فإنه نوع سهو(رد المحتار،باب سجود السهو :۵٤۳/۲،مکتبة زکریا، ظفیر)

(۱) رد المحتار،کتاب الصلاة،ابتداء باب سجود السهو:۸۰/۲،دارالفکر بیروت،ظفیر

(۲) الدرالمختارمتن رد المحتار،کتاب الصلاة،باب واجبات الصلاة:۱۵۲/۲،مکتبة زکریا،انیس

(۳) (یجب له بعد سلام واحد)...(سجدتان و)...(تشهد وسلام)...إذا کان الوقت صالحًا... بترک واجب.==

سورۂ مقدم کو مؤخر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہے، یا نہیں:

سوال: نماز میں سورۂ مقدم مؤخر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو لازم نہیں؛ مگر عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرء منكوسًا. (۱) (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۱۸)

اگر ایک سورت کا کچھ حصہ پڑھ کر دوسری سورت شروع کردی تو نماز ہوگی، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے نماز فریضہ میں بعد الحمد شریف کے اس رکوع ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کو ﴿كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ﴾ تک پڑھ کر دوسری سورت شروع کردی اور بلا سجدۂ سہو کے نماز ختم کردی تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اگر تاخیر بقدر تحریمہ کے نہ ہوئی تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۰۰)

ایک بڑی آیت سے نماز ہو جاتی ہے:

سوال: ایک آیت کلاں سے نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟ ایک آیت پڑھ کر بھول گیا اور دوسری سورت پڑھنے لگا، نماز ہوئی، یا نہیں؟ رکا بالکل نہیں اور سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہوگئی، ایک آیت طویل، یا چھوٹی چھوٹی تین آیتیں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ملانے سے نماز ہو جاتی ہے، سجدۂ سہو بھی لازم نہیں۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۰۱)

== (قوله بترک واجب) أی من واجبات الصلوٰة الأصلية لا كل واجب إذ لو ترک ترتیب السور لا یلزمه شیء مع کونه واجباً، بحر. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۲/۵۴۰-۵۴۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل ويجهر الإمام، قبيل باب الإمامة: ۱/۸۱، مكتبة سعيد، انيس

(۲) اور نماز ہوگئی۔ ظفیر

منشا یہ ہے کہ رکوع مذکورہ حصہ پڑھنے کے بعد اگر فوراً دوسری سورۃ شروع کردی بقدر رکن تاخیر نہیں کی تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

واعلم أنه إذا شغله ذلک الشک فتفکر قدر أداء رکن ولم یشتغل حالة الشک بقراءة ولا تسبیح... وجب علیه سجود السهو. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۵۶۱، ۵۶۲، مکتبة زکریا، ظفیر)

(۳) وضم أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث ايات قصار نحو ﴿ثُمَّ نَظَرَ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ، ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثًا قصارًا. (الدر المختار، مطلب فی واجبات الصلاة: ۱/۷۱، مكتبة سعيد، كراچی) ==

فاتحہ کے ساتھ صرف دو چھوٹی آیت پڑھی، تو کیا حکم ہے:

سوال: نماز میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورہ والعادیات پڑھی؛ مگر صرف اس قدر ﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا o فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًاo﴾ پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو آئے گا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں ترکِ واجب ہوا، اگر سہواً ایسا ہوا تو سجدۂ سہو کرے اور جو سہواً نہیں ہوا تو اعادۂ نماز کرے۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۸)

تین آیتوں سے کم میں بھول جائے، تو دوسری سورت ملائے یا نہیں:

سوال: اگر نمازی تین آیتوں سے کم میں قرأت بھول گیا اور دوسری سورۃ ملائی تو کچھ حرج ہے؟ اگر ملائی تو سجدۂ سہو کرے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۱۲-۴۱۳)

قرأت کی تکرار سے سجدۂ سہو لازم نہیں:

سوال: نمازِ جمعہ میں امام نے پہلی رکعت میں سورۂ دہر شروع کی نصف سورہ پڑھ کر آگے نہ پڑھ سکا، دوبارہ سہ بارہ پڑھ کر اول سے تب پوری ہوئی۔ ایسی صورت میں نمازِ جمعہ بغیر سجدۂ سہو درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی سجدۂ سہو لازم نہیں ہے۔(کذا فی کتب الفقہ)(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۷۴)

== وهي ثلا ثون حرفًا فلو قرأ اٰية طويلة قدر ثلا ثين حرفًا يكون قد أتى بقدر ثلاث اٰيات.(رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب في واجبات الصلاة: ۱٤۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۱) في الدر المختار: وضم أقصر سورة كالكوثر أو ما قام مقامها، إلخ.(جميل الرحمن)(، كتاب الصلاة، في بيان واجبات الصلاة: ۷۱/۱، مكتبة سعيد كراچي، انيس)

(۲) يكره أن يفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه بل ينتقل إلٰى آية أخرىٰ لايلزم من وصلها مايفسد الصلاة أو إلٰى سورة أخرىٰ.(رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۳۸۲/۲، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۳) يكره أن يفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه بل ينتقل إلٰى آية أخرىٰ لايلزم من وصلها ما يفسد الصلٰوة أو إلٰى سورة أخرىٰ أو يركع إذا قرأ قدر الفرض كما جزم به الزيلعي و غيره وفي رواية قدر المستحب كما رجحه الكمال، إلخ.(رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة: ۵۸۲/۱، ظفير)

تکرارِقرأت ہوجائے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے ایک ہی رکوع کو مکرر دونوں رکعتوں میں پڑھا اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۰۵)

قرأت میں متشابہ کی وجہ دوبارہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں:

سوال: امام نماز میں پڑھتے پڑھتے بھول جاوے، یا متشابہ لگ کر دوسری جگہ کی تین آیت پڑھے اور پھر یاد آنے پر، یا بوجہ بھول جانے کے ابتدا سے قرأت پڑھے تو نماز ہوجاتی ہے، یا نہیں اور سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز صحیح ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں اور غلطی سے اگر سجدۂ سہو کرلیا، تب بھی نماز ہوگئی۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۹۳)

آیات کے دہرانے سے سجدۂ سہو نہیں لازم ہوتا:

سوال: اگر کسی نے نماز میں قرأت مکرر پڑھی، مثلاً کسی نے سورۃ النصر شروع کرکے **افواجاً** پر ٹھیرا، پھر دوبارہ **افواجاً فسبح** سے ختم کیا، سجدۂ سہو لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو اس میں لازم نہیں آتا۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۷۷)

---

(۱) لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية .(الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵٤٦،دارالفكر بيروت،انيس)

أفاد أنه يكره تنزيهاً،وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة،إلخ.(رد المحتار،فصل في القراءة،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۲/۵٤٦،دارالفكر بيروت،انيس)

(۲) ولو سلم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا... إلخ ولوظن الإمام السهوفسجد له فتابعه فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد.(الدرالمختارباب الإمامة،قبيل باب الاستخلاف: ۱/۸۷،مكتبة سعيد كراچی،انيس)

وفي الفيض:وقيل لاتفسد وبه يفتىٰ،و في البحرعن الظهيرية:قال الفقيه أبوالليث:في زماننا لاتفسد؛لأن الجهل في القراء غالب.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،قبيل باب الاستخلاف: ۲/۳۵۰،مكتبة زكريا ،ظفير)

(۳) ويجب أيضاً تشهد وسلام...بترك واجب مما مرفي صفة الصلاة.(الدرالمختار،باب سجود السهو: ۱/۱۰۲، مكتبة سعيد كراچی،انيس)

==

آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم ہے، یا نہیں:

سوال: نمازِ تراویح میں جو کہ سنت مؤکدہ ہے، کوئی شخص، یا پیش امام حافظ (بیس آدمیوں کی جماعت میں) اگر ایک آیت کو تین چار مرتبہ پڑھے تو سجدۂ سہو ضروری ہے؛ یا نہیں؟ کیونکہ اردو مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۸۲/ میں لکھا ہے کہ وہی آیت دو تین بار تکرار کی تو سہو کا سجدہ لازم ہے۔ درمختار جلد اول صفحہ: ۳۴۸/ میں لکھا ہے کہ سہو نمازِ عیدین، جمعہ، فرض اور نفل میں برابر ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ: ۳۲۰/ میں لکھا ہے کہ احتراز کرے تراویح میں غیر مشروع باتوں سے وغیرہ وغیرہ۔ پس ان صورتوں میں سجدۂ سہو ادا کرنا چاہیے، یا نہیں؟ مہربانی فرما کر مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ایک آیت کے بار بار پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا اور مفتاح الصلوٰۃ میں جو لکھا ہے، وہ سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید وہ اس موقعہ میں ہو کہ صرف ایک آیت کو ہی بار بار پڑھا اور کچھ نہ پڑھا، یا فقط سورۂ فاتحہ پڑھی، سورت نہ پڑھی تو بسبب ترک واجب کے اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے؛ مگر تراویح میں ایسا نہیں ہوتا کہ اور کچھ نہ پڑھا ہو۔ تراویح میں اکثر یہ پیش آتا ہے کہ بسبب یاد نہ آنے اگلی آیت کے ایک آیت کا بار بار اعادہ کیا جاوے، اس میں سجدۂ سہو لازم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور شامی میں ہے کہ عیدین و جمعہ میں جب مجمع زیادہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کرنا اولیٰ ہے: ''**بل الأولی ترکه لئلا یقع الناس فی فتنة**'' اور درمختار میں بھی اس عبارت کے نقل کے بعد جو آپ نے لکھی ہے، یہ لکھ دیا ہے کہ مختار اور عند المتأخرین یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۰۶/۴)

متشابہ لگنے پر آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم نہیں:

سوال: امام نے نمازِ جمعہ میں سورۂ جمعہ پڑھی اور ''**ملک القدوس**'' پر متشابہ لگا، امام سورہ کو دہراتا رہا۔ اسی دوروان میں ایک مقتدی نے لقمہ دیا؛ لیکن امام نے لقمہ کا خیال نہیں کیا اور خود ہی درست پڑھ کر نماز ختم کی، سجدۂ سہو نہیں کیا۔ نماز ہوئی، یا نہیں؟

== بترک واجب أی من واجبات الصلاة الأصلیة لا کل واجب، الخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۴۳/۲، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

(۱) والسهو فی صلاة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرین عدمه فی الأولیین. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۱۰۳/۱، مکتبة سعید کراچی، انیس)

قال الشامی: الظاهر أن الجمع الکثیر فیما سواهما کذلک. (ردالمحتار، باب فجود السهو: ۵۶۰/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

الجواب

اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہ تھا، نماز صحیح ہوگئی۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۲/۴)

نماز میں قرأت بلا ترتیل کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز جہریہ میں قرآن شریف بلا ترتیل پڑھا نماز ہوئی، یا نہ؟ اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا؟

الجواب

اگر ایسی غلطی نہیں ہوئی، جو مفسد نماز ہو تو نماز ہوگئی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۹/۴)

☆ ☆ ☆

(۱) بخلاف فتحه علىٰ إمامه فإنه لايفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بكل حال. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصلوٰة ومايكره فيها: ۲/ ۳۸۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

اور سجدۂ سہو ترک واجب اور اس کی تقدیم وتاخیر سے واجب ہوتا ہے، جو یہاں پایا نہیں گیا۔ ظفیر

(۲) ومنها القراءة بالإلحان إن غير المعنى وإلا لا، إلا فى حرف مد ولين إذا فحش وإلا لا بزازية. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۹۰، مكتبة سعيد كراچى، ظفير)

سجدۂ تلاوت میں سہو کے احکام

نماز کے سجدۂ تلاوت میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر امام نے سجدۂ تلاوتِ نماز میں سہو کیا اور جب یاد آیا تو اسی رکعت میں، یا دوسری رکعت میں ادا کیا، پس سجدۂ سہو اس پر واجب ہوا، یا نہیں؟ اور اگر سجدۂ تلاوت بعد فراغ نماز کے یاد آیا تو جبر اس نقصان کا کس طرح کرے، آیا دوسرے شفع تراویح میں سجدہ تلاوت ادا کرے، یا نماز کا مع قرأت سجدۂ تلاوت اعادہ کرے؟

الجواب

سجدۂ تلاوت علی الفور واجب ہے، (۱) اور معنی علی الفور کے یہ ہیں کہ دو، یا تین آیت سے زیادہ فصل نہ ہو، پس جب اپنے فعل سے سہواً تاخیر ہوگئی تو جب یاد آوے، اسی وقت ادا کرے اور بوجہ ترک واجب کے بنا بر مذہب مختار کے سجدۂ سہو اس پر واجب ہوگا۔

وهی علی التراخی... إن لم تكن صلوية فعلى الفور لصيرورتها جزء ا منها ويأثم بتأخيرها و يقضيها مادام فی حرمة الصلاة ولو بعد السلام، فتح، آه. (۲)

(قوله: فعلى الفور...) تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراء ة أكثر من آيتين أو ثلاث علٰى ما سيأتی، حلية (قوله: ويأثم بتأخيرها، إلخ) ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها كما قدمناه فی بابه عند قوله بترک واجب، آه. (ردالمحتار) (۳)

اور اگر بعد فراغ یاد آیا، سو اگر عمداً چھوڑا تھا تو اس کا تدارک بجز استغفار کے کچھ نہیں اور اگر سہواً چھوٹ گیا تھا، سو اگر علی الفور اس شخص نے بعد تلاوت آیتِ سجدہ کے رکوع کر کے سجدہ نماز کا کیا تھا، تب تو سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوگیا، اگرچہ نیت نہ کی ہو اور اگر اس طرح ادا نہیں ہوا، پس اگر کوئی عمل منافی نماز کے ہنوز صادر نہیں ہو تو اسی وقت ادا کر کے سجدہ سہو کرے، ورنہ بجز استغفار کے کچھ چارہ نہیں اور اعادہ شفعہ سے کچھ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اگر اس میں سجدہ کیا بھی تو اس شفعہ اولیٰ سے تو خارج ہے۔

---

(۱) یعنی صلاتی سجدۂ تلاوت علی الفور ادا کرنا واجب ہے۔ (سعید)

(۲) الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/ ۵۸٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/ ۵۸۳_۵۸٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ولوتلاها فی الصلاة سجدها فیها لاخارجها،لما مروفی البدائع:وإذا لم یسجد أثم فتلزمه التوبة.(۱)

(قوله:وإذا لم یسجد أثم،إلخ) أفاد أنه لایقضیها،قال فی شرح المنیة:وکل سجدة وجبت فی الصلاة ولم تؤد فیها سقطت أی لم یبق السجود لها مشروعًا لفوائت محله،آه.

أقول:وهٰذا اذالم یرکع بعدها علی الفوروإلا دخلت فی السجود وإن لم ینوها کما سیأتی وهو مقید أیضاً بما إذا ترکها عمدًا حتٰی سلم وخرج من حرمة الصلاة أما لوسهوًا وتذکرها ولو بعد السلام قبل أن یفعل منافیا یأتی بها ویسجد للسهو کما قدمناه،آه.(ردالمحتار)(۲)والله أعلم

۱۷/ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ(امداد:۱/۱۰۰)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴۲-۵۴۳)

آخری قعدہ کے بعد سجدۂ تلاوت یاد آنے کا حکم:

سوال: کسی شخص نے اول رکعت میں آیت سجدہ کی پڑھی اورسجدہ کرنا بھول گیا، جب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھا،اس وقت یادآیاتواس کوکیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اب سجدۂ تلاوت کر کے سجدۂ سہو کرے ،جس کے قبل وبعدتشہد ہوتا ہے، پھرسلام فراغ پھیرے۔

فی الدرالمختار:ولونسی السهو أو سجدة صلبیة أوتلاویة یلزمه ذلک مادام فی المسجد.(۳)

فی ردالمحتار: فإذا تذکر یلزمه ذلک الذی تذکره (إلٰی قوله) ثم یتشهد ویسلم ثم یسجد للسهو.(۱/۷۸٦)(۴)

وفی الدرالمختار:لأن سجود السهویرفع التشهد دون القعدة لقوتها بخلاف الصلبیة فإنها ترفعهما وکذا التلاوة علی المختار.(۵)

فی ردالمحتار:لأنها أثرالقراء ة وهی رکن فأخذت حکمها بحر،أی تأخذ حکمها بعد سجودها أما قبله فإنها واجبة حتٰی لوسلم ولم یسجدها فصلا ته صحیحة بخلاف الصلبیة فإنها رکن أصلی من کل وجه کما سیأتی.(۱/۷۷۳)(٦)

۱۲/شعبان ۱۳۳۱ھ(تتمہ ثانیہ،ص:۶۴)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴٦)

---

(۱) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار،باب سجود التلاوة:۱/۱۰۵،مکتبة سعید کراچی، انیس
(۲) رد المحتار،باب سجود التلاوة:۲/۲۱۰،دارالفکربیروت، انیس
(۳) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار،باب سجود السهو:۱/۱۰۳،مکتبة سعید کراچی،انیس
(۴) الدرالمختارمع رد المحتار،کتاب الصلاة،باب سجود السهو:۲/۵۵۸،مکتبة زکریا دیوبند، انیس
(۵) الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب سجود السهو:۱/۵٤۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس
(٦) رد المحتار،کتاب الصلاة،باب سجود السهو:۲/۵٤۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

سجدۂ تلاوت مؤخر کرنے سے سجدۂ سہو:

سوال: تراویح میں حافظ قرآن نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ اس مقام پر نہیں کیا؛ بلکہ رکوع دو رکوع کے بعد پھر سجدہ مع مقتدیوں کے کیا تو کیا سجدۂ قرآن درست ہوا، یا نہیں؟ بعد سلام کے مع مقتدیوں کے سجدہ کرلیا تو درست ہوا، یا نہیں؟ اگر سجدہ سہو کرے تو ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

صورت مسئولہ میں سجدہ ذمہ سے ساقط ہوگیا؛ لیکن تاخیر کی وجہ سے ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور جو سجدہ حالت نماز میں امام پر تلاوت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، وہ خارج نماز میں ادا کرنا درست نہیں؛ بلکہ نماز ہی میں ادا کیا جائے۔

"المصلی إذا نسی سجدة التلاوة فی موضعها، ثم ذکرها فی الرکوع أو السجود أو فی القعود، فإنه یخر لها ساجدًا، ثم یعود إلٰی ما کان فیه، ویعیده استحساناً، وإن لم یعده جازت صلاته کذا فی الظهیریة. (الهندیة: ۱/ ۱۳٤)(۱)

"لو أخر التلاویة عن موضعها، فإن علیه سجود السهو، کما فی الخلاصة". (رد المحتار: ۱/ ۷۷٤)(۲)

"والسجدة التی وجبت للتلاوة فی الصلاة، لا تقضٰی إلا فی الصلاة. (رسائل الأرکان: ۱٦۲)(۳)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۴۱۵)

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، یا نہیں:

سوال: امام نے "**الحمد**" کے بعد ایسی سورت پڑھی جس میں آیت سجدہ آ گئی اور سجدہ تلاوت کیا، پھر کھڑے ہوکر "**الحمد**"، پڑھی یعنی ایک رکعت میں "**الحمد**" دو دفعہ پڑھی گئی، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

ایسی حالت میں سجدۂ سہو واجب نہیں، اگر "**الحمد**" دو دفعہ مسلسل پڑھتا یعنی درمیان میں کسی اور قرأت کا فصل نہ ہوتا تب سجدہ سہو واجب ہوتا۔ (فتاویٰ قاضی خان، ص: ۶۱)(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۴۰۸)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱/ ۱۳٤، رشیدیة

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۰، سعید

(۳) (قوله: وإذا لم یسجد أثم، إلخ) أفاد أنه لا یقضیها، قال فی شرح المنیة: وکل سجدة وجبت فی الصلاة ولم تؤد فیها، سقطت: أی لم یبق السجود لها مشروعا لفوات محله" (ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۲/ ۱۱۰، سعید)

(۴) وسجود السهو یتعلق بأشیاء: ...ومنها إذا قرأ فی الأولیین أو أحدیهما الفاتحة، ثم الفاتحة، ثم السورة، ولو قرأ الفاتحة، ثم السورة، ثم الفاتحة، لا سهو علیه. (فتاویٰ قاضی خان، فصل فیما یوجب السهو ومالا یوجب السهو: ۱/ ۱۲۱، رشیدیة)

سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا:

سوال: ایک حافظ نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا، جب کھڑا ہوا تو بھول کر سورۂ فاتحہ پڑھ لیا، سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں نے کہا، تب معلوم ہوا، پھر بھی حافظ صاحب کو یاد نہیں ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھا تھا، یا نہیں؟ ایسی صورت میں وہ دو رکعت ہوئی، یا نہیں؟ اور ان رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا لوٹانا پڑے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں یہ دو رکعتیں بھی صحیح ہوگئیں، اس صورت میں سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوا تھا، لہذا ان رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا ہے، اسے بھی لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں اس قسم کا جزئیہ مذکور ہے:

”ولو کرر الفاتحة فی الأخريين لا سهو وفی الأوليين متواليًا عليه السهو، لا ان فصل بينهما بالسورة للزوم تأخير الواجب وهو السورة فی الأول لا الثانی، إذ ليس الركوع واجبًا بأثر السورة فأنه لو جمع بين سور بعد الفاتحة لم يمتنع ولا يجب عليه شیء بفعل مثل ذلک فی الأخريين“. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۱/۹/۲۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۷۸/۲)

سجدۂ تلاوت کے بعد سہواً سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھنے کا حکم:

سوال: زید حالت نماز میں قرأت کر رہا تھا، اس کو سجدہ تلاوت لاحق ہوگیا، وہ فوراً اس کی ادائیگی کے لیے سجدہ میں چلا گیا، سجدے سے اٹھنے کے بعد اس نے پھر سورہ فاتحہ پڑھ لیا، بایں صورت اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا، یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے، نیز اگر سورہ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ

حامدا و مصليا و مسلما: سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا، سورۂ فاتحہ کے بعد بغیر دوسری سورت پڑھے، معاً دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، **كذا فی الطحطاوی (۲۵۰): ولو كرر الفاتحة أو بعضها فی إحدى الأولين قبل السورة سجده للسهو، الخ.** (۲) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ، ۱۴۱۱/۸/۹، الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۵۱۹/۲-۵۲۰)

☆☆☆

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۲۰/۱، مكتبة دار الكتب العيمية بيروت، انيس

(۲) حاشية الطحطاوی علی المراقی، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲۹۸، مصری

اخیر رکعتوں سے متعلق سجدۂ سہو

چار رکعت والی نماز کی اخیر رکعت میں قرأت:

سوال: چار رکعت والی نماز میں اخیر کی دو رکعت میں ایک آیت کے پڑھنے سے قیام ادا ہو جاتا ہے۔ یہ کیا مصلحت ہے کہ آدھی الحمد پڑھی اور دوسری بار پوری کرلی تو اس کے ذمہ سجدۂ سہو لازم ہوا اور جو دونوں بار پڑھے تو لازم نہیں ہوتا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اخریین میں ترک قرأت تمام سورہ فاتحہ پر سجدۂ سہو اس قول کے موافق لازم آتا ہے، جو وجوب قرأت سورۂ فاتحہ کے اخریین میں قائل ہیں اور ظاہر الروایۃ کے موافق چوں کہ قرأت فاتحہ اخریین میں واجب نہیں ہے تو کل، یا بعض سورۂ فاتحہ کے ترک سے اخریین میں ان کے نزدیک سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۹۲/۴)

اخیر رکعتوں میں سورہ ملانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا:

سوال: فرض کی پچھلی دو رکعتوں میں اگر کوئی سورہ ملالے تو تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اخیر کی دو رکعتوں میں سورہ ملانے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔(۲)

(۱) واکتفی المفترض فیما بعد الأولیین بالفاتحة فإنها سنة علی الظاهرولوزاد لابأس به وهومخیربین قراء ة الفاتحة وصحح العینی وجوبها(الدرالمختار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۷۷/۱،مکتبة سعید کراچی،انیس)

أی ظاهرالروایة(ولوزاد لابأس به إلخ) أی لوضم إلیها سورة لابأس به؛لأن القراء ة فی الأخریین مشروعة من غیر تقدیر والاقتصارعلی الفاتحة مسنون لاواجب فکان الضم خلاف الأولٰی وذلک لاینافی المشروعیة والإباحة بمعنی عدم الإثم فی الفعل والترک کما قدمناه.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب فی عقد الأصابع عند التشهد:۲۲۱/۲،مکتبة زکریا دیوبند،ظفیر)

(۲) (وضم)أقصر(سورة)...(فی الأولیین من الفرض)وهل یکره فی الأخریین المختارلا(الدرالمختار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة وفیه واجبات الصلاة: ۷۱/۲،مکتبة سعید کراچی،انیس)

أی لا یکره تحریماً بل تنزیهاً؛لأنه خلاف السنة،قال فی المنیة وشرحها:فإن ضم السورة إلی الفاتحة ساهیا یجب علیه سجد تا السهو فی قول أبی یوسف لتأخیرالرکوع عن محله،وفی أظهر الروایات:لایجب؛لأن القراء ة==

درمختار میں ہے:

ولوزاد لابأس به،الخ.

وفي الشامي: فكان الضم خلاف الأولىٰ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۷۵-۳۷۶)

فرائض کی اخیر رکعتوں میں سورت ملانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں:

سوال: فرائض نماز کی خالی رکعتوں میں اگر کوئی سورت سہواً، یا قصداً بعد فاتحہ کے پڑھی جاوے تو سجدۂ سہو کرنا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو نہیں آتا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۹۲)

رباعی نمازوں کی اخیر رکعتوں میں ضم سورہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں:

سوال: چار فرضوں کی آخری رکعتوں میں ضم سورت کیا تو سجدہ لازم آئے گا، یا نہیں؟ اس صورت میں اگر تاخیر رکن نہیں ہوئی تو قعدۂ اولیٰ میں "**اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ**" زیادہ پڑھنے سے کیسے تاخیر رکن ہوتی ہے کہ سجدۂ سہو لازم آتا ہے اور عدم مشروع قرأت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

اُخریین میں ضم سورت کرنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ اُخریین میں اکتفا فاتحہ پر واجب نہیں ہے کہ زیادتی سے ترک واجب ہوتا ہو؛ بلکہ سورت ملانے اور نہ ملانے کا اختیار دیا گیا ہے، اگر چہ نہ پڑھنا سورت کا اولیٰ اور مسنون ہے، بخلاف قعدہ اولیٰ کے کہ اس میں اکتفا تشہد پر اور درود شریف نہ پڑھنا واجب ہے۔

درمختار میں ہے: **واكتفى المفترض فيما بعد الأوليين بالفاتحة فإنها سنة على الظاهر ولوزاد لابأس به،إلخ.** (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۳۹۶)

== فيهما مشروعة من غير تقدير،والاقتصار على الفاتحة مسنون لاواجب آه إلخ فلاينافي كونه خلاف الأولى كما أفاده في الحلية،(رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب في واجبات الصلاة: ۱/۴۲۷،ظفير)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار،باب صفة الصلاة،مطلب مهم في عقد الأصابع:۲/۲۲۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) واكتفى المفترض فيما بعد الأوليين بالفاتحة فإنها سنة على الظاهرولوزاد لابأس.(الدر المختار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/۷۷،مكتبة سعيد كراچی،ظفير)

(۳) الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/۷۷،مكتبة سعيد كراچی،انيس ==

رکعتین اُخریین میں سہواً ضم سورت کیا اور موجب سجدۂ سہو سمجھ کر سجدہ کیا تو نماز صحیح ہوگی، یا نہیں:

سوال: اگر اُخریین میں کسی نے ضم سورت سہوا کیا اور اس نے سجدۂ سہو اس کو موجب سہو سمجھ کر کرلیا تو نماز ہوجاوے گی، یا نہیں؟ آیا سجدۂ بے ضرورت کو زیادت فی الرکن قرار دے کر اعادۂ صلوٰۃ لازم قرار دیں گے، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار (واجبات الصلاۃ)... و (لفظ السلام) مرتین فالثانی واجب. (۱)

وفیہ قبیل باب الاستخلاف: ولو ظن الإمام السھو فسجد لہ فتابعہ فبان أن لا سھو فالأشبہ الفساد لاقتدائہ فی موضع الانفراد. (۲)

فی ردالمحتار: وفی الفیض: وقیل لا تفسد وبہ یفتی وفی البحر عن الظھیریۃ قال الفقیہ أبو اللیث فی زماننا لاتفسد؛ لأن الجھل فی القراء غالب، آہ. (۳)

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) نماز ہوجاوے گی۔

(۲) اگر دونوں طرف سلام پھیرا ہے تو اعادہ واجب نہیں اور اگر ایک طرف سلام پھیرا ہے تو چوں کہ ایک واجب؛ یعنی سلام ثانی ترک کردیا، اعادہ واجب ہوگا۔

(۳) اگر یہ شخص امام ہے تو اس کے ساتھ اگر کوئی مسبوق ہو اور اس نے بھی سجدۂ سہو اور اس کے بعد قعدہ میں اس کا اقتدا اس مسبوق کی نماز درمختار کے قول پر اور وہی مقتضاء قواعد کا ہے، فاسد ہوگئی؛ لیکن اگر اس کو اس فضول سہو کا پتہ ہی نہ ہولگا تو یہ معذور ہے اور میرے نزدیک صاحب فیض اور ابو اللیث کے حکم عدم فساد کا محمل اسی کو قرار دیا جاوے تو بہتر ہے کہ جب مسبوق کو پتہ نہ لگے۔ پس دونوں قولوں میں تطبیق ہوجاوے گی۔ فقط

۱۰ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۴۷)

تمام رکعتوں میں سورت ملائی تو کیا حکم ہے:

سوال: امام نے تین رکعت یا چاروں رکعت بھری پڑھ لی، اب اس کو سجدۂ سہو کرنا چاہئے یا کیا؟

== أی لو ضم إلیھا سورۃ لابأس بہ؛ لأن القراءۃ فی الأخریین مشروعۃ من غیر تقدیر والاقتصار علی الفاتحۃ مسنون لا واجب فکان الضم خلاف الأولٰی وذلک لاینافی المشروعیۃ والإباحۃ بمعنی عدم الإثم فی الفعل والترک. (رد المحتار، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب مھم فی عقد الأصابع عند التشھد: ۲/۲۲۱، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس)

(۱) الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ وفیہ واجبات الصلاۃ: ۱/۷۲، مکتبۃ سعید کراچی، انیس

(۲) الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، قبیل باب الاستخلاف: ۱/۸۷، مکتبۃ سعید کراچی، انیس

(۳) رد المحتار، قبیل باب الاستخلاف: ۲/۳۵۰، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

الجواب

نہیں ۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۴۱۶-۴۱۷)

مغرب وعشا کی تیسری رکعت میں ضم سورت:

سوال: امام مغرب، یا عشا میں تیسری رکعت میں سورہ ملانا شروع کردے تو کیا اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟
(محمد یوسف، قاضی پورہ)

الجواب

اگر تیسری، یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملالے تو گو اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے؛ لیکن اگر کرلے تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔ فتاوی عالمگیری میں علامہ سرخسی کی ''کتاب محیط'' کے حوالہ سے یہی بات لکھی گئی ہے:

''ولو قرأ فی الأخریین الفاتحة والسورة لا یلزمه السهو وهو الأصح''. (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۳۵)

ان صورتوں میں سجدۂ سہو نہیں:

سوال: اگر چار رکعت والی نماز کی تیسری، یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملالے، یا قیام کی حالت میں تشہد پڑھ دیا تو کیا اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟　　(خان فیروز خان، نظام آباد)

الجواب

تیسری چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرنا چاہیے؛ لیکن اگر سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت بھی پڑھ لے، یا غفلت میں سورۂ فاتحہ ہی کو مکرر پڑھ لے، یا قیام کی حالت میں تشہد پڑھ جائے تو ان صورتوں میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

''إن قرأ الفاتحة فی الأخریین مرتین أو ضم فیهما سورة أو قرأ التشهد مرتین فی الأخیرة أو تشهد قائما أو راكعًا أو ساجدًا لا سهو علیه''. (۳) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۳۳)

☆ ☆ ☆

(۱) ولو قرأ فی الأخریین الفاتحة والسورة لایلزمه السهو وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲٦، انیس)

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲٦، انیس

(۳) الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة: ٤٦٠

وتر سے متعلق سجدۂ سہو

تکبیر قنوت چھوڑ دینا:

سوال: تکبیر قنوت ترک کردینے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

نہیں۔ البحر الرائق میں ہے:

ذكر في الظهيرية أنه لو ترك تكبيرة القنوت فإنه لا رواية لهٰذا وقيل يجب سجود السهو اعتباراً لتكبيرات العيد وقيل لا يجب، انتهٰى.

وينبغي ترجيح عدم الوجوب؛ لأنه لا أصل ولا دليل عليه بخلاف تكبيرات العيد فإن دليل الوجوب المواظبة مع قوله تعالىٰ: "اذكروا اسم الله في أيام معلومات" انتهٰى (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۱۶)

امام دعاء قنوت چھوڑ کر رکوع کو جائے تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: اگر وتر کی جماعت میں امام بجائے تکبیر کے رکوع میں چلا جائے؛ یعنی دعاء قنوت سے قبل والی تکبیر اور دعاء قنوت دونوں بھول گیا، رکوع میں چلا گیا تو امام کو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اس وقت رکوع کر پورا کرے اور پھر سجدۂ سہو وغیرہ کرکے بعد سجدۂ سہو کرے، رکوع سے کھڑا ہوکر قنوت نہ پڑھے۔
احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۵؍شوال ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۳۰۰/۲)

چھوٹی ہوئی چیز ادا کرنے کے لیے رکوع سے قیام کی طرف پلٹنا کیسا ہے:

سوال: رکوع سے قیام کی طرف کو ہٹنا بخیال ادا کرنے کسی سنت، یا واجب کے، جو چھوٹ گیا ہو، عام ہے کہ واقع میں کوئی چیز ان ہی دو سے چھوٹی ہو، یا نہیں؟ اور قیام کی طرف لوٹنا قصداً، یا سہواً ان سب صورتوں میں رکوع سے قیام کی طرف آنے کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱٤۹/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس

الجواب

ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے، نماز کا اعادہ لازم نہیں،(۱) اور دراصل اس حکم میں نمازِ عید و جمعہ وغیرہ سب برابر ہیں؛ لیکن عیدین و جمعہ میں متأخرین نے ترک سجدۂ سہو کو اولیٰ فرمایا ہے بوجہ اژدحام کے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۱۴)

دعاء قنوت بھول جائے تو کیا قیام کی طرف لوٹ آئے:

سوال: اگر وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے تو کیا قیام کی طرف لوٹ آئے اور دعا قنوت پڑھے؟ اور کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو بھی واجب ہوگا؟ (سمیع احمد، ملک پیٹ)

الجواب

نماز وتر میں دعاء قنوت کا پڑھنا واجب ہے اور اس کی جگہ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہے، لہٰذا اگر اپنی جگہ پر دعاء قنوت پڑھنا بھول گیا اور رکوع میں، یا اس کے بعد یاد آیا، تو اب دعاء قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں؛ تاہم اگر قیام کی طرف لوٹ آئے اور قنوت پڑھ لے تو اس صورت میں بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"ولو نسي القنوت فتذكر في الركوع فالصحيح أنه لا يقنت في الركوع ولايعود إلى القيام". (۲)

البتہ چوں کہ دعا قنوت پڑھنا واجب ہے اور واجب کے چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے؛ اس لیے سجدۂ سہو بہر صورت واجب ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۴۲-۴۴۳)

اگر وتر میں دعاءِ قنوت بھول جائے:

سوال: ایک مسجد کے امام صاحب وتر کی تیسری رکعت میں "اللّٰـه أكبر" کہہ کر سیدھے رکوع میں چلے گئے، مقتدی کے لقمہ دینے پر رکوع سے اٹھ کر دعاءِ قنوت پڑھی، پھر دوبارہ رکوع کیا اور نماز پوری کر لی۔ ان سے کہا گیا کہ اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے تھا، جو آپ نے نہیں کیا؛ اس لیے دوبارہ نماز پڑھائیں؛ لیکن امام صاحب نے کہا کہ نماز ہو گئی، صحیح حکم کی رہ نمائی فرمائیں؟ (شیخ عمران، بلال فارم)

الجواب

امام صاحب کو جو توجہ دلائی گئی، وہ صحیح تھی، اگر دعاءِ قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں، یا رکوع کے بعد یاد آئے تو اب رکوع میں یا رکوع سے اٹھنے کے بعد قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ نماز پوری کرتے ہوئے سجدہ کرلے اور اگر

(۱) ولو نسيه أى القنوت ثم تذكره في الركوع لا يقنت فيه لفوات محله ولايعود إلى القيام في الأصح؛لأن فيه رفض الفرض للواجب فإن عاد إليه وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته،إلخ،وسجد للسهو. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۲/۴۴۶-۴۴۷،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير)

(۲) الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الثامن في صلاة الوتر:۱/۱۱۱،انيس

ناواقفیت کی وجہ سے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دعاءِ قنوت پڑھ ہی لے، تب بھی رکوع کو لوٹا نا ضروری نہیں؛ لیکن سجدۂ سہوا س صورت میں بھی واجب ہوگا؛ کیوں کہ دعاءِ قنوت جو واجب ہے، اس کو اپنے محل سے ہٹا دیا گیا اور واجب کے ادا کرنے میں تاخیر ہوئی اور واجب کو چھوڑ دے، یا مؤخر کر دے، ہر دو صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔(۱)(کتاب الفتاویٰ:۴۴۲/۲)

وتر میں سہو کی ایک صورت کا حکم:

سوال: نماز وتر میں ایک دفعہ اس طرح سہو ہوا کہ دو رکعت کے بعد قعدہ میں خیال ہوا کہ شاید تیسری رکعت کے قیام میں دعاء قنوت نہیں پڑھی تھی؛ اس لیے سجدۂ سہو کرلیا؛ مگر پھر یاد آ گیا کہ ابھی تک ایک رکعت باقی ہے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے تیسری رکعت پوری کرلی اور دو سجدۂ سہو کرکے سلام پھیرا، کیا اس طرح یہ نماز درست ہوگئی؟ کیا سجدۂ سہو کے بعد پھر سہو ہو جاوے تو اس کے لیے دوسرا سجدۂ سہو کرلینا درست ہے؟

الجواب

ہاں نماز درست ہوگئی اور اس حالت میں سجدۂ سہو دوبارہ کرنا ضروری ہے، پہلا سجدہ کیا تھا وہ بے موقع تھا۔

فی الدرالمختار: (وإذاصلیٰ رکعتین فرضاً أو نفلاً وسها فیهما فسجد له بعد السلام ثم شفع علیه لم یکن له ذلک) البناء أی یکره تحریما أراد بنا لئلا یبطل سجوده بلاضرورة بخلاف المسافر) إذا نویٰ الاقامة؛ لأنه لولم یبن بطلت (ولو فعل مالیس له) من البناء (صح) بناءه لبقاء التحریمة ویعید) هو والمسافر (سجود السهو علی المختار) لبطلانه بوقوعه فی خلال الصلاة.(۲)

وفی الشامی: (قوله: بخلاف المسافر، إلخ) أی لوکان مسافرًا فسجد للسهو ثم نوی الاقامة فله ذلک؛ لأنه لولم یبن وقد لزم الاتمام بنیة الاقامة بطلت صلاته وفی البناء نقص الواجب وهو أدنیٰ فیتحمل دفعاً للاعلی، بحر. (ص: ٧٨٤)(۳)

قلت: والصورة المسئولة نظیر صلاة المسافر، کما لایخفی.

وفی الشامیة أیضا (ص:٧٨٧): عن التتارخانیة أن السهو إن وقع فی أصل الصلاة أوجب فسادها وان فی وصفها فلا فالأول کما إذا سلم علی الرکعتین علیٰ ظن أنه فی الفجر أوالجمعة أوالسفر والثانی کما إذا سلم علیهما علیٰ ظن أنها رابعة، آه، واللّٰه أعلم(۴)

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۱ر شوال ۱۳۴۸ھ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔(امداد الاحکام:۳۰۰/۲)

---

(۱) دیکھئے: مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ص: ٢١١

(۲) الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ١٠٣/١، مکتبة سعید کراچی، انیس

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٥٥٥/٢، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۴) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٥٥٩/٢، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

دعائے قنوت، یا التحیات سے پہلے بسم اللہ پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص التحیات، یا دعائے قنوت سے پہلے پوری ''بسم اللہ'' سہوا پڑھ لے تو تاخیر واجب کی بنا پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں؟ اور اگر قصداً پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، (۱) قصداً میں سجدۂ سہو کا سوال ہی نہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۳/۷)

☆ ☆ ☆

---

(۱) بعض روایات میں التحیات اور دعائے قنوت سے پہلے بسم اللہ کا ثبوت ہے:

"عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن." باسم الله، وبالله، التحيات لله والصلوات والطيبات لله السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله أسأل الله الجنة وأعوذ بالله من النار. (سنن ابن ماجة، باب ما جاء في التشهد: ٦٤/١، مكتبة البدر ديوبند، انيس)

راجع للتفصيل امداد الاحکام، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی سجود السہو: ۶۷۹/۱، مکتبہ دار العلوم کراچی

قال الطحطاوي: "قوله: (أن يقول: اللهم ...إلخ) ذكر السيوطي أن دعاء القنوت من جملة الذي أنزل الله على النبي صلى الله عليه وسلم وكانا سورتين: كل سورة ببسملة وفواصل، أحدهما تسمى سورة الخلع، وهي: بسم الله الرحمٰن الرحيم اللهم إنا نستعينك ... من يكفرك، والأخرى تسمى سورة الحفد، وهي: بسم الله الرحمٰن الرحيم إياك نعبد ــ إلىٰ ــ ملحق". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، ص: ٣٧٨، قديمي)

(٢) ظاهر كلام الجم الغفير أنه لا يجب السجود في العمد ... وذكر الولوالجي في فتاوه أن الواجب إذا تركه عمداً لا ينجبر في السهو. (البحر الرائق، باب سجود السهو: ١٦١/٢، مكتبة رشيدية ديوبند، انيس)

رکوع،قومہ اورتعدیل ارکان سے متعلق سجدۂ سہو

رکوع بھول گیا تو کیا کرے:

سوال: مصلی نے نیت باندھ کر قرأت پڑھ کر رکوع نہیں کیا؛ بلکہ سجدہ میں چلا گیا، دونوں سجدوں کے بعد یاد آیا کہ رکوع نہیں کی، اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

سجدہ سے کھڑا ہوکر رکوع کرے اور سجدہ پھر کرے اور آخر میں سجدۂ سہو (کرے)۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۱۵-۴۱۶)

بغیر رکوع کئے ہوئے سجدہ میں جانا، پھر اٹھنا:

سوال: ہمارے امام صاحب نے فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی، پھر بغیر رکوع کئے ہوئے سجدہ میں چلے گئے، سجدہ میں کسی مقتدی نے زور سے کہا کہ رکوع نہیں ہوا تو پھر رکوع میں آ گئے اور پھر سجدہ کیا اور قدرے تشہد کے بعد پھر سجدۂ سہو کیا تو کیا اس طرح کرنے سے نماز ادا ہوگی اور جس مقتدی نے یہ کہ رکوع نہیں ہوا، اس کی نماز بھی درست ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصلیًا

جس مقتدی نے امام کو اس طرح کہا ہے، اس کی نماز نہیں ہوئی،(۱) اس کے اس طرح کہنے سے اگر امام کو خود بھی یاد آ گیا کہ رکوع نہیں ہوا اور وہ اپنی یاد پر اٹھا اور رکوع وغیرہ کر کے سجدۂ سہو کرلیا تو امام کی نماز ہوگئی اور بقیہ سب مقتدیوں کی بھی ہوگئی، اگر امام کو یاد نہیں آیا، محض اس کے کہنے پر کھڑا ہو گیا تو کسی کی نماز نہیں ہوئی، سب کو لوٹانا ضروری ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۴۱۶)

---

(۱) "إذا تكلم في صلاته ناسيًا أو عامدًا، خاطئاً أو قاصدًا، قليلًا أو كثيرًا، تكلم لإصلاح صلاته بأن قام الإمام في موضع القعود، فقال له المقتدي: اقعد، أو قعد في موضع القيام فقال: له قم، أولا لإصلاح صلاته، ويكون الكلام من كلام الناس، استقبل الصلاة عندنا، كذا في المحيط" (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۹۸، رشيديه)

(۲) (قوله: إلا إذا تذكر) قال في القنية: ارتج على الإمام، ففتح عليه من ليس في صلاته وتذكر، فإن أخذ في التلاوة قبل تمام الفتح، لم تفسد، وإلا تفسد؛ لأن تذكره يضاف إلى الفتح ... قلت: والذي ينبغي أن يقال: ==

رکوع کے بجائے سجدہ میں جانے سے سجدۂ سہو:

سوال: اگر کوئی شخص رکوع میں جانے کے بجائے بھولے سے سجدہ میں چلا جائے تو وہ کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

لوٹ کر آئے رکوع کرے اور سجدۂ سہو بھی کرے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۱۴)

ایک رکعت میں دو رکوع کرنے سے سجدۂ سہو:

سوال: ایک رکعت میں اگر دو رکوع کئے جاویں اور سجدۂ سہو بھی نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ مثلاً نمازِ عید الاضحیٰ میں امام صاحب نے ۱۲ر تکبیروں کے ساتھ نیت باندھنا فرمایا ہے اور دوسری رکعت میں دو رکوع کے درمیان بقیہ تین تکبیریں ادا کیں اور سجدۂ سہو نہ کیا گیا، جب امام سے کہا گیا کہ نماز نہیں ہوئی، اگرچہ غلطی تسلیم کر لی؛ مگر نماز نہ لوٹائی۔ کیا وہ امام قابل امامت ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

نمازِ عیدین میں امام صاحبؒ کے مذہب کے موافق ہر ایک رکعت میں تین تین تکبیریں زائد ہیں، بارہ تکبیرات نہیں ہیں،(۲) اور ترکِ واجب اور تاخیر واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور دو دفعہ رکوع کرنے سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے؛ لیکن نماز عیدین میں بوجہ اژدحام کثیر کے ترکِ سجدۂ سہو سے نماز صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۷۹)

== إن حصل التذكر بسبب الفتح،تفسد مطلقًا...وإن حصل تذكره من نفسه لا بسبب الفتح،لاتفسد مطلقًا" (ردالمحتار باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۲۲/۱،سعيد)

(۱) "فيجب بتقديم ركن نحو أن يركع قبل أن يقرأ،ويسجد قبل أن يركع) هٰذا التمثيل غير واقع فى محله؛لأن الركوع قبل القراءة والسجود قبل الركوع غير معتد به حتىٰ يفترض عليه إعادة الركوع بعد القراءة وإعادة السجود بعد الركوع علىٰ ما مر من أن الترتيب بين مالا يتكرر فى الركعة الواحدة وبين غيره فرض،وإذا لم يقع ذلك معتدًا به،لايكون فيه تقديم الركن،نعم إذا فعل ذلك يجب عليه سجود السهو لتأخير الركن بسبب الزيادة التى زادها،فليتأمل" (الحلبى الكبير،كتاب الصلاة،فصل فى سجود السهو،ص: ۴۵۶،سهيل اكادمى لاهور)

(۲) ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنياً قبل الزوائد وهى ثلاث تكبيرات فى كل ركعة.(الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب العيدين: ۱۱۵/۱،مكتبة سعيد كراچی،انيس)

هٰذا مذهب ابن مسعود وكثير من الصحابة ورواية عن ابن عباس وبه أخذ أئمتنا الثلاثة.(رد المحتار،كتاب الصلاة، باب العيدين: ۷۷۹/۱،ظفير)

(۳) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه ==

تحمید زور سے پڑھنا:

سوال: ہماری ''مسجد خطیبان'' میں کچھ لوگ امام کے پیچھے ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد بآواز بلند ''ربنا لک الحمد'' پڑھتے ہیں، کیا اسے زور سے پڑھنا چاہیے؟ (رمیز، اودگیر)

الجواب

مقتدی کو تمام اذکار بشمول تکبیرات انتقال اور ''ربنا لک الحمد'' آہستہ پڑھنا چاہیے، یہی مسنون طریقہ ہے اور یہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ کا عام تعامل تھا؛ تاہم اگر تکبیرات انتقال کو زور سے کہہ دیا جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ ہی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ کیوں کہ سجدۂ سہو قرأت قرآن میں جہر کی جگہ سر اور سر کی جگہ جہر سے واجب ہوتا ہے۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۳۵، ۴۳۶)

رکوع، یا سجدہ کی تسبیحات چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: رکوع، یا سجدہ کی تسبیح بھول گئے اور رکوع یا سجدہ سے لوٹ آئے؛ یعنی رکوع میں تسبیح بھول گئے اور سجدہ کرلیا، یا سجدہ کی تسبیح بھول گئے اور دوسرا سجدہ کرلیا تو اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق

نماز ہوگئی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بشیر احمد، ۱۸/رجب ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۷۹)

رکوع میں بھول سے سجدہ کی تسبیح پڑھ دے تو کیا حکم ہے:

سوال: رکوع میں سہواً سجدہ کی تسبیح پڑھے، یا برعکس تو نماز میں کچھ خرابی تو نہ ہوگی؟

الجواب

کچھ خرابی نہ ہوگی۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۸۵)

== فی الأولیین لدفع الفتنة کما فی جمعة البحر و أقرّه المصنف وبه جزم فی الدرر (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۷۵، ظفیر)

(۱) ''لو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر تلزمه سجدتا السهو''. (الهدایة: ۱/۱۳۷)

(۲) ''فلا یجب بترک السنن والمستحبات کالتعوذ، والتسمیة. والثناء. والتأمین. و تکبیرات الانتقالات. والتسبیحات''. (غنیة المستملی، فصل سجود السهو، ص: ۴۵۵)

(۳) ویسبح فیه (أی فی الرکوع) وأقله ثلاثاً فلو ترکه أو نقصه کره تنزیهًا. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوٰة، فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة: ۱/۷۵، مکتبة سعید کراچی، انیس)

رکوع میں تسبیح کی جگہ بسم اللہ پڑھنے سے سجدۂ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: اگر رکوع میں بجائے تسبیح کے کوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں؟ اور تشہد میں قرأت کرنے سے سجدۂ سہو آتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

رکوع میں بجائے تسبیح کے بسم اللہ پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں آتا؛ کیوں کہ تسبیح رکوع کی واجب نہیں ہے اور تشہد واجب ہے، اس میں ایسا کرنے سے؛ یعنی تشہد کے ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۳۹۵-۳۹۶)

سجدہ میں رکوع کی تسبیح:

سوال: رکوع کی تسبیح سجدہ میں کہہ رہا تھا، سجدہ ہی میں یاد آنے پر سجدے کی تسبیح کہے، یا رکوع کی تسبیح کافی ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

سجدہ کی تسبیح کہنی چاہیے؛ تاکہ سنت کے موافق ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۸۵)

سجدۂ سہو میں تسبیح پڑھنے کی ضرورت ہے، یا نہیں:

سوال: سجدۂ سہو میں تسبیح سبحان ربی الاعلی پڑھنے کی ضرورت ہے، یا نہیں؟ برائے کرم جواب صاف طور سے تحریر فرمادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

سجدۂ سہو میں بھی سبحان ربی الاعلی پڑھنا چاہیے اور سجدوں کی طرح اس میں بھی تسبیح مذکور سنت ہے۔ واللہ اعلم
۵/ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ ()

سجدہ میں ''بسم اللہ'':

سوال: سجدہ میں تسبیح سے پہلے تسمیہ نکل گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

کوئی حرج نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۱۸)

---

(۱) ویلزمه إذا ترک فعلا مسنونا کأنه أراد به فعلاً واجباً، إلخ، أو ترک قراءة الفاتحة، إلخ، أو القنوت أو التشهد أو تکبیرات العیدین؛ لأنها واجبات. (الهداية، باب سجود السهو: ۱/۱۳۶، مکتبة رشيدية سهارنپور، ظفير)

(۲) قال الحلبی: ''اوقرأ التشهد مرتین) فی القعدة الاخیرة اوتشهد قائما اوراکعا اوساجدا، لاسهو علیه... ==

صلوٰۃ التسبیح میں تسبیح کی جگہ الحمد للہ پڑھے تو کیا حکم ہے:

سوال (۱) صلوٰۃ التسبیح میں الحمد سے پہلے سبحان اللہ پڑھا گیا اور بجائے تسبیح کے اگر الحمد پڑھی گئی تو سجدۂ سہو آوے گا، یا نہیں؟

صلوٰۃ التسبیح میں قرأت کے بعد رکوع میں چلا گیا:

(۲) صلوٰۃ التسبیح میں قرأت کے بعد بھول کر رکوع میں چلا گیا، رکوع میں یاد آیا اور رکوع میں اس تسبیح کو پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱-۲) نماز ہوگئی، سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۸/۴)

ترکِ تعدیل اور سجدۂ سہو:

سوال: قومہ اور جلسہ بوجہ تعجیل مصلی موافق واجب ادا نہ ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یہ نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو اس فعل سے واجب ہوتا ہے جو سہواً ہو اور جو لوگ عمداً و عادۃً قومہ وجلسہ پورا نہیں کرتے، اس میں سجدۂ سہو نہیں ہے؛ بلکہ ایسی نمازوں کا اعادہ واجب ہے؛ کیوں کہ ترک واجب عمداً کرنے سے اعادہ واجب ہوتا ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۵/۴)

== وأما التشهد،فلأنه ثناء والقيام والركوع والسجود محل للثناء". (الحلبي الكبيرالكبير،فصل في سجود السهو،ص: ٤٦٠، سهيل اكادمي لاهور)

(۱) ولها(أي للصلاة)(واجبات)لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو،إن لم يسجد له وإن لم يعد ها يكون فاسقاً آثماً. (الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،مطلب في واجبات الصلاة:١٤٦/٢-١٤٧،مكتبة زكرياديوبند، انيس)

(قوله:إن لم يسجد له)أي للسهوهٰذا قيد لقوله:والسهوإذ لاسجود في العمد. (ردالمحتار،باب صفة الصلاة، مطلب في واجبات الصلاة،قبيل مطلب المكروه تحريماً من الصغائر ولا تسقط به العدالة:١٤٧/٢،ظفير)

(وتعديل الأركان) وهو تسكين الجوارح حتى تطمئن مفاصله. (النهرالفائق،باب صفة الصلاة: ١٩٩/١، دارالكتب العلمية. انيس)

قال العلامة إبراهيم الحلبي: وعندهما تعديل الأركا ن من الواجبات لا من الفرائض. (الكبيرى،باب صفة الصلاة: ٢٩٤،انيس) ==

بھول سے تعدیل ارکان چھوڑنا:

سوال: اگر سہواً تعدیل صلوٰۃ ترک شود برائے جبر نقصان فقط اعادہ واجب است، یا خیار مابین سجدۂ سہو و اعادہ ہست؟ بینوا توجروا۔(۱)

الجواب

فی الدر المختار: و(لها)...(واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثما...وفيه تعديل الأركان.(۲)

وفي ردالمحتار: فيمكث في الركوع والسجود وفي القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هٰذا هو الواجب عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ، حتیٰ لو تركها، أو شئيا منها ساهياً يلزمه السهو، آه.(۳)

== عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى ثم جاء فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه السلام، وقال: ارجع فصل فإنک لم تصل، فرجع الرجل فصلى كما كان صلى، ثم جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسلم عليه، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليک السلام، ثم قال: ارجع فصل فإنک لم تصل، حتى فعل ذلک ثلاث مرارٍ، فقال الرجل: والذي بعثک بالحق ما أحسن غير هذا فعلمني؟ قال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر ثم اقرأ ماتيسر معک من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم اجلس حتى تطمئن جالساً ثم افعل ذلک في صلاتک كلها، قال القعنبي عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن أبي هريرة وقال في آخره: فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک وما انتقصت من هذا شيئاً فإنما انتقصته من صلاتک وقال فيه: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء. (سنن أبي داؤد، باب صلاة من لايقيم صلبه في الركوع والسجود (ح: ۸۵٦) انيس)

مقتضى الدليل وجوب الطمأنينة في الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلک كله وللأمر في حديث المسيء صلاته وفي فتاویٰ قاضي في فصل مايوجب السهو، قال: المصلي إذا ركع ولم يرفع رأسه من الركوع حتى خر ساجداً ساهياً تجوز صلاته في قول أبي حنيفة ومحمد وعليه السهو، وفي المحيط: لو ترک تعديل الأركان أو القومة التي بين الركوع والسجود ساهياً لزمه سجود السهو، آه.

فيكون حكم الجلسة بين السجدتين كذلک، لأن الكلام فيهما واحد والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذة ابن أمير الحاج حتى قال: إنه الصواب والله الموفق للصواب. (البحر الرائق، الركوع والسجود في الصلاة: ۳۱۷/۱، دار الكتب الإسلامي. انيس)

(۱) ترجمۂ سوال: اگر بھولے سے تعدیل ارکان نہ کیا تو نقصان کی تلافی کے لیے اعادہ ہی واجب ہے، یا اعادہ اور سجدۂ سہو میں اختیار ہے؟ سعید

(۲) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار مطلب في واجبات الصلاة: ۱٤٦/۲ ـ ۱٤۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) رد المحتار، مطلب: لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها الرواية: ۱۵۷/۲، مكتبه زكرياديوبند، انيس

پس ازیں روایات حاصل شد کہ درصورت مسئول عنہا سجدۂ واجب باشد مخیّر درمیان سجدہ سہو واعادہ نباشد، آرے اگر سجدۂ سہو نہ کرد، اعادہ واجب ست علی التعیین۔ واللہ اعلم (۱)

۲۶ رشوال ۱۳۲۴ھ (امداد: ۱/۸۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۳۲-۵۳۴)

قومہ اور جلسہ سہواً چھوڑ دے تو سجدۂ سہو لازم ہے:

سوال: اگر کسی نے بھول کر قومہ ترک کیا تو سجدہ سہو لازم آئے گا، یا نہیں؟

الجواب

اگر چہ مشہور مذہب حنفیہ کا ہے کہ قومہ اور جلسہ سنت ہیں اور ان کے ترک سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا؛ لیکن متأخرین نے ترجیح اسی کو دی ہے کہ واجب ہے اور ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ محقق ابن ہمام وغیرہ حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار فرمایا ہے۔

كما في ردالمحتار: والحاصل أن الأصح رواية ودراية وجوب تعديل الأركان وأما القومة والجلسة وتعديلهما فالمشهور في المذهب السنية وروي وجوبها وهوالموافق للأدلة وعليه الكمال ومن بعده من المتأخرين وقدعلمت قول تلميذه: أنه الصواب وقال أبويوسف بفرضية الكل، إلخ. (شامي مصري كلاں: ۱/ ۳۱۲) (۲) (امداد المفتین: ۲/۳۱۸)

---

(۱) ترجمہ جواب: في الدرالمختار: (ولها)... (واجبات)... (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة. باب صفة الصلاة، وفيه واجبات الصلاة: ۲/ ۱۴۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئول عنہا میں سجدہ سہو واجب ہے، سجدہ اور اعادہ میں اختیار نہ ہوگا۔ ہاں اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو پھر متعین طور پر اعادہ ہی واجب ہے۔ واللہ اعلم

اطمینان سے ارکان کو ادا کرنا واجب ہے:

اطمینان یہ ہے کہ ہر رکن کو اس طرح ادا کرے کہ اس رکن میں ہر عضو اپنی جگہ ساکن ہو جائے۔ رکوع اور سجدہ میں اطمینان یہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ اتنی دیر رہے کہ ایک مرتبہ تسبیح پڑھی جا سکے۔ (مراقی و درمختار بر شامی: ۱/۳۱۲)

قیام کی حالت میں قرأت لمبی ہوتی ہے؛ اس لیے قرأت کرنے کی مدت اطمینان کے لیے کافی ہے۔ (ملخص طحطاوی: ۱۳۵)

اگر فرض نماز کی آخری دونوں رکعتوں میں، یا کوئی ایک رکعت میں قراءت نہ کرے اور چپ کھڑا رہے تو ایک تسبیح کی مقدار کھڑا رہنا واجب ہے، اس سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ (طحطاوی: ۱۳۵)

اگر اتنی دیر بھی کھڑا نہ رہا تو گنہ گار ہوگا؛ لیکن نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیوں کہ اصل قیام فرض ہے وہ پایا گیا۔ (طحطاوی: ۱۳۶)

قومہ میں بھی اطمینان عملاً فرض ہے اس کے اندر اطمینان کی صورت یہ ہے کہ رکوع سے بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ (طحطاوی: ۱۳۶)

جلسہ میں بھی اطمینان واجب ہے اور اس کے اندر اطمینان کی صورت یہ ہے کہ سجدہ سے اٹھ کر پورے طور پر بیٹھ جائے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۳۶) (ماخوذ از طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۳۵-۲۳۶) (انیس)

(۲) ردالمحتار، مطلب: لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية: ۲/ ۱۵۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

قومہ کی دعا کے بجائے جلسہ کی دعا سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: قومہ میں "ربنا لک الحمد" کے بعد "حمدا طیبا مبارکاً فیه" کے بجائے اگر جلسہ میں پڑھنے والی دعا منفرد سہواً پڑھ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، یا سجدۂ سہو سے درست ہو گئی، یا سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

سجدۂ سہو لازم نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۷/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۰/۷-۴۲۱)

☆ ☆ ☆

(۱) قال الحلبي: "فلا يجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ، والتسمية، والثناء، والتأمين، و تكبيرات الانتقالات، والتسبيحات". (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ٤٥٥، سهيل اكادمي لاهور)

ترك السنة لايوجب فساداً ولا سهواً بل إساءة لو عامداً غير مستخف. (الدر المختار على صدر ردالمحتار، واجبات الصلاة، قبيل مطلب في قولهم الإساءة دون الكراهة: ٤٧٤/١، دار الفكر. انيس)

قال الشامي عن الكشف الكبير معزيًا إلى أصول أبي اليسر: حكم السنة أن يندب إلى تحصيلها ويلام على تركها مع لحوق إثم يسير، اه، وعن هذا قال في البحر: أن الظاهر من كلامهم أن الإثم منوط بترك الواجب أو السنة المؤكدة لتصريحهم بإثم من ترك سنن الصلوات الخمس على الصحيح وتصريحهم بإثم من ترك الجماعة مع أنها سنة على الصحيح ولاشك أن الإثم وبعضه أشد من بعض فالإثم لتارك السنة المؤكدة أخف منه لتارك الواجب، اه. وظاهره حصول الإثم بالترك مرة ويخالفه ما في شرح التحرير أن المراد الترك بلاعذر على سبيل الاصرار ... وقال محمد في المصرين على ترك السنة بالقتال وأبويوسف بالتاديب، اه، فيتعين حمل الترك فيما مر عن البحر على الترك على سبيل الاصرار توفيقًا بين كلامهم، اه. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب في قولهم الاساءة دون الكراهة: ١٧٠/٢، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

سجدہ سے متعلق سجدۂ سہو

اگر پہلی رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو کیا کرے:

سوال: اول رکعت میں اگر کسی نے ایک سجدہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو کیا کرے، لوٹ کر دوسرا سجدہ کرے، یا دوسری رکعت میں تین سجدے کرے اور سجدہ سہو بھی کرے، یا نہیں؟

الجواب

جس وقت یاد آوے کہ ایک سجدہ کیا ہے، اسی وقت دوسرا سجدہ کر لیوے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۶/۴)

ایک سجدہ کر کے اٹھ گیا کیا کرے:

سوال: نماز میں پہلی رکعت میں دو سجدوں میں سے صرف ایک ہی سجدہ کیا اور کھڑا ہو گیا، بعدہ یاد آیا کہ ایک سجدہ نہیں کیا ہے تو اس حالت میں کیا کیا جاوے؟

الجواب

جس وقت یاد آوے اسی وقت دوسرا سجدہ کر لے اور پھر آخر میں سجدۂ سہو کر لیوے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۶/۴-۴۰۷)

ایک ہی سجدہ کیا تو کیا کرے:

سوال: مصلی نے پہلی رکعت میں صرف ایک ہی سجدہ کیا، دوسری رکعت میں یاد آیا کہ میں نے سجدہ ایک کیا ہے، اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟

---

(۱) ولایجب السجود إلاّ بترک واجب أوتأخیره أوتأخیر رکن أوتقدیمه،إلخ.(الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة، الباب الثانی عشرفی سجود السهو: ۱۲۶/۱،مکتبة زکریا دیوبند،ظفیر)

(۲) لوترک سجدة من رکعة ثم تذکرها فیما بعدها من قیام أورکوع أوسجود فإنه یقضیها ولا یقضی ما فعله قبل قضائها مما هوبعد رکعتها من قیام أو رکوع أوسجود بل یلزمه سجود السهوفحسب.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب کل شفع من النفل صلاة: ۴۶۲/۱،دارالفکر بیروت،انیس)

الجواب

وہ سجدہ اب کرے، اور پھر رکعت پڑھ کر آخر میں سجدۂ سہو کرے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۱۵-۴۱۶)

پہلی رکعت کے سجدہ کی قضا کا حکم بعد والی رکعت میں:

سوال: مصلی نے ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا، یاد نہ آنے پر دوسری تیسری رکعت میں تین سجدے قصداً کئے اور آخر میں سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لی تو اس کی نماز صحیح ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ورعاية الترتيب فيما يتكرر فی كل ركعة كا لسجدة.(۲)

فی ردالمحتار: الكاف استقصائية إذ لم يتكرر فی الركعة سواها (ثم قال) والمراد بها السجدة الثانية من كل ركعة (ثم قال) حتٰى لوترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أو ركوع أوسجود فإنه يقضيها ولايقضی مافعله قبل قضائها مما هوبعد ركعتها من قيام أو ركوع أوسجود بل يلزمه سجود السهو فقط.(۳)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کی نماز درست ہوگئی۔

۱۰/شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۸۸) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۴۹-۵۵۰)

امام اگر ایک سجدہ کر کے بیٹھ جائے:

سوال: امام نے دوسری رکعت میں ایک سجدہ کر کے بیٹھ گیا تو اب لقمہ کس طرح دیوئے کہ امام کو معلوم ہو جاوے کہ میں دوسرا سجدہ بھول گیا؟

الجواب

جب امام ایک سجدہ کر کے بیٹھ جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہہ دیں، اس سے امام کو یاد آجاوے گا کہ مجھ سے کچھ رہ گیا ہے۔(امدادالاحکام:۲/۱۲۴)

---

(۱) ''اور پھر رکعت پڑھ کر'' یعنی باقی نماز پڑھ کر آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

قال فی شرح المنية: حتّٰی لوترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أوركوع أوسجود، فإنه يقضيها ولايقضی ما فعله قبل قضائها مما هوبعد ركعتها من قيام أوركوع أوسجود، بل يلزمه سجود السهو. فقط (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۷۱، زكريا ديوبند، انيس)

(۲) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۷۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) الدرالمختارمع رد المحتار، مطلب: كل شفع من النفل صلاة: ۱/ ٤٦٢، دارالفكربيروت، انيس

ایک سجدہ بھول گیا تو اس کو کب ادا کرے:

سوال: اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس نے پہلی رکعت میں ایک سجدہ غلطی سے کیا ہو، دوسری رکعت میں یاد آجائے تو کیا حکم ہے؟ (عبدالحق گیاوی، متعلم مدرسہ ہذا)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جب یاد آئے جب ہی سجدہ کرلے، اگر دوسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آئے، اس وقت کرے، ورنہ اگر قیام قعود وغیرہ میں یاد آئے تو اس وقت کر کے جس رکن کو وسط میں چھوڑ کر سجدہ کیا ہے، اس کا اعادہ کرے۔

"**فلو ترک سجدة من رکعة فتذکرها فی آخر صلاة سجدها، وسجد للسهو لترک الترتیب فیه، ولیس علیه اعادة ماقبلها**". (۱)

"**وإن کان إمامًا فصلّٰی رکعة وترک فیها سجدة، صلّٰی رکعة أخرٰی وسجدلها، وتذکر المتروکة فی السجود، فإنه یرفع رأسه من السجدة، یسجد المتروکة، ثم یعید ما کان فیها؛ لأنها ارتفضت فیعیدها استحساناً**". (۲)

اور سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفرلہ، ۱۳۵۳/۲/۱۵ھ

الجواب صحیح: سعید احمد ۱۵/صفر ۱۳۵۳ھ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ، ۱۵/صفر ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۹/۷)

ایک سجدہ بھول گیا، کیا سجدۂ سہو سے نماز ہوجائے گی:

سوال: نماز میں ایک سجدہ بھول گیا، پھر آخر میں سجدہ سہو کرلیا، کیا نماز درست ہوگئی، یا نہیں؟ ایک فرض ہے دوسرا واجب، خیال رہے کہ جو سجدہ بھولا ہے وہ دوسرا سجدہ ہے، کیا دونوں سجدے فرض ہیں، یا ایک فرض ہے دوسرا واجب؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں سجدتان کا لفظ نہیں آیا ہے، دونوں کیسے فرض ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

دونوں سجدے فرض ہیں، ترک فرض سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اعادہ ضروری ہے، سجدہ سہو کافی نہیں ہوتا، (۳) کتب

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۶۷/۲، رشیدیة، انیس

(۲) الفتاویٰ التاتارخانیة، الفصل السابع عشر فی سجود السهو، نوع آخر فی المتفرقات: ۴۲۸/۲، زکریا دیوبند، انیس

(۳) "(سجدة السهو واجبة، انه لایجب إلا بترک الواجب)... ولا بترک الفرائض؛ لان ترکها لاینجبر بسجود السهو، بل هو مفسد، إن لم یتدارک، فیعاد" (الحلبی الکبیر، فصل فی سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهیل اکادمی لاهور)

فقہ میں سجدۂ ثانیہ کی تصریح موجود ہے۔(کبیری، ص:۳۱۳)/ البحر الرائق: ۲۹۳/۱/ رد المحتار: ۳۰۰/۱)(۱) وغیرہ جملہ کتب میں ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۰/۷)

ایک رکعت میں تین سجدہ کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہے:

سوال: تراویح کی بارہویں رکعت میں امام نے غلطی سے تین سجدہ کرلیا اور اخیر میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر امام نے غلطی سے تراویح میں تین سجدے کئے تو اس کو سجدۂ سہو کرنا واجب تھا، سجدۂ سہو نہیں کیا تو دو رکعت نماز نہیں ہوئی، اس کا اعادہ کرنا چاہیے تھا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان، ۲۳/۱۰/۱۳۷۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۲۲/۲)

ایک رکعت میں ایک، یا تین سجدے کرے:

سوال: اگر کوئی شخص صرف ایک ہی سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا یا کسی نے دو کے بجائے تین سجدے کر ڈالے تو وہ اب کیا کرے؟

ھو المصوب ـــــــــــــــــــ

اگر کسی نے بھولے صرف ایک ہی سجدہ کیا ہے تو دوسری رکعت میں تین سجدے کرے اور اخیر میں سہو کر لے۔اسی

---

(۱) ”وتکلموا فی تکرار السجود، فقیل: هو تعبد الایطلب فیه المعنی کأعدد الرکعات...الخ“.(البحلبی الکبیر، فصل فی صفة الصلاة، ص: ۳۲۲، سهیل اکادمی لاهور)

والمراد من السجود والسجدتان، فأصله ثابت بالکتاب والسنة والاجماع، وکونه مثنٰی فی کل رکعة بالسنة والإجماع، وهو أمر تعبدی لم یعقل له معنی علٰی قول أکثر مشایخنا تحقیقًا للابتداء“.(البحر الرائق، کتاب الصلٰوة، باب صفة الصلاة: ۵۱۱/۱، رشیدیة)

”قوله: وتکراره تعبد): أی تکرار السجود أمر تعبدی: أی لم یعقل معناه علٰی قول أکثر المشایخ تحقیقا للابتلاء“.(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الرکوع والسجود: ۴۴۷/۱، دارالفکر بیروت، سعید)

(۲) ولو زاد فی صلاته رکوعًا أوسجودًا لا تفسد صلاته ویلزمه السهو“.(فتاوی قاضی خان علٰی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، فصل فیما یوجب السهو وما لا یوجب السهو: ۱۲۱/۱)

(لها واجبات) لا تفسد بترکها وتعاد وجوبًا فی العمد والسهو إن لم یسجد له، وإن لم یعدها یکون فاسقًا إثمًا.(الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، مطلب واجبات الصلاة: ۱۴۶/۲، ۱۴۷، دارالکتاب العلمیة، بیروت، انیس)

طرح تین سجدے کرڈالے ہیں تو سجدۂ سہو کرلے نماز ہو جائے گی۔

”وإذا كان واجباً لايجب إلا بترک واجب أوتأخيره أوتأخير ركن ساهيا.(۱)

تحریر: ساجد علی، تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۳۸/۳)

تیسرے سجدہ کی وجہ سے سجدۂ سہو:

سوال(۱) کل نماز جمعہ میں ایک نئی صورت پیش آئی؛ یعنی دوسری رکعت میں امام نے دوسرا سجدہ کرنے کے بعد تیسرا سجدہ کرنے کا قصد کیا تو مقتدیوں نے سبحان اللہ کہا؛ مگر امام سجدہ میں پہنچ گیا، جملہ مقتدیوں نے اقتدا کی، اکثر مقتدیوں کا بیان ہے کہ امام بلا تکبیر اٹھ گیا اور تشہد ختم کر کے سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرا، اس وقت تک بجز دو تین مقتدیوں کے بقیہ مقتدی سجدہ ہی میں تھے، السلام کا لفظ سن کر فوراً سجدہ سے اٹھے اور امام کے ساتھ سلام میں شریک ہوئے اور سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کی، بجز دو تین مقتدیوں کے تمام نے بلا قعود اور تشہد سلام سہو میں امام کی متابعت کی، اس کے بعد جھگڑا ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ سب کی نماز ہوگئی؛ اس لیے نماز نہیں لوٹائی گئی۔

تیسرے سجدہ میں اگر اقتدا نہ کرے:

(۲) جو مقتدی تیسرے سجدے میں اتباع نہ کرے، اس کا کیا حکم ہے؟

مقتدی کو سلام سہو میں اقتدا کرنی چاہیے:

(۳) مقتدی بجز امام کے ساتھ سلام سہو میں اتباع کرنے کے اور کیا کر سکتے تھے؟

الجواب

(۱) اس صورت میں نماز سب کی ہوگئی؛ کیوں کہ جو مقتدی سلام سجود سہو میں شریک امام ہو کر سجدہ میں امام کے ساتھ گئے اور سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ قعدہ کیا اور تشہد وغیرہ حسب قاعدہ پڑھا تو ان کو یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نہ قعود کیا اور نہ تشہد پڑھا۔(۲)

(۲) اس کی نماز صحیح ہے۔(۳)

---

(۱) **الهداية مع الفتح، باب سجود السهو: ۵۱۹/۱، دارالكتب العلمية، بيروت، انيس**

(۲) **نعم تكون المتابعة فرضًا بمعنى أن يأتي بالفرض مع إمامه أوبعده كما لوركع إمامه فركع معه مقارناً ومعاقباً وشاركه فيه، إلخ.(ردالمحتار، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام: ۱۶۶/۲، دارالكتب العلمية، بيروت، انيس)**

(۳) **وأنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ وما لا تعلق له بالصلاة فلا يتابعه لو زاد سجدة.(رد المحتار، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام: ۱٦٦/۲، دارالكتب العلمية، بيروت، انيس)**

(۳)　مقتدی مدرک کا یہی حکم ہے اور مسبوق سلام سہو میں امام کے شریک نہ ہو سجدہ میں شریک ہو۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۰/۴-۳۸۱)

امام کو سجدۂ سہو میں سہو ہوگیا تو مقتدی کیا کریں:

سوال:　امام کو سہو ہوا، اس نے سجدۂ سہو کرلیا اور اس کے بعد پھر یہ بھول جاتا ہے کہ اس نے سجدۂ سہو ادا کیا، یا نہیں؟ بالآخر اس کو یقین ہوتا ہے کہ نہیں کیا اور پھر سجدۂ سہو کرتا ہے۔ ایسی حالت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

جب وہ دوسری دفعہ سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرائے تو مقتدی دونوطرف سلام پھیر کر اپنی نماز پوری کردیں۔(۲)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۴۵۳/۷)

☆ ☆ ☆

---

(۱)　و لو سلم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السهو و إلا لا.(الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار،باب الإمامة:۳۵۰/۲، دارالكتب العلمية بيروت،ظفير)

(۲)　"واربعة لايتبع فيها:زياده تكبير عيد،أوجنازة وركن،وقيام الخامسة"(الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۹۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

"(قوله:لايتبع):أى إذا فعلها الإمام لايتبعه فيها القوم،والأصل فى هٰذا النوع أنه ليس له أن يتابعه فى البدعة و المنسوخ،وما لاتعلق له بالصلاة،شرح المنية...(قوله:وركن)كزيادة سجدة ثالثة".(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مطلب فى القنوت للنازلة: ۱۲/۲،دارالفكر بيروت،سعيد)

قعدہ سے متعلق سجدۂ سہو

پہلی رکعت میں بیٹھ کر کھڑا ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ یکم فروری ۱۹۳۶ء)

سوال (۱) تراویح کی نماز میں امام پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے اس خیال میں کہ دوسری رکعت کا سجدہ ختم ہوا قعدہ میں بیٹھا ہی تھا کہ مقتدی کے لقمہ دینے سے فوراً بلا تاخیر کھڑا ہوا اور دوسری رکعت پوری کی سجدۂ سہو کئے بغیر جس پر مقتدی میں ایک سندی عالم نے کہا کہ سجدہ سہو واجب ہوا تھا، جس کو ترک کیا گیا ہے، لہذا نماز لوٹانی واجب ہے؟

(۲) امام پر سجدۂ سہو واجب تھا؛ لیکن یاد نہ رہنے سے سلام پھیر کر نماز سے باہر آ گیا تو نماز ہو جاوے گی، یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر دوسری رکعت میں بیٹھ کر فوراً بلا تاخیر کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔(۱)

(۲) جب سجدۂ سہو واجب ہو اور بھول کر بغیر سجدہ کئے سلام پھیر دیا جائے تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۲۰/۳)

پہلی رکعت میں بیٹھ کر فوراً کھڑا ہو گیا:

سوال: ایک شخص پہلی رکعت کے دونوں سجدے کرنے کے بعد التحیات پڑھنے کے لیے تھوڑی دیر بیٹھ گیا، کچھ بھی نہیں پڑھا کہ اسے یاد آ گیا، فوراً دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ سجدہ سہو کی ضرورت تھی، یا نہیں؟ اگر وہ اتنی دیر بیٹھا کہ تین مرتبہ ''سبحان اللّٰہ'' کہا جا سکتا تھا، تب ضرورت تھی، یا نہیں؟

---

(۱) والتأخير اليسير، و هو مادون ركن معفوعنه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل شفع من النفل صلاة: ۴۶۰/۱، ط: سعيد)

ولأن العمل القليل معفو عنه. (تبيين الحقائق، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱۵۵/۱، الأميرية بولاق، انيس)

(۲) ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له و إن لم يعد ها يكون فاسقًا... (و هی) (قراءة فاتحة الكتاب) وضم سورة... والقعود الأولٰى... والتشهدان، إلخ. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۵۶/۱، ط: سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر تین مرتبہ ''سبحان اللّٰه'' کہنے کی مقدار بیٹھا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اس سے کم میں سجدہ واجب نہیں۔(۱)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۱/۷-۴۱۲)

اگر ایک رکعت پر بھول کر سلام پھیر دیا، پھر یاد آیا تو:

سوال: ایک شخص نے دو رکعت نماز کی نیت باندھی اور ایک رکعت پڑھ کر سہو ہوا کہ دونوں پڑھ لی ہیں اور اس نے سلام پھیر دیا اور بعد سلام پھیر دینے کے یاد آیا کہ ایک رکعت ہوئی ہے اور بہت جلد کھڑا ہو کر وہ رکعت بھی پڑھ لی تو سجدہ سہو کا کرے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس صورت میں سجدۂ سہو کرے، نماز ہو جاوے گی۔(۲)

(بدست خاص، سوال: ۱۶۳) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۸)

سنت ظہر میں قعدۂ اولیٰ بھول جائے اور سجدۂ سہو کرلے تو نماز ہو جائے گی:

سوال: اگر ظہر کی چار رکعت سنت میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول جاوے تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی، یا نہیں؟ اور اگر دو رکعت سنت مؤکدہ پر درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہوگئی، (۳) اور درود شریف درمیان کے قعدہ میں پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہے۔(۴) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۷۴/۴)

---

(۱) ''قوله: وجب عليه سجود السهو) إذا شغله التفكر عن أداء واجب بقدر ركن ... وهو مقدر بثلاث تسبيحات، ثم إن محل وجوب سجود السهو إذا لم يشتغل حالة الشک بقرآءة ولا تسبيح، آه''. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل فى إسقاط الصلاة والصوم، باب سجود السهو، ص: ٤٧٤، قديمي)

(۲) عن ابن مسعود رضى اللّٰه عنه مرفاعاً، إذا شک أحدكم فى صلاته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم يسلم ثم يسجد سجدتين. (إعلاء السنن، باب وجوب سجود السهو وكونه بين السلامين-١٥١/٧، إدارة القرآن باكستان، انيس)

(۳) ولو ترک القعود الأول فى النفل سهوًا سجد ولم تفسد استحساناً؛ لأنه كما شرع ركعتين شرع أربعًا أيضًا. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٨٨/٢، ظفير)

(۴) (ولا يزيد) فى الفرض (على التشهد فى القعدة الأولىٰ) إجماعاً (فإن زاد عامدًا كره) فتجب الإعادة أو ساهياً وجب عليه سجود السهو. (الدر المختار)
==

قعدۂ اولیٰ بھول جانے کی صورت میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو نماز ہوئی ، یا نہیں:

سوال: امام نماز عصر میں قعدۂ اولیٰ بھول گیا، کسی مقتدی نے یاددہانی کی، امام متوجہ نہیں ہوا اور اپنی نماز پوری کر لی، سجدۂ سہو بھی ادا نہیں کیا تو کیا ایسی صورت میں نماز ہوگئی اور نماز میں کوئی خرابی اور کراہت نہیں آئی ؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور ترک سے سجدۂ سہو لازم ہے؛ اس لیے جب امام نے قعدۂ اولی چھوڑ دیا تو اس کو سجدہ کرنا چاہیے تھا اور جب اس نے سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے، اعادہ نہ کرنے کی صورت میں گہنگار ہوں گے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۱/۵/۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۲۲-۲۲۳)

سنت قبل الظہر میں قعدۂ اولیٰ بھول جانے سے سجدۂ سہو:

سوال: کسی شخص نے چار رکعت سنت قبل الظہر کی نیت کی اور قعدۂ اولیٰ فراموش کر کے سیدھا کھڑا ہوا بعدہ قعدہ کیا اور آخر میں سجدۂ سہو نہ کیا۔ یہ نماز صحیح ہوگی، یا نہیں؟ اس پر اعادہ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے اعادہ واجب ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۴/۳۸۷)

سنتوں کی چار رکعتوں میں پہلا قعدہ واجب ہے:

سوال: سنتوں میں مثلاً چار رکعت میں قعدہ وسط کا فرض ہے، یا واجب؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

واجب ہے امام صاحب کے نزدیک۔

(بدست خاص، سوال:۵۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۰)

سنت مؤکدہ میں قعدۂ اولی چھوڑنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ظہر کے وقت چار رکعت سنت کی نیت باندھی اور قعدۂ اولیٰ فراموش کر کے تیسری رکعت

== قوله:(لا يزيد في الفرض)أى وما ألحق به كالوتر والسنن الرواتب.(رد المحتار،مطلب:مهم عقد الأصابع عند التشهد:۲/۲۲۰،دارالكتب العلمية،بيروت،ظفير)

(۱-۲) (ولها واجبات)لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له،وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا. (الدرالمختارعلى هامش ردالمحتارمطلب في واجبات الصلاة:۲/۱۴۶-۱۴۷،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور قرأت شروع کردی تو کیا اس کو یاد آجانے پر قعدہ کی جانب پھر عود کرنا چاہیے اور نماز تمام کرکے سجدۂ سہو کرلینا چاہیے اور اگر یاد آنے نہ، یا آنے پر قعدہ کی طرف نہ عود کرے اور تمام کرلے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

فی الدرالمختار: والأصل أن كل شفع صلاة إلا بعارض، إلخ. (۱)

فی ردالمحتار: ينبغي أن يستثنى أيضًا من الأصل المذكور المؤكدة بناء علىٰ اختيار الحلبی وغيره. (۱/۷۲٤)(۲)

وفی الدرالمختار: سها عن القعود الأول من الفرض، إلخ. (۳)

فی ردالمحتار: قوله أما النفل فيعود، إلخ، جزم به فی المعراج والسراج وعلله ابن وهبان بأن كل شفع منه صلاة (إلىٰ قوله) قيل: يعود، وقيل: لا، وفی الخلاصة: والأربع قبل الظهر كالتطوع، الخ. (۱/۷۷۸)(۴)

روایت ثانیہ سے اس کا مختلف فیہ ہونا اور روایت اولیٰ سے حلبی وغیرہ کے قول پر عدم عود کا راجح ہونا اور سجدۂ سہو سے نماز کا صحیح ہوجانا معلوم ہوتا ہے۔ وبهٰذا أفتىٰ أنا (يعني حسب الرواية الأولىٰ)

۸/رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۷۲) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۵۴۷-۵۴۸)

سنن ونوافل میں قعدہ اولیٰ کا چھوڑنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت کی اور بیچ کے قعدہ میں بیٹھنا بھول گیا، اسی طور پر چاروں رکعت پوری کرلیں، اخیر میں قعدہ کرکے سلام پھیرا۔ یہ نماز اس کی ہوئی، یا نہیں؟ اگر ہوئی تو نوافل کی اصل رکعات دو ہیں، بیچ کا قعدہ فرض تھا باوجود ترک نماز کیسے ہوئی اور جو نہیں ہوئی تو قضا میں کے رکعت پڑھے دو، یا چار؟ دوسرے یہ کہ ایک شخص نے چار فرائض کی نیت کی اور قعدہ اخیر کا نہ کیا۔ پس اس صورت میں جو فقہا لکھتے ہیں کہ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا تو بیٹھ جائے اور سجدہ کرکے فارغ ہوجائے اور جو سجدہ پانچویں رکعت کا کرلیا تو فرض باطل ہوگئے۔ اب اگر ایک رکعت اور ملا لیوے گا تو چھ نفل ہوجاویں گے۔ پس جس حالت میں قعدہ اخیر فرض کا ترک ہوا تو نوافل ہونا کیسے صحیح ہوا، یا قعدہ اخیرہ کی فرضیت میں بہ نسبت فرائض ونوافل کے کچھ تفاوت ہے

(۱) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس
(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث المسائل الستة عشرية: ۲/۳۲، دارالفكر بيروت، انيس
(۳) الدرالمختار، باب سجود السهو: ۱/۱۰۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس
(۴) الدرالمختار مع رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۳، دارالفكر بيروت، انيس

اور پہلی صورت نوافل کی بعض صاحب ایسی فرماتے ہیں کہ دو رکعت نفل کی قضا ہوگی۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہاں فرض سے دو جائز اور دونا جائز اور یہاں فرائض میں چاروں؛ بلکہ چھٹوں جائز؛ مگر فرضیت باطل اور نفلیت قائم دونوں میں کیا فرق ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اس کی چار رکعتیں ہوگئیں اور قعدہ اولیٰ نوافل میں مطلقاً فرض نہیں؛ بلکہ اس وقت فرض ہوتا ہے کہ رکعت اخیرہ بعد واقع ہو اور جس وقت کہ یہ شخص تیسری رکعت میں کھڑا ہوگیا تو معلوم ہوا کہ یہ محل قعدہ فرض کا نہ تھا؛ بلکہ قعدہ اس جگہ واجب تھا، جیسا کہ فرائض میں بھی واجب ہوتا ہے۔ پس اس کا انجبار سجدۂ سہو سے ہوسکتا ہے، نفل میں بھی اور فرض میں بھی۔ ہاں! اگر مصلی تیسری رکعت کے قیام سے قعدہ اولیٰ کی طرف لوٹ آیا تو معلوم ہوا کہ یہ قعدہ قعدہ اخیرہ تھا، جو فرض ہے۔ پس اس وقت میں قیام سے تاخیر فرض ہوئی؛ اس لیے انجبار اس کا سجدۂ سہو سے ہوجائے گا اور فرض میں قعدہ اولیٰ کا وجوب اور ثانیہ رکن ہوتا ہے۔ مستر داور موقوف فعل مصلی پر نہیں؛ بلکہ قعدہ اخیرہ یعنی ثنائی میں دو رکعت کے بعد اور ثلاثی میں تین رکعت کے بعد اور رباعی میں چار رکعت کے بعد قعدہ ہر حال فرض ہے۔ مصلی اگر اس موقوف سے تجاوز کرے تو قبل اس کے کہ رکعت زائدہ کو مقید بسجدہ کرے، دو رکعت محل رفض ہے، اس کو چھوڑ سکتا ہے اور جب اس کو مقید بسجدہ کر دیا تو اب یہ رکعت ثانیہ ہوکر قابلیت فرض سے نکل گئی تو اس میں متحقق ہوگیا کہ مصلی نے قعدۂ مفروضہ کو چھوڑ دیا پس فرضیت باطل ہوگئی؛ مگر نفلیت کا بطلان اس وجہ سے نہیں ہوا کہ اس میں یہ قعدہ فرض نہ تھا؛ کیوں کہ یہ رکعت وسط صلوٰۃ میں واقع ہوئی ہے، نہ اخیر میں۔

قال فی رد المحتار تحت (قوله: والقعود الأوّل): ولو فی نفل فی الأصح. (۱)

اور اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے:

لأنه وإن کان کل شفع منه صلاة علٰی حدة حتٰی افترضت القراءة فی جمیعه لکن القعدة إنما فرضت للخروج من الصلاة فإذا قام إلی الثالثة تبین أن ما قبلها لم یکن أو أن الخروج من الصلاة فلم تبق القعدة فریضة، انتهٰی کلامه. (۲)

---

(۱) ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴٦٥، دار الفکر بیروت، انیس
درمختار میں اس قول کے تحت قعدہ اولیٰ اگرچہ نوافل میں ہو۔

(۲) ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴٦٥، دار الفکر بیروت، انیس
اس لیے کہ اگرچہ وہ اس کی ہر دو رکعت مستقل علاحدہ نماز ہے اور اسی لیے قرأت اس کی کل رکعات میں فرض ہے؛ لیکن قعدہ کی فرضیت صرف نماز سے نکلنے کے لیے ہے تو جب وہ تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو ظاہر ہوگیا کہ اس سے ماقبل نماز سے نکلنے کا وقت نہ تھا، لہٰذا وہ قعدہ اولیٰ فرض نہ رہا۔

پس اس سے معلوم ہوگیا کہ چار رکعت اس کی ہوگئیں اور قضا نہ آوے گی، نہ دو کی نہ چار کی۔ پس ان صاحب کا قول غلط ہوگیا کہ جو فرماتے ہیں کہ دو کی قضا آوے گی اور دونوں صورتوں میں فرق بھی ظاہر ہوگیا اور یہ جواب موافق مذہب شیخین کے ہے اور امام محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ونفل میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ فرائض باطل ہوگئے، ویسے ہی اصلی صلوٰۃ باطل ہوگی۔ پس ان کے مذہب کے موافق سرے سے سوال ہی وارد نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ ''**كل شفع منه صلاة على حدة**''(۱) کلیہ نہیں؛ بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے ہے۔

قال في رد المحتار: وكون كل شفع صلاة على حدة ليس مطرداً في كل الاحكام ولذا لو ترك القعدة الأولٰى لا تفسد خلافًا لمحمد رحمه الله.(۲) انتھی فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۲۶-۳۲۸)

سنن ونوافل میں قعدہ اولیٰ کے ترک سے سجدۂ سہو:

سوال: چار رکعت والی سنت کے قعدہ اولیٰ، یا دو رکعت والی سنت ونفل کے اندر ''التحیات'' بھول جائے، پھر اس کی حالت میں بیٹھ کے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے تو اس کی نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

چار رکعت والی سنت میں قعدہ اولیٰ اور تشہد واجب ہے،اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہے اور نفل میں دو رکعت پر قعدہ فرض ہے،اس کے ترک سے نماز درست نہ ہوگی۔ پس اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگا تو سجدہ سے پہلے پہلے جب یاد آئے،فوراً بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے، اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو چوتھی رکعت بھی اس کے ساتھ ملائے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر دے؛لیکن اس صورت میں دو رکعت معتبر ہوں گی اور پہلی دو رکعت قعدہ ترک ہونے کی وجہ سے فاسد ہوں گی اور اسی تحریمہ پر شفعہ ثانیہ کی بناء صحیح ہوگی؛(۳) مگر سجدہ سہو ضروری ہوا، تشہد بہر حال واجب ہے،اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

---

(۱) ردالمحتار،مطلب: لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وقفتها رواية: ٤٦٥/١،دارالفكر بيروت،انيس
نفل کی ہر دو رکعت مستقل علاحدہ نماز ہے۔

(۲) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب النوافل،مطلب: قولهم كل شفع من النفل صلاة ليس مطرداً،انيس)
ردالمحتار میں ہے کہ ہر دو رکعت کا مستقل نماز ہونا تمام احکام میں ضروری نہیں اور اسی لیے اگر کسی نے قعدہ اولیٰ چھوڑ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی،اس میں محمد رحمۃ اللہ کا اختلاف ہے۔

(۳) قال الحلبي: "(وإن صلٰى أربع ركعات بتسلمية واحدة،وإنه لم يقعد علٰى ركعتين،تجزئ عن تسليمة واحدة، وهو المختار...لأن القعدة علٰى رأس الثانية فرض في التطوع،فإذا تركها،كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً، كما هو قول محمد وزفر وهو القياس،وإنما جاز علٰى قول أبي حنيفة وأبي يوسف استحساناً فأخذنا بالقياس في فساد الشفع الأول وبالاستحسان في حق بقاء التحريمة،وإذا بقيت صح شروعه في الشفع الثاني،وقد أتمه بالقعدة فجاز عن تسلمية واحدة ".(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،ص: ٣٥٤،دار الكتاب ديوبند،انيس)

قعود واجب اگر سہو چھوڑ دیا اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، اس کے بعد یاد آیا تو بیٹھنا نہیں چاہیے، اگر بیٹھے گا تو اس میں فقہا کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ نماز فاسد ہو جائے گی؛ کیوں کہ فرض کو ترک کر کے واجب کی طرف عود کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فاسد نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہاں فرض کو ترک نہیں کیا؛ بلکہ مؤخر کیا ہے۔

(سها عن القعود الأول من الفرض) ولو عملياً، أما النفل فيعود ما لم يقيد بالسجدة، (ثم تذكره، عاد إليه) وتشهد، ولا سهو عليه فی الأصح (ما لم يستقم قائمًا) فی ظاهر المذهب، وهو الأصح، فتح، و(إلا) أی وإن استقام قائمًا (لا) يعود لاشتغاله بفرض القيام (وسجد للسهو) لترک الواجب، فلو عاد إلى القعود بعد ذلک (تفسد صلاته) لرفض الفرض لما ليس بفرض، وصححه الزيلعي، (وقيل: لا) تفسد لكنه يكون مسيئا، ويسجد لتأخير الواجب (وهو الأشبه) كما حققه الكمال، وهو الحق، إلخ". (الدرالمختار: ۷۷۹/۱) (۱)

اور ایک قول پر نفل میں قعدہ اولیٰ واجب ہے، فرض نہیں۔

"والقعدة الأولىٰ ولو فی نفل فی الأصح، خلافًا لمحمد رحمه اللّٰه تعالىٰ فی افتراضه قعدة كل شفع نفل، آه". (ردالمحتار: ٤٨٥/١) (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۴/ شوال/ ۱۳۵۶ھ/ جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۴۲۴-۴۲۶)

نوافل کی چار رکعت کی نیت کی اور پہلا قعدہ بھول گیا تو؟

سوال: اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور وسط کا قعدہ نہ کیا سہو سے اور تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہو گیا تو یاد آیا کہ قعدہ نہیں کیا تو اب کیا کرے، آیا بیٹھ کر التحیات پڑھے، یا بعد چاروں رکعت کے سجدہ سہو کرے؟

الجواب

بیٹھ کر تشہد پڑھ کر، پھر آخر میں سجدہ سہو کرے۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۱۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۳)

ترک تشہد اول کا حکم:

سوال: ترک تشہد اول سے نماز ہوئی، یا نہیں اگر سجدۂ سہو بھول کر نہ کیا ہو؟

الجواب

نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/ ۴۱۸)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۳-۸٤، سعيد

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، مطلب: لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية: ٤٦٥/١، دارالفكر بيروت، انيس

(۳) ومنها قراءة التشهد فإنها واجبة فی القعدتين الأولىٰ والأخيرة وإلىٰ هٰذا مال صاحب الهداية فی باب سجود السهو فأوجب السجود بترک التشهد فی القعدة الأولىٰ. (غنية المستملی، ص: ۲۹۰)

قعدۂ آخر میں شبہ ہو کہ قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تو کیا کرے:

سوال: نماز کے قعدۂ اخیرہ میں شبہ ہوا کہ قعدۂ اولیٰ کیا ہے، یا نہیں؟ تو سجدۂ سہو کرے، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۱۷)

دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں:

سوال: چار رکعت والی نماز میں امام اگر دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو جائے اور مقتدیوں کے یاد دلانے پر بیٹھ جائے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جب بھی امام، یا منفرد نماز میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ جائے، یا بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہے۔ اس دوسری رکعت میں جب امام کھڑا ہو جائے تو اس کو بیٹھنا نہیں چاہیے؛ بلکہ سجدۂ سہو کرے۔ صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو لازم ہے۔ (فتاوی قاضی خاں)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۴/۲/۱۳۷۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۲۴)

اگر چار رکعت میں قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تو سجدۂ سہو سے نماز ہو گئی:

سوال: اگر چار رکعت نفل کی نیت کی تھی اور دو رکعت کے بعد قعدہ وسط کا نہ کیا اور تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہو گیا، پھر چاروں رکعت کے بعد اخیر میں سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

[نماز] ہو گئی۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۱۱)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۷۷)

پہلا قعدہ چھوٹ جائے:

سوال: چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت سے سیدھے قیام میں چلے جائیں، قعدۂ اولی نہ کریں تو کیا اس نماز کو مکمل کرنا چاہیے؟ یا از سر نو نماز ادا کرنی چاہیے؟ (کے، ایم، عبدالباسط قادری رضوی، مشیر آباد)

---

(۱) وسجود السهو يتعلق بأشياء (منها) إذا قعد فيما يقام فيه أو قام فيما يجلس فيه و هو إمام أو منفرد، أراد بالقيام اذا استتم قائمًا أو كان إلى القيام أقرب فإنه لا يعود إلى القعدة. (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية، فصل فيما يوجب السهو وما لا يوجب السهو: ۱/۱۲۰، انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس صورت میں از سر نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، پہلا قعدہ واجب ہے اور واجب کے چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے، لہٰذا اسی نماز کو مکمل کرتے ہوئے اخیر میں سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔

''ويجب إذا قعد فيما يقام أو قام فيما يجلس فيه وهو إمام أو منفرد أراد بالقيام إذا استتم قائمًا أو كان إلى القيام أقرب فإنه لايعود إلى القعدة،هٰكذا في قاضی خان وسجد للسهو''.(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۴۳۶/۲)

اگر قعدۂ اولیٰ چھوٹ گیا:

سوال: امام نے چار رکعت والی نماز میں غلطی سے جلسۂ اولیٰ نہیں کیا، تیسری رکعت میں جلسہ کیا جا سکتا ہے؟ اس کے بعد اگر چوتھی رکعت میں سجدۂ سہو بعد التحیات کرے تو نماز کامل ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر پہلا قعدہ (یعنی دو رکعت کے بعد بیٹھ کر جو تشہد پڑھتے ہیں) بھول گیا تو تیسری رکعت کے بعد قعدہ نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ چوتھی رکعت کے بعد۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۵۳/۵/۱۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۲۳/۲-۲۲۴)

قعدہ اولیٰ بھولنے اور تیسری رکعت میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو:

سوال: امام سہوا قعدۂ اولیٰ کے بجائے رکعت ثالثہ کے لیے کھڑا ہو گیا اور فاتحہ بالجہر شروع کر دی، دیر بعد یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے؛ اس لیے جہر بالقرأۃ کے بجائے بالسر شروع کر دی اور سجدۂ سہو بھی کر لیا، آیا نماز صحیح ہوگئی، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جس وقت یاد آیا تھا، اسی وقت سلام پھیر دینا افضل ہے۔ آیا زید قول صحیح ہے، یا نہیں؟

(سائل: فرخ احمد، چاٹگامی، متعلم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور)

---

(۱) الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،(الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۷/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس
قلت: أرأيت رجلاً صلى فقام فيما يقعد فيه أو قعد فيما يقام فيه؟ قال: يمضي على صلاته، وعليه سجدتا السهو.(الأصل للشيباني،باب السهو في الصلاة وما يقطعها: ۱۹۳/۱،دارابن حزم بيروت،انيس)
(وَمَنْ سَهَا عَنْ قِيَامٍ أَوْ قُعُودٍ فَعَلَيْهِ سُجُودُ السَّهْوِ) لِحَدِيثِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ –رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا – أَنَّ النَّبِيَّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –قَامَ مِنْ الثَّانِيَةِ إلَى الثَّالِثَةِ وَلَمْ يَقْعُدْ فَسَبَّحُوا لَهُ فَلَمْ يَعُدْ وَسَجَدَ لِسَهْوِهِ.(المبسوط للسرخسي،باب سجود السهو: ۲۲۰/۱،دارالمعرفة بيروت،انيس)

(۲) ولا يجب السجود إلابترك واجب أوتأخيره أوتأخير ركن أوتقديمه أوتكراره أوتغييرواجب بأن يجهر فيما يخافت''(الفتاوى الهندية،الباب الثاني عشرفي سجود السهو: ۱۲۶/۱ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی، قعدہ اولیٰ واجب ہے اور تیسری رکعت میں اسرار واجب ہے، دو واجب بھول کر ترک کرنے سے ایک سجدۂ سہو کافی ہوجاتا ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۷/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۲۱)

امام قعدۂ اولی بھول جائے تو کیا کرے:

سوال: چار رکعت والی نماز میں امام صاحب قعدۂ اولی میں بیٹھنا بھول گئے اور قیام میں چلے گئے، پیچھے سے مقتدی کے لقمہ دینے سے قعدہ میں بیٹھ گئے تو کیا سجدۂ سہو کرنے سے نماز درست ہوجائے گی، یا دہرانی ہوگی؟

(حافظ محمد عبدالواحد، بہادر پورہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایسی صورت میں امام صاحب کو قعدہ میں لوٹے بغیر نماز پوری کرلینی چاہیے تھی، اخیر میں سجدۂ سہو کرلیتے، یہی کافی ہوجاتی، قیام میں پہونچنے کے بعد پھر قعدۂ اولی میں واپس لوٹ آیا تو یہ فرض سے واجب کی طرف لوٹنا ہوا؛ لہذا نماز فاسد ہوجائے گی اور دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"ثم لو عاد في موضع وجوب، عدمه، قيل: الأصح أنها تفسد لكمال الجناية، برفض الفرض لما ليس بفرض". (فتح القدير: ۱/۵۰۹)(۲)(کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۳۷)

قعدۂ اولی کے بغیر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونے میں امام کی اتباع واجب ہونے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت والی نماز میں امام نے بھولے سے قعدۂ اولیٰ نہ کیا اور کھڑا ہوگیا تو مقتدیان قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر قیام کے واسطے کھڑے ہوں یا بغیر تشہد پڑھنے کے امام کی تابعداری کے لئے قیام کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار: خمس يتبع فيها الإمام قنوت وقعود أول. (۳)

---

(۱) (قوله: وإن تكرر) حتٰى لو ترك جميع واجبات الصلاة سهوًا، لايلزمه إلا سجدتان، بحر. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۰، دارالفكر بيروت، سعيد)

(۲) كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۵۲۵، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۱/۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

فی ردالمحتار: قوله(وقعود أول)الظاهر أنه ينتظر إمامه إلٰى أن يصير إلى القيام أقرب لاحتمال عوده قبله ثم يتابعه؛ لأن الإمام إذا عاد حينئذٍ تفسد صلاته علٰى أحد القولين ويأثم على القول الآخر وليس للمقتدى أن يقعد ثم يتابعه؛ لأنه يكون فاعلاً ما يحرم على الإمام فعله ومخالفًا له فى عمل فعلى بخلاف ما إذا قام الإمام قبل فراغ المقتدى من التشهد فإنه يتمه ثم يتابعه؛ لأن فى اتمامه متابعة لإمامه فيما فعله الإمام فافهم. (۷۰۲/۱ ـ۷۰۳)(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں مقتدی تشہد ترک کر کے امام کی متابعت کرے۔

۲۳/رمضان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۹۶) (امدادالفتاویٰ جدید:۵۵۰/۱)

امام قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہوا، پھر بیٹھ گیا، کیا حکم ہے:

سوال: امام قعدہ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا، پھر متنبہ کرنے پر بیٹھ گیا اور سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر امام نے سہواً قعدہ اولیٰ نہ کیا، کھڑا ہو گیا، بعد متنبہ کرنے کے بیٹھ گیا اور سجدۂ سہو کر لیا تو صحیح قول کے موافق اس کی نماز ہو گئی؛ لیکن اس کو لوٹنا نہ چاہیے تھا، یہ اس نے بُرا کیا۔ بعض فقہا نے اس صورت میں فسادِ نماز کا حکم کیا ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۷/۴)

قیام سے قعود کی طرف رجوع کرنے سے سجدۂ سہو:

سوال: چار رکعت فرض میں امام صاحب قعدہ اولیٰ کرنا بھول گئے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے پھر بیٹھ گئے، اس میں رجوع من الاعلیٰ اِلی ادنی ہوا، اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے، صحیح ہوئی یا نہیں؟ امام صاحب گنہگار رہوں گے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مسلک کیا ہے اور مفتی بہ قول کیا ہے؟ ولی محمد یوسف

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

ارجح یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، سجدۂ سہو لازم ہوگا، یہ اعلیٰ سے ادنی کی طرف رجوع ہونا اعلیٰ کو ترک کرنے کے لیے نہیں؛ بلکہ اعلیٰ کو کامل طریقہ پر ادا کرنے کے لیے ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فى القنوت للنازلة: ٤٤٩/٢، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) (وإلا)أى وإن استقام قائماً(لا)يعود لاشتغاله بفرض القيام(وسجد للسهو)لترك الواجب (فلوعاد إلى القعود)بعد ذلك(تفسد صلاته)لرفض الفرض لما ليس بفرض وصححه الزيلعى(وقيل لا)تفسد لكنه يكون مسيئاً ويسجد لتأخير الواجب(وهوالأشبه) كما حققه الكمال وهوالحق، بحر، آه. (الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ٨٤/٢، دار الفكر، بيروت، انيس)

(وإن عـاد)الساهـى عـن الـقـعـود الأول إليه(بعد ما استتم قائمًا،اختلف التصحيح فى فساد صلٰوته)و أرجحهما عدم الفساد...قد بالغ فى المنتقٰى فى رد القول بالفساد،وجعله غلطا؛لأنه تأخير لا رفض،إلخ. (۱)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۳۴-۴۳۵)

اگر بھول سے تیسری رکعت کے لیے نصف کھڑا ہوکر بیٹھ جائے:

سوال: امام صاحب بجائے قعدہ اولیٰ میں بیٹھ کر بھول کر تیسری رکعت کے لیے نصف کھڑے ہونے پائے تھے کہ لقمہ دینے پر بیٹھ گئے تو ان کو سجدہ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟ اگر نہ کیا تو نماز باطل ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اگر امام صاحب اتنے کھڑے ہو چکے تھے کہ ٹانگیں سیدھی ہوگئی تھیں، اگر چہ پشت وغیرہ سیدھی نہیں ہوئی تھی اور اس حالت کے بعد پھر بیٹھ گئے، تب تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر نہ کیا تو نماز باطل تو نہ ہوگی؛ مگر وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا اور اگر اعادہ نہ کیا اور وقت گذر گیا تو پھر بطور قضا اعادہ نہ کیا جائے۔

قـال الشـامـى:وأمـا إذا عـادوهـو إلـى الـقيام أقرب فعليه سجود السهو(إلٰى قوله)إن استوٰى النصف الأسفل وظهر بعد منحن فهو أقرب إلى القيام. (۲)

وقـال فـى الأشبـاه والنظائر:كل صلاة أديت مع الكراهة تعاد فى الوقت وفى الهداية مثله إلا أنه كم يقيد بكونه فى الوقت. (۳)

---

(۱) حـاشية الـطـحـطـاوى عـلٰـى مـراقى الفلاح،باب سجود السهو،فصل فى إسقاط الصلاة والصوم: ۲/٤٦٧، دارالكتب العلمية بيروت،،انيس

(۲) ردالمحتار،كتاب الصلٰوة،باب سجود السهو: ۲/ ۸۳-۸٤،دارالفكر بيروت،انيس

(۳) كُـلُّ صَلاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ تَرْكِ وَاجِبٍ أَوْ فِعْلِ مَكْرُوهٍ تَحْرِيمًا، فَإِنَّهَا تُعَادُ وُجُوبًا فِي الْوَقْتِ، فَإِنْ خَرَجَ لَا تُعَادُإذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ إمَامِهِ فَإِنَّهُ يَعُودُ إلَى السُّجُودِ.(الأشباه والنظائر،كتاب الصلاة: ١٤٠،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(ولـو لبـس فيـه ثـوبـا فيـه تصاوير يكره) أنه يشبه حامل الصنم والصلاة جائزة فى جميع ذلك لاستجماع شـرائـطهـا وتعاد على وجه غير مكروه وهذا الحكم فى كل صلاة أديت مع الكراهة.(الهداية،فصل ويكره للمصلى، الخ: ٦٥/١،دار إحياء التراث العربى بيروت،انيس)

يـجـب أن يـعـلـم بـأن الصورة نوعان؛ صورة جماد كالشجر ونحوه، وصورة حيوان، فصورة الجماد لا يكره اتـخـاذهـا والصلاة إليها صغيرة كانت أو كبيرة؛ لأن الصلاة إلى مثل هذه الصورة لا تشبه التعبد؛ لأن مثل هذه لا تعبدمع هذا إذا صلى فى هذه الوجوه لا يحكم بفساد صلاته لاستجماع شرائطها وأركانها، ولكن ينبغى أن يقال: ==

اور اگر اس قدر کھڑے نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ اس سے کم کھڑے ہوئے تھے اور پھر بیٹھ گئے تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔

قال الشامی: إذا عاد قبل أن يستتم قائماً و كان إلى القعود أقرب فإنه لاسجود عليه فی الأصح وعليه الأكثر. (۱) (امداد المفتین: ۳۱۶/۲)

گھٹنے زمین سے اٹھ گئے؛ مگر سیدھا کھڑا نہ ہوا تو کیا کرے:

سوال: اگر سیدھا کھڑا نہ ہوا اور گھٹنے زمین سے علاحدہ ہو گئے ہوں، کھڑا ہونے اور بیٹھنے کے درمیان کی حالت ہو تو اس کو لوٹ آنا چاہیے، یا کھڑا ہو جانا چاہیے اور سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں اور اس کو اعادہ کرنا پڑے گا، یا نہیں؟

الجواب

اس حالت میں لوٹ آنا چاہیے اور قعدہ کرنا چاہیے اور سجدۂ سہو واجب نہیں۔

كما فی الدر المختار: (عاد إليه) وتشهد ولاسهو عليه فی الأصح (ما لم يستقم قائماً) فی ظاهر المذهب وهو الأصح، فتح. (۲)

اور دوسرا قول اس کے مقابل یہ ہے کہ اقرب الی القعود ہو تو بیٹھ جائے اور اقرب الی القیام ہو تو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے۔ (۳) فقط (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳۸۸/۴)

== تـجـب بـالإعادة على غير وجه الكراهة، وكذلك الحكم فی كل صلاة أديت مع الكراهة؛ هكذا ذكره القاضی الإمام صدر الإسلام رحمه الله، وذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلوانی رحمه اللّٰه نحو ما ذكره صدر الإسلام فی مسألة أخرى. (المحيط البرهانی، الفصل الرابع فی الصلاة والتسبيح: ۳۱۰/۵، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۳/۲، دار الفكر، انيس

وذكر أبو يوسف رحمه اللّٰه فی الأمالی: أنه إذا تذكر قبل أن يستتم قائماً إن كان إلى القعود أقرب فإنه يعود ويقعد؛ لأنه كالقاعد من وجه، وإن كان إلى القيام أقرب لا يعود كما لو استتم قائماً، ولو كان إلى القعود أقرب وعاد وقعد هل يلزمه سجود؟ حكى الشيخ الإمام أبی بكر محمد بن الفضل رحمه اللّٰه أنه قال: لا يلزمه سجود السهو؛ لأنه إذا كان إلى السجود أقرب فكأنه لم يقم، وقال غيره: يلزمه سجود السهو؛ لأنه أخر الواجب عن وقته لما اشتغل بالقيام، فيلزمه سجود السهو، كذا ذكر الشيخ الإمام المعروف بخواهر زاده رحمه اللّٰه قال شمس الأئمة: ومشايخنا رحمهم اللّٰه استحسنوا رواية أبی يوسف رحمه اللّٰه. (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، الفصل السابع عشر فی سجود السهو: ۵۱۰/۲، دار إحياء التراث العربی بيروت، انيس)

(۲) الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۸۳/۲-۸۴، دار الفكر بيروت، ظفير

(۳) حكى الشيخ الإمام أبی بكر محمد بن الفضل رحمه اللّٰه أنه قال: لا يلزمه سجود السهو؛ لأنه إذا كان إلى السجود أقرب فكأنه لم يقم، وقال غيره: يلزمه سجود السهو؛ لأنه أخر الواجب عن وقته لما اشتغل بالقيام، فيلزمه سجود السهو. (المحيط البرهانی، الفصل السابع عشر فی سجود السهو: ۵۱۰/۲، بيروت، انيس)

اگر گھٹنا کھڑا نہیں کیا تو بیٹھ جائے:

سوال: اگر سیدھا کھڑا نہ ہوا اور نہ اس کے گھٹنے زمین سے علاحدہ ہوئے، اس صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیے، آیا قعدہ کرے، یا کھڑا ہو جائے؟

الجواب

قعدہ کرے اور سجدۂ سہو واجب نہیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم:۴/۳۸۷-۳۸۸)

☆ ☆ ☆

(۱) سهـا عـن القعود الأول من الفرض ولوعمليًا أما النفل فيعود ما لم يقيد بالسجدة ثم تذكره عاد إليه وتشهد ولاسهـو عـليه فى الأصح ما لم يستقم قا ئمًا فى ظاهر المذهب هو الأصح.(الدر المختارعلىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب سجود السهو:۲/۸۳-۸۴،دارالفكر بيروت،انيس)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پر بدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد/مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبدالحیٔ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحیٔ نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
	﴿قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)﴾		
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد المحلی	۸۶۴ھ
		جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۹)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۱)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۲)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۳)	کیف یجب علینا ان نفسر القرآن الکریم	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ
	﴿عقائد (مع شروحات)﴾		
(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۸)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
	﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾		
(۲۰)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۱)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۲)	موطأ امام مالک	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۳)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۴)	الزہد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۵)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۶)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۸)	مسند الشافعی بترتیب السندی السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۹)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۰)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۱)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۲)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۳)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۴)	مصنف ابن ابی شیبہ رمسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۵)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۶)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۷)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۸)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۳۹)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۰)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۱)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ
(۴۲)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۳)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۴)	سنن ابوداؤد رمراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۵)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۶)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۷)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۴۸)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۴۹)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۰)	السنۃ	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۱)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۵۲)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۳)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۴)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۵)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۶)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۷)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۵۸)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۵۹)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۰)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۱)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۲)	التوحید	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۳)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۴)	مسند السراج رحدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۵)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۶)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶۷)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶۸)	مکارم الأخلاق رمساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۶۹)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۰)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۱)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۲)	المعجم الأوسط رالمعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۳)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۴)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۵)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۶)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۷۷)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۸)	شرح مذاھب أھل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۹)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۰)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۱)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسافوری	۴۰۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۸۲)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۳)	شرح أصول اعتقادأهل السنة والجماعة	ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبر ی الرازی اللا لکائی	۴۱۸ھ
(۸۴)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۵)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۶)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	۴۳۰ھ
(۸۷)	مسند الشھاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصر ی	۴۵۴ھ
(۸۸)	السنن الکبریٰ رالسنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۸۹)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۰)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۱)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	المدخل إلی السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمر ی القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۴)	تفسیر غریب مافی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۵)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسر والدیلمی الھمدانی	۵۰۹ھ
(۹۶)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۹۷)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمر قندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۹۸)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۹۹)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۰)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۱)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۲)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۳)	الجوھر النقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المار دینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۴)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۵)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الھدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۶)	البدر المنیر رمختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصر ی	۸۰۴ھ
(۱۰۷)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۰۸)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۰۹)	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۱۱۰)	الدراية فی تخریج احادیث الهداية	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۱)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۲)	المقاصد الحسنة	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۳)	الجامع الصغیر/الفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۴)	تنویر الحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۵)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامة محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱٦)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۱۷)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ
	﴿شروح وعلل حدیث﴾		
(۱۱۸)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۱۹)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	٦۷٦ھ
(۱۲۰)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۲۱)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیرازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۲)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۳)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۴)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۵)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲٦)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۷)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۲۸)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۲۹)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۰)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
	الآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۱)	مصباح الزجاجة شرح سنن ابن ماجة	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۲)	ارشاد الساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۳)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۴)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۳۵)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۶)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۳۷)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالھادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۸)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالھادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۹)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۰)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۱)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۲)	مظاہر حق	نواب قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۴۳)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۴)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۵)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۶)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۷)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۴۸)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۴۹)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۰)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۱)	المنھل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۲)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۳)	فیض الباری شرح البخاری	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۴)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۵۵)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۵۶)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۷)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۵۸)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۵۹)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۰)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ

﴿سیرت وشمائل﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۶۱)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۶۲)	سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۶۳)	لمواهب اللدنية بالمنح المحمدية	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۶۴)	شرح المواهب اللدنية	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
		﴿کتب فقہ احناف﴾	
(۱۶۵)	الحجة علی اهل المدينة	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۶)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۷)	الجامع الصغير	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۸)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶۹)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۰)	عيون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۷۱)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۷۲)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۷۳)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۴)	شرح السير الكبير	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۵)	تحفة الفقهاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۷۶)	خلاصة الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۷۷)	المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۷۸)	بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۷۹)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۰)	بداية المبتدی وشرحه الهداية	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۸۱)	قنية المنية لتتميم الغنية	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۲)	المجتبیٰ شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۳)	تحفة الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۸۴)	مجمع البركات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۸۵)	الوقاية (وقاية الرواية)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۸۶)	الاختيار لتعليل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۸۷)	الفتاویٰ الغياثية	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۸۸)	مجمع البحرين وملتقى النيرين	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۸۹)	منية المصلی وغنية المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۰)	کنزالدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۱۹۱)	تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۱۹۲)	شرح مختصرالوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۹۳)	النقایۃ مختصرالوقایۃ	صدرالشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۹۴)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۱۹۵)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۱۹۶)	جامع المضمرات شرح مختصرالقدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۱۹۷)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۱۹۸)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۱۹۹)	السراج الوہاج فی شرح مختصرالقدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۰)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصرالقدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۱)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۰۲)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۰۳)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۰۴)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۰۵)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۰۶)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۰۷)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصرالقدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۰۸)	دررالحکام شرح غررالأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۰۹)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۱۰)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیرخان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۱۱)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۲)	الصغیری/الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۳)	جامع الرموز شرح مختصرالوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۱۴)	البحرالرائق فی شرح کنزالدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۱۵)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۱۶)	تنویرالأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۱۷)	النہر الفائق شرح کنزالدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۱۸)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۱۹)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۰)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۲۱)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۲۲)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۳)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۴)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۵)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۲۶)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۲۷)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۲۸)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۲۹)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۰)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۱)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۲۲۱ھ کے بعد
(۲۳۲)	مالا بد منہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۳۳)	رد المحتار حاشیۃ الدر المختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۴)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۵)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۶)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۷)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۳۸)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۳۹)	غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
	ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--
(۲۴۰)	التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۴۱)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۴۲)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۳)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۴)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۴۵)	حاشیہ علی الهدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۶)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۷)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۸)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۹)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۰)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۱)	علم الفقہ	عبدالشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۵۲)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۳)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۴)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۵۵)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۵۶)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۵۷)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۵۸)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۵۹)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۶۰)	رکعات تراویح	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	۱۴۱۳ھ
(۲۶۱)	نماز مسنون کلاں	مولانا عبدالحمید سواتی	۱۴۲۹ھ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۶۲)	المدونہ	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۶۳)	کتاب الام	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۶۴)	المحلی بالآثار	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۶۵)	نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۶۶)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۶۷)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۶۸)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۶۹)	فتاویٰ النووی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۷۰)	المقنع رالشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۷۱)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۷۲)	المدخل	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۳)	شرح العباب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۷۴)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۷۵)	کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ	عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابوالشیخ موسی الشعرانی الحنفی	۹۷۳ھ
(۲۷۶)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۷۷)	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۲۷۸)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۷۹)	فتح المعین بشرح قرۃ العین	زین الدین احمد بن عبدالعزیز بن زین الدین بن علی بن احمد الملیباری الہندی	۹۸۷ھ
(۲۸۰)	فتاوی واجدین نسفی		
(۲۸۱)	ہدایۃ السائل/الانتقاد الرجیع/بدور الاہلہ	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
		فقہ مقارن	
(۲۸۲)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۳)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۸۴)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--
		اصول فقہ	
(۲۸۵)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ
(۲۸۶)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۸۷)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۸)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۲۸۹)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۹۰)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۹۱)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۲۹۲)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۲۹۳)	نور الانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۲۹۴)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۹۵)	تنویر المنار (فارسی)	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۹۶)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۲۹۷)	فقہ السنۃ	مولانا محمد عاصم صاحب	--
		تزکیہ واحسان	
(۲۹۸)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۲۹۹)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۰۰)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبي صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۱)	الفتح الربانی	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبي صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۲)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۰۳)	الأذکار للنووی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۳۰۴)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۰۵)	الزواجرعن إقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۰۶)	دلیل الواعظ إلی أدلۃ المواعظ	شحاتۃ محمد صقر	--

﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۰۷)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۰۸)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۰۹)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۰)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۱)	التعریفات الفقھیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۱۲)	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۳۱۳)	معجم لغۃ الفقہاء	محمد رواس قلعہ جی/حامد صادق قنیبی	مدظلہ
(۳۱۴)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدینؒ	--

﴿متفرقات﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۵)	ماثبت من السنۃ	عبدالحق مسکین بن سیف الدین بن سعداللہ دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۳۱۶)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۱۷)	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۱۸)	رسالہ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۳۱۹)	ایضاح الادلۃ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ
(۳۲۰)	دین کی باتیں	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۲۱)	رسالہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات	مفتی کفایت اللہ دہلوی	۱۳۷۲ھ
(۳۲۲)	سنی بہشتی زیور	محمد خلیل خاں برکاتی	۱۹۸۵ء
(۳۲۳)	آئینۂ نماز	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری	۱۹۹۹ء
(۳۲۴)	آسان فقہ	محمد یوسف صاحب اصلاحی	
(۳۲۵)	مسائل سجدۂ سہو	مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی	مدظلہ

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند، جلد-۱۳'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)